نام کتاب	عظمت ناموس رسالت
نام مولف ومصنف	سید محمد حسین زیدی برستی
ناشر	ادارہ نشر واشاعت حقائق الاسلام چنیوٹ
تعداد	ایک ہزار
طبع	اول
مطبع	معراج دین پرنٹنگ پریس لاہور

اظہار تشکر

اس کتاب کی اشاعت میں تعاون فرمانے پر خداوند تعالیٰ

جناب میر ضمیر الحسن ووالدین (U.K)

میر رجب علی ووالدین

ملک سجاد حسین ووالدین

کو درازی عمر صحت وسلامتی کے ساتھ عطا فرمائے۔اور ان کے رزق میں اضافہ اور درجات بلند کرے اور ان کے مرحومین میر لراسب حسین۔میر گل حسین۔ملک عبدالرحیم میر منظور حسین۔میر جمشید علی۔میر ملازم حسین۔میر عظیم۔میر مشتاق حسین۔شاہ بیگم۔رابعہ بی ودیگر فیملی حضرات جو وفات پا گئے اور وہ جن کا کوئی دعا کرنے والا نہیں خداوند تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے (آمین)۔

فہرست

مقدمہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر کفار ومشرکین کی نظر میں

اعلان نبوت سے پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علی وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کی چالیس بہاریں مکہ کی سرزمین میں کفار ومشرکین کے درمیان گزاریں۔ اور جب چالیس سال کی عمر میں کوہ صفا پر چڑھ کر تمام قبائل قریش کو پکارا تو ان کے سامنے پہلے مرحلہ میں یہ نہیں کہا کہ میں نبی ہوں، یا خدا نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے، یا مجھ پر وحی آئی ہے کہ میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ بلکہ پیغمبر اکرمؐ نے تمام قبائل قریش یعنی کفار ومشرکین مکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کے برابر سے شاہسواروں کا ایک گروہ نکلا چاہتا ہے تو کیا تم مان لو گے، لوگ یک آواز بولے ہم نے آپ کی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں سنا" جواہر اسلام شیخ محمد اقبال دوسرا ایڈیشن صفحہ 158

اور ترجمہ تاریخ طبری محمد ابراہیم ندوی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ:

"جب سب لوگ جمع ہو گئے آپ نے فرمایا: اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں زبردست رسالہ حملہ کے لئے برآمد ہونے والا ہے، تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے کہا، آج تک ہم اس بات سے واقف نہیں کہ تم نے کبھی جھوٹ بولا ہو"

ترجمہ تاریخ طبری جلد اول صفحہ 88

پیغمبر اکرم صلعم نے اپنی چالیس سالہ زندگی میں کفار قریش سے صادق اور امین کا لقب پایا اور کفار ومشرکین نے اس چالیس سالہ زندگی میں کوئی بھی لغزش پیغمبرؐ سے نہیں دیکھی تھی۔ ورنہ وہ ہر اس بات پر جس کی پیغمبرؐ تبلیغ کر رہے تھے یہ کہتے کہ اے محمدؐ کل

تک تو تم خود یہ کام کیا کرتے تھے، آج تم یہ بات کس منہ سے کہہ رہے ہو، پیغمبرؐ کے صادق و امین ہونے کی یہ تصویر ایسی ہے جو کفار و مشرکین کی زبان سے بیان کردہ تاریخ و سیرت کی تمام کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کی تصویر قرآن کی نظر میں

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے پیغمبرؐ کی کیا تصویر دکھائی ہے:

ا) سورۃ القلم میں ارشاد ہوتا ہے: **انک لعلی خلق عظیم** (القلم۔4)

"اے پیغمبر بیشک آپ خلق عظیم پر فائز ہیں"

اب ہم اس ہستی کے خلق کے بارے میں کیا بیان کرسکتے ہیں جس کو خداوند تعالی خلق عظیم کہے

ب) سورہ بقرہ کی ایک آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"یتلوا علیکم آیتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتاب و الحکمۃ و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون" (البقرہ151)

وہ (ہمارا پیغمبر) تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کرسناتا ہے اور (تم کو اخلاقیات کی تعلیم دے کر اخلاق رذیلہ سے) تمہارے ظاہر و باطن کو پاک کرتا ہے اور تم کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ تم کو ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے جس کو تم نہیں جانتے۔

ج) اور سورہ جمعہ کی ایک آیت میں ارشاد ہوتا ہے

یتلوا علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتب و الحکمۃ اوان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (جمعہ۔2)

"وہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کرسناتا ہے اور (انہیں اخلاق حسنہ کی تعلیم دے کر اخلاق رذیلہ سے) ان کے ظاہر و باطن کو پاکیزہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے کو وہ

اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ دونوں آیات کے چند الفاظ کی وضاحت کردی جائے اور وہ یہ ہیں

1۔ یزکیکم و یزکیھم: اس لفظ کے معنی راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں یہ لکھے ہیں کہ وہ انہیں بذریعہ تعلیم (اخلاق رذیلہ) سے پاک کرتا ہے اور اسی سے آیت "لاھب لک غلام ذکیا" کا لفظ "ذکیا" مشتق ہے یعنی تا کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں۔یعنی وہ فطرتاً پاکیزہ ہوگا اور فطرتی پاکیزگی بطریق اجتبٰے حاصل ہوتی ہے کہ حق تعالی اپنے بعض بندوں کو عالم اور پاکیزہ اخلاق بنا دیتا ہے اور یہ پاکیزگی تعلیم و ممارست سے نہیں بلکہ محض اس توفیق الہی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ انبیاء و رسل کے ساتھ ہوا ہے

(مفردات راغب مادہ زک و)

2۔ الکتاب والحکمۃ: میں الکتاب سے مراد تو قرآن ہے اور الحکمت سے مراد دانائی کی باتیں ہیں۔راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ "الحکمۃ" کے معنی علم و عقل کے ذریعے حق بات دریافت کرلینے کے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "ولقد آتینا لقمان الحکمۃ" (لقمان۔12) اور ہم نے لقمان کو حکمت اور دانائی بخشی" میں حکمت کے یہی معنی مراد ہیں جو کہ حضرت لقمانؑ کو عطا کی گئی تھی۔

حضرت لقمانؑ نہ تو نبی تھے نہ رسول تھے اور نہ ہی امام اور فرستادہ خدا ہادی تھے۔ لیکن انھوں نے اپنے بیٹے کو جو دانائی اور حکمت کی باتیں تعلیم کی ہیں وہ سورہ لقمان میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں ان میں ایک یہ ہے

" و اذ قال لقمن لابنہ و ھو یعظہ یبنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم " (لقمان۔13)

اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ لقمان نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ

اے میرے پیارے بیٹے اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیو بیشک شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

اور سورہ بقرہ میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ

" ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیر کثیرا " (البقرہ۔269)

"اور جس کو حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر عطا کیا گیا ہے"

اب اس ہستی کے بارے میں تعریف کے کون سے الفاظ ہیں جو استعمال کیے جا سکتے ہیں، جسے خدا اخلق عظیم کا مالک کہے۔ جو لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دے کر اخلاق رذیلہ سے پاک کرتی ہو۔ اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتی ہو۔

پس جو ہستی دوسرے انسانوں کو دانائی اور حکمت کی باتیں سکھاتی ہو اس کی دانائی کا دنیا جہاں میں کوئی بھی انسان مقابلہ کرنے والا ہو سکتا ہے؟ اور جو ہستی خدا کے نزدیک خلق عظیم پر فائز ہو کیا اس کے اخلاق حسنہ کا کوئی انسان مقابلہ کر سکتا ہے؟ اور جو ہستی لوگوں کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرتی ہو کیا اس کی پاکیزگی کا دنیا میں کوئی انسان مقابلہ کر سکتا ہے؟

3۔ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون : وہ تمہیں ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے"یعنی ایک طرف تو وہ ہستی ہے جو تعلیم دیتی ہے ان باتوں کی جسے وہ نہیں جانتے اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو مطلقاً جاہل ہیں۔

4۔وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین : گو وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔یعنی ایک طرف وہ ہستی ہے جو ہدایت کی باتیں سکھاتی ہے اور عقل کی باتیں بتاتی ہے اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو بالکل گمراہ تھے۔

د) سورہ احزاب میں ارشاد ہوا ہے

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا (احزاب۔33)

"اے اھل بیت پیغمبر سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر

قسم کے رجس کو دور رکھے اور تم کو ایسا پاک رکھے جیسا کہ پاک ہونے کا حق ہے"

اس آیت میں ایک بات خاص طور پر قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ "لیذھب عنکم الرجس" تا کہ رجس کو تم سے دور رکھے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ تم کو رجس سے دور رکھے بلکہ یہ فرمایا رجس کو تم سے دور رکھے۔ رجس کو تمہارے پاس آنے ہی نہ دے۔ رجس کا مطلب قرآن کریم میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ **"یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر و المیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون"**۔ (المائدہ۔90)

"اے ایمان لانے والو، شراب اور جوا اور جمے ہوئے بت اور پانسے سوائے اس کے اور کیا ہے کہ وہ شیطان کے کام میں سے ناپاک کام ہیں پس تم ان سے اجتناب کرو تا کہ تم فلاح پاؤ"

گویا رجس ہر وہ کام ہے جو اغوائے شیطانی سے انجام پاتا ہے اور شیطانی کام ہے۔ اس طرح ہر قسم کا گناہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور کفر و شرک و نفاق سب رجس کی حد میں آتے ہیں۔ تو رجس کو دور رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے کبھی کفر و شرک تو کیا کوئی چھوٹا موٹا گناہ بھی نہیں کیا۔ اور **"یطھرکم تطھیرا"** کے ذریعے ان کی پاکی و طہارت و عصمت کی تصدیق کر دی اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اہل بیت کے بزرگ اور سید و سردار ہیں۔

پس آنحضرت تمام خطاؤں، لغزشوں اور گناہوں سے پاک ہیں چاہے وہ چھوٹے گناہ ہوں یا بڑے۔ اسی طرح آپ پاک ہیں ہر اس غلطی سے، ہر اس بھول چوک سے اور ہر اس بات سے جو عقل و دانش اور حکمت و دانائی کے خلاف ہو۔ کیونکہ آپ معلم اخلاق ہیں۔ خلق عظیم پر فائز ہیں اور لوگوں کو عقل و دانش اور حکمت و دانائی کی تعلیم دینے والے ہیں اور اس طرح آپ پاک ہیں ہر اس بات سے جو شرافت و نجابت، حیا و غیرت اور اخلاق حمیدہ کے منافی ہو۔ آپ پاک ہیں ہر اس فعل سے جو عقلاء کے نزدیک قابل مذمت

اور ناپسندیدہ ہو اور عرف عام میں اسے اچھا نہ سمجھا جاتا ہو۔

اب ہم پیغمبر کی وہ تصویر دکھاتے ہیں جس کا حلیہ بگاڑ کر مسلمانوں نے دنیا جہان کے سامنے پیش کیا۔

پیغمبر اکرمؐ کی وہ تصویر جس کا حلیہ بگاڑ کر مسلمانوں نے پیش کیا

قران کریم نے آنخضرت کی جو تصویر پیش کی ہے وہ تو سابق میں بیان ہو چکی اب ہم آنخضرت کی وہ تصویر دکھاتے ہیں جو مسلمانوں نے بگاڑ کر دنیا جہان کے سامنے پیش کی ہے۔

ہم اس عنوان کے تحت وہ احادیث نقل نہیں کرینگے جن سے استفادہ کر کے ایک آریہ سماجی ہندو راجپال نے ''رنگیلا رسول'' لکھی تھی اور نہ ہی اُن احادیث کو نقل کریں گے جن سے رشدی نے اپنی کتاب ''شیطانی آیات'' میں استفادہ کیا ہے اور نہ ہی وہ احادیث نقل کریں گے جو مستشرقین یورپ اور مورخین مغرب کا گل سر سبد ہیں۔ بلکہ ہم نمونہ کے طور پر صرف ان احادیث کو یہاں پر پیش کریں گے جو مسلمانوں کی صحیح اور مستند کتابوں میں درج ہیں اور جنہیں مسلمان خطیب جھوم جھوم کر ممبروں پر بیان کرتے ہیں اور جنہیں ابلاغ عامہ کے ذرائع سے بڑے فخر کے ساتھ نشر کیا جاتا ہے اور جس سے نتیجہ نکال کر یہ مسلمان ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ پیغمبر واقعاً ایسے ہی تھے۔

نمبر 1: پیغمبر نجس جوتیاں پہن کر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے

پہلے ہم ابلاغ عامہ کی پاکستان کے ٹی وی کے ذریعہ نشر کردہ ایک حدیث پیش کرتے ہیں 'یہ حدیث 'فہم القرآن کے پروگرام میں ایک محترمہ نے ٹی وی پر بیان فرمائی تھی

جو باقاعدہ برقعہ پوش اور باپردہ تھیں انھوں نے فرمایا کہ:

''ایک مرتبہ حضور پاک نماز جماعت پڑھا رہے تھے اور آنحضرتؐ کے اصحاب آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ اثنائے نماز میں پیغمبر اکرمؐ نے اپنی جوتیاں اتار دیں۔ آنحضرت کے جوتیاں اتارتے ہی پیچھے سے تمام اصحاب نے اپنی اپنی جوتیاں اتار دیں۔ نماز کے ختم ہونے کے بعد پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ تم نے اپنی جوتیاں کیوں اتاریں۔ اصحاب نے جواب دیا کہ ہم نے تو اپنی جوتیاں اس لیے اتاری تھیں۔ چونکہ آپ نے اپنی جوتیاں اتار دی تھیں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ میں نے تو اپنی جوتیاں اس لیے اتاری تھیں کہ میری جوتیوں میں نجاست لگی ہوئی تھی۔

اس گھڑی ہوئی حدیث سے اصحاب کی پیروی کرنے کو مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ کے اتنے تابعدار اور پیروکار تھے کہ پیغمبر کو نماز میں جوتیاں اتارتے ہوئے دیکھا تو سب نے اپنی جوتیاں اتار دیں۔ لیکن ہر صاحب عقل یہ اندازہ لگا سکتا ہے اور صحیح صحیح فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ اصحاب پیغمبر کی پیروی کی تعریف ہے یا پیغمبر کی بے خبری اور نماز جیسی عبادت کے لئے عدم توجہی کا ظاہر کیا جا رہا ہے اور یہ بتلایا جا رہا ہے کہ پیغمبرؐ جوتیوں سمیت نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے اور یہ بھی نہ دیکھا کہ جوتیاں نجس ہیں۔ یہ اصحاب کی پیروی کے اظہار کی بجائے پیغمبر کی توہین اور ہتک ہے۔ یہ پاکستان کے ابلاغ عامہ میں سے پی ٹی وی کے نشرہ کردہ پروگرام کی ایک مثال ہے۔

نمبر 2: گذشتہ زمانے کے بادشاہوں کی طرح دخل در معقولات

اب ہم ابلاغ عامہ میں سے ایک روزنامہ ''جنگ'' میں شائع کردہ ایک مضمون کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔

یہ مضمون ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ صاحب نے صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کے

اسمبلی توڑنے کے خلاف لکھا تھا۔اس کا عنوان تھا ”آئین اور صوابدید“اس کی قسط نمبر 4 کا اقتباس ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔فرماتے ہیں کہ:صحاح ستہ کی معتبر صحیح مسلم کی اس حدیث میں اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔حضرت طلحہ فرماتے ہیں:

”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرا جو کھجوروں پر چڑھے ہوئے تھے۔آپ نے پوچھا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں انھوں نے بتایا کہ وہ پیوند کاری کر رہے ہیں۔نر کھجور کو مادہ میں داخل کر رہے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔میرا خیال ہے اس سے انھیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ان لوگوں کو آپ کی رائے معلوم ہوئی تو انھوں نے پیوند کاری کا عمل ترک کر دیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا۔اگر اس سے انھیں نفع حاصل ہوتا ہے تو انھیں اس پر عمل جاری رکھنا چاہئے۔میں نے اپنے ظن کا اظہار کیا تھا۔میرے ظن کو اخذ نہ کیا جائے لیکن جب میں اللہ کی طرف سے کچھ بیان کروں تو اسے اخذ کیا جائے،کیونکہ میں اللہ تعالی پہ ہرگز جھوٹ نہیں بولتا“۔

کورایہ صاحب فرماتے ہیں ”اس حدیث میں اپنی ذاتی رائے اور وحی میں فرق کیا ہے،رائے کو ترک اور وحی کو اخذ کرنے کا اصول بیان کیا ہے۔جب آپ نے اپنی رائے اور صوابدید کو اختیار نہ کرنے کا حکم دے دیا تو اور کون ہو سکتا ہے جو اپنی مرضی دوسروں پر مسلط کرے۔“

اس کے بعد کورایہ صاحب صحیح مسلم سے ہی ایک دوسرے راوی سے اس حدیث کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”مسلم شریف میں حضرت رافع بن خدیج کے بھی اوپر والی حدیث بیان کی ہے جس میں بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے مطابق جب لوگوں نے پیوند کاری چھوڑ دی تو کھجوروں کا پھل ناقص ہوا جب آپ کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا:

''میں بھی ایک بشر ہوں جب میں تمہیں دین کی بات کا حکم کروں تو اسے اخذ کرو اور جب میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں بھی ایک بشر ہوں''

اس کے بعد گورایہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

صحیح مسلم میں اس موضوع پر تیسری حدیث حضرت عائشہ اور انس بن مالک سے ہے اس کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے جو پیوند کاری کر رہے تھے آپ نے فرمایا: اگر وہ ایسا نہ کریں تو بہتر ہو، راوی نے بیان کیا کہ اس کے نتیجے میں کھجوریں ناقص ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر کبھی ان کے پاس سے گذرے اور پوچھا کہ تمہاری کھجوروں کو کیا ہوا انھوں نے بتایا کہ آپ نے ایسا کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے دینوی امور زیادہ بہتر جانتے ہو''

اس حدیث کو بیان کرکے گورایہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

''یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ انفرادی رائے خواہ نبی کی ہو قابل حجت نہیں۔ کیونکہ وہ اس کا اظہار بحیثیت بشر کرتے ہیں دنیاوی معاملات میں انسانوں کا علم اور تجربہ ایک دوسرے سے اعلیٰ اور ادنیٰ ہوسکتا ہے''

اس کے بعد گورایہ صاحب اس حدیث کو سنن ابن ماجہ سے نقل کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ

''جو احکام اور معاملات آپ بحیثیت رسول بیان فرمائیں ان کا اتباع لازم ہے اور جن معاملات کے بارے میں آپ بحیثیت بشر اظہار رائے فرمائیں وہ آپ کا بشری اظہار ظن و رائے ہے ایسے معاملات میں انسانی علم، عقل، تجزیہ، مشاہدہ پر عمل کیا جائے جو اجتماعی علم و شعور پر مبنی ہوتا ہے۔

ختم ہوا بیان ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ صاحب کا۔

مذکورہ حدیث صحیح مسلم اورسنن ابن ماجہ کے علاوہ جس کا حوالہ کورایہ صاحب نے دیا ہے، البدایہ والنھایہ،سنن ابوداؤداور جامع ترمذی میں بھی روایت کی گئی ہے۔

اس حدیث سے جو نتیجہ کورایہ صاحب نے اخذ کیا ہے وہ اسی مقصد کے لیے گھڑی گئی ہے یعنی اصحاب پیغمبر آنحضرت صلعم کے اتنے تابعدار اور اتنے فرمانبردار تھے کہ انھوں نے ساری زندگی کے تجربے، مشاہدے اور معمول کے باوجود آنحضرت ؐ کے کہنے پر کھجوروں کی پیوند کاری ترک کردی، لیکن پیغمبر بشر ہونے کی حیثیت سے انتہائی ناقص رائے کے مالک تھے۔لیکن اس حدیث کے گھڑنے والوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ پیغمبر اکرمؐ چھ سال کی عمر تک مدینہ میں اپنے ننھیال میں رہے جہاں پر کھجوروں کے باغات تھے اور عرب کا چھ برس کا عام بچہ بھی اتنا باشعور ہوتا ہے کہ جب وہ ان امور کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو وہ ان کے فوائد سے واقف و آگاہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔پیغمبر اکرمؐ نے کسی تہ خانہ میں رہ کر پرورش نہیں پائی تھی بلکہ آپ ان کھجوروں کے باغات کے پاس سے اکثر گذرا کرتے تھے اور اس عمل پیوند کاری کو اکثر دیکھا کرتے تھے۔اور آپ وہیں پر نبوت کے چالیس سال تک کھجوریں کھا کر اور بکریوں کا دودھ پی کر پروان چڑھے اور جوان ہوئے تھے پس وہ اس عمل پیوند کاری کے فائدوں سے ہرگز ہرگز بے خبر نہیں رہ سکتے تھے لہذا یہ بات ہرگز ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کو کھجوروں کی پیوند کاری کا علم نہیں تھا۔

اور اگر بالفرض یہ بات مان لی جائے کہ پیغمبر اکرم کو اس عمل کے فائدے کا علم نہیں تھا تو انھیں اس کام سے روکنے کا کیا حق تھا۔کیا حکمت و دانائی کی تعلیم دینے والے کی طرف سے ایسا کیا جانا ممکن ہے؟

پچھلے زمانے کے بعض احمق بادشاہوں کی حماقتوں کی داستانوں میں تو ایسی باتیں عام ملتی ہیں۔لیکن پیغمبر اکرمؐ جو قرآن کی سند کی رو سے ساری نسل انسانی کو حکمت و دانائی کی تعلیم دیتے تھے وہ خود ایسی حماقت اور نادانی کی بات ہرگز نہیں کرسکتے تھے۔یہ بات سراسر

توہین ہے اور پیغمبر اکرمؐ کی سراسر ہتک ہے اور پیغمبر گرامی اسلام کی اطاعت کرنے سے فرار اور آپ کے احکام کو ماننے سے گریز کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے۔تاکہ پیغمبرؐ کے حکم کو یہ کہہ کر رد کر دیں کہ پیغمبرؐ نے یہ حکم ایک بشر کی حیثیت سے دیا تھا رسول کی حیثیت سے نہیں دیا تھا

اگرچہ اس حدیث کے ضمن میں بیان تو یہ ہوا ہے کہ اصحاب پیغمبر آنحضرتؐ کے اتنے تابعدار اور فرمانبردار تھے کہ پیوند کاری کے فوائد سے آشنا ہونے کے باوجود آنحضرت کے منع کرنے سے رک گئے لیکن اس حدیث کے گھڑنے والے فی الحقیقت وہی اصحاب ہیں جن کی طرف سے پیغمبر کی نافرمانی کرنے کی داستانیں قرآن و حدیث و تاریخ و سیرت کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں اور اپنی ان نافرمانیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ہی پیغمبر کی طرف سے منسوب کر کے یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بات میں بحیثیت بشر کے کہوں تم اسے نہ مانا کرو تاکہ اس طرح ان کی نافرمانیاں۔نافرمانیاں شمار نہ ہوں۔

اور گر عمیق نگاہ کے ساتھ دیکھا جائے تو اس قسم کی احادیث خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کے مفاد میں گھڑی گئی ہیں جو پیغمبرؐ کے بعد پیغمبرؐ کی جانشینی کے بارے میں پیغمبرؐ کی بے شمار احادیث کی مخالفت کر کے برسر اقتدار آئے تھے۔

دوسرے پیغمبرؐ کے بعد برسر اقتدار آنے والے چونکہ کوئی قابلیت و صلاحیت پیغمبر کی جانشینی کی نہیں رکھتے تھے لہذا ان گھڑی ہوئی احادیث کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ کی حیثیت کو گرا کر ان پر برسر اقتدار آنے والوں کی سطح پر لانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس بات کا ثبوت خود ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ صاحب کے اسی مضمون ''آئین اور صوابدید'' کی چھٹی قسط میں موجود ہے فرماتے ہیں۔

''ذاتی رائے پر مبنی تعبیر شریعت اور صوابدید کی ایک مثال سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک مشہور فیصلہ کی پیش کی جاتی ہے۔''ممتاز مفسر اور محدث امام ابن کثیر نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں بیان کیا ہے۔واقعہ یہ ہے:

"حضرت عمر نے ممبر رسول پر کھڑے ہو کر اپنے فیصلہ کا اعلان کیا کہ عورتوں کو چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ دیا جائے"

ایک عورت نے اعتراض کیا کہ اور کہا: اے عمر تمہیں اس کا اختیار نہیں کیونکہ قرآن کریم کا حکم ہے "اگر تم ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دے چکے تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو"

حضرت عمر نے عورت کی تفسیر قرآن کو تسلیم کیا۔ دوبارہ ممبر پر چڑھے۔ اپنے حکم سے رجوع کیا۔ اور اعلان کیا اپنے مال سے جو شخص جتنا چاہے دے سکتا ہے۔

تفسیر القرآن جلد اول ص 467۔ منقول از روزنامہ جنگ لاہور

ل) مذکورہ روایت بیان کر کے گورایہ صاحب نے اپنے مضمون "آئین وصوابدید" کی مناسبت سے صرف یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ذاتی رائے کسی کی بھی ہو کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ لیکن وہ یہ نتیجہ اخذ کرنے سے پہلو تہی کر گئے کہ یہ روایت ببانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ ان کو قرآنی احکام کا بھی کوئی علم نہیں تھا جیسا کہ اور بہت سے روایات ان کی قرآنی احکام سے لاعلمی پر شاہد ہیں۔

ب) چونکہ پیغمبرؐ کے بعد برسر اقتدار آنے والے ایسے تھے جیسا کہ بیان ہوا لہذا کوشش کی گئی کہ پیغمبر گرامی اسلام کی حیثیت کو گرا کر ایک عام آدمی کی سطح سے بھی نیچے لایا جائے اور یہ کام باقاعدہ طور پر پورے پروگرام کے ساتھ انجام دیا گیا۔ اور اس طرح سے صاحب خلق عظیم کو اور معلم کتاب و حکمت کو جاھلوں کی صف میں شامل کر دیا گیا جس کی کچھ تفصیل آپ اس کتاب میں پڑھے گیں۔

نمبر 3: پیغمبرؐ کی توہین اور اصحاب کی توصیف

پیغمبر اکرمؐ کے بعد برسر اقتدار آنے والوں کی تعریف و توصیف میں جتنی احادیث گھڑی گئی ہیں ان میں سے اکثر میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ کہ پیغمبر اکرمؐ کے فیصلہ کو

غلط ثابت کیا جائے اصحاب کے فیصلہ کو درست قرار دیا جائے اور اس طرح پیغمبر اکرم کی عقل اور قوت فیصلہ کے مقابلہ میں اصحاب پیغمبر بالخصوص پیغمبرؐ کے بعد بر سر اقتدار آنے والوں کی عقل اور قوت فیصلہ کو صحیح اور درست ثابت کیا جائے اور اصحاب کو پیغمبرؐ پر ترجیح دی جائے۔

وحی الٰہی کے تابع اور ماینطق عن الھویٰ پیغمبر کو تو بے خبر، بلکہ جاہل اور خواہشات نفسانی پر عمل کرنے والا ظاہر کیا جائے اور پیغمبر کے بعد بر سر اقتدار آنے والوں کو الہامی شخصیت ثابت کیا جائے۔ اس قسم کے کام کو آج کے زمانہ میں اصطلاح میں ڈس انفارمیشن کہا جاتا ہے۔ اور اس کی مثال ہمیں اذان کی تشریح اور قیدیان بدر کے بارے میں فیصلہ کے سلسلہ میں گھڑی ہوئی احادیث میں ملتی ہے اور اقتدار کے ہر پجاری نے اپنی اپنی سیرت کی کتاب میں بڑے فخر کے ساتھ نقل کیا ہے ہم وزیر معارف حکومت مصر محمد حسین ہیکل صاحب کی کتاب "الفاروق عمر" کے ترجمہ "حضرت عمر فاروق اعظم" مترجمہ حبیب اشعر کا اقتباس ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(ا) اذان کے بارے میں فیصلہ

ہیکل صاحب لکھتے ہیں "مدینہ میں حضرت عمر کی کچھ ایسی صلاحیتیں بھی ظاہر ہوئیں جو مکہ میں ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ مثلاً یہ معلوم ہوا کہ وہ الہامی شخصیت کے مالک تھے۔ جو کچھ سوچتے ہیں کم و بیش وہی ہو جاتا ہے"۔

مدینہ کی ابتدائی زندگی میں مسلمان نماز کے لیے خود بخود جمع ہو جاتے تھے۔ اعلان کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ رسول اللہ صلعم کو اس کی فکر تھی پہلے خیال آیا بگل کے ذریعہ اعلان سنایا جائے۔ لیکن یہ یہودیوں کا طریقہ تھا اس لیے آپ نے پسند نہ فرمایا اور حکم دیا کہ عیسائیوں کی طرح ناقوس بجا کر نماز کا اعلان کیا جائے۔ (حضرت عمر فاروق اعظم ص 74)

غور طلب بات یہ ہے کہ اذان ارکان شریعت میں سے ایک رکن ہے کیا پیغمبر

شریعت کے احکام کو لوگوں سے مشورہ کر کے وضع کیا کرتے تھے؟ یا وحی الٰہی کے مطابق شریعت کے احکام پہنچاتے تھے؟ آئمہ اہل بیت کی روایات کے مطابق تو پیغمبرؐ وحی الٰہی کے مطابق احکام شریعت بتاتے تھے اور اذان کے فصول بھی خدا نے جبرائیل امین کے ذریعہ بذریعہ وحی پہنچائے تھے لیکن اس روایت کے مطابق پیغمبرؐ نے تو ناقوس بجانے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت عمر نے اذان دینے کی تجویز پیش کی اس سے زیادہ پیغمبر کی حیثیت کو گرانے کی کسی غیر مسلم کو اور کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ اس سے نتیجہ نکال کر وہ پیغمبرؐ کے بارے میں جو چاہے کہہ سکتا ہے۔ اذان کے بارے میں مفصل تحقیق ہم اس کتاب کے متن میں ہی بیان کریں گے لہذا وہاں پر رجوع کیا جائے۔

ب) قیدیان بدر کے بارے میں فیصلہ

یہی صورت قیدیان بدر کے فیصلہ میں ہوئی۔ یعنی پیغمبرؐ نے فیصلہ میں غلطی کی اور حضرت عمر کی رائے درست نکلی۔ چنانچہ یہی مصنف یعنی محمد حسین ہیکل وزیر معارف حکومت مصر اپنی کتاب ''الفاروق عمر'' میں لکھتے ہیں کہ

''مسلمانوں میں اس جنگ میں دشمن کے ستر آدمی گرفتار کیے جن میں بیشتر قریش کے سردار اور اعیان و اکابر تھے ان قیدیوں کے متعلق مسلمانوں میں سب سے زیادہ مخالفانہ روش حضرت عمر کی تھی اور وہ ان سب کو قتل کر دینا چاہتے تھے۔ اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ کیا اور بات فدیہ قبول کرنے پر ختم ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ لیکن اس کے فوراً بعد وحی آئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

'' ومان کان لنبي ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن في الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ و اللہ عزیز حکم''

''نبی کو مناسب نہ تھا کہ ان کے پاس قیدی رہیں جب تک ملک میں خوب قتل نہ کریں۔تم لوگ تو دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

اس طرح اسیران بدر کے سلسلہ میں حضرت عمر کی رائے نے الہامی شخصیت ہونے کا ثبوت فراہم کردیا۔جیسا کہ اس سے پہلے اذان کے مسئلہ میں بھی ظاہر ہو چکا تھا''

حضرت عمر فارق اعظم ص۔77

قرآن کے معنی میں تحریف کی اس سے بدتر مثال شاید ہی کوئی اور ہو۔صاحب وحی پیغمبر اکرم تو الہامی شخصیت نہ رہے لیکن حضرت عمر ایسی الہامی شخصیت بن گئے کہ پیغمبرؐ غلطیوں پر غلطیاں کرتے رہے اور حضرت عمر اپنی الہامی شخصیت ہونے کی حیثیت سے پیغمبر کے رائے سے خلاف اپنی الہامی رائے کا اظہار کرتے رہے۔

قیدیان بدر کے بارے میں مفصل تحقیق تو ہم اس کتاب کے متن میں بیان کریں گے لہذا وہاں پر رجوع کیا جائے۔لیکن یہاں پر صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ دنیا کی کسی بھی مہذب قوم میں قیدیوں کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا۔اور یہ ایک صریح ظلم ہے۔ اور خدا ظلم کے خلاف ہے اور آج کی دنیا میں یہ ایک بین الاقوامی جرم ہے۔

خداوند تعالٰی نے جہاد کا حکم صادر فرمانے سے پہلے قرآن میں با قاعدہ احکام جہاد بیان فرمائے تھے اور چونکہ جنگ کی صورت میں قیدیوں کا ہاتھ آنا ایک لازمی بات تھی لہذا قیدیوں کے بارے میں حکم پہلے سے نازل ہو چکا تھا بنابریں پیغمبرؐ نے جو کچھ کیا تھا وہ خدا کے حکم اور وحی الہی کے ماتحت کیا تھا اور اس سلسلے میں کسی سے کوئی مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔

لیکن پیغمبرؐ کے بعد اقتدار پر آنے والے حکمرانوں کے طرفدار پرانے زمانے

کے بادشاہوں کے خوشامدی درباریوں سے بھی بڑھ گئے اور وہ آیت جو واضح طور پر " تریدون عرض الدنیا " کے الفاظ کے ساتھ اصحاب کی مذمت اور ان کی تہدید میں نازل ہوئی تھی ان کے طرفداروں نے اس مذمت اور تہدید کا رخ پیغمبر کی طرف موڑ دیا۔ گویا عظمت ناموس رسالت تار تار ہوتی ہے تو ہوتی رہے۔ لیکن کسی نہ کسی طرح پیغمبر کے بعد برسر اقتدار آنے والے صحابہ کی جھوٹی عظمت کا لوہا منوایا جائے۔

پیغمبر کی ہتک ہوتی ہو تو ہوتی رہے پیغمبر کی توہین ہوتی ہو تو ہوتی رہے مگر اصحاب کی پیغمبر پر برتری ثابت ہو جائے

پیغمبرؐ کو عیاش ثابت کرنے کی بے جا جسارت

ان احادیث میں جن میں پیغمبر کی تصویر کا مسلمانوں نے بری طرح سے حلیہ بگاڑا ہے وہ گھڑی ہوئی احادیث ہیں جن سے اغیار یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ پیغمبر گرامی (نعوذ باللہ) ایک عیاش آدمی تھے۔

ہم ان تمام گھڑی ہوئی احادیث کو نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتے جو بنی امیہ کے عیاش بادشاہوں کی عیاشیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے پیغمبر اکرمؐ پر تہمت کے طور پر گھڑی گئی ہیں اور جو راجپال جیسے آریہ سماجی ہندو کو رنگیلا رسول لکھنے اور رشدی جیسے شیطان کو شیطانی آیات لکھنے کا مواد فراہم کرتی ہیں اور مستشرقین یورپ اور مورخین مغرب کے لئے بقول شبلی گل سر سبد کا کام دیتی ہیں۔ اور پیغمبر اکرمؐ کو (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) ایسا انسان ثابت کرتی ہیں جن سے رنگیلا رسول اور شیطانی آیات ہی لکھی جا سکتی ہیں اور یہ سب باتیں پیغمبرؐ کے بارے میں بنی امیہ کے عیاش بادشاہوں نے پیغمبر اکرمؐ کو اپنی سطح پر لانے کے لئے گھڑوائی ہیں۔

ہم نمونہ کے طور پر صرف ایک حدیث صحیح بخاری سے نقل کر کے مقدمہ کتاب کو ختم کرتے ہیں اور مسلمانوں نے پیغمبر کی جو صورت بگاڑی ہے اس کا جواب اس کتاب کے متن میں دیں گے یہاں پر صحیح بخاری کی حدیث پیش خدمت ہے امام بخاری لکھتے ہیں:

"حدثنا اسمٰعیل ابن خلیل قال اخبرنا علی ابن مسھر قال ابو اسحٰق و ھو ایشبانی عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیه عن عائشه قالت کانت احدانا اذا کانت حائضاً اراد رسول الله ان یباشرھا امرھا ان تتزر فی فور حیضتها ثم یباشرھا" صحیح بخاری جلد اول ص 40

ہم اس کا ترجمہ نہیں کر سکتے کیونکہ سخت بے ادبی کی بات ہے، توہین رسالت ہے۔ بے غیرتی اور بے حیائی کی انتہا کر دی ہے ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کوئی بے غیرت سے بے غیرت اور بے حیا سے بے حیا عورت بھی کسی عام شوہر کی نسبت ایسی بات بیان کرے گی۔ کجا پیغمبر کی بیوی کے بارے میں یہ تصور کہ انھوں نے پیغمبر کے بارے میں ایسی بات کہی ہو گی اور نہ صرف اپنے متعلق بلکہ ساری ازدواج کے بارے میں۔ اس میں تو بے حیائی کی حد ہو گئی ہے لیکن جب کسی غیر مسلم کی نظر اس حدیث پر نظر پڑے گی تو وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے گا کہ یہ کیسا رسول ہے جو ایسے موقعوں پر اپنی امت کے لوگوں کو تو خدا کا یہ حکم سناتا ہے کہ:

" فاعتزلوا النساء فی المحیض و لا تقربوھن حتیٰ یطھرن (البقرہ۔222)

تم ناپاکی کے دنوں میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے پاس نہ جاؤ۔

وہ ایسی حالت میں اپنی امت کے لوگوں کو تو مقاربت سے منع کرتا ہے اور (نعوذباللہ) خلاف عادت فطری اور خدا کے واضح حکم کے خلاف ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے۔

عظمت ناموس رسالت کا موضع کیا ہے؟

اس کتاب کے پہلے حصہ میں یہ نظریاتی بحث کی گئی ہے کہ خدا کے فرستادہ ھادی بالعموم کیسے ہوتے ہیں اور دوسرے حصہ میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پیدائش سے لے کر وفات تک بیان ہوئی ہے اور اس میں غیر مسلموں کے اعتراضات کے جوابات کے علاوہ مسلمانوں نے پیغمبرؐ کی تصویر کا جو حلیہ بگاڑا ہے اس کے بارے میں اصل حقائق واضح کر کے تصویر کا صحیح رخ پیش کیا گیا ہے۔

اگر چہ موضوع کے اعتبار سے اس کتاب کو اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ اور کامل طور پر تمام عنوانات پر حاوی ہونا چاہئے تھا مگر ہم نے اختصار کے نکتہ نظر سے جو کچھ لکھا ہے اسے صرف نمونہ کے طور پر خیال کرنا چاہئے۔

وما علینا الا البلاغ

احقر

سید محمد حسین زیدی

تمام انبیاءورسول اور ہادیان دین حقیقتاً بشر تھے

مسلمانوں کے درمیان یہ بحث شدت کے ساتھ جاری ہے کہ سارے انبیاء و رسول اور ہادین دین بشر تھے یا بشر نہیں تھے؟ جب ہم ان دونوں باتوں میں غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء ورسول اور ہادیان دین کو بشر ماننے والے بہت سے مسلمان تو انتہائی تفریط اور تقصیر کے مرتکب ہوگئے ہیں اوران کو بشر نہ ماننے والے اوران کو بنی نوع انسان سے جدا اور علیحدہ نوع قرار دینے والے حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔اور دونوں ہی ان کی صحیح تصویر پیش نہ کرسکے اس لیے ہم نے اس موضوع کو اپنی اس کتاب یعنی ''عظمت ناموس رسالت'' کا سب سے پہلا موضوع بنایا ہے۔

جب ہم قرآن کریم کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالی نے قرآن کریم میں بہت سی آیات میں واضح طور پر یہ کہا ہے کہ میں نے جتنے انبیاء و رسول بھیجے وسب کے سب انسان تھے،بشر تھے اور مرد تھے اور کوئی اور دوسری قسم کی نوع نہیں تھے جنہیں انسانوں کے بھیس میں بشریت کا لباس پہنا کر بھیجا گیا ہو۔تمام انبیا ءو رسل نے بھی خود یہی اعلان کیا کہ وہ بشر ہیں اور انسان ہیں اور تمام آئمہ ھدیٰ نے بھی یہی اعلان کیا کہ وہ بشر ہیں اور انسان ہیں اور تمام علمائے حقہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیا ءو رسول اور تمام ہادیان بشر تھے اور ان تمام نقائص سے پاک تھے جو دوسرے انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔جیسا کہ ہمارے مشاہدے میں ہے کہ تربیت اور توارث کے زیر اثر عام انسانوں میں بھی ایسے انسان مل جاتے ہیں جو دوسرے انسانوں کی نسبت نیک ترین اور پارساترین ہوتے ہیں اور اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ خدا نے سب سے پہلے نبی جو روئے زمین پر بھیجا وہ بشر تھا اور خدا نے اس کی پیدائش سے پہلے ہی اعلان کردیا تھا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔اور یہ آدم علیہ السلام کی خلقت کا اعلان تھا۔جو روئے زمین پر

آنے والے سب سے پہلے نبی تھے ۔اس کے بعد سارے نبی اس پہلے نبی کی نسل سے ہوئے جو بشر تھا اور انسان تھا۔

کیونکہ شیطان نے آدم علیہ السلام کو بشر ہونے کی وجہ سے سجدہ نہ کیا، ان کی اطاعت سے انحراف کیا اور ان کو نبی نہ مانا اور علی الاعلان یہ کہا میں اس کی ساری اولاد کو گمراہ کروں گا لہذا اس نے اولاد آدم کو گمراہ کرنے کے لئے ان کے دل میں جو سب سے بڑا وسوسہ ڈالا وہ یہی تھا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا لہذا آدم علیہ السلام کی اکثریت شیطان کے اس وسوسے میں کی وجہ سے انبیاء پر ایمان نہ لائی اور یہ خیال ذہن میں بٹھا کر کہا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا۔خداوند تعالی نے اس حقیقت کو قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:

" وما منع الناس ان یومنوا اذ جآءھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشراً رسولاً   (بنی اسرائیل ۔94)

''لوگوں کی ہدایت کے لئے جب کبھی ہمارا بھیجا ہوا کوئی ہادی نبی و رسول ان کی طرف آیا تو ان پر ایمان لانے سے انھیں اور کسی چیز نے نہیں روکا سوائے اس بات کے کہ انھوں نے یہ کہا کہ کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر مبعوث کر دیا ہے''۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد خاتم الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جتنے بھی نبی آئے منکرین نبوت نے ان سب کا انکار یہی کہہ کر کیا کہ یہ تو ہمارے ہی جیسا بشر ہے جو سب کے سب انبیاء پر اسی وجہ سے ایمان نہ لائے کہ سب کے سب انبیاء بشر تھے، انسان تھے اور مرد تھے۔

پہلے انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں تو شیطان نے آدم علیہ السلام کی اولاد کے دلوں میں تو یہ وسوسہ ڈالا تھا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا۔لہذا شیطان کے اس وسوسہ کی وجہ سے اکثر اولاد آدم خدا کے بھیجے ہوئے ہادیوں انبیاء و رسول پر ایمان نہیں لائی کہ ہم کسی بشر پر ایمان نہیں لاسکتے ۔لیکن پیغمبر آخر الزمانؐ پر ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمام انبیاء

رسول اور ہادیان دین پر ایمان لائے انھیں شیطان نے دور جدید میں ایک دوسرے انداز سے بہکایا اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ جتنے ہادیان دین اور انبیاء رسول آئے وہ بشر یا انسان نہیں تھے ۔ چنانچہ شیخیہ رکنیہ کرمان ہوں یا شیخیہ احقاقیہ کویت وہ انبیاء رسول اور ہادیان دین کو بشر یا انسان نہیں مانتے اور پاکستان میں محمد بشیر انصاری اور ان کے ساتھی اسی مذہب کی تبلیغ کیا کرتے تھے اور ان کی جداگانہ نوع کا خوب پرچار کیا کرتے تھے اور اس نظریہ کو اختیار کرنے کے لئے شیطان نے انبیاء و رسول اور ہادیان دین پر ایمان لانے والوں میں سے بہت سے لوگوں کو فلسفہ یونان کا گرویدہ بنادیا جسے شیخ احمد احسائی نے نئے رنگ میں مسلمانوں کے درمیان پھیلایا اور انبیاء و رسول اور ہادیان دین کی بشریت کا انکار اسی فلسفہ کی ایجاد ہے ۔

خلاصہ یہ ہوا کہ گذشتہ تمام انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں تو اکثر لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو اس لئے نبی نہیں مانا کہ وہ بشر تھے ، انسان تھے اور مرد تھے اور دور جدید میں بہت سے مسلمان کہلانے والے لوگوں نے شیطان کے بہکاوے میں آکر انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے بشر اور انسان ہونے سے انکار کردیا ۔ بیشک خدا کہتا رہے کہ انبیا بشر تھے خود انبیا کہتے رہے کہ انبیاء و رسل بشر تھے مگر چونکہ شیطان نے انھیں گمراہ کردیا ہے لہذ انھوں نے شیاطین فلاسفہ یونان کی پیروی کرتے ہوئے برملا طور پر یہ کہنا شروع کردیا کہ انبیاء رسول اور ہادین دین بشر اور انسان نہیں تھے بلکہ ان کی نوع انسان سے جداگانہ تھی ۔

غرض شیطان نے خود بھی آدم کی بشر ہونے کی بناء پر اطاعت نہیں کی اور اولاد آدم کو بھی بہکا کر اس بات پر پختہ کردیا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا ۔ لہذا وہ کسی نبی پر ایمان نہیں لائے اور جو لوگ ایمان لے آئے انہیں یہ وسوسہ ڈال کر بہکایا کہ انبیاء رسول اور ہادیان دین بشر یا انسان نہیں ہوتے بلکہ ان کی نوع جداگانہ ہوتی ہے وہ حیوانوں کے پاس تو حیوانوں کے لباس میں جاتے ہیں اور انسانوں کے پاس بشر اور انسانی لباس پہن کر جاتے ہیں

ملاحظہ ہو شرح زیارت شیخ احمد احسائی ۔ ص 60

اور چونکہ خدا نے بشر اور انسان سے افضل اور کوئی نوع خلق نہیں کی جیسا کہ ہم نے فلسفہ تخلیق کائنات در نظر قرآن میں ثابت کیا ہے لہذا انبیاء ورسول اور ہادیان دین کو انسان نہ ماننے والے یا تو انبیاء ورسول اور ہادیان دین کی خدائی کے قائل ہو گئے ہیں انہیں ہی خدا ماننے لگ گئے یا وہ تفویض کے عقیدہ اپنا بیٹھے یعنی خدا نے ان کو پیدا کر کے اور کوئی کام نہیں کیا۔ان کی پیدائش کے بعد جو کچھ کیا وہ انھوں نے کیا۔پس شیطان نے بشر ہونے کی بناء پر انبیاء ورسل کا انکار کرنے والوں کو کفر کے گڑھے میں دھکیلا اور انبیاء رسول اور ہادیان دین پر ایمان لا کر انہیں بشر اور انسان نہ ماننے والوں کو شرک کے گڑھے میں اوندھے منہ گرایا۔

مذکورہ دونوں گروہوں یعنی انبیاء کو بشر ہونے کی بناء پر نبی نہ ماننے والوں یا انبیاء ورسول پر ایمان لا کر ان کی بشریت کا انکار کرنیوالوں کے علاوہ انبیاء ورسول پر ایمان لانے والوں کا ایک گروہ اور بھی ہے جو انبیاء رسل کو بشر بھی مانتے ہیں اور ان کی نبوت و رسالت پر ایمان بھی لائے ہیں۔لیکن ان میں سے بہت سے ایمان لانے والوں کو شیطان نے ایک دوسرے انداز سے بہکایا ہے اور ان کے ذہن میں یہ بٹھا دیا ہے جیسا کہ خدا جسے چاہے نبی بنا دے اور جسے چاہے اپنی رسالت کا کام سپرد کر دے چاہے اس میں زمانہ جاہلیت کے تمام عیوب ونقائص موجود رہے ہوں اور چاہے وہ زمانہ جاہلیت میں جاھلیت کا چیمپئن سمجھا جاتا ہو چوری، ڈکیتی، لوٹ مار، زنا کاری، بدکاری، شراب خوری، حرام خوری، ہر قسم کا ظلم وجور اور زمانہ جاہلیت کا ہر قسم کا نقص وعیب اس میں رہا ہو۔بس یہ اللہ کا دین ہے کہ وہ کسی بھی شخص کو چلتے پھرتے پکڑ کر کہہ دے کہ لو میاں آج سے ہم نے تمہیں اپنا نبی اور رسول بنا دیا ہے لہذا آج سے تم ہماری طرف سے نبوت ورسالت کا کام انجام دیا کرو اور ہماری ڈاک لوگوں تک پہنچا دیا کرو۔

یہ سب شیطان کی کارستانیاں ہیں کیونکہ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا کہ خدا کسی ایسے

آدمی کو اپنا نبی یا رسول بنائے جو زمانہ جاہلیت میں زمانہ جاہلیت کے تمام عیوب اور برائیوں پر عمل پیرا رہا ہو۔ اور اس کا بیان یہاں ہم آگے چل کر کریں گے۔ اور نہ ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علی وآلہ کی یہ شان ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کے بارے میں جس کا زمانہ جاہلیت میں یہ حال ہو یہ کہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ ہوتا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خود پیغمبر کو نبوت و رسالت کی شان کا علم نہیں ہے لہذا پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سراسر تہمت ہے، سراسر بہتان ہے اور نبوت و رسات کے مرتبہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے اور نبوت و رسالت کی اس سے بڑھ کر اور کوئی توہین نہیں ہو سکتی۔

اس بات سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ہادیان دین اور انبیاء رسول حکومت الٰہیہ کے نمائندہ ہوتے ہیں اور خدا کی طرف سے ہدایت کا کام انجام دینے پر مامور ہوتے ہیں لہذا ان کی اطاعت خدا کی اطاعت ہوتی ہے اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہوتی ہے اور اس بات کا خدا نے خود قرآن میں اعلان فرمایا ہے اور دنیا کی کوئی بھی حکومت اپنی حکومت کا معمولی سے معمولی عہدہ اور منصب بھی کسی چلتے پھرتے آدمی کو ویسے ہی نہیں تھماتی، بلکہ وہ پہلے یہ دیکھتی ہے کہ وہ اس معیار پر پورا بھی اترتا ہے یا نہیں۔ اور اسی طرح کوئی حکومت کوئی بڑا عہدہ بھی کسی ایسے ہی چلتے پھرتے آدمی کو جو بالکل کندہ ناتراش ہو اور جاہل مطلق ہو نہیں تھماتی پہلے اس کا ایک معیار مقرر کرتی ہے کہ اس عہدہ کے لئے کوئی بی اے ہو یا ایم اے پھر انٹرویو کے بعد سلیکٹ کر کے اسے اس کام کی تربیت دیتی ہے اور اسے اس کام کے انجام دینے کے لائق بنا کر اس منصب پر تعینات کرتی ہے۔

لیکن شیطان نے ان لوگوں میں سے بہت سوں کو جو ہادیان دین اور انبیاء رسول کو بشر اور انسان ہونے کی حیثیت سے ہادیان دین اور نبی و رسول مان گئے تھے یہ وسوسہ ڈال کر گمراہ کر دیا کہ جیسے خدا اپنے منصب اور عہدوں کے عطا کرنے میں اتنا بھی خیال نہیں کرتا جتنا کہ دنیا وی حکومتیں اپنے معمولی سے معمولی مناصب اور عہدوں کے عطا کرنے

کے لئے کرتی ہیں:

حالانکہ نبوت و رسالت نہ تو ایسی چیز ہے جو ہر چلتے پھرتے آدمی کے حوالے کردی جائے اور نہ ہی خدا نے نبوت و رسالت بشر اور انسان کے علاوہ اور کسی کے لئے قرار دی ہے لیکن خداوند تعالی کو خود اچھی طرح سے علم ہے کہ اس نے اپنا کار رسالت کس کو سپرد کرنا ہے جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ہے " **الله اعلم حيث بجعل رسالته** "

اللہ زیادہ بہتر طور پر جانتا ہے کہ اسے اپنی رسالت کہاں رکھنی ہے اور کس کو سپرد کرنی ہے اور اپنا رسول کسے بنانا ہے۔

ایک بات اور جو ہمیں قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول تو اس وقت سے رسول ہوتا ہے جب اسے خدائی احکام لوگوں تک پہنچانے اور فریضہ رسالت انجام دینے کا حکم ملتا ہے اور وہ تبلیغ رسالت کا آغاز کر دیتا ہے لیکن ہر نبی کو عالم ارواح میں ہی نبوت عطا کردی گئی تھی لہذا جب وہ اس عالم ظاہر میں آتا ہے تو اس وقت بھی وہ منصب نبوت پر فائز ہوتا تھا یعنی جب وہ پیدا ہوتا تھا تو اس وقت بھی وہ نبی ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی پہلے ہی دن بنی اسرائیل کے سامنے جو اعلان کیا وہ یہ تھا کہ: " **انی عبدالله و اتانی الکتب و جعلنی نبیاً** "

"میں اللہ کا بندہ ہوں خدا نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے"

پیغمبر اکرم صلعم کی وہ معروف حدیث جس میں آپ نے سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ کو نبوت کب عطا ہوئی یا آپ کب سے نبی ہیں تو آپ نے فرمایا:

كنت نبياً و آدم بين الماء و الطين

"میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدمی مٹی اور پانی کے درمیان تھے"

یعنی ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے اور اس بات سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ حضرت آدم علیہ السلام سلسلہ نبوت کے پہلے فرد ہیں لہذا پیغمبر کی حدیث کا مطلب یہ نہیں

کی ان کو ضرورت تھی وہ ان کو بذریعہ وحی عطا کیا جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے کہ

''فلما بلغ اشده آتيناه حكماً و علماً''

یعنی جب موسیٰ بھرپور جوانی کو پہنچے اور خوب اچھی طرح طاقتور ہو گئے تو اس وقت ہم نے ان کو علم و دانش سے آراستہ کر دیا۔

افراطی لوگ انبیاء علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے پر اصرار کرتے ہیں اور علم کو ان کی ذات اور طینت کا جزو لاینفک کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ علم ان کی ذات کے ساتھ اور عین ذات ہے جیسے نمک میں نمکینی ہوتی ہے اور روغن میں چکنائی ہوتی ہے جیسا کہ رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا عبد الرسول احقاقی نے اپنی کتاب ''ولایت از دیدگاہ قرآن'' میں لکھا ہے۔ مگر خدا یہ کہتا ہے کہ میں انبیاء علیہم السلام کو جس وقت جتنے علم کی ضرورت ہوتی ہے انہیں اسی وقت اتنا علم بذریعہ وحی عطا کر دیتا ہوں۔

بہر حال جب موسیٰ کو تعلیم دے کر اور تربیت کر کے اچھی طرح سے اپنا کام کا بنالیا تو ارشاد فرمایا کہ ''واصطنعتک لنفسی'' ''اے موسیٰ میں نے تمہیں اپنے کا کام کا بنالیا ہے۔

یہ صرف موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت حضرت موسیٰ کے قصہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ کس طرح سے اپنے انبیاء و رسول کو پیدائش کے دن سے ہی اپنے کام کا بنانے کے لئے اس کی نگرانی کرتا ہے۔ اس کی حفاظت کرتا ہے اس کی تربیت کرتا ہے اس کو ضروری علم و دانش سے بذریعہ وحی آراستہ کرتا ہے۔ اور اس کو جس وقت جتنے علم کی ضرورت ہوتی ہے اسے خود تعلیم دیتا ہے اسے کسی دنیاوی مدرسے میں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور اس کو ہر قسم کے گناہ سے پاک اور معصوم رکھتا ہے اور اس کو نبوت و رسالت کی تمام خوبیوں اور خصوصیات عطا فرمانے کے بعد مبعوث بر رسالت کرتا ہے اور انہیں معجزات کے ذریعہ اچھی طرح سے پہنچواتا ہے اور معجزہ کی سند کے ذریعہ خود لوگوں کو آگاہ کرتا ہے کہ

یہ میرا رسول ہے۔

خداوند تعالی نے پیغمبر گرامی اسلام کو بھی یونہی چلتے پھرتے نبوت عطا کر کے رسول اور اولوالعزم پیغمبر اور افضل المرسلین اور خاتم النبین نہیں بنایا تھا بلکہ آدم علیہ السلام کے زمین پر پہنچنے کے ساتھ ہی اس کے اعلانات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا بلکہ اس سے بھی پہلے عالم ارواح میں تمام ارواح بنی آدم کے سامنے اپنی ربوبیت کا اقرار لینے کے بعد تمام ارواح بنی آدم سے اپنے انبیاء و رسل پر ایمان لانے کا اقرار لیا۔ پھر انبیاء رسول میں سے ہر ایک کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ اپنی امتوں کو اس رسول آخر الزمانؐ کے آنے کی خبر پہنچاتے رہیں چنانچہ جب آسمانی کتابیں نازل کیں تو ان میں پیغمبر گرامی اسلامؐ کا نام نامی اور اسم گرامی مرقوم فرمایا۔ اور ان کے آنے کی خبر دی۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

ان الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل (الاعراف۔15)

"وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جس کا نام وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں،"۔

اگر توریت اور انجیل میں آنحضرتؐ کا نام نامی اور اسم گرامی لکھا ہوا نہ ہوتا تو ایک شور مچ جاتا اور یہود و نصاریٰ چیخ چیخ کے یہ کہتے کہ یہ بات تو بالکل غلط ہے نہ توریت میں ان کا نام لکھا ہوا ہے اور نہ ہی انجیل میں ان کا نام ہے۔

یہ توریت میں ان کا نام لکھا ہونے ہی کی وجہ تھی کہ یہود نے ان کا استقبال کرنے کے لئے یثرب کو آباد کیا تھا مگر جب وہ رسول جس کا نام ان کی آسمانی کتاب توریت میں لکھا ہوا تھا ان کے پاس آیا تو وہ اس بات پر حسد کے مارے جل بھن کر رہ گئے کہ حسب سابق وہ نبی ان کی قوم بنی اسرائیل سے کیوں نہ آیا۔

اور جو لوگ عمیق نظر سے توریت و انجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں معلوم ہو جاتا

ہے کہ آج کی تحریف شدہ توریت وانجیل میں بھی آنحضرتؐ کا نام نامی بدلے ہوئے الفاظ میں لکھا ہوا موجود ہے۔

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو بنی اسرائیل کے سامنے اپنی رسالت کے اعلان کے ساتھ آنحضرتؐ کے آنے بشارت دی تھی جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:" **و اذقال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدی من التوراۃ ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد**" (الصّف ۔ 7)

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں مجھ سے پہلے جو کچھ توریت میں آیا ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور تمہیں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیگا اس کا نام احمد ہوگا۔

یہاں تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ خداوند تعالیٰ کسی چلتے پھرتے آدمی کو چاہے اس میں زمانہ جاہلیت کا ہر عیب رہا ہو ویسے ہی اپنی نبوت و رسالت نہیں تھما تا کہ لو میاں آج سے تم ہماری نبوت و رسالت کا کام انجام دیا کرو اور لوگوں تک ہماری ڈاک پہنچایا کرو، ان کاموں تک تم ہمارے نبی و رسول ہوگے باقی تم بشر ہونے کی حیثیت سے جو تمہارے دل میں آئے کرتے رہنا اور جو تمہارا دل چاہے کہتے رہنا۔ اس طرح تمہاری امت بھی آزاد ہوگی جو ہمارا حکم ہوگا وہ اسے معلوم ہو جائیگا اور وہ اسے مان لے گی باقی جو تم بشر ہونے کی حیثیت سے جو کچھ ان سے کہو گے وہ ان کی مرضی چاہے مانیں چاہے نہ مانیں۔

مقام افسوس ہے کہ مسلمانوں نے یہ تصور کرلیا ہے کہ خدا اپنی ذمہ داری یعنی کار ہدایت سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہادی جیسے عظیم منصب کو یونہی چلتے پھرتے کسی بھی بشر

کوتھا دیتا ہے۔اسی تصور کا نتیجہ ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام کو نہ صرف اعلان نبوت سے پہلے بلکہ نبوت کے اعلان کے بعد بھی ایک عام آدمی جیسا سمجھ لیا گیا۔اور ان سے ہر قسم کی لغزشوں کی روایت گھڑ کر اپنی صحاح میں درج کر لی گئی ہیں اور مسلمانوں نے اپنی مخصوص اغراض کو پورا کرنے کے لیے منصب نبوت کو اتنا گرایا ہے کہ ہر شخص نبوت کا دعویدار بن گیا چنانچہ منصب نبوت کو گرانے کی ایک مثال وہ گھڑی ہوئی حدیث ہے جو پیغمبر اکرم کی طرف منسوب کر کے اس طرح بیان کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا''

ہمیں حضرت عمر کے اسلام لانے سے پہلے کی حالت بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن جب یہ کہا گیا کہ پیغمبرؐ نے یہ فرمایا کہ ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا'' تو ہم پر لازم آتا ہے کہ حضرت عمر کی زندگی کے اسلام لانے سے پہلے کے حالات معلوم کریں کیونکہ جب بھی کوئی نبی دعویٰ نبوت کرتا ہے تو ہم پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہم اس دعوائے نبوت کرنے والے کی زندگی کے دعوائے نبوت سے پہلے کے حالات معلوم کریں۔

حضرت عمر کی اسلام لانے سے پہلے عام حالت جو مسلمان محققین و مورخین اور سیرت نگاروں نے لکھی اس کے صرف 3 نمونے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں اس کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد حضرت عمر کی توہین نہیں بلکہ نبوت و رسالت کی عظمت کی حفاظت ہے کہ نبوت و رسالت کسی ایسے شخص کو نہیں دی جا سکتی جس کی زندگی کا بیشتر حصہ اس طرح گذرا ہو۔

نمبر 1: محمد حسین ہیکل اپنی کتاب الفاروق عمر میں لکھتے ہیں

''حضرت عمر مکہ کے دوسرے نوجوانوں کی طرح بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ دخت رز (شراب) کے عاشق تھے۔انہیں اپنے عنفوان شباب میں حسینان عرب سے بلا کا شغف رہا ہے۔یہاں تک کہ ان کے تمام سوانح نگاران کی بادہ پیمائی (شراب نوشی) اور حسن

نوازی پر متفق ہیں۔

یہ دونوں شوقت حضرت عمر ہی کی ذات تک محدود نہ تھے بلکہ اس زمانے میں یہ قریش کا عام مذاق تھا چنانچہ مکہ والے نبیذ پر جانیں دیتے تھے اور اس کے پینے میں انہیں دونوں جہاں کی نعمتیں مل جاتی تھیں اپنی خواہش نفس وہ لونڈیوں سے پوری کرتے تھے اور اپنے جذبات عشق و شیفتگی کی راحت کا سامان دوسری عورتوں سے بہم پہنچاتے تھے۔ جاہلیت کے اشعار اس شغف کی ترجمانی کرتے اور ان کے دل باختگان شاہد و شراب کے سمند شوق کے لیے تازیانہ ثابت ہوتے تھے" حضرت عمر فاروق اعظم ص 47

ترجمہ الفاروق عمر از محمد حسین ہیکل مصری

اس سے آگے چل کر پھر یہی مصنف لکھتا ہے کہ

"ان کی رائے میں اس گروہ (مسلمانوں) کا اپنے مذہب سے پھر جانا گویا عربی اتحاد کے ایک ستون کا گر جانا تھا۔ اس لئے وہ ان موحدین سے برسر پیکار رہتے تھے اور انہیں اس طرح ختم کر دینا چاہتے تھے کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ شاید ان کے اس تعصب میں بت پرستی سے زیادہ قوم پرستی کو دخل تھا" (حضرت عمر فاروق اعظم ص 49)

ترجمہ الفاروق عمر از محمد حسین ہیکل مصری

پھر یہی مصنف اس سے آگے مزید لکھتا ہے کہ

"جب توحید کی دعوت پھیلنے لگی تو مکہ کے غالی بت پرستوں نے بے دست و پا مسلمانوں کو نشانہ ستم بنانا شروع کر دیا کہ وہ درماندہ ہو کر دوبارہ بت پرستی اختیار کر لیں اس نئی دعوت کے مخالفین میں حضرت عمر ابن خطاب کا نام سر فہرست تھا مشرکین مکہ میں وہ سب سے زیادہ مسلمانوں کے دشمن تھے طرح طرح سے انھیں ستاتے اور ہر عنوان ترک اسلام پر مجبور کرتے۔ حضرت عمر فاروق اعظم ص 51

ترجمہ الفاروق عمر از محمد حسین ہیکل مصری

ہے کہ وہ حضرت آدمؑ سے پہلے اس دنیائے ظاہر میں جسمانی طور پر پیدا ہو گئے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی نسل انسانی کی پہلی فرد بھی اس دنیا میں نہیں آئی تھی جب خدا نے جسے جسے نبوت پر فائز کرنا تھا اسے اسے نبوت پر فائز کر دیا تھا اور خود حضرت آدمؑ بھی اس وقت جب وہ مٹی اور پانی کے درمیان تھے عالم ارواح میں منصب نبوت پر فائز ہو چکے تھے اور پیغمبر گرامی اسلام بھی اسی وقت سے نبی ہیں اور دراصل آیہ مبارکہ "ان اللہ اصطفےٰ آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین" کا مطلب یہی ہے۔ یعنی نبوت کے لئے جن کا اصطفےٰ کرنا تھا وہ عالم ارواح میں ہو چکا تھا اور اس پر عالم ارواح کے میثاق گواہ ہیں جن میں میثاق ربوبیت (یعنی الست بربکم" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) لینے کے بعد میثاق نبوت ہی کی باری آتی ہے جس پر اذ اخذنا من النبیین میثاقھم۔ یعنی اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے تمام انبیاء (کی ارواح) سے انکا عہد لیا اور اذ اخذ اللہ میثاق النبیین یعنی اس وقت کو یاد کرو جب انبیاء کے لئے تمام ارواح بنی آدم سے اپنی ربوبیت کا اقرار لینے کے بعد ارواح بنی آدم میں سے جسے جسے نبی بنانا چاہا اسے عالم ارواح میں ہی نبی بنا دیا تھا اور عالم ارواح میں ہی اسے منصب نبوت پر فائز کر دیا تھا اور ان کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے اپنے خاص پیغام کے ذریعہ ان کے آنے کی دنیا والوں کو خبر دیتا رہا اور قرآن کریم خود انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے حالات اس بات کے گواہ ہیں کہ خدا نے عالم ارواح میں نبی بنانے کے بعد جس بشر کو بھی دنیا میں بھیجا اسکے انعقاد نطفہ سے لے کر پیدا ہونے تک اور پیدائش سے لیکر شیر خوارگی تک اور شیر خوارگی سے لے کر جوانی تک اس کی نگرانی کی ہے۔ اس کی اپنے کام کے لئے تربیت کی ہے اور اس کو اس معیار کے مطابق بنایا جس معیار کی اس کے نزدیک منصب نبوت و رسالت کے لئے ضرورت تھی اسے ہر وقت اپنی رحمت کے سائے میں رکھا۔ اور جس وقت اسے جتنے علم کی ضرورت ہوتی اسے اپنی وحی کے ذریعہ تعلیم دی اور اس کی ایسی تربیت کی جیسا کہ نبوت و رسالت کے لئے

منصب کے لیے تربیت دینے کا حق ہے۔

ذرا موسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی میں غور کریں اور ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان بشارتوں کا مطالعہ کریں ان کے آنے سے پہلے فرعون کی ان کوششوں کا جائزہ لیں جو وہ اس مقصد کے لیے کرر ہا تھا کہ موسیٰ پیدا ہی نہ ہوں اور اگر پیدا ہو جائے تو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے ۔موسیٰ ماں کے پیٹ میں ہیں فرعون کی مقررہ کردہ دائی جو بچہ پیدا ہونے کی اطلاع پاسبانان فرعون کو دینے پر مامور تھی اس کے دل میں موسیٰ کی ماں کی ایسی محبت والفت وعظمت پیدا کر دی کہ خود موسیٰ کے پیدا ہونے کی اطلاع دینے والی دائی کو اس کے پیدا ہونے کو پوشیدہ رکھنے پر آمادہ کر دیا۔اور اس سے یہ کہلوا دیا کہ مادر موسیٰ کے کچھ پیدا نہیں ہوا بلکہ ایک خون کا لوتھڑا ساقط ہوا ہے اور موسیٰ کی ماں کو جب اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں بچہ رونے نہ لگ جائے جو ایک فطری بات ہے اور اس سے اس سے پاسبانان فرعون کو پتہ چل جائے اور وہ اسے قتل کر دیں تو خدا نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی تم کوئی خوف نہ کرو تم اس کو دودھ پلاؤ اور پھر اس کو دریا میں ڈال دو ہم اسے تمہارے پاس لوٹا دیں گے اور ہم اسے رسول بنا ئینگے۔

موسیٰ کی ماں نے خدا کی وحی کے مطابق موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھا اور اس صندوق کو دریائے نیل کے حوالے کر دیا۔مگر موسیٰ کی ماں کا دل حزن و ملال سے پُر ہو گیا قریب تھا کہ آہ وزاری کرے لیکن خدا نے اس کے دل کو تسلی دی۔

یہ صندوق کہیں بھی جا سکتا تھا مگر خدا نے ایک ہوا چلائی اور اس کا رخ خود فرعون کے محل کی طرف کر دیا۔وہ ہوا اس صندوق کو فرعون کے محل کی طرف لے چلی۔آسیہ زن فرعون نے اس صندوق کو دریا سے نکلوایا جب اسے کھول کر دیکھا تو ایک حسین وجمیل لڑکا تھا۔تو خدا نے اس کے دل میں بھی موسیٰ کی محبت پیدا کر دی اور اس نے اس فرعون کو جو اس کو آنے سے روکنے کے لئے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرارہا تھا اپنا بیٹا بنانے پر آمادہ کرلیا۔

دودھ پلانے کے لئے دائیوں کی تلاش شروع ہوئی تو خدا نے موسیٰ پر تمام دائیوں کا دودھ حرام کردیا "حرمنا علیہ المراضع" موسیٰ کسی کو منہ نہ لگاتے تھے حالانکہ موسیٰ ایک دن کا بچہ ہیں۔ ایک دن کے بچہ کو حلال و حرام کی کیا تمیز ہوتی ہے مگر خدا کہہ رہا ہے کہ ہم نے موسیٰ پر تمام دائیوں کا دودھ حرام کردیا۔ اور موسیٰ نے ان کے دودھ کو منہ نہیں لگایا۔ جن کے دودھ کو موسیٰ پر خدا نے حرام کردیا تھا یہ اس بشر کی زندگی کا پہلا دن ہے جسے اس نے نبوت عطا کی تھی اور منصب رسالت پر آگے چل کر سرفراز کرنا تھا۔

بہرحال موسیٰ کی بہن کی نشاندہی پر موسیٰ کی ماں کو بلوایا گیا۔ موسیٰ اپنی ماں کو دیکھتے ہی ماں کی چھاتیوں سے چمٹ گئے اور خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ اور اس طرح موسیٰ دودھ پلانے کے لیے مادر موسیٰ کے حوالے کردیئے گئے اور خدا نے فرعون کے ذہن میں یہ خیال تک نہ آنے دیا کہ جس بچے نے بنی اسرائیل کی عورت کا دودھ پیا ہے کہیں یہ اسی عورت کا نہ ہو؟ اور کہیں یہ وہی بچہ نہ ہو جس کو آنے سے روکنے کے لیے وہ بنی اسرائیل کے ہزاروں لڑکے قتل کراچکا ہے؟

بہرحال خدا نے وحی کے ذریعہ مادر موسیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کردیا کہ تم خوف نہ کرو اسے دریا میں ڈال دو اسے ہم تمہارے پاس لوٹا دینگے اور اسے ہم اپنا رسول بنائینگے۔ لہذا ہم اس کی خود حفاظت کررہے ہیں ہم اس کی خود نگرانی کررہے ہیں ہم نے اس کی کار رسالت انجام دینے کے لیے تربیت کرنی ہے اور ہم نے اسے اپنی نظروں کے سامنے تربیت دے کر کار رسالت انجام دینے کے لائق بنانا ہے۔

جیسا کہ فرماتا ہے کہ "لتصنع علیٰ عینی"

یعنی ہم نے اے موسیٰ تمہیں تمہاری والدہ کی طرف اس لئے لوٹایا تاکہ تم ہماری نظروں کے سامنے تربیت پاکر کار رسالت انجام دینے کے قابل بن جاؤ۔

پس اس عرصہ میں خدا نے خود موسیٰ کو زیور علم سے آراستہ کیا اور جس وقت جتنے علم

ہم نے اس مصری مصنف سیرت نگار کی کتاب الفاروق عمر سے یہ عبارتیں نمونہ کے طور پر صرف اس لیے نقل کی ہیں تا کہ یہ دیکھا جائے کہ کیا خدا کسی ایسے شخص جس کا حال یہ ہو اپنی ہدایت کا کام سپرد کر سکتا ہے اور اسے منصب نبوت و رسالت پر فائز کر سکتا ہے اور کیا پیغمبر اکرم کسی ایسے شخص کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ ہوتا"

اس حدیث کو گھڑنے والوں نے پیغمبر کے بارے میں بھی یہ تصور دیا ہے کویا پیغمبر کے نزدیک ایسے شخص کو نبی بنایا جا سکتا ہے لہذا وہ پیغمبر کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے۔اس طرح خود مسلمانوں نے پیغمبر کی توہین کی ہے اور منصب نبوت کو اس درجہ گرایا ہے کہ اس سے زیادہ کافروں کو نبی کی توہین کرنے کی ضرورت نہیں ہے لہذا ضروری ہے کہ عظمت ناموس رسالت کے اظہار کے لئے ہم مسلمانوں کو بتلائیں کہ خدا کے نزدیک انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے تقرر کا کیا معیار ہے۔

انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے تقرر کا معیار

اس میں شک نہیں کہ خدا انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے طور پر جنہیں تعینات کرتا ہے وہ حقیقتاً بشر ہوتے ہیں انسان ہوتے ہیں اور مرد ہوتے ہیں غور طلب بات صرف یہ ہے کہ خدا انسانوں کا ہادی کیسے شخص کو بناتا ہے اور کس طرح بناتا ہے یعنی آیا یہ بات ہے کہ اس نے بنی نوع انسان کو ویسے ہی خلق کر دیا اور جب اس نے دیکھا کہ نسل انسانی بہت بگڑ گئی ہے۔بت پرستی اور کفر و شرک کو اس نے اپنا شعار بنا لیا ہے شراب و کباب میں مست ہے زنا، قتل اور اخلاق باختگی شیوہ بن چکا ہے تو خدا ایسے میں کسی بت پرست، کافر، مشرک، دختر رز کے پرستار، شراب کے رسیا، زانی و قاتل اور اخلاق باختہ شخص کو پکڑ کر اپنی نبوت تھما دیتا ہے اور اپنی نبوت و رسالت حوالے کر دیتا ہے یا

اس کا کوئی خاص معیار اور طریقہ ہے۔

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک انبیاء و رسول اور رہادیان دین کے تقرر کا ایک خاص معیار ہے اور ایک مخصوص طریقہ ہے اور اس معیار اور اس طریقہ کے اظہار کے لیے اس نے قرآن کریم میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ خصوصیت کے ساتھ یہ ہیں۔

(۱) اصطفےٰ (۲) اختیار (۳) اجتبےٰ

ان تینوں الفاظ کا ترجمہ کرتے وقت اکثر ترجمہ کرنیوالے ایک ہی ترجمہ کرتے ہیں یعنی منتخب کرنا یا چننا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں الفاظ میں باریک ترین فرق ہے اور یہ تینوں الفاظ ہم معنی نہیں ہیں۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں اور جس جس کے لیے یہ الفاظ اور ان کے مشتقات آئے ہیں پہلے ہم ذیل میں انہیں تفصیل کے ساتھ قرآن کریم سے معہ حوالہ کے نقل کرتے ہیں اور سب سے پہلے لفظ اصطفیٰ اور اس کے مشتقات کو لیتے ہیں

حضرت مریمؑ کا اصطفےٰ

ارشاد رب العزت ہے

" واذ قالت الملائکۃ تریم ان اللہ اصطفک و طھرک و اصطفاک علی نساء العالمین" (آل عمران ۔42)

اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم کو پاک رکھا ہے اور تم کو دنیا جہان کی عورتوں پر فضیلت اور برتری دی ہے اور تمہیں زمانہ بھر کی عورتوں سے برگزیدہ کیا ہے اس آیت کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لغت سے اصطفےٰ کے معنی پر روشنی ڈالی جائے

راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

الاصطفاء: اصطفے کے معنی صاف اور خالص چیز لے لینا ہے کہ جیسا کہ اختیار کے معنی بہتر چیز لے لینا آتے ہیں اور الاجتباء کے معنی جبایۃ سے عمدہ چیز منتخب کر لینا آتے ہیں اس کے بعد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اللہ کا کسی بندہ کو چن لینا کبھی بطور ایجاد کے ہوتا ہے یعنی اسے اندرونی کثافتوں سے پاک وصاف پیدا کرتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور کبھی بطور اختیار اور حکم کے ہوتا ہے گویا یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی۔

اصطفے کے اس لغوی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے مطلب یہ ہوا کہ اردو میں ترجمہ کرتے وقت کو اس کا ترجمہ منتخب کرنا یا چننا کیا جاتا ہے اور اختیار اور اجتبیٰ کا معنی بھی منتخب کرنا اور چننا ہی کرتے ہیں لیکن حقیقتاً اصطفے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے کسی کا اصطفے کرنا یہ ہوتا ہے کہ خدا انہیں خلقی وفطری یعنی پیدائشی طور پر بطور ایجاد کے اندرونی کثافتوں سے پاک وصاف پیدا کرتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور انہیں ایسی قابلیت صلاحیت اور استعداد کا حامل بنا کر پیدا کرتا ہے کہ وہ وحی الٰہی کو اخذ کر سکیں اور سمجھ سکیں اور کسی کو اختیار کرنا اور اجتبےٰ کرنا بعد کا مرحلہ ہے یعنی وہ اختیار صرف اس کو کرتا ہے جو پہلے سے مصطفےٰ ہوتے ہیں جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں بیان کیا ہے کہ یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی۔ یعنی خدا پہلے مصطفےٰ بناتا ہے اور انہیں پیدائشی طور پر ان اندرونی کثافتوں سے پاک وصاف رکھتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں۔ پھر انہیں اختیار کرتا ہے اور پھر انھیں مجتبےٰ بناتا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ سوائے خدا کے اس بات کا علم کہ اس نے خلقی و پیدائشی طور پر بطور ایجاد کے کسے مصطفیٰ بنایا ہے اور کسی کو نہیں ہوسکتا۔ لہذا انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے منصب کے لیے بھی اس کے سوا اختیار کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں ہے اس مطلب کو قرآن کریم میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ:

"وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لهم الخیرہ سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون"

"یعنی تیرا رب ہی ہے جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور اپنی مخلوق اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے لوگوں میں سے کسی کو بھی اس بات کا اختیار نہیں ہے اللہ تعالی کی ذات ان کے اس شرک سے پاک ہے"

پس خدا انہیں کو اختیار کرتا ہے جو پیدائشی طور پر مصطفےٰ ہوتے ہیں ان اندرونی کثافتوں سے پاک صاف ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں میں پائی جاتی ہیں اور وہ خدا کی وحی کو اخذ کرنے اور اسے سمجھنے کی قابلیت وصلاحیت واستعداد کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔

اب مذکورہ آیت میں حضرت مریمؑ کے بارے میں یہ لفظ دو دفعہ آیا۔ ایک تو **طھرک** سے پہلے (**ان اللہ اصطفک و طھرک**) تو یہاں اصطفاک کے معنی اردو میں برگزیدہ کرنا اور چننا ہی کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ برگزیدہ کرنا اور چننا کیسے ہے؟

یہ اس طرح نہیں ہے کہ پہلے تو اس کو پیدا کر دیا ہو پھر وہ ان کثافتوں میں مبتلا رہی ہو۔ جس میں دوسرے مبتلا ہوتے ہیں اور پھر ان کثافتوں میں مبتلا رہنے والوں میں سے چن کر اسے پاک کیا نہیں ہرگز نہیں! بلکہ اصطفاک کا مطلب یہ ہے کہ اے مریم اللہ نے تجھے پیدا ہی ان کثافتوں سے پاک کیا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور پھر مزید تاکید کے طور پر واو تفسیری کے ذریعہ فرماتا ہے "وطھرک" اللہ نے تجھے پیدائشی طور پر پاک و پاکیزہ اور معصوم رکھا ہے اور دوسروں میں پائی جانے والی کثافتیں اور عیوب تجھ میں نہیں ہیں۔

اور دوسرے حصہ میں یہ لفظ "اصطفےٰ" علی نساء العالمین سے پہلے۔ جو در اصل اس لفظ کے لغوی معنی کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ تمام دنیا جہان کی عورتوں پر تجھے یہ فضیلت و برتری حاصل ہے کہ تمام دنیا جہان کی عورتوں میں جو اندرونی کثافتیں ہوتی ہیں وہ تجھ میں نہیں ہیں اور تو پیدائشی طور پر مرتبہ اصطفےٰ پر فائز ہے اور پاک و پاکیزہ ہے اور معصوم ہے اس

لیے تجھ میں وحی الٰہی کواخذ کرنے ، سننے اور سمجھنے کی قابلیت وصلاحیت واستعداد موجود ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت میں موجو لفظ علی نساء العالمین کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ اپنے زمانے کی تمام عورتوں پر فضیلت رکھتی تھیں۔یہ بات تو بلا شک وشبہ مسلمہ ہے اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔لیکن حضرت مریمؑ کا قیامت تک کی تمام دنیا جہان کی تمام عورتوں پر فضیلت وبرتری رکھنا بھی کوئی مانع نہیں رکھتا۔

شاید یہ بات اس لیے کہی گئی ہے کہ خدا کے مصطفےٰ بندوں میں اور پاک وپاکیزہ ہستیوں میں ایسی عورتیں موجود ہیں جو حضرت مریمؑ سے افضل ہیں۔

لیکن یہ مقابلہ ان سے نہیں ہے بلکہ یہ مقابلہ ان عام عورتوں سے ہے جو طاہرہ، معصومہ اور اصطفےٰ کی مالک ہوتی ہیں۔ کیونکہ جب خدا کے مصطفےٰ بندوں کا مقابلہ مصطفےٰ بندوں سے ہوگا تو ان کی درجہ بندی اور ہوگی جیسا کہ ارشاد ہوا کہ "تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض" (البقر 253)

"یہ جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے"

لیکن خدا کا بھیجا ہوا ہر نبی اور ہر رسول صرف اپنے زمانے کے لوگوں سے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام جہانوں کے جن وانس سے افضل ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ: "وکلاً فضلنا علی العالمین" (الانعام 86)

ہم نے ان تمام ہادیوں، تمام نبیوں، تمام رسولوں میں سے ہر ایک کو عالمین یعنی دنیا جہان کے لوگوں پر فضیلت دی ہے کیونکہ وہ مصطفےٰ تھے اور دوسرے مصطفےٰ نہیں ہوتے۔

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت مریمؑ نہ تو نبی تھیں نہ رسول تھیں اور نہ امام تھیں، لہذا یہاں اصطفےٰ کے معنی ان عہدوں میں سے کسی منصب کے لیے چننا اور اختیار کرنا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان کے پاس ان مناصب میں سے کوئی منصب تھا ہی نہیں۔لہذا یہاں اصطفےٰ کا معنی چننا لینے کا کچھ مطلب ہی نہیں بنتا سوائے اس کے جو اوپر

مفردات راغب اصفہانی سے بیان ہوا ہے کہ وہ ان تمام کثافتوں سے پاک وصاف تھیں جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور وہ وحی الہی کو اخذ کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت و قابلیت و استعداد رکھتی تھیں۔

البتہ اگر عورت نبی ہو سکتی ہوتی۔ رسول بن سکتی ہوتی یا امام ہو سکتی ہوتی تو یقیناً حضرت مریم کو اپنے زمانہ کی عورتوں کے لیے نبوت یا رسالت وامامت کے لیے منتخب فرماتا نہ کہ کسی اور عورت کو۔

رسولوں کا ملائکہ اور انسانوں میں سے اصطفٰے

خداوند تعالٰی سورہ حج میں ارشاد فرماتا ہے

" اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً ومن الناس "(الحج۔75)

خدا اپنی رسالت کے لئے ملائکہ اور انسانوں میں سے مصطفٰے کرتا ہے یعنی انہیں مصطفٰے بناتا ہے۔

انسانوں کے ساتھ ملائکہ کا ذکر کرنے سے یہ ثابت ہوا کہ ملائکہ جو معصوم ہوتے ہیں ان میں سے کسی کو بھی خدا جسے رسول بنانا چاہتا ہے پہلے اسے مصطفٰے بناتا ہے یعنی اس میں خلقی طور پر ایسی خوبیاں، ایسی خصلتیں، ایسی صفات اور ایسی قابلیت اور استعداد ایجاد کرتا ہے جو اس کی رسالت کے انجام دینے کے لیے لازمی اور ضروری ہیں اور صرف انہیں فرشتوں کو رسول بناتا ہے جن میں اس نے وہ صفات ایجاد کی ہوتی ہیں جو اس کی رسالت کے انجام دینے کے لیے ضروری ہیں۔

اور یہی بات انسانوں میں سے کسی کو رسول بنانے کے لیے کہی گئی ہو یعنی جس انسان کو خدا نے اپنا منصب نبوت و رسالت عطا کرنا ہوتا ہے پہلے اس میں خلقی طور پر وہ خوبیاں و خصلتیں اور وہ صفات پیدا کرتا ہے جو اس کی رسالت کے انجام دینے کے لیے

لازمی وضروری ہیں ۔جس کے لیے اس نے قرآن میں جگہ جگہ اصطفےٰ کا لفظ استعمال کیا ہے لہذا جس کا اس نے اصطفےٰ کیا ہوتا ہے صرف انہیں کو وہ اپنی نبوت ورسالت وامامت عطا کرتا ہے اور یہ اصطفےٰ عالم ارواح میں روح کا کیا جاتا ہے لہذا انبیاء ورسل اور ہادیان دین جب پیدا ہوتے ہیں تو مصطفےٰ ہوتے ہیں اور وحی الٰہی کو اخذ کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا:

"انی عبدالله اتانی الکتب و جعلنی نبیاً"

میں اللہ کا بندہ ہوں کتاب لیکر آیا ہوں اور مجھے اللہ نے نبی بنایا ہے

اسی طرح ابوالبشر حضرت آدمؑ کے اصطفےٰ کا تقاضا تھا کہ پیدا ہوتے ہی خدا نے وحی شروع کردی اور فرمایا "یا آدم اسکن انت و زوجک الجنة"

"ہم نے آدم کو وحی کی اے آدمؑ تم یہیں جنت میں آرام کرو"

تمام انبیاء ورسل اور ہادیان دین کا اصطفےٰ

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے

"ان الله اصطفٰے آدم و نوحاً و آل ابراهیم و آل عمران علی العالمین"
(آل عمران-33)

خدا نے آدمؑ کو نوحؑ کو اور آل ابراہیمؑ کو اور آل عمرانؑ کو تمام دنیا جہان کے لوگوں پر اصطفےٰ کے ذریعہ برتری عطا کی ہے۔

اس آیت میں اختصار کے ساتھ آدم سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام ہادیوں یعنی تمام نبیوں ،تمام رسولوں اور تمام اماموں کے اصطفےٰ کا ذکر ہے ۔یعنی کوئی بھی ہادی خواہ نبی ہو یا رسول یا امام ہدایت کے منصب پر فائز نہیں کیا جاتا جب تک کہ اسے پیدائشی طور پر پہلے سے ان صفات کا حامل بنا کر پیدا نہ کیا گیا ہو جو کار ہدایت انجام دینے

کے لئے ضروری ہیں لہذا سب کے سب انبیاء و رسل اور ہادیان دین خدا کے مصطفٰے بندے تھے۔ لیکن ان سب میں مصطفائی کا تاج جس کے سر پر سجایا گیا وہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ کی ذات گرامی ہے۔

اب یہ جان لینے کے بعد کہ ہر نبی پیدائشی طور پر مصطفٰے ہوتا ہے کیا یہ بات ممکن ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ کسی ایسے شخص کے بارے میں جس کی سیرت کا بیان محمد حسین ہیکل کی کتاب الفاروق عمر سے سابق میں بیان ہوا ہے یہ کہہ سکتے تھے کہ؟ ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ ہوتا''

اب ہم لفظ اصطفٰے کے معنی کی تحقیق پیش کرنے کے بعد لفظ اختیار کی تحقیق کی طرف آتے ہیں۔

''اختیار''

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں

الاختیار: (افتعال) بہتر چیز کو طلب کر کے اسے کر گزرنا۔

اور لفظ اصطفٰے کے معنی تحقیق کے بیان میں گزر چکا ہے کہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ اختیار کے معنی بہتر چیز کو لے لیا آتے ہیں لیکن یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی۔ یعنی جو پہلے سے مصطفٰے ہوتا ہے۔ خدا اسی کو اختیار کرتا ہے قرآن کریم میں آیا ہے۔

فلما اتٰھا نودی یموسیٰ انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی و انا اخترتک فاستمع لما یوحیٰ (طہ 1 تا 13)

جب موسیٰ کوہ طور پر آگ کے پاس آئے تو ان کو آواز دی گئی کہ میں تمہارا پروردگار ہوں اور تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ پس تم اپنی جوتیاں اتار دو۔ اور میں نے تم

کو اختیار کیا ہے یا منتخب کیا ہے پس جو کچھ تمہیں وحی کیجاتی ہے اسے غور سے سنو۔

یہاں پر بھی اختر ک کا معنی چننا یا برگزید کرنا کیا جاتا ہے لیکن اس سے مراد وہی بہتر چیز کو طلب کر کے کرگزرنا یا بہتر چیز کو لے لینا ہے۔ یعنی نبوت و رسالت کے لئے موسیٰ کا پیدائشی طور پر اصطفےٰ کیا گیا تھا وہ خدا کے مصطفےٰ بندے تھے لہذا خدا نے انہیں اس کام کے لیے اختیار کر لیا اور ان پر اپنی وحی کا سلسلہ شروع کر دیا۔

بیشک خدا نے تمام انبیاء اور رسولوں کا پیدائشی طور پر اصطفےٰ کیا تھا اور چونکہ وہ نبوت و رسالت اور کار ہدایت انجام دینے کے لیے بہتر اور موزوں تر تھے لہذا خدا نے ان سب کو وحی کے لئے انتخاب کیا اور ان کو اختیار کیا۔

اس ترتیب سے یہ ثابت ہوا کہ خداوند تعالیٰ جن ہستیوں کو نبی اور رسول بنانا چاہتا ہے پہلے انہیں مصطفےٰ پیدا کرتا ہے یعنی پیدائشی طور پر انہیں ان کثافتوں سے پاک پیدا کرتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں۔ اور نبوت و رسالت کے درخور حال صفات ان میں پیدائشی طور پر ایجاد کرتا ہے اور پھر ان مصطفےٰ ہستیوں کو دوسروں میں سے چن لیتا ہے یا اختیار کر لیتا ہے۔

اور چونکہ خداوند تعالیٰ نے عالم ارواح میں ہی ان انبیاء سے عہد و میثاق لیا تھا جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے کہ

" و اذ اخذنا من النبین میثاقھم و منک و من نوح و ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم و اخذنا منھم میثاقاً غلیظاً (الاحزاب۔7)

اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے تمام نبیوں سے (عالم ارواح میں) انکا اپنا عہد و میثاق لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسی ابن مریم سے بھی عہد لیا۔ اور ہم نے ان سے بہت ہی سخت عہد لیا۔

لہذا اس آیہ میثاق سے یہ ثابت ہوا کہ خدا نے ان مصطفےٰ ہستیوں کو اپنی نبوت و

رسالت کے لیے منتخب کرنے کے بعد تمام ارواح بنی آدم سے ان انبیاء اور رسولوں پر علی الالعموم اور پیغمبر آخر الزمان پر علی الخصوص ایمان لانے کا عہد و پیمان لیا تھا جیسا کہ

آیہ وافی ہدایہ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتئومنن به ولتنصرنه"

(آل عمران۔86)

سے ثابت ہے یعنی ارواح بنی آدم سے یہ اقرار لیا کہ ان تمام انبیاء کے بعد ایک آخری رسول آئیگا جو ان تمام باتوں کی جو تمہارے پاس اس سے پہلے انبیاء کے ذریعہ آئی ہوئی ہیں تصدیق کرے گا تو تم ان پر ایمان بھی لانا اور اس کی مدد بھی کرنا۔

لفظ اختیار کی تشریح میں اتنا ہی کافی ہے اب ہم لفظ اجتبیٰ کے معنی میں غور کرتے ہیں

"اجتبیٰ"

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں

الاجتباء۔(افتعال) کے معنی انتخاب کے طور پر کسی چیز کو جمع کرنے کے ہیں لہذ آیت کریمہ" و اذ لم تاتیهم قالو ا لولا اجتبیتها (الاعراف۔203) اور جب تم ان کے پاس کچھ دنوں تک کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے) کیوں نہیں بنالی ہیں لولا اجتبیتھا کے معنی یہ ہوں گے کہ تم خود ہی ان کو تالیف کیوں نہیں کر لیتے دراصل کفار یہ جملہ طنزیہ کہتے تھے کہ یہ آیات اللہ کی طرف سے نہیں ہیں تم خود ہی اپنے طور پر بنالیتے ہو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اجتبیٰ کے معنی کسی کا کسی چیز کو بنانا ہے اس مطلب کو سمجھنے کے لئے چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

حضرت یوسفؑ کا اجتبےٰ

سورہ یوسف میں آیا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ حضرت یعقوب

سے کہا کہ میں نے گیارہ ستارے اور چاند اور سورج کو دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کررہے ہیں
تو حضرت یعقوب نے فرمایا: ''**وکذالک یجتبیک ربک و یعلمک من تاویل الاحادیث ویتم نعمته علیک و علی آل یعقوب کما اتمها علیٰ ابویک من قبل ابراهیم واسحق ان ربک علیم حکیم** (یوسف۔6)

اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہارا انتخاب کرے گا اور تم کو خوابوں کی تعبیر سکھائے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمتیں پوری کرے گا۔جیسے کہ پہلے تمہارے پردادا ابراہیم اور دادا اسحاق پر کر چکا ہے یقیناً تمہارا پروردگار صاحب علم وحکمت ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ خدا انبیاء کو علوم کی تعلیم دینے کے لئے انہیں اپنے زیر نظر رکھتا ہے اور ان کی تعلیم وتربیت خود کرتا ہے اور **یجتبیک ربک** کے بعد ''**و یعلمک**'' اسکی واضح دلیل ہے۔گویا خدا ان کے درخور حال ان کو خود تعلیم دیتا ہے۔ان کی خود تربیت کرتا ہے اور انہیں اپنے فیوض وبرکات اور علم غیب کی نعمتوں سے نوازتا ہے جیسا کہ سورہ آل عمران میں آیا ہے کہ:

وما کان الله لیطلعکم علی الغیب و لکن الله یجتبی من رسله من یشاء فآمنوا بالله و رسله ان تومنوا و تتقوا فلکم اجر عظیم (آل عمران۔17)

اورخدا کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تم کوغیب کی باتوں سے آگاہ کرے لیکن خدا اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس بات کے لیے منتخب کرتا ہے۔(ان کو مجتبیٰ بنا تا ہے)پس تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیز گاری کروتو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے''

اس آیت سے ثابت ہوا کہ خداوند تعالیٰ اپنے رسولوں کو اپنے زیر نظر رکھتا ہے ان کو علم غیب کے لئے خاص کر لیتا ہے اور خود ان کو اپنی عنایت خاص سے تربیت کرتا ہے اور انہیں حسب ضرورت علوم کی خود تعلیم دیتا ہے

تمام انبیاء کا اجتبے

خداوند تعالیٰ تمام انبیاء کا مجمل طور پر بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ

" اولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبین من ذریة آدم و ممن حملنا مع نوح و من ذریة ابراھیم و اسرائیل و ممن ھدینا و اجتبینا۔

(مریم۔58)

یہ تمام کے تمام انبیاء وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے ان میں سے کچھ تو آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں اور کچھ انبیاء ان کی اولاد میں سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا اور کچھ انبیاء ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت کی راہ بتلائی اور ان کا اجتبے کیا اور انہیں مجتبے بنایا۔

اس آیت میں خدا نے تمام انبیاء کی ہدایت پر اپنا انعام کرنے اور ان کے اجتبے کو بیان کیا ہے۔

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں اجتبے کے معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

"اللہ تعالیٰ کا کسی بندہ کو چن لینا کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے فیض کے لیے برگزیدہ کرلیتا ہے جسے کو ناں گوں نعمتیں جدوجہد کے بغیر حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور صدیقوں اور شہیدوں کے لئے جو ان کے قریب درجہ حاصل کر لیتے ہیں"

اگر مذکورہ آیت میں انبیاء کے لئے اجتبے کا بیان ہوا ہے لیکن ہر جگہ ترجمہ میں معنی وہی منتخب کرنا، برگزیدہ کرنا اور چن لینا استعمال ہوئے ہیں۔ جبکہ اصطفے اور اختیار کے لئے بھی اردو میں ان ہی الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ اردو کے دامن میں اتنی وسعت ہی نہیں ہے کہ ان الفاظ کا یعنی اصطفے کا، اختیار کا اور اجتبے کا علیحدہ علیحدہ معنی کر سکے، حالانکہ عربی زبان میں علیحدہ علیحدہ الفاظ آئے ہیں اب فرق ان میں یہ ہے کہ اصطفے کا لفظ ان لوگوں کے لئے

استعمال ہوتا ہے جن میں خدا نے خلقی طور پر بطور ایجاد کے وہ صفات ،وہ خصوصیات ،وہ خوبیاں وہ صلاحیت وہ قابلیت اور وہ استعداد پیدا کی ہوئی ہوتی جس کی وجہ سے وہ وحی الٰہی کو اخذ کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جو کسی کو نبی بنانے کے لیے ایک ضروری و لازمی صفت ہے بالفاظ دیگر نبی پیدائش کے وقت بھی مصطفےٰ ہوتا ہے اور مرتبہ نبوت پر فائز ہوتا ہے اور معصوم ہوتا ہے ۔اور اختیار کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان ہستیوں کو جنہیں اس نے مصطفےٰ بنایا ہے اپنی وحی کے لئے اور انہیں اپنے کام کا بنانے کے لئے ہمہ وقت اپنی زیر نظر رکھنے کی خاطر دوسرے لوگوں میں سے بہتر کے طور پر چن لیتا ہے اور اجتبٰے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے ان مصطفےٰ بندوں کو اپنے کام کا بنانے کے لئے ہمہ وقت اپنی زیر نظر رکھنے کی خاطر دوسروں لوگوں میں سے بہتر کے طور پر چن کر انہیں ہمہ وقت اپنی زیر نظر رکھتا ہے ۔ان کی نگرانی کرتا ہے انہیں خود تعلیم دیتا ہے انہیں اپنے کام کا بنانے کے لئے خود تربیت کرتا ہے اور ہر دم ان پر اپنی نعمتیں رحمت اور فیوض و برکات نازل کرتا رہتا ہے اور کبھی انہیں خود ان کے نفس کے حوالے نہیں کرتا اور ایک آن اور ایک لمحہ کے لئے بھی انہیں اپنی طرف سے غافل نہیں رہنے دیتا بلکہ ہر دم اپنی طرف سے ہدایت و نگہبانی اور تنبیہ و برہان کے ذریعہ ہوشیار رکھتا ہے اور یہ ہدایت و تنبیہ و برہان ان پیغامات اور سلسلہ وحی کے علاوہ ہوتی ہے جو امت کو پہنچانے کے لئے اس کی طرف کی جاتی ہے ۔اور یہی ہدایت و اجتبٰے وہ چیز ہے جو انبیاء و رسل اور ہادیان دین کو معصوم رکھتی ہے اور ہر قسم کی لغزش سہو و نسیان اور بھول چوک سے محفوظ رکھتی ہے اور ہر قسم کے گناہ سے بچاتی ہے اور محاسن اخلاق کا حامل بناتی ہے ۔ اس لفظ کے معنی اور صحیح مطلب کی حقیقت ہمیں قصہ آدمؑ اور حضرت یونسؑ کے واقعہ میں واضح طور پر نظر آتی ہے لہذا ان دونوں کا حال بیان کیا جاتا ہے ۔

حضرت آدمؑ کا اجتبیٰ

حضرت آدمؑ خدا کے مصطفیٰ بندے تھے خدا نے انکا اصطفےٰ کیا تھا اور وہ پیدائش کے وقت بھی مصطفیٰ تھے یعنی ان میں خلقی طور پر خدا نے وہ خوبیاں ایجاد کی تھیں اور وہ صلاحیت و قابلیت و استعداد ان میں پیدا کی تھی جن کی بناء پر وہ خدا کی وحی کو اخذ کرنے اور اسے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اور کار نبوت انجام دینے کے اہل تھے۔ وحی الٰہی کو اخذ کرنے سننے اور سمجھنے کی صلاحیت پر خدا کا ان سے پیدا کرتے ہی یہ کہنا کہ " **اسکن انت و زوجک الجنة**" "تم اور تمہاری زوجہ یہیں جنت میں آرام کرو۔ اس بات کی بین دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام وحی الٰہی کے اخذ کرنے سننے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اور آدمؑ کے اصطفےٰ پر آیہ اصطفےٰ یعنی **ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً** الخ گواہ ہے۔

لیکن آدمؑ جنت میں رہتے ہوئے مصطفیٰ تو تھے لیکن مجتبیٰ نہیں تھے انہیں جنت میں رہنے اور ساری صورت حال سمجھا کر آزاد چھوڑ دیا گیا تھا اور ہمہ وقت نگرانی و تنبیہ و برہان و ہدایت کا آغاز نہ کیا تھا لہذا ان سے ترک اولیٰ کی صورت میں وہ لغزش ہوگئی جس کی بناء پر انہیں مشقت اٹھانی پڑی اور جنت سے باہر آگئے۔ چنانچہ خدا اس لغزش کا بیان کرنے بعد فوراً کہتا ہے کہ "**ثم اجتبٰه ربه فهدیٰ**" (طہ۔122)

اس آیت کا ترجمہ راغب اصفہانی نے اپنی مفردات القرآن میں یہ کیا ہے کہ:

"پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا۔ ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی"

یعنی خدا نے آدم کو جنت سے باہر آنے کے بعد مجتبیٰ بنایا اور انہیں اپنے زیر نظر رکھ کر ان کی تربیت کرنے، ان کو ہدایت کرنے اور اپنی تنبیہ و برہان کے ذریعہ انہیں ہر قسم کی لغزشوں سے بچانے کا کام شروع کیا۔

حضرت یونسؑ کا اجتبٰی

حضرت یونس کے واقعہ سے بھی اجتبٰی کے معنی کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔

حضرت یونسؑ کا خدا نے اصطفٰے بھی کیا تھا وہ نبی ہونے کی حیثیت سے خدا کے برگزیدہ اور اختیار کردہ بھی تھے اور تمام انبیاء کی طرح خدا کے مجتبٰے بھی تھے اور ہر وقت خدا کی طرف سے زیر ہدایت رہتے تھے۔لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ خدا نے ان کی قوم پر ان کے غصہ کی وجہ سے ان کو خود ان کے نفس کے حوالہ کردیا۔لہذا مچھلی کے پیٹ میں پہنچے اور جب ''لا الہ الا انت سبحانک'' کے ذریعہ خدا کی طرف رجوع کیا تو مچھلی نے خدا کے حکم سے انہیں باہر ڈال دیا اس کی مثال دیتے ہوئے خدا اپنے حبیب کو نصیحت کرتا ہے کہ

" واصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت اذ نادی و هو مکظوم . لولا ان تدارکه نعمة من ربه لنبذ بالعراء وهو مذموم فاجتبه ربه فجعله من الصالحين'' (القلم 48 تا 50)

اے میرے حبیب تم اپنے رب کے فیصلہ کے انتظار میں صبر کرو اور مچھلی والے (یعنی یونس) کے مانند نہ ہو جانا جبکہ انھوں نے غم وغصہ کی حالت میں پکارا تھا، اگر ان کے پروردگار کی مہربانی ان کی خبر گیری نہ کرتی تو وہ برے حال سے چٹیل میدان میں پڑے ہوئے ہوتے مگر ان کے پروردگار نے ان کو برگزیدہ کیا ان کا اجتبٰے کیا ان کو پھر سے مجتبٰے بنایا اور ان کو نیک بندوں میں سے قرار دیا۔

اس آیت میں واضح الفاظ میں اجتبٰے کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کسی کو اپنی مہربانی سے خبر گیری کرتا ہے جس کی وجہ سے اسے کوئی برا حال نہ دیکھنا پڑے۔

اور جیسا کہ راغب اصفہانی نے کہا ہے یہ درجہ اصطفٰے اور اختیار کے بعد آتا ہے یعنی جس کو خدا پہلے خلقی طور پر مصطفٰے بناتا ہے اسی کو اختیار کرتا ہے اور پھر اپنے اس مصطفٰے اور

مختار بندے کو مجتبےٰ بناتا ہے یعنی اپنی مہربانی سے اس کی نگرانی و نگہبانی و خبر گیری کرتا رہتا ہے اور اپنی وحی اپنی ہدایتوں اپنی نشانیوں اپنی تنبیہوں اور اپنی مہربانی کے ذریعہ اسے ہر دم ہوشیار اور ہمہ وقت معصوم رکھتا ہے۔ پس سارے کے سارے انبیاء و رسل اور ہادیان دین مصطفےٰ بھی تھے، مختار بھی تھے اور مجتبےٰ بھی تھے اور اسی وجہ سے یہ تاج مصطفائی و اختیار و مجتبائی ہمارے نبی کے سر پر سجا ہوا نظر آتا ہے اور جب بھی حضورؐ کا نام اور اسم گرامی لیا جاتا ہے تو ساتھ ہی کہا جاتا ہے کہ محمد مصطفیٰ، احمد مختار اور احمد مجتبےٰ۔

خدا کے مجتبےٰ بندے معصوم ہوتے ہیں

گذشتہ بیان سے ثابت ہوگیا کہ خدا کے مجتبےٰ بندے ہر وقت خدا کے لطف خاص سے اس کے زیر نظر رہتے ہیں۔ اور اس کی مسلسل ہدایت کے ذریعے تربیت پاتے ہیں۔ خدا کی مہربانی ہر دم ان کی نظر میں رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ جیسا کہ خدا نے حضرت یوسفؑ کے بارے میں سورہ یوسف کے شروع میں تو ان کے اجتبےٰ کا ذکر کیا جس کا بیان پہلے گذر چکا اور اس سورہ کے درمیان میں یہ بتلایا کہ میرے مجتبیٰ بندے میری مہربانی کو دیکھتے رہتے ہیں اور کبھی بھی کسی بھی قسم کا کوئی گناہ نہیں کرتے جیسا کہ ارشاد ہوا کہ " **ولقد همت به وهم بها لولا ن را برهان ربه كذالك لنصرف عنه السوء و الفحشاء انه من عبادنا المخلصين** "

(یوسف۔44)

اور ضرور زلیخا نے یوسف سے بدی کا ارادہ کر ہی لیا تھا اور یوسف بھی اگر اپنے رب کی مہربانی کو نہ دیکھتے تو وہ بھی زلیخا سے ایسا ہی قصد کر بیٹھتے۔ اسی طرح (ہماری مہربانی ہمارے مجتبیٰ بندوں کے سامنے رہتی ہے) تا کہ ہم ان سے بدی اور بے حیائی کی باتوں کو دور رکھیں۔ بیشک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔

بہر حال اجتبیٰ کا درجہ اصطفیٰ اور اختیار کے بعد آتا ہے اور اس کا نتیجہ عصمت ہوتا ہے پس خدا کے سارے انبیاء و رسل اور ہادیان دین کی شان یہی ہے کہ وہ خلقی طور وہ صفات وہ خصوصیات وہ خوبیاں وہ صلاحیتیں اور وہ استعدادیں لے کر پیدا ہوتے ہیں جو ان کے منصب ہدایت کے لئے ضروری ہیں اور خدا ان کی ان صفات کی بناء پر ہی جو اس نے ان میں خلقی اور پیدائشی طور پر پیدا کی ہوئی ہوتی ہیں اپنے منصب اور عہدے کے لئے انہیں منتخب یعنی Select کرتا ہے اور بہتر کے طور پر اختیار کرتا ہے اور پھر ان کو اپنے زیر نظر اور زیر نگرانی ہدایت کر کے تربیت کرتا ہے اور انہیں معصوم رکھتے ہوئے اپنے کام کے لائق بناتا ہے اور تمام دنیا جہان کے قیامت تک آنے والے تمام جن و انس پر انہیں ہر ہر بات میں افضل رکھتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی دانشور اور اعلیٰ سے اعلیٰ قابلیت و صفات کا آدمی بھی ان کی برابری نہیں کر سکتا اور ان سے مہد سے لے کر لحد تک کوئی لغزش نہیں ہونے دیتا۔

یہ ہے اس کی شان جسے خدا نبی بناتا ہے اس صورت میں انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے بشر اور انسان ہونے میں کیا خرابی اور برائی ہے؟ البتہ مسلمانوں نے نبوت کی شان کو اس طرح سے گرا دیا ہے اور ان کی بشریت کو اس طرح سے غلط استعمال کیا ہے جس پر غیر مسلموں کو اعتراض کا موقع ضرور ملتا ہے۔ کیا کوئی صاحب انصاف اور صاحب عقل یہ تصور کر سکتا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام کسی ایسے شخص کے بارے میں جس کی تصویر تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ایسی آئی ہے جیسی کہ محمد حسین ہیکل مصر نے اپنی کتاب ''الفاروق عمر'' میں کھینچی ہے یہ کہہ سکتے تھے؟ کہ ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ ہوتا''

یہ بات خود پیغمبر کے اوپر ایک زبردست تہمت ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ خود پیغمبر اکرم صلعم کو نبوت کی شان معلوم نہ تھی جو ایسے شخص کے بارے میں یہ کہا۔ یہ وہ ظلم ہے جو مسلمانوں نے پیغمبر گرامی اسلام پر ڈھایا ہے اور اسی مقصد کے لئے وہ روایت گھڑی گئی ہے جس میں کھجوروں کی پیوندکاری کا پیغمبر کی طرف منسوب کر کے یہ کہا گیا ہے کہ انھوں

نے لوگوں کے کھجوروں کی پیوند کاری سے منع کر دیا اور جب پیغمبر کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اپنے بشر ہونے کا عذر کیا۔ اس طرح مذکورہ روایت میں خود پیغمبر کی طرف منسوب کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بشر ہر صورت میں غلطی کا پتلا ہوتا ہے خواہ وہ خدا کا مصطفےٰ ہو اور خدا کا مختار و مجتبےٰ ہی کیوں نہ ہو۔

ایسے مسلمانوں کی ایسی ہی باتوں نے ان لوگوں کے ہاتھ میں بھی ایک ہتھیار دے دیا جو انبیاء رسل اور ہادیان دین کو بشر اور انسان نہیں مانتے اور ان کی نوع کو بنی نوع انسان سے جداگانہ مانتے ہیں اور اسطرح دونوں ہی گروہ قرآن کریم کے مسلمات کے منکر ہو گئے ہیں ایک ان کو غلطی کا پتلا بشر مان کر اور دوسرا ان کے بشر اور انسان ہونے کا انکار کر کے۔

انبیاء و رسل اور ہادیان دین حکومت الٰہیہ کے نمائندہ ہوتے ہیں

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حکومت کو ہادیان دین کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے یعنی اپنی طرف سے بھیجے ہوئے ہر ہادی کو اپنی طرف سے بنایا ہوا حاکم کہا ہے اور ان کی اطاعت کو لوگوں پر فرض گردانا ہے۔ چنانچہ سورہ انعام کی آیت نمبر 84 سے آیت نمبر 88 تک حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت یونسؑ اور حضرت لوطؑ وغیرہ انبیاء کے نام بنام ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے کہ:

" اولئک الذین آتینھم الکتٰب والحکم والنبوۃ (الانعام ۔89)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب بھی دی اور حکومت ونبوت بھی عطا کی۔

اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ان میں صرف چند انبیاء کے پاس ہی اقتدار ظاہری رہا ہے ورنہ اکثر انبیاء کے پاس حکومت نہیں تھی۔ بلکہ وہ حکومت جابرہ کے مقہور ومغلوب ہی رہے ہیں جیسے حضرت ذکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت الیاسؑ وغیرہ کہ ان میں سے پہلے دو کو اس وقت کی جابر حکومت نے بڑے بیدردی اور ظلم کے ساتھ شہید کیا اور دوسرے دو کو اگر خدا اوپر نہ اٹھا لیتا تو وہ بھی اپنے وقت کی جابر حکومت کے ظلم کا تختۂ مشق ضرور بنتے۔ مگر خدا یہ کہتا ہے کہ ہم نے ان انبیاء کو حکومت عطا کی تھی اب یہ کیا بات ہوئی؟ دراصل بات یہ ہے کہ خدا کے مقرر کردہ حاکم تو اس کے بھیجے ہوئے ہادی ہی ہوتے ہیں اور اس حکومت کا منشا یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کے بھیجے ہوئے ہادی کی اطاعت کریں اور اس اطاعت کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ لوگ ہدایت پا جائیں جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے کہ " ان تطیعوہ تھتدوا " (النور۔54)

اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے پس ان ہادیوں کو حاکم بنانے اور ان کی اطاعت فرض کرنے کی علت اور سبب لوگوں کو ہدایت دینا ہے تا کہ خدا کی ذمہ داری پوری ہو جائے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء کی نبوت میں حکومت شامل تھی اور اسی لیے خدا نے ہر فرد بشر پر اپنے ہر رسول کی اطاعت کو فرض اور واجب قرار دیا ہے جیسا کہ خداوند تعالی کا ارشاد ہے کہ:

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله (النساء۔64)

''ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے''

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ پیغمبر گرامی اسلام دارا وسکندر کی طرح کے فرمانروا اور ملک گیری اور کشور کشائی کرنے والے حکمران نہ تھے۔ بلکہ آپ کو قیامت تک

آنے والے لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا تھا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ " انک لتھدی الیٰ صراط مستقیم "

"یعنی اے میرے حبیب بیشک تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو"

اور چونکہ پیغمبر گرامی اسلام کی رسالت قیامت تک کے لئے تھی لہذا پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد قیامت تک لوگوں کی ہدایت پیغمبر کی ذمہ داری تھی۔ لہذا پیغمبر کے اس جہان سے رخصت ہو جانے کے بعد پیغمبرؐ کے ایسے جانشین کی ضرورت تھی جو پیغمبر کی جگہ پیغمبر کے نائب کی حیثیت سے پیغمبر کے بعد لوگوں کی ہدایت کرے اور پیغمبر کا وہ جانشین ایسا ہو کہ جو لوگوں کو اسطرح ہدایت کرے کہ اگر خود پیغمبر حیات ہوتے تو وہ وہی بات کہتے جو ان کے نائب نے کہی ہے۔ بالفاظ دیگر پیغمبر کے جانشین کی بات ہدایت کے لئے وہی ہوگی جو پیغمبر صلعم بیان کرتے۔ لہذا جس طرح پیغمبر کی اطاعت اس لئے تھی کہ اس کے بندے ہدایت پا جائیں۔ "ان تطیعوہ تھتدوا" اسی طرح ان کے جانشینوں کی اطاعت بھی اسی لئے فرض ہوگی کہ اس کے بندے ہدایت پا جائیں۔

پس انبیاء و رسل اور ہادیان دین کی حکومت و اطاعت کا ظاہری اقتدار والوں کی حکومت اور اطاعت پر قیاس کرنا سراسر غلط اور باطل ہے۔ اور اس طرح انبیاء و رسل کے حقیقی اور سچے جانشینوں کی حکومت و اطاعت کا بھی ظاہری اقتدار والوں کی حکومت و اطاعت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ خداوند تعالیٰ نے تمام انبیاء اور رسولوں کے اوصیاء اور حقیقی جانشینوں کو بھی انہیں صفات سے نوازا ہے ان کا بھی اصطفےٰ کیا ہے ان کو بھی اختیار کیا ہے ان کا بھی اجتبیٰ کیا ہے اور ان کی بھی طاہر اور ہر رجس سے پاک یعنی معصوم بنایا ہے اور یہی سنت پیغمبر گرامی اسلام کے اوصیاء اور حقیقی جانشینوں میں بھی جاری کی ہے اور اس پر خدا کی کتاب گواہ ہے لہذا ہر ایک کے بارے میں علیحدہ علیحدہ بیان پیش کیا جاتا ہے۔

پیغمبر گرامی اسلام کے حقیقی جانشینوں کا اصطفےٰ

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے تحقیقی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا نے تمام انبیاء و رسل اور ہادیان دین کا اصطفےٰ کیا ہے یعنی انہیں ان کثافتوں سے پاک پیدا کیا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور پیغمبر گرامی اسلام کے بعد خدا نے جنہیں وارث قرآن بنایا ہے ان کا بھی خدا نے اسی طرح سے اصطفےٰ کیا ہے جیسا کہ اس نے تمام انبیاء اور رسولوں کا اصطفےٰ کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا" **والذی اوحینا الیک من الکتاب ھو الحق مصدقاً لما بین یدیه ان الله بعباده خبیر بصیر ۔ ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم و منھم مقتصد و منھم سابق بالخیرات باذن الله ذالک ھو الفضل الکبیر**"   (فاطر 32,31)

"جو کتاب ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی ہے وہ برحق ہے (اور یہ) اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے بیشک اللہ اپنے بندوں کے حال کا واقف اور دیکھنے والا ہے ۔ پھر ہم نے اپنی اس کتاب کا وارث ان کو بنایا جن کا ہم نے اپنے بندوں میں اصطفےٰ کیا تھا ۔ کیونکہ ہمارے بندوں میں تو کچھ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ خدا کے حکم سے تمام نیکیوں میں بڑھ جانے والے ہیں (لہذا قرآن کا وارث بنانے کے لئے اپنے بندوں میں سے کچھ ہستیوں کا اصطفےٰ کرنا اور اپنے ان مصطفےٰ بندوں کو وارث قرآن بنانا) یہی تو بڑا فضل ہے ۔

یہ آیت واضح ثبوت ہے اس بات کا پیغمبر کے بعد کچھ ہستیاں ایسی ہیں جن کا خدا نے اصطفےٰ کیا ہے اور اپنے ان مصطفےٰ بندوں کو ہی اس نے وارث قرآن بنایا ہے اور یہ وہی ہیں جن کے بارے میں پیغمبر گرامی اسلام نے فرمایا ہے کہ

" **انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی اھل بیتی فان**

تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی۔" (مسند احمد بن حنبل جز3 ص 27,17,14
صواعق محرقہ ص 139

یعنی میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک قرآن اور دوسرے میری عترت میرے اہل بیت اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

کیونکہ قرآن کی صحیح معنوں میں پیروی کرنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔لہذا قرآن ھادی ہے اور اہل بیت کی پیروی کرنے والا بھی کبھی گمراہ نہ ہوگا ک۔لہذا عترت پیغمبر یعنی اہل بیت بھی ہادی ہیں اور یہی وہ وارث قرآن ہیں جن کا خدا نے اصطفےٰ کیا ہے۔

ہم تمام انبیاء و رسل کے بارے میں گذشتہ اوراق میں تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں کہ خدا کارِ ہدایت کے لئے صرف انہیں کو اختیار کرتا ہے جن میں اس نے خلقی طور پر وہ صفات و قابلیت وصلاحیت اور وہ استعداد پیدا کی ہوئی ہوتی ہے جو کارِ ہدایت انجام دینے کے لیے لازمی اور ضروری ہے اور اس بات کو اس نے لفظ اصطفےٰ کے ذریعہ بیان کیا ہے۔

اور سورہ انعام کی مذکورہ آیت نمبر 89 یہ کہتی ہے کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد بھی اس نے کچھ ہستیوں کا اصطفےٰ کیا ہے یعنی خدا نے قرآن میں یہ بتلایا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام کے بعد بھی کچھ ہستیاں ایسی ہیں جنہیں اس نے مصطفےٰ بنایا ہے۔

اور اس مسلمہ اصول کی بناء پر جس کا بیان ہم راغب اصفہانی کی کتاب مفردات القرآن کے حوالے سے کر آئے ہیں اختیار اور اجتبےٰ کا نمبر اصطفےٰ کے بعد آتا ہے یعنی وہ کار ہدایت انجام دینے کے لئے اختیار صرف انہیں کو کرتا ہے جن کا اس نے پیدائشی طور پر اصطفےٰ کیا ہوتا ہے اور چونکہ اس بات کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں ہوسکتا کہ اس نے اپنے بندوں میں سے کس کو مصطفےٰ بنایا ہے لہذا اپنے تمام بندوں میں سے مصطفےٰ بندوں کا انتخاب بھی سوائے خدا کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔اسی وجہ سے اس نے قرآن کریم میں واضح طور پر

اعلان فرمایا ہے کہ:

" وربک یخلق مایشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ و تعالیٰ عما یشرکون " (القصص۔68)

یعنی تیرا پروردگار جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اختیار (یعنی منتخب) کرتا ہے۔اس کے بندوں میں سے کسی کو انتخاب کا کوئی اختیار نہیں ہے ۔یا اختیار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔خداوند تعالیٰ کی ذات ان کے اس شرک سے پاک اور منزہ ہے۔

یہ سلب اختیار حتماً ماضی کے لیے بیان نہیں ہوا بلکہ آیت کا لب ولہجہ مستقبل میں ہونے والے عمل کے لئے ہے کہ خبردار تم ایسا نہ کرنا بالفاظ دیگر اس آیت کے ذریعہ واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ خبردار پیغمبر کے جانشینوں کا انتخاب خود ہی نہ کرنے لگ جانا۔

مگر مسلمانوں کی بدقسمتی ہے یہ کہ انھوں نے خدا کے اختیار کردہ اس کے مصطفیٰ بندوں کو چھوڑ کر انتخاب کا اختیار خود اپنے ہاتھ میں لے لیا اور " سبحان اللہ و تعالیٰ عما یشرکون " کی زد میں آ گئے۔

پیغمبر گرامی اسلام کے حقیقی جانشینوں کا اجتبےٰ

اب تک کہ بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ خدا جن کو ہادی خلق بنا کر دنیا میں بھیجتا ہے وہ ان کو پہلے خلقی اور پیدائشی طور پر مصطفیٰ بناتا ہے پھر وہ انہیں مصطفیٰ ہونے کی بناء پر سب سے بہتر کے طور پر اختیار کرتا ہے اور ان کو اختیار کرنے کے بعد ان کو اپنے زیر نظر اور زیر نگرانی رکھتا ہے۔ان پر اپنے فیوض و برکات کی بارش برساتا ہے ان کو ہر دم اپنی دلیل و برہان کے ذریعہ ہر قسم کی لغزش سے محفوظ رکھتا ہے اور انہیں ہادی کے طور اپنے کام کا بنانے کے لیے استعمال کیا ہے وہ ہے " اجتبےٰ " یعنی خدا جنھیں مجتبیٰ بناتا ہے انہیں پہلے اپنے بندوں

میں سے اختیار یعنی (Select) یا منتخب کرتا ہے اور اختیار وہ صرف انہیں کو کرتا ہے جن میں اس نے وہ صفات و خصوصیات ایجاد کی ہوئی ہوتی ہے جو اس کے منصب ہدایت کے درخور حال ہوں یعنی جنہیں اس نے خلقی طور پر پہلے سے مصطفےٰ بنایا ہوا ہو۔

اور قرآن یہ کہتا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد بھی کچھ ہستیاں ایسی ہیں جن کا خدا نے اجتبیٰ کیا ہے اور خدا نے انہیں مجتبیٰ بنایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ

"یا ایھا الذین آمنوا الرکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون ، وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ، ھو اجتباکم و ما جعل علیکم فی الذین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم او تکونوا شھداء علی الناس " (الحج 77-78)

اے ایمان والوں رکوع کرو اور سجدے کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور عمل خیر بجا لاؤ تا کہ تم فلاح پاؤ اور خدا کی راہ میں ایسا جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں مجتبےٰ بنایا ہے تمہارا اجتبیٰ کیا ہے اور تم پر دین کی کسی بات میں تنگی نہیں کی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے اس نے پہلے سے ہی تمہارا نام مسلمین (یعنی مطیع و فرمانبردار) رکھا ہے اور اس قرآن میں بھی (تمہارا وہی نام ہے) تا کہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں اور تم تمام لوگوں پر گواہ ہو۔

اس آیت میں خطاب "یا ایھا الذین آمنوا" سے ہے لہذا اس آیت میں جن کے اجتبےٰ کا بیان ہوا ہے وہ سابقہ انبیاء نہیں ہیں بلکہ پیغمبر کے بعد کے لئے جن کو خدا نے مجتبےٰ بنایا ہے یہ ان کا ذکر ہے دوسرے اس آیت میں اگر چہ خطاب (یا ایھا الذین آمنوا) سے ہے لیکن بعد کے الفاظ کی قید اس اجتبےٰ کو کچھ خاص ہستیوں میں محدود کر رہی ہے وہ الفاظ ہیں نمبر 1: ھو اجتباکم : اس نے تمہیں مجتبےٰ بنایا ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے راغب اصفہانی کی مفردات القران سے بیان کیا ہے اجتبےٰ کا نمبر اختیار کے بعد آتا ہے اور اختیار کا نمبر اصطفےٰ

کے بعد آتا ہے پس خدا اس آیت میں جن ہستیوں سے مخاطب ہے وہ مصطفےٰ بھی ہیں خدا کی طرف سے کارہدایت انجام دینے کے لئے اختیار کردہ بھی ہیں اور مجتبےٰ بھی ہیں

نمبر 2: ملة ابیکم ابراھیم ھو سمکم المسلمین من قبل : یہ تمہارے باپ کی ملت ہے اس نے پہلے ہی تمہارا نام مسلمین (یعنی مطیع وفرمانبردار) رکھا ہے۔

اس آیت کے یہ الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ جن ہستیوں سے یہ خطاب ہے وہ وہ ہیں جن کا باپ ابراہیمؑ ہے اور وہ ابراہیم کی اولاد ہیں " ملة ابیکم ابراھیم ' تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کو اولاد ابراہیم نہیں کہا جاسکتا بالفاظ دیگر تمام مسلمان ابراہیم کی اولاد نہیں ہیں۔

دوسرے " ھو سمکم المسلمین من قبل "

اسی (ابراہیم) نے تمہارا نام مسلمین (یعنی مطیع وفرمانبردار) رکھا ہے ، یہ اس دعائے ابراہیمی کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ قرآن میں اس طرح آئے ہیں ،

" ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امة مسلمة لک "

(البقرہ۔128)

اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (ابراہیم واسمٰعیل) کو اپنا مسلمان (یعنی مطیع و فرمانبردار) بنائے رکھ اور ہم دونوں کی ذریت میں سے بھی ایک گروہ ایسا قرار دے جو تیرا مسلم یعنی (مطیع وفرمانبردار) رہے۔

یہ مسلم کا نام ابراہیمؑ نے اصطلاحی مسلمان کے لئے نہیں بلکہ لغوی معنی کے لحاظ سے خود اپنے اور اپنی ذریت میں سے کچھ ہستیوں کے لئے استعمال کیا تھا۔ اگر چہ آج تمام ایمان لانے والے اور کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے مسلمان ہی کہلاتے ہیں مگر آیت میں حقیقتاً وہی ذریت ابراہیم مراد ہے لہذا انہیں کو مخاطب کر کے خدا نے ملة ابیکم ابراھیم کہا ہے۔

نمبر 3:   تیسرے نمبر پر وہ الفاظ جو خاص طور پر قابل غور ہیں وہ یہ ہیں ۔

" لیکون الرسول شهیداً علیکم و تکونوا شهداء علی الناس "

تا کہ رسول تم پر گواہ ہو ۔اور تم تمام لوگوں پر گواہ ہو۔

اس میں (ل) تعلیل کے لئے ہے اور اس کے ذریعہ "هو اجتبکم" اس نے تمہیں مجتبےٰ بنایا کی علت بیان کی گئی ہے ۔

یعنی تمہیں ہر وقت اور ہر آن اپنی زیر نظر اپنی زیر ہدایت اور اپنی زیر تربیت اس لیے رکھا ہے تا کہ رسول تم پر گواہ ہواور تم تمام لوگوں پر گواہ ہو۔

پیغمبران گواہوں پر کس بات کی گواہی دیں گے اور یہ گواہ لوگوں کے مقابلہ میں کس بات کے گواہ ہوں گے

بعض مفسرین نے یہاں پر شہید سے تمام لوگوں کے اعمال کا گواہ مراد لیا ہے لہذا تحقیق طلب بات یہی ہے کہ پیغمبران ہستیوں کے بارے میں جن کو اس آیت میں لوگوں کے اوپر شہید یعنی گواہ کیا گیا ہے کس بات کی گواہی دیں گے اور وہ ان پر کس بات کے گواہ ہوں گے اس بات کا علم سورہ العنکبوت کی ایک آیت سے بخوبی ہو جاتا ہے ۔جس میں خدا یہ کہہ رہا ہے کہ وہ پیغمبر کا گواہ ہے ۔لہذا آیئے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ خدا پیغمبر کے لئے کس بات کا گواہ ہے ۔ارشاد رب العزت ہے:

' اولم یکفهم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیهم ان فی ذالک لرحمة و ذکریٰ لقوم یومنون . قل کفیٰ بالله بینی و بینکم شهیداً۔

(العنکبوت 52,52)

" کیا ان کے لئے یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے تم پر ایک ایسی کتاب نازل

کی جوان کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہے بیشک جولوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے ضرور اس میں رحمت اور نصیحت (موجود) ہے تم کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔

اس آیت کا سیاق وسباق کہتا ہے کہ یہ گواہی تصدیق رسالت کے لئے ہے یعنی جولوگ وحی آسمانی سن کر ایمان انہیں لائے نہیں کہا جارہا ہے کہ کیا ان کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو ان کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ اور اگر اب بھی وہ انکار کرتے ہیں اور یہ بات نہیں مانتے کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں تو اس بات کی گواہی تو بس وہی دے سکتا ہے جس نے انہیں بھیجا ہے۔اسی لئے فرمایا کہ "قل کفیٰ باللہ بینی و بینکم شھیداً" اے میرے رسول تم کہہ دو کے ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔

پس یہاں پر خدا کی گواہی یہ ہے کہ واقعاً خدا نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور پیغمبر کی گواہی ان کے بعد کے شہیدوں اور گواہاں کے لیے یہ ہوگی کہ پیغمبر نے خدا کے حکم سے ان کے لئے بطور ہادی اور امام تقرر کا اعلان کردیا تھا۔اور لوگوں کو یہ بتلا دیا تھا کہ:

"من مات ولم یعرف امان زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ (مسند احمد حنبل)

یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

کیونکہ پیغمبر کے بعد مسلمانوں کی اکثریت نے خدا کے مقرر کردہ اور پیغمبر کے اعلان کردہ ہادیوں کو نہ مانا لہذ انھوں نے بڑی شدت کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کیا کہ پیغمبر نے اپنے بعد کسی جانشین کا اعلان اور اپنے بعد ہونے والے ہادی خلق اور امام کا تقرر نہیں کیا ۔لہذا خدا نے اس بات کا اہتمام کیا کہ پیغمبر سے روز قیامت اس بات کی گواہی طلب کرے اور ان سے اہل محشر کے سامنے اس بات کی گواہی لے کہ انھوں نے اپنے بعد کے ہادیوں

اور اماموں کا بالفاظ واضح اعلان کر دیا تھا اور خدا کی حجت تمام کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی اور دعوت ذوالعشیرۃ سے لے کر اعلان غدیر تک اور اعلان غدیر سے لے کر بستر مرگ تک میں ان کے تقرر کا اعلان کرتا رہا اور لوگوں کو بتلاتا رہا کہ میرے بعد یہ میرے جانشین ہیں یہ میرے بعد ہادی خلق ہیں، امام زمانہ ہیں اور وارث قرآن ہیں جو ان کی پیروی کرے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا

اور تکونوا شھداء علی الناس کے مطابق ان ہادیوں سے جو پیغمبر کے بعد ہدایت کے لئے مقرر کئے گئے تھے اس بات کی گواہی ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں ہدایت کا کام انجام دیتے رہے اور لوگوں کو یہ بتلاتے رہے کہ ہم خدا کے حکم سے مقرر کردہ امام ہیں اور ہم پیغمبر کے بعد ان کے حقیقی جانشین اور رہادی خلق ہیں۔

اور جس طرح آدم علیہ السلام سے لے کر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء و رسل اپنے اپنے زمانے کے لئے خدا کی حجت اور گواہ تھے اسی طرح خدا کے حکم سے مقرر کردہ یہ ھادی جن کا پیغمبر نے اپنے بعد کے لئے اعلان کیا تھا پیغمبر کے بعد اپنے اپنے زمانے کے لوگوں پر خدا کی حجت اور گواہ ہوں گے یعنی جس طرح سابقہ انبیاء کے زمانہ میں کوئی شخص بارگاہ خداوندی میں یہ عذر نہ کر سکے گا کہ تو نے ہماری ہدایت کے لئے کسی کو نہ بھیجا اسی طرح پیغمبر کے بعد قیامت تک آنے والے لوگ بھی بارگاہ خداوندی میں اس قسم کا عذر نہ کر سکیں گے۔

جیسا کہ ارشاد ہوا ہے

"ویوم نبعث من کل امة شھیداً ثم لا یوذن للذین کفروا ولاھم یستعتبون" (النحل۔84)

اور اس دن (یعنی قیامت کے روز) ہم ہر زمانہ کے گواہ کو بلائیں گے پھر اس کے بعد ان لوگوں کو جنہوں نے ان کو نہ مانا تھا۔کوئی اجازت نہیں دی جائے گی اور ان کا کوئی عذر

نہ سنا جائیگا۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ یہ گواہی روز قیامت ہوگی اور یہ گواہی لوگوں کے اعمال کے لئے نہ ہوگی بلکہ یہ کہہ کر کہ پیغمبر نے اپنے بعد کسی کو ھادی خلق اور امام مقرر نہیں کیا ان کو نہ ماننے کے خلاف ہوگی۔ لایوذن للذین کفرو

قرآن کریم میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ یہ گواہی روز قیامت ہوگی اور ہر زمانہ کا گواہ اپنے زمانے کے لوگوں پر گواہ ہوگا۔ مثلاً ارشاد ہوا ہے

" فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنا بک علیٰ وهولاء شهید " النسا 41

پھر اس وقت کیا حالت ہوگی جب ہم ہر زمانہ سے اس زمانے کے گواہ کو لائیں گے اور تم کو ان سب گواہوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

ایک اور دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے

" و یوم نبعث فی کل امة شهیدا علیهم من انفسهم و جئنا بک شهیداً علیٰ هولاء (النحل ۔89)

"اور اس دن (یعنی بروز قیامت) ہم ہر زمانہ سے ایک ایک گواہ جو انہیں میں سے اور ان کا ہمعصر ہوگا ان کے برخلاف کھڑا کرینگے اور اے رسول ان سب گواہوں پر تم کو گواہ بنا کر لائیں گے۔

سورہ نساء اور سورہ نحل کی مذکورہ تینوں آیات اس بات کو بیان کر رہی ہیں کہ ان گواہوں کو روز قیامت کھڑا کیا جائیگا۔ اور ان کو کھڑا کرنے کا مقصد یہ ہوگا کہ انکار کرنے والوں، ان کو نہ ماننے والوں اور یہ جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے والوں کا عذر منقطع کردے کہ پیغمبر نے اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔ اور اپنے بعد کے لئے کسی کو ہادی یا امام کے تقرر کا اعلان نہیں کیا تھا۔ اور انہیں دکھا دے گا کہ یہ تمہارے پاس آئے تھے یا نہیں ۔ یہ

تمہارے زمانے میں ہوئے ہیں یا نہیں اور انھوں نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا تھا یا نہیں۔ پھر تم نے انہیں کیوں نہ مانا۔ ان کی ہدایت پر عمل کیوں نہ کیا اور ان کی اطاعت سے رخ کیوں موڑا۔

قرآن سورہ نحل کی آیت نمبر 84 میں کہتا ہے کہ جن لوگوں نے ان گواہوں کو نہ مانا تھا ان کی اطاعت نہ کی تھی اور ان پر ایمان نہ لائے تھے ان کو دیکھ کر دم بخود ہو جائیں گے نہ تو وہ کوئی کلام کریں گے اور نہ ہی کوئی عذر پیش کر سکیں گے۔ پس یہ گواہ خدا کی طرف سے حجت ہوں گے کہ اس نے پیغمبر کے بعد لوگوں کو بغیر ہادی کے نہیں چھوڑا۔

اور پیغمبر کی گواہی ان شہیدوں اور گواہوں کے لئے یہ ہوگی کہ میں نے اپنے اعلان نبوت سے لے کر اعلان غدیر تک اور اعلان غدیر سے لے کر اس جہاں سے رخصت ہونے تک تمام مسلمانوں کے سامنے عام طور پر اور اپنے اصحاب کے سامنے خاص طور پر جتا جتا کر ان کے بارے میں اعلان کیا تھا اور انہیں بتا دیا تھا کہ میرے بعد میرے بارہ جانشین ہوں گے جن میں سے پہلا علیؑ ہے اور آخری مہدیؑ ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بھی مستند کتاب ایسی نہیں ہے جس میں میری یہ حدیث لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔

یہاں پر یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہم سورہ النساء اور سورۃ النحل کی مذکورہ تینوں آیات میں واقع لفظ امة کا ترجمہ زمانہ کیا ہے کیونکہ قرآن میں امة زمانہ میں معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا " وقال الذین نجامنهما وادکر بعد امة انا انبئکم بتاویله فارسلون " (یوسف۔45)

اور اس شخص نے جو ان دو (قیدیوں) میں سے چھوٹ کر آیا تھا۔ اسے ایک زمانہ کے بعد (یوسف کی بات) یاد آئی تو اس نے یہ کہا کہ میں تمہیں اس (خواب) کی تعبیر بتا سکتا ہوں تم مجھے (یوسف کے پاس) بھیج دو۔

اس آیت میں "بعد امة" کا ترجما ایک زمانہ کے بعد ہی صحیح ترجمہ ہے۔ لہذا

مجبوراً یہاں سب نے یہی ترجمہ کیا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ ''امة'' کا ایک معنی زمانہ بھی ہے۔لہذا پیغمبر کے بعد ہر زمانہ کے لئے ایک ہادی ایک امام اور لوگوں پر خدا کی حجت اور گواہ ہوگا اور پیغمبر اس شہید کے تقرر کے گواہ ہوں گے اور یہ گواہی دیں گے کہ میں نے لوگوں کے سامنے برملا طور پر یہ اعلان کر دیا تھا کہ میرے بعد یہ میرے جانشین، ہادی خلق اور امام زمانہ ہوں گے اور علی الاعلان یہ کہہ دیا تھا کہ:

" من مات ولم يعرف امام زمانه فقد مات ميتة الجاهلية "

''یعنی جو مر گیا اور اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاھلیت کی موت مرا''

بعض مفسرین نے سورہ النساء اور سورہ النحل کی مذکورہ آیات میں بیان کردہ ''ہر امت کے شہید'' سے پیغمبر سے پہلے آنے والی امتوں کے نبی مراد لئے ہیں لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ شہداء انبیاء کے ماسوا اور ان کے علاوہ ہوں گے اور یہ وہ ہیں جو پیغمبر کے بعد ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ

" و اشرقت الارض بنورها ربها و وضع الكتاب وجاى بالنبين والشهداء وقضي بينهم بالحق وهم لا يظلمون ۔ الزمر ۔69

اور (روز قیامت) زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور نامہ اعمال لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائیگا اور سارے کے سارے نبی اور کل کے کل شہید حاضر کیے جائیں گے اور ان کے مابین ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائیگا۔

یہ آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ روز قیامت بلائے جانے والے شہداء یعنی گواہ غیر از انبیاء ہیں، انبیاء الگ ہوں گے، شہداء الگ ہوں گے، انبیاء بشمول نبی آخر الزمان اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر خدا کی حجت ہوں گے اور پیغمبر ان شہداء کے تقرر کی گواہی دیں گے۔

علاوہ ازیں سورہ الحج کی وہ آیت جو یہ بتلاتی ہے کہ خدا نے ان ہستیوں کو مجتبے

اس لیے بنایا ہے تا کہ رسول ان پر گواہ ہو اور وہ لوگوں پر گواہ ہوں۔

"لیکون الرسول شھیداً علیکم و تکونوا شھداء علی الناس"

یہ کہتی ہے کہ آیت میں جن سے خطاب ہے وہ خدا شھداء ہیں جن کے کچھ افراد بوقت نزول قرآن موجود ہیں اور باقی آئندہ آنے والے ہیں لہذا ان شھداء کے پچھلی امتوں کے نبی مراد لینا کج فہمی ہے، ہٹ دھرمی ہے اور اپنے خود سے قائم کیے ہوئے عقیدہ کی حفاظت کے لیے ہے۔

کیونکہ یہ شہدا حتماً وہ ہے جو پیغمبر کے بعد کے لوگوں پر گواہ ہوں گے جن کے کم از کم کچھ افراد تو بوقت خطاب موجود ہیں اور باقی ان کے بعد میں آنے والے ہیں اور اس بات کی تائید سورۃ بقرہ کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ

"وکذالک جعلنا کم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیداً (البقرۃ۔143)

اور اسی طرح ہم نے تم کو عادل امت یا بیچ والی امت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔

اس آیت میں خود ان گواہوں سے خطاب ہے جس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ یہ شہید جو لوگوں پر گواہ بنا کر لائے جائیں گے اور جن کی خبر قرآن میں ہے وہ نہ تو فرشتے ہیں اور نہ ہی انبیاء ماسبق۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے کچھ افراد اس وقت موجود تھے اور باقی آئندہ آنے والے تھے اور قدرت اس آیت میں خود انہیں مخاطب ہے۔

پیغمبر گرامی اسلامؐ کے مقررہ کردہ ہادیوں اور پیغمبر کے بعد آنے والے اماموں یعنی پیغمبر کے حقیقی جانشینوں کے نہ ماننے والوں نے بھی اس بات کو اچھی طرح محسوس کرلیا ہے۔ لہذا مذکورہ بالا آیت میں جو معنی اختیار ہے اس کو بقول لے: دروغ گورا حافظہ نہ باشد" کے مطابق بھول کر سب انبیاء کو اپنے منصب سے برطرف کردیا ہے اور یہاں گذشتہ انبیاء

کے ساتھ ساتھ فرشتوں کی گواہی بھی یاد نہ رہی۔ بلکہ اس مقام پر اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے وہ کہنے پر مجبور ہوگئے۔ کہ یہاں ان شہداء سے مراد جو لوگوں پر گواہ ہوں گے اور رسول ان پر گواہ ہوں گے سابقہ انبیاء یا فرشتے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ یہاں پر یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں شہداء سے مراد یہ ہے کہ امت محمدی تمام دنیا کے انسانوں پر گواہ ہوگی اور رسول خدا اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ شہدا نہ و سابقہ انبیاء ہوں اور نہ ہی فرشتے ہوں گے بلکہ اسی امت میں سے ہوں گے۔ مگر اس آیت کی رو سے تمام امت محمد بھی مراد نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ خداوند عالم نے اس آیت میں ان شہداء کو ''امۃ وسطاً'' کہا ہے اگر امت کے معنی جماعت یا گروہ لیا جائے او وسط کے معنی بیچ والا یا عادل تو امت محمدؐ نہ بیچ والی امت کہی جاسکتی ہے کیونکہ پیغمبر گرامی اسلام آخری نبی ہیں لہذا نہ تو رسول خدا کے بعد کوئی اور نبی ہوگا اور نہ ان کی امت کے بعد کوئی اور امت ہوگی۔ آپ ہی آخر الزمان ہیں اور آپ کی امت آخری امت ہے لہذا اس کو بیچ والی امۃ کہنا ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔

اگر وسط کے معنی عادل کے لئے جائیں تو ساری امت کو عادل بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس امت میں غاصب و ظالم، خطا کار و گنہگار۔ قاتل و خونی اور دوسری طرح کے لوگ بھی ہیں۔ ہاں اس آیت کا ایک ایک لفظ آئمہ اثناعشریہ پر صادق آتا ہے کیونکہ اگر وسط کے معنی بیچ والا گروہ لیا جائے تو آئمہ طاہرین ہی رسول خدا اور آپ کی امت کے بیچ میں ہیں یعنی رسول خدا کے ماتحت اور ساری امت سے بالاتر لہذا ان کو امت وسط کہنا درست ہے۔

اور اگر وسط کے معنی عادل لیا جائے تو ان بارہ اماموں کے عادل ہونے میں نہ تو کسی نے شک کیا ہے نہ شبہ۔ لہذا خدا نے انہی کو شہداء کہہ کر مخاطب کیا ہے اور خدا نے ان کو امت وسط فرما کر قرآن میں ان کا منصب بیان فرمایا ہے کہ یہ پیغمبرؐ کے بعد خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہادی خلق ہیں اور اس کی مخلوق پر اس کے گواہ اور اس کی حجت ہیں۔

علاوہ ازیں یہ گواہ وہ ہیں جن کو خدا نے مجتبےٰ بنایا ہے جسے ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ انبیاء ورسل اور ہادیان دین کی عصمت پر اگر کوئی لفظ قرآن کریم میں واضح طور پر دلالت کرتا ہے تو وہ لفظ اجتبٰے ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خدا کے مذکورہ آیت کو لفظ ''کذا لک'' سے شروع کیا ہے ''کذا لک'' کے معنی ہیں ''اسی طرح'' اور یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب ایک امر کو دوسرے امر کے مشابہ کہنا منظور ہو۔ جہاں امت وسط کا ذکر ہے وہاں کے قبل اور بعدا خداوند تعالیٰ خانہ کعبہ کا ذکر فرماتا ہے اور تحویل قبلہ کو بیان کرتا ہے کہ اولاً بیت المقدس کو قبلہ اس نے قرار دیا تھا کہ جب دوسرے قبلہ کی طرف مسلمانوں کو منہ کرنے کا حکم ہو تو پیغمبر کی سچی پیروی کرنے والوں اور سچے مومنین کی پہچان ہو جائے۔ اور وہ لوگ بھی پہچان لئے جاویں جو الٹے پیر پھر جانے والے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

" وماجعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه " (البقرۃ143)

اور ہم نے اس قبلہ کو جس کی طرف رخ کر کے تم پہلے نماز پڑھتے تھے اسے صرف اس لئے قبلہ قرار دیا تھا کہ (اس کے بدلنے کے وقت) ہم یہ پہچان لیں کہ کون رسول کی سچی پیروی کرنے والا ہے اور کون اپنی پشت کی طرف پھر جاتا ہے۔

اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ جیسے خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے حکم سے رسول کی سچی پیروی کرنے والوں کی تمیز ہو گئی اسی طرح پیغمبر کے بعد ان شھداء کی اطاعت کرنے سے رسول کی سچی پیروی کرنے والوں کی بھی پہچان ہو جائیگی۔

یہاں پر ہم ایک بات اور ذہن نشین کرا دیں کہ ہم نے اس آیت میں واضح لفظ امت کا ترجمہ مروجہ ترجموں کے مطابق لکھا ہے۔ ورنہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے اپنے ترجمہ موضح القرآن میں ایک جگہ امتہ کا ترجمہ پیشوا بھی کیا ہے چنانچہ انھوں نے قرآن

کریم کی آیت" ان ابراهیم کان امة قانتاً لله حنیفاً "(النحل ـ 120)

"بیشک تھا ابراہیم پیشوا فرمانبردار کے اللہ کے لئے خالص"

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے کیے ہوئے اس معنی کی صورت میں کوئی مشکل ہی باقی نہیں رہتی اور اس صورت میں مذکورہ آیت کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تم کو امام عادل یا پیشوائے عادل بنایا ہے اور پھر آیت کا اگلا حصہ بالکل صحیح صحیح مطابق ہو جاتا ہے کہ" تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔ یعنی لوگوں کو ہدایت کر کے ہماری طرف سے حجت ہو اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں کہ انھوں نے تمہارے بارے میں واضح طور پر اعلان فرما دیا تھا کہ میرے بعد میرے بارہ جانشین، بارہ خلیفہ، بارہ امام اور بارہ ہادی خلق ہوں گے پس تمام انبیاء کی طرف ان شہیدوں کی گواہی بروز قیامت پیغمبر کے بعد آنے کی وجہ سے لوگوں کے لئے ہوگی۔

ہم نے شہید کے معنی کی تشریح اتنی تفصیل کے ساتھ اس لئے کی ہے کیونکہ بہت سے مفسرین نے یہ کوشش کی ہے کہ ہر صورت میں پیغمبرؐ کے بعد آنے والے ہادیوں، اماموں اور پیغمبر کے حقیقی جانشینوں سے گریز کیا جائے اور یا تو پیغمبر سے پہلے آنے والے انبیاء کو شہید بنایا جائے یا فرشتوں کو شہید بنایا جائے یا پھر ساری امت محمد کو شہید قرار دے دیا جائے۔ لیکن پیغمبرؐ نے جن کے لیے اعلان کیا تھا پیغمبر کے ان حقیقی جانشینوں کی طرف رخ نہ کیا جائے لہذا ہم نے قرآن کریم کی آیات سے واضح طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ شہید جن کا ان آیات میں ذکر ہے اور جو بروز قیامت لوگوں پر گواہ ہوں گے اور پیغمبر ان پر گواہ ہوں گے نہ تو انبیاء ہو سکتے ہیں اور نہ ہی فرشتے،

دوسرے بوقت نزول قرآن خطاب خود ان شہیدوں سے ہے اور اس پر سورہ الحج کی آیت 77-78 میں اجتباکم وعلیکم واتکم اور سماکم کے الفاظ گواہ ہیں جن میں "کم" کی ضمیریں ساری کی ساری مخاطب کے لئے ہیں اور اسی طرح سورہ البقرہ کی آیت 143

میں جعلنا کم وعلیکم کے الفاظ میں کُم کی ضمیریں اور تکونوا کا صیغہ بھی مخاطب کے لئے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں پر خطاب ان شہیدوں سے ہورہا ہے لہذا ان شہیدوں سے گذشتہ انبیاء کے علاوہ فرشتوں کو مراد لینا بھی بالکل غلط اور ہٹ دھرمی ہے اور حقیقی شہداء اور پیغمبر کے بعد آنے والے حجت ہائے خداوندگی سے رخ موڑنے کے لئے ہے

اور اگر ان شہیدوں سے خطاب میں صرف لفظ اجتبیٰ پر غور کرلیا جائے تو آسانی سے مطلب سمجھ میں آجاتا ہے کہ خدا نے ان شہیدوں کو بھی انبیاء و رسل کی طرح مجتبیٰ بنایا ہے اور ان کا بھی اجتبیٰ کیا ہے

اور راغب اصفہانی کی مفردات القرآن سے ہم ثابت کر آئے ہیں کہ اجتبیٰ کا نمبر اختیار کے بعد آتا ہے اور اختیار کا نمبر اصطفےٰ کے بعد آتا ہے اور مصطفےٰ وہ ہوتا ہے جس میں خدا نے خلقی طور پر وہ صفات وہ خصوصیات وہ صلاحیتیں اور وہ استعدادیں بطور ایجاد کے لئے پیدا کی ہوئی ہوتی ہیں جو ایک ہادی میں ہونی چاہئیں اور خدا ایسے مصطفےٰ بندوں کو اختیار کرکے ان کا اجتبیٰ کرتا ہے ان کی نگرانی کرتا ہے ان کو تعلیم دیتا ہے ان کی تربیت کرتا ہے ان کو اپنے فیوض و برکات سے نوازتا ہے اور کار ہدایت انجام دینے کے لئے ان کی کماحقہ تربیت کرکے ان کو اپنے کام کا بنالیتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ جس طرح سارے انبیاء رسل خدا کے برگزیدہ، خدا کے مصطفےٰ اس کے اختیار کردہ اور اس کے مجتبیٰ بندے تھے۔ اسی طرح محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد آنے والے شہداء علی الخلق۔ حجت ہائے خداوندی، ہادیان دین اور پیغمبر گرامی اسلام کے حقیقی جانشین بھی خدا کے برگزیدہ خدا کے مصطفےٰ اس کے اختیار کردہ اور اس کے مجتبیٰ بندے تھے اور یہ نظریہ کہ پیغمبر نے اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا بالکل غلط اور سراسر جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ اور ''ھو اجتباکم'' کا جملہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پیغمبرؐ کے

بعد کچھ ہستیاں ایسی ضرور ہیں جو خدا کی مجتبیٰ ہیں اور خدا کا مجتبےٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت خدا کی زیرنگرانی اس کے زیرنظر اس کے زیر تربیت ہوتا ہے لہذا وہ معصوم ہوتا ہے۔

خدا نے حضرت مریمؑ کی عصمت کو بیان کرنے کے لئے صرف دو لفظ استعمال کئے ہیں ایک لفظ اصطفےٰ ہے (اصطفاک) اور دوسرا لفظ (طھرک) ہے یعنی تجھے طاہر اور پاک رکھا ہے۔ مگر پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے حقیقی جانشینوں کے لئے یہ تمام الفاظ استعمال کئے ہیں جو تمام انبیاءؑ معصوم، ملائکہ معصوم اور حضرت مریمؑ معصومہ کے لئے استعمال کئے ہیں، پس وہ مصطفےٰ بھی ہیں خدا کے اختیار کردہ بھی ہیں۔ مجتبےٰ بھی ہیں اور طاہر و پاک و پاکیزہ بھی ہیں اور اس پر آیہ تطہیر گواہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ

" انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهر کم تطهیرا "

(الاحزاب۔33)

اے اہل بیت پیغمبر سوائے اس کے نہیں کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے رجس کو تم سے دور رکھے اور تمہیں ایسا طاہر اور پاک و پاکیزہ رکھے جیسا کہ طاہر اور پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

اس آیت کی موجودگی میں آئمہ اہل بیت کی طہارت ان کی پاکیزگی اور ان کی عصمت کے بارے میں کسی کو بھی مجال یا انکار نہیں ہوسکتا۔ اس آیت کے ذریعہ خدا نے ان کی طہارت و پاکیزگی کی مزید وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے ورنہ ان کے لئے "وھو اجتباکم "(اس نے تم کو مجتبےٰ بنایا) کے الفاظ ہی کافی تھے۔ لہذا کسی کو بھی ان شھداء علی الخلق حجت ہائے خداوندی اور ہادیان دین کے مجتبےٰ ہونے میں مجال انکار نہیں ہوسکتی تھی جو ان کے معصوم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ان الفاظ کی تشریح کے لئے ہم نے اتنا طول اس لئے دیا ہے تا کہ یہ معلوم ہوجائے کہ انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے بشر ہونے، انسان ہونے اور مرد ہونے میں کوئی

خرابی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سب کے سب خدا کے مصطفٰے بندے تھے یعنی خدا نے ان کو خلقی اور پیدائشی طور پر بطور ایجاد کے ان کثافتوں سے پاک پیدا کیا تھا جو دوسرے انسانوں میں پائی جاتی ہیں اور وہ خدا کی وحی کو اخذ کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت و قابلیت و استعداد کے ساتھ پیدا ہوئے تھے پھر خدا نے انہیں اپنی طرف سے کار ہدایت انجام دینے کے لئے اختیار کر کے ان کو مجتبٰے بنایا تھا یعنی ان کو ہر دم اپنی زیر نظر رکھا اپنی زیر نگرانی رکھا۔ خود ہی ان کو تعلیم دی انہیں کسی دنیاوی مدرسے کا محتاج نہ بنایا اور خود ہی ان کو تربیت کیا اور اپنی وحی کے ذریعے اپنی نشانیوں کے ذریعہ اپنی دلائل و براہین کے ذریعہ اور ہر وقت تنبیہ کے ذریعہ ان کو ہر قسم کی لغزش سے بچا کر پاک اور معصوم رکھا۔ چنانچہ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کے تمام انبیاء اور خود محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آنے والے تمام ہادیان دین آئمہ طاہرین یعنی آنحضرت کے حقیقی جانشین سب کے سب خدا کے مصطفٰے ،خدا کے اختیار کردہ ،خدا کے مجتبٰے ۔طاہر و پاک و پاکیزہ ،منصوص من اللہ اور معصوم عن الخطا تھے اور سارے انبیاء و رسول اور ہادیان دین کی یہی شان ہے ۔لہذا اتنا بیان کرنے کے بعد اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ

آنحضرت کے والد گرامی کی وفات کا بیان

آنحضرتؐ کے والد گرامی کا نام عبداللہ تھا۔ حضرت عبداللہ شام سے قافلہ تجارت کے ساتھ واپس آرہے تھے کہ مدینہ پہنچ کر علیل ہو گئے ۔اس لئے وہیں ٹھہر گئے اور قافلہ مکہ چلا گیا ایک مہینہ علیل رہنے کے بعد حضرت عبداللہ نے داعی اجل کو لبیک کی اور وہیں انتقال فرمایا ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ۔ابن سعد کی

عبارت اس طرح ہیں۔

''حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب قریش کے قافلوں میں سے ایک قافلہ قریش کے ساتھ بغرض تجارت شام کے مشہور شہر غزہ میں گئے۔اہل قافلہ تجارتی مال کو بیچ کو فارغ ہو چکے تو وہاں سے واپس ہوئے۔اور مدینے کے قریب پہنچے۔اس دوران میں حضرت عبداللہ علیل ہو گئے۔آپ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ میں تو اپنے ماموں زاد بھائیوں کے ساتھ قبلیہ عدی بن النجار میں ٹھہر جاؤں گا۔چنانچہ مدینہ پہنچ کر آپ وہیں ٹھہر گئے۔اور ایک مہینہ تک مریض رہے آپ کے رفقا مکہ چلے آئے جناب عبدالمطلب نے ان لوگوں سے حضرت عبداللہ کا حال دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ علیل ہو کر مدینہ میں اپنے ماموں زاد بھائیوں کے ساتھ ٹھہر گئے ہیں۔یہ سن کر حضرت عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو عبداللہ کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔یہ وہاں پہنچے تو عبداللہ انتقال فرما چکے تھے اور دارالنابعہ میں مدفون بھی ہو چکے تھے۔نابعہ بنی النجار میں ایک شخص کا نام ہے اور یہ اسی کا مکان ہے اور یہ وہی مکان ہے جس کا دروازہ بائیں جانب تھا، پھر ان (حارث) سے ان کے عزیز و اقارب نے ان کی حالت مرض، ان کے قیام کرنے، وصیت فرمانے اور پھر رحلت کر جانے اور مدفون ہونے کی تمام و کمال کیفیت بیان کر دی۔حارث خبر سن کر باپ کے پاس چلے آئے۔فاخبر فوجد علیه عبدالمطلب واخوته و اخوانه وجداً شدیداً و رسول اللـه صلعم یومئیذ حمل و لعبدالله یوم توفی خمس و عشرین، اس حادثہ کی خبر سن کر جناب عبدالمطلب اوران کے تمام بھائی بہنیں۔بیٹے بیٹیاں بڑی شدت کے ساتھ روئیں پیٹیں۔اور رسول اللہ صلعم اس وقت تک حمل میں تھے۔حضرت عبداللہ کا سن وفات کے وقت پچیس برس کا تھا۔

طبقات ابن سعد جلد 1 ص 61 طبع حرین

رسوۃ الرسول جلد 2 ص 2

انبیاء سے آثار مخصوصہ کا ظہور

قرآن کریم میں خداوند تعالیٰ نے انبیاء ورسل اور ہادیان دین کی جس صفت کو "اصطفیٰ" کے لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے آقائے بلگرامی نے اسوۃ الرسول میں ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے لکھتے ہیں

"عقل ونقل کے مشاہدات سے عقل سلیم کے نزدیک یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ گروہ انبیاء کی خلقت مقدسہ اور فطرت مطہرہ میں قدرت الٰہیہ نے ترکیب انسانی کے ساتھ تنویر روحانی بھی ودیعت فرمائی ہے اوراس شرف خاص کے باعث ان کی ذات بابرکات کو قاعدہ تعمیم سے مستثنٰے فرما کر تخصیص کے خاص مراتب پر پہنچایا تھا۔اس اصول تخصیص کی بناء پر انبیاء علیہم السلام کے اکثر اوصاف معمول کے خلاف اور عام فطرت انسانی سے بلند وبالا سمجھے جاتے ہیں اور چونکہ قدرت کو بھی ان آثار مخصوصہ کے اظہار میں ایک خاص اہتمام منظور ہوتا ہے۔اس لئے ان کے آثار مخصوصہ کا ظہور وصدور عام طور پر ظاہر بین نگاہوں میں تعجب انگیز اور حیرت خیز معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت کے دیکھنے والے اسے قدرت کی جلوہ نمائی تسلیم کرتے ہیں۔جناب رسالتمآب صلعم کے بارے میں بھی ہوتا تو کیا خاتم الانبیاء ہونے کے ہمارے پاس بے شمار ثبوت موجود ہیں۔تو آپ کے متعلق کسی زمانہ یا کسی وقت میں ہم قدرت کی جلوہ نمائیوں کو کیسے بعید اور بے بنیاد سمجھ سکتے ہیں۔اس لئے ہمارے تمام قدیم مورخین ومحدثین نے آپ کی ولادت باسعادت اور نیز اس کے قبل کے ان تمام واقعات کو، جن سے ظہور کرامت کے عینی ثبوت ملتے ہیں کچھ اصول اعتقاد کی بناء پر نہیں بلکہ واقعات و مشاہدات کے طریقہ سے اپنی تصنیفات وتالیفات میں قلمبند فرمایا ہے۔

ابن سعدان آثار قدرت کے متعلق لکھتے ہیں

ایام حمل میں کرامات کے صدور

''ان رسول صلعم کما حملته آمنة بنت وھب کانت تقول '' الخ

یعنی جب آمنہ بنت وھب کو رسول اللہ صلعم کا حمل ہوا تو وہ کہا کرتی تھیں کہ مجھے ایک عرصہ تک اپنے حاملہ ہونے کا یقین ہی نہیں ہوا۔ اور نہ ہی مجھے کوئی ایسی گرانباری محسوس ہوئی جس کا تمام عورتوں کو ایام حمل میں ہوا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک بار نیم خوابی کے عالم میں۔ میں نے ایک آنے والے کو اپنے پاس آتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ'' کیا تجھ کو اپنے حاملہ ہونے کا اب تک یقین نہیں ہے'' میں نے اس پوچھنے والے سے جواب میں کہا کہ میں تو حمل کی کوئی علامت اپنے میں نہیں دیکھتی۔

" فقال انک قد حملت بسید ھذا الامة و نبیھا "

''اس نے کہا کہ تجھ کو اس امت کے سردار اور نبی مختار کا حمل ہے''

جناب آمنہ فرماتی ہیں مجھ کو خیال ہے کہ وہ دوشنبہ کا دن تھا اس شخص کے کہنے کے وقت سے مجھ کو اپنے حاملہ ہونے کا پورا یقین ہو گیا۔ یہاں تک اسے عرصہ ہو گیا۔ اور جب ولادت کے دن قریب آئے تو پھر وہی آنے والا شخص میرے پاس آیا۔

" فقال قولی اعیذہ بالواحد الصمد من شر کل حاسد "

اور اس نے مجھ سے کہا کہ تم یہ کلمات منہ سے کہو:

اعیذہ بالواحد الصمد من شر کل حاسد "

میں اس کے لئے خدائے وحدہ لاشریک سے تمام حاسدوں کے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میں اس کی ہدایت کے مطابق ان کلمات کا ورد کرتی رہی اور ان کلمات کو پڑھتی رہی۔

طبقات ابن سعد ص 62

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 4

تسمیہ احمد

ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں ہی اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ

" امرت آمنة وهي حامل برسول الله صلعم ان تسمیه احمد"

''اسی رویا میں حضرت آمنہ کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ اس مولود کا نام احمد رکھنا''

اس روایت میں کیا استبعاد ہے؟

حضرت آمنہ بنت وھب کے رویاء میں کسی آنے والے کو دیکھنے اور اس کی طرف سے حضرت آمنہ بنت وھب کو یہ کہتے ہیں کہ: ''تجھ کو اس امت کے سردار اور نبی مختار کا حمل ہے'' کوئی استبعاد نہیں ہے اور نہ ہی اس آنے والے کہ یہ کہنے میں کوئی استبعاد ہے کہ

قولي اعيذه بالواحد الصمد من شر كل حاسد "

تم یہ کہو کہ میں خدائے وحدہ و بے نیاز سے اس کے لئے تمام حاسدوں کے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔

اور نہ ہی اس بات میں کوئی استبعاد ہے کہ اس رویاء میں حضرت آمنہ بنت وھب کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ اس مولود کا نام احمد رکھنا۔

لیکن اردو زبان کے بعض سیرت نگاروں کی نظر میں یہ بات نہیں جچی اور انہیں ایسا ہونا بعید نظر آیا۔ حالانکہ کسی پیدا ہونے والے نبی کی بشارت دینا سنت اللہ رہی ہے۔ حضرت ذکریاؑ کو حضرت یحییٰؑ کی بشارت قرآن میں ہے اور نام کے ساتھ ہے۔ حضرت مریمؑ کو عیسیٰ کے پیدا ہونے کی بشارت ہے حضرت موسیٰ کی ماں کو حضرت موسیٰ کے بارے میں بہت سی ہدایت دینے کے بارے میں وحی کا بیان ہے۔ حضرت عیسیٰ قرآن کی سند کی رو سے بنی اسرائیل کو اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دے کر گئے کہ ان کا نام احمد ہوگا

۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تو بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن میں آیا ہے کہ فرعون اسی بناء پر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کراتا رہا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑتا رہا کہ اسے موسیٰؑ کے پیدا ہونے کی بشارت کا علم ہو چکا تھا اور اسی وجہ سے جب موسیٰ پیدا ہوئے تو موسیٰ کی والدہ کو موسیٰ کے بارے میں تشویش پیدا ہوئی پس خدا نے حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی اور یہ وحی قرآن میں سورہ القصص میں لکھی ہوئی موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے

" و اوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم و لا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک و جاعلوہ من المرسلین " (القصص۔7)

یعنی ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ تم اس کو دودھ پلاؤ۔ پھر اگر تم کو اس کی بابت خوف کرو تو س کو (صندوق میں رکھ کر) دریا میں ڈال دو ۔اور تم نہ تو اس کے مستقبل کے بارے میں خوف کرنا اور نہ ہی اس کے فراق کا کوئی رنج کرنا ، یقیناً ہم اس کو تمہارے پاس واپس لوٹا دیں گے اور اس کو رسولوں میں سے قرار دیں گے۔

اس آیت میں بالفاظ واضح موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کا بیان ہے اور یہ قرآن میں سورہ القصص ہے اور خود خدا کا قول ہے کہ کسی راوی کی من گھڑت داستان نہیں ہے ۔خدا موسیٰ کی ماں کو وحی کرے تو تسلیم ہے ،خدا عیسیٰ کی ماں کو وحی کرے تو تسلیم ہے ،لیکن خدا محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماں کو وحی کرے تو اسے تسلیم کرنے میں کونسا امر مانع ہے۔

سورہ القصص کی مذکورہ آیت میں خدا موسیٰ کی ماں سے بذریعہ وحی کہہ رہا ہے کہ تم اس کو دودھ پلاؤ پھر موسیٰ کی حفاظت کے لئے اپنی طرف سے ایسی ترکیب بتلائی کہ کوئی ماں اس کو قبول نہیں کر سکتی کہ وہ اپنے لخت جگر کو دریا میں ڈال دے ۔مگر خدا نے یہی ترکیب بتلائی اور ساتھ ہی بالفاظ تسلی دی کہ وہ نہ تو کسی قسم کا خوف کرے اور نہ ہی حزن و ملال کو دل میں جگہ دے اور نہ صرف یہ یقین دلایا کہ یہ زندہ رہے گا اور دریا میں ڈالنے سے اس کو کوئی گزند نہ پہنچے گا بلکہ یقین کے ساتھ موسیٰ کی ماں کو تسلی دی کہ ہم اس کو تمہارے پاس لوٹا دیں گے

اور ابھی سے موسیٰ کی ماں کو خبر دے دی کہ ہم اس کو رسول بنائیں گے۔

اسی کو اچنلے کہتے ہیں کہ خدا اپنے پیغمبروں کو اپنے زیر نظر رکھتا ہے ان کی نگہداشت کرتا ہے ان کی تربیت کرتا ہے ان کی پرورش کا انتظام اور ہر لغزش سے بچانے کا اہتمام کرتا ہے۔

پیغمبر گرامی اسلام جب پیدا ہوئے تو یتیم تھے آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی آپ کے والد گرامی کا انتقال ہو چکا تھا۔ قدرت ایک موقع پر پیغمبر کو یہ بات یاد دلا رہی ہے کہ "الم یجدک یتیماً فآویٰ" (الضحیٰ۔6)

"کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں یتیم نہیں بنایا"؟ پھر اس نے تمہاری پرورش کا انتظام کیا۔ تمہارے لیے بہترین ٹھکانا بنایا اور تمہیں محبت اور شفقت بھری گود میں پناہ دی"

ظاہر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خدا یہ احسان جتا رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ یہ بتلا رہا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام اپنی پیدائش کے دن سے ہی میرے زیر نظر، میرے زیر نگرانی اور میرے زیر تربیت رہے ہیں جو ان کے اچنلے کا تقاضا ہے۔

آنحضرت کی ولادت کے وقت کا حال

احوال ولات کے متعلق، حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی زبانی، جس کی تصدیق آگے چل کر خود قول رسول سے ہو جاتی ہے تمام تاریخوں میں درج ہیں۔ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں اس طرح لکھا ہے۔

"جناب آمنہ بیان فرماتی ہیں کہ جب سے مجھے جناب رسول خدا کا حمل ہوا کوئی گرانی محسوس نہیں ہوئی یہاں تک وضع حمل ہوا۔

" فلما فصل منی خرج منه نوراً اضأ له بین المشرق والمغرب ثم وقع الی الارض معتمداً علیٰ یدیه ثم اخذ قبضه من تراب فقبضا و رفع

راسا الی السماء ، و عن عبدالله بن عباس ، عن ابیه عباس بن عبدالمطلب ولدا لنبی صلی الله علیه وآله وسلم مختوناً مسروراً"

طبقات ابن سعد ۔ اسوۃ الرسول جلد 2 ص 10

یعنی جس وقت آپ متولد ہوئے تو مشرق سے مغرب تک ایک نور پھیل گیا وقت آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور ایک مشت خاک اٹھائی اور آسمان کی طرف اپنا فرق مبارک بلند فرمایا۔

اور عبداللہ ابن عباس نے اپنے پدر بزرگوار عباس ابن عبدالمطلب سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔

حضرت عبدالمطلب کو خبر ولادت

طبقات ابن سعد میں حضور کی ولادت کی خبر عبدالمطلب کو ملنے کا حال یوں لکھا ہے

" ولما ولدت آمنه بنت وهب الرسول صلعم ارسلت الی عبدالمطلب . فجاءه البشیر و هو جالس فی الحجر معه ولده و رجال من قومه فاخبره ان آمنه ولدت غلاماً ، فسرت ذالک عبدالمطلب و قام و هو ومن کان معه فدخل علیها فاخبر ته بکل مارات و ما قیل لها و امرت به قال فاخذه عبدالمطلب فدخله الکعبة و قام عندها یدعو الله ویشکر ما اعطاه"

طبقات ابن سعد

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 10,11

"جب جناب رسالتمآب پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ بنت وھب نے آدمی بھیج کر حضرت عبدالمطلب کو اطلاع کی وہ اس وقت اپنے بیٹوں اور قوم کے چند لوگوں کے ساتھ

کعبہ کے مقام حجر میں تشریف فرما تھے۔اس آدمی نے حاضر آ کر بشارت دی کہ آمنہ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔یہ سن کر آپ مسرور ہوئے اور آپ کے ساتھ آپ کے تمام ہمراہی بھی کھڑے ہو گئے اور جب گھر میں آمنہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے وہ تمام حالات جو آپ نے رویاء میں دیکھے تھے یا آپ کی پیدائش کے بعد ملاحظہ کئے تھے یا جو کچھ (خدا کی جانب سے آپ سے) کہا گیا تھا یا جس کے لئے آپ کو حکم دیا گیا تھا وہ سب کا سب حضرت عبدالمطلب سے بیان کر دیا۔حضرت عبدالمطلب نے اس مولود مسعود کو گود میں لیا اور خانہ کعبہ کے اندر آ کر کھڑے ہو گئے اس مولود مسعود کی سلامتی کی دعا مانگی اور اس نعمت کے عطا فرمانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

سر ولیم میور کا تسمیہ احمد پر اعتراض

آقائے بلگرامی اپنی کتاب ''اسوۃ الرسول'' میں لکھتے ہیں کہ ''سر ولیم میور صاحب کو اسلام کی طرف سے کچھ ایسی خلش ہے کہ یا نبی اسلام علیہ السلام کے نام کو بھی سننا نہیں چاہتے اور اسم تسمیہ کو بھی بلا تعرض و تردید خالی نہیں چھوڑتے چنانچہ اس کے متعلق جب اعتراض کا کوئی پہلو نہ ملا تو لکھتے ہیں کہ اس مصنف (واقدی) نے بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ نے عبدالمطلب سے فرشتہ غیبی کا یہ حکم بیان کیا کہ اس لڑکے کا نام ''احمد'' رکھنا تو حمد مادہ سے جو نام مشتق ہوتے ہیں عرب میں مروج تھے مگر احمد عرب میں بہت کم نام ہوتا تھا۔ آنحضرت صلعم کے سوا۔پانچ مختلف اشخاص عرب میں گذرے جن کا نام محمد تھا۔

سر سید احمد خان نے جو اس کی مقدرانہ تحقیق فرمائی ہے وہ انکشاف حقیقت کے لئے کافی ہے ذیل میں بلفظہ نقل کی جاتی ہے۔

''سر ولیم میور نے جو یہ بیان کیا ہے کہ عرب میں محمد نام کے اور لوگ بھی گذرے ہیں اس سے کچھ فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔کیونکہ علمائے اسلام نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آنحضرت

صلعم سے پہلے عرب میں اس نام کا کوئی اور نہیں ہوا۔ بلکہ بخلاف اس کے اس قسم کی تمام روایتوں کو رد کر دیا ہے اور نہایت تدین اور ایمانداری سے اس امر کے دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں کہ اس نام کے عرب میں اور لوگ بھی گذرے ہیں اور واقدی کو بھی ہم انہیں لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ مگر یہ بات کہ ان ناموں کے اور لوگ بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے درحقیقت گذرے تھے۔ یا یہ کہ اس نام کا مادہ حمد ہے اور حمد سے اہل عرب ناموں کو مشتق کیا کرتے تھے یا یہ کہ یہ نام اکثر والدین اپنے لڑکوں کا اس قوی امید پر رکھا کرتے تھے، شاید ہمارے ہی لڑکے کی قسمت میں نبی موعود ہونا ہو کسی طرح عہد عتیق اور عہد جدید کی بشارتوں پر موثر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی لڑکے کے والدین نے اس کے حق میں کچھ بھی تمنا کی ہو۔ اور نبی موعود کا نام اس لڑکے کے نبی ہونے کی تمنا میں کیوں نہ رکھا ہو مگر نبی وہی ہوا جس کو درحقیقت خدائے تعالیٰ کو آخر الزمان کرنا منظور تھا۔

ہماری اس رائے کی تائید اس وقت اور بھی ہو جاتا ہے جبکہ ہم بڑے بڑے کاموں پر غور کرتے ہیں جو آنخضرت صلعم سے ظہور میں آئے تھے اور وہ ایسے کام ہیں جو تمام جہان کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور جب کہ ہم اس روحانی سرور کو دیکھتے ہیں جو دین حق کا طفیل ہیں جن کو آپ نے اپنی حیات میں شائع کیا تھا اور آئندہ نسلوں کے لئے بطور ورثہ چھوڑ گئے اور جب ہم اس صدق و پاکبازی کی ترویج پر نظر ڈالتے ہیں جس کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رائج کیا اور زندگی کی کاوشوں کے بعد بھی غیر مبدل اور بے نقص رہی ہیں اور ابداً لآباد تک ایسے ہی رہیں گے تو ہم کو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ جس محمدؐ اور احمدؐ کی بشارت عہد عتیق اور عہد جدید (یعنی توریت و انجیل) میں دی گئی ہے وہ وہی تھے جو جناب عبداللہ کے بیٹے اور آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔

خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور

اسوۃ الرسول جلد 2 حاشیہ ص 16 تا 16

آنحضرت کی حضرت موسیٰؑ سے مشابہت کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو سورہ مزمل کی ایک آیت میں حضرت موسیٰ کے مشابہ کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے

"انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً"

(سورۃ مزمل)

یعنی ہم نے تمہاری طرف تم پر گواہ بنا کر ایسا ہی رسول بھیجا ہے جیسا کہ فرعون کی طرف موسیٰ کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔

مفسرین اور سیرت نگاروں نے آنحضرت کی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بہت سے واقعات میں مشابہت کو بیان کیا ہے۔لیکن ولیم میور کے اعتراض پر سر سید احمد کے جواب سے ایک نئی مشابہت کا علم ہوا۔اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت کے پیدا ہونے سے پہلے کئی آدمیوں نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا تھا۔جس کا سر سید احمد نے یہ جواب دیا ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے انھوں نے اس تمنا میں اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا ہو کہ شاید ہمارا یہ بیٹا ہی نبی آخر الزمان ثابت ہو کیونکہ آپ کے آنے کی بشارت نہ صرف حضرت موسیٰ نے دی تھی اور نہ صرف حضرت عیسیٰ نے دی تھی اور یہ بشارت توریت وانجیل میں بھی لکھی ہوئی تھی بلکہ سارے کے سارے انبیاء سب سے آخر میں آنے والے اس نبی کی بشارت دیتے رہے تھے لیکن لوگوں کا اس تمنا میں اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

آنحضرت کی آپ کے آنے سے پہلے بہت سے لوگوں کا اپنے بیٹوں کا محمد نام رکھنے میں حضرت موسیٰ کے ساتھ یہ مشابہت ثابت ہوئی کہ حضرت موسیٰ کے بارے میں بنی اسرائیل کو یہ بشارت دی گئی تھی کہ قبطی ان پر غالب آجائیں گے اور بنی اسرائیل ظلم وستم کی چکی میں پستے رہے ہیں یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام موسیٰ ابن

عمران ہوگا۔ چنانچہ جب قبطی بنی اسرائیل پر غالب آگئے اور بنی اسرائیل ظلم وستم کی چکی میں پسنے لگے تو بنی اسرائیل روایات کے مطابق اپنے بیٹوں کو نام عمران رکھتے تھے اور پھر اس عمران کے جو بیٹا ہوتا تھا اس کا نام موسیٰ رکھتے تھے لیکن بنی اسرائیل کو نجات نہ ملی اور وہ بدستور قبطیوں کے ظلم وجور کی چکی میں پستے رہے۔ اس طرح چالیس بنی اسرائیل نے اپنے بیٹوں کا نام عمران اور اس عمران کے بیٹے کا نام موسیٰ رکھا مگر اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا لیکن وہ موسیٰ ابن عمران جو بنی اسرائیل کا نجات دہندہ تھا تمام پابندیاں توڑ کر آیا اور آخر اس نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دلائی اس سے ثابت ہوگیا کہ اصل موسیٰ ابن عمران جس کے بارے میں پیشین گوئی تھی وہی تھا جس نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وجور سے نجات دلائی۔

اسی طرح آنحضرتؐ سے پہلے اس تمنا میں چاہے جتنے لوگوں نے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا ہو اصل محمد جو خاتم الانبیاء تھا وہ وہی تھا جو علم واخلاق کا پیکر بن کر آیا معجزات باہرات کے ساتھ آیا اور سابقہ کتابوں کی تصدیق کے علاوہ ایک ایسی کتاب لے کر آیا جو قیامت تک معجزہ خالدہ ہے اور جس کا مثل قیامت تک جن وانس مل کر بھی لانے پر قادر نہ ہوسکیں گے۔

اس امت کے پاس بھی پیغمبر گرامی اسلام کی دی ہوئی بشارت اور ایک پیشین گوئی ہے اور یہ حضرت مہدیؑ کے ظہور کی پیشین گوئی ہے جس کی سب سے بڑی نشانی یہ بیان کی گئی ہے کہ "**یملأ الارض قسطاو عدلاً کماملئت ظلماً و جوراً**"

"وہ زمین کو اسی طرح عدل وداد سے بھر دے گا جیسے کہ وہ ظلم وجور سے پر ہو چکی ہوگی"

ہم جانتے ہیں کہ اب تک ایک اندازے کے مطابق چالیس کے قریب آدمیوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن زمین اسی طرح ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے بلکہ ظلم وجور میں شدت ہوتی جارہی ہے لہذا جو مہدی زمین کو اس ظلم وجور کے بعد عدل وداد سے پُر

کریگا وہی حقیقی اور اصلی مہدی ہوگا۔

حلیمہ سعدیہ کا شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکہ آنا

حلیمہ بنت ابی ذویب السعدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی والدہ بیان کرتی ہیں کہ:

''میں اپنی بستی سے اپنے شوہر اور ایک شیر خوار بچے کو لے کر بنی سعد بن بکر کی چند عورتوں کے ساتھ دودھ پینے والوں بچوں کی تلاش میں نکلی، وہ زمانہ قحط کا تھا ہمارے پاس کچھ نہ تھا میں ایک بھورے یا خاکی رنگ کی گدھی پر نکلی۔ اور ہمارے ساتھ ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی جس سے خدا کی قسم ایک قطرہ دودھ بھی نہ مل سکتا تھا۔ ہمارا حال یہ تھا کہ ہمارے اس بچے کو جو ہمارے ساتھ تھا بھوک کے رونے کے سبب ساری رات نہ سو سکتے تھے۔ میری چھاتی میں اتنا دودھ نہ تھا کہ اسے کافی ہو۔ اور نہ ہماری بوڑھی اونٹنی کے پاس کچھ تھا جو اس کے ناشتے کے کام آئے۔ ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 183

حلیمہ اپنے سلسلہ بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتی ہیں

''غرض میں اپنی اسی گدھی پر نکلی تو وہ تھک گئی اس کی کمزوری اور دبلے پن کے باعث ساتھیوں کو زحمت ہوئی یہاں تک کہ ہم مکہ پہنچ گئے۔

ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہ تھی جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش نہ کیا گیا ہو لیکن جب اس سے کہا جاتا کہ آپ یتیم ہیں تو وہ آپ کو لینے سے انکار کرتی۔ چونکہ ہم لوگ بچے کے باپ کی طرف سے نیک سلوک کی امید رکھتے اور کہتے تھے کہ وہ یتیم ہے تو اس کی ماں اور دادا سے حسن سلوک کی کیا امید ہے اس لئے ہم آپ کا لینا پسند نہ کرتے تھے۔

میرے ساتھ آئی ہوئی عورتوں میں سے بجز میرے کوئی عورت باقی نہ رہی جس

نے کوئی شیر خوار نہ لے لیا ہو ۔جب ہم واپس جانے کے لئے تیار ہو گئے تو میں نے اپنے شوہر سے کہا: بخدا میں یہ بات ناپسند کرتی ہوں کہ کسی شیر خوار کو لئے بغیر اپنی ساتھ والیوں میں لوٹوں، میں تو اس یتیم کے پاس جاؤں گی اور اسے ضرور لے لوں گی ۔انھوں نے کہا ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالی ہمارے لئے اس میں برکت دے دے ۔پس میں آپ کے پاس گئی اور آپ کو لے لیا میرے اس فعل کا سبب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مجھے آپ کے سوا کوئی اور نہ ملا۔ ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 184

حضور کے وجود مبارک کی برکات

حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ:

''پھر میں آپ کو لے کر اپنی سواری کی طرف لوٹی ۔اب میں نے آپ کو اپنی گود میں بٹھا لیا ۔تو آپ کے میری چھاتیوں میں حسب خواہش دودھ بھر آیا ۔آپ نے پیا اور سیر ہو گئے آپ کے ساتھ آپ کے بھائی نے بھی پیا اور وہ بھی سیر ہو گیا پھر دونوں سو گئے ۔حالانکہ اس سے پہلے اس کے ساتھ ہم سوتے بھی نہ تھے ۔میرا شوہر اپنی بوڑھی اونٹنی کی طرف گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ دودھ سے بھری ہوئی ہے اس سے اتنا دودھ دوہا کہ میرے شوہر نے بھی پیا اور میں نے بھی ۔یہاںتک کہ ہماری سیری اور سیرابی انتہا کو پہنچ گئی ۔اور آرام سے رات گذاری ۔صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا: اے حلیمہ خدا کی قسم خوب سمجھ لو کہ تم نے ایک ذات مبارک کو پایا ہے ۔میں نے جواب دیا خدا کی قسم مجھے یہی امید تھی پھر ہم نکلے میں اپنی گدھی پر سوار ہو گئی اور آپ کو بھی اپنے ساتھ سوار کرا لیا ۔خدا کی قسم تو وہ گدھی قافلے سے آگے ہو گئی ۔قافلے والوں کی گدھیوں میں سے کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی، یہاں تک کہ میرے ساتھ والیاں مجھ سے کہنے لگیں اے ابو ذویب کی بیٹی تجھ پر افسوس ہے ۔ہماری خاطر ذرا اور درمیانی چال چل ۔کیا یہ تیری وہ گدھی نہیں ہے جس پر تو گھر سے نکلی تھی؟ میں ان سے

کہتی کیوں نہیں؟ یہ وہی تو ہے۔وہ کہتیں۔خدا کی قسم اسکی حالت ہی کچھ اور ہے پھر ہم اپنے گھر آئے جو بنو سعد کی بستیوں میں تھا۔اور اللہ تعالی کی زمین میں کسی کو میں نہی جانتی جو اس سے زیادہ قحط زدہ ہو۔مگر جب ہم آپ کے ساتھ لائے تو میری بکریاں چراگاہ سے شام کو لوٹتیں اور خوب دودھ سے بھری ہوئی ہوتیں ہم دودھ دوہتے، پیتے اور دوسرے لوگوں میں سے کوئی شخص اپنی بکریوں سے دودھ کا قطرہ نہ پیتا اور نہ تھنوں میں سے ایک قطرہ پاتا۔ ہماری قوم کے جو لوگ ہمارے قریب ہی رہا کرتے تھے اپنے چرواہوں سے کہتے، ارے کمبختو!ابوذویب کی بیٹی کا چرواہا جہاں بکریاں چرنے چھوڑتا ہے تم بھی وہیں چھوڑو۔وہی ایسا ہی کرتے پھر بھی انکی بکریاں بھوکی ہی واپس آتیں۔ایک قطرہ دودھ نہ دیتیں اور میری بکریاں دودھ سے بھری ہوئی سیر لوٹتیں۔ہم اللہ تعالی کی طرف سے خیر و برکت ہی دیکھتے رہے یہاں تک کہ آپ کو دو سال ہوگئے۔دودھ بڑھائی ہوگئی۔آپ کی نشوونما ایسی ہوئی کہ دوسرے بچوں میں سے کوئی اس کا نمونہ پیش نہ کرسکتا تھا۔آپ کی عمر دو سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ خوب توانا ہوگئے۔پھر ہم آپ کو لے کر آپ کے خاندان میں آپ کی والدہ کے پاس آئے۔چونکہ آپ کی برکات دیکھتے رہے تھے اس لئے آپ کو اپنے پاس رکھنے کے بہت آرزومند تھے۔ہم نے آپ کی والدہ سے بات چیت کی، میں نے ان سے کہا:

"اگر میرے بچے (رسول صلعم) کو میرے پاس کچھ دنوں اور چھوڑ دیں کہ خواب توانا ہوجائے تو بہتر ہے۔کیونکہ مجھے مکہ کی وبا سے اس کے لئے ڈر لگتا ہے۔ہم نے یہاں تک اصرار کیا کہ والدہ نے آپ کو ہمارے ساتھ لوٹا دیا تو پھر ہم آپ کو لے کر لوٹے۔

ترجمہ سیرۃ ابن حشام جلد 1 ص 184-185

طفولیت میں ضبط اوقات اور پاک عادات

اسوۃ الرسول میں آپ کی طفولیت کا حال اس طرح لکھا ہے

''مدبر قدرت نے فطرت صالحہ کے اعلیٰ جوہروں سے پیکر رسالت کو مرتب کیا تھا ۔زمان رضاعت اور دوران طفولیت سے پاکیزگی، طہارت، احتیاط ،ضبط اوقات، تہذیب اور حیا و عفت کے اعلیٰ اور لاجواب محاسن آپ کے عادات اور طرز عمل سے پیدا اور ہویدا تھے ۔جو عموماً بچوں کے طبائع اور عادات اور روزمرہ کے مشاہدات سے بالکل مختلف تھے ۔یہ خصوصیات تنہا آپ کی عادات ہی سے متعلق نہیں تھے ۔بلکہ روزمرہ میں بھی آپ کی احتیاط ،پابندی اوقات اور التزام پورے طور سے ظاہر ہوتا ہے ۔اسی وقت سے صبر و سکون، تحمل، استغنا اور قناعت طبع ہمایوں کے خاص جوہر معلوم ہوتے تھے ۔

محدث شیرازی نے اپنی تاریخ روضتہ الاحباب میں آپ کے بچپن کا حال حلیمہ سعدیہ کی زبانی لکھا ہے ہم اس کا ترجمہ ذیل میں نقل کرتے ہیں ۔

''حلیمہ کہتی ہیں کہ اسی وقت سے آپ کی پاکیزگی طبع کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ نے روزمرہ کے کپڑوں میں عام بچوں کی طرح رفع حاجت نہ فرمائی وقت کی پابندی اور احتیاط کا اسی زمانہ سے یہ حال تھا کہ رفع حوائج ضروریہ کے لئے وقت خاص مقرر تھا ۔اسی وقت رفع حاجت فرمائی جاتی تھی اور پھر روز آئندہ کے وقت مقررہ تک اس کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ،مجھ کو رفتہ رفتہ روز کے مشاہدے سے اس کا پورا علم و تجربہ ہوگیا اور میں روزمرہ وقت مقررہ پر آپ کی ان ضروریات کو انجام دے دیا کرتی تھی ۔حیا و عفت کا بچپن سے ہی یہ عالم تھا کہ اگر میری غلطی اور غفلت سے اگر کسی وقت آپ کا کشف ستر ہوگیا تو اس حیائے مجسم اور ناموس الٰہی کے خاص محرم پر غیض و غضب کا ایک خاص عالم طاری ہو جاتا تھا ۔اور شرم و حیا کے وفور سے آپ فوراً رونے لگتے ۔میں رونا سن کر دوڑ پڑتی تھی اور کپڑا ڈال دیتی تھی ۔عام بچوں کی طرح رونا، دودھ کے لئے مچلنا میں نے رضاعت کے دو سالہ ایام میں کبھی نہ دیکھا کبھی آپ نے کوئی چیز بائیں ہاتھ سے نہیں اٹھائی ،ہمیشہ سیدھے ہاتھ سے کام کیا ۔رشد و تمیز کا یہ عالم تھا کہ مجھ کو ہمیشہ یہ ارمان رہا کہ دودھ پلانے کے بعد عام بچوں کی طرح آپ

کے دہان مبارک کو بھی رومال سے پاک کر دیا کروں کبھی اس کی مجھے ضرورت ہی نہیں ہوئی۔اس لئے کہ اس انداز اور احتیاط سے دودھ پیا جاتا تھا کہ زیادتی کی مقدار کا کوئی اثر لب مطہر پر ظاہر نہیں ہونے پاتا تھا۔حلیمہ کا یہ بیان بھی ہے کہ جب آپ کو طاقت رفتار آگئی تو آپ نے جب کبھی لڑکوں کو باہر کھیلتے ہوئے پایا ان سے بخلاف فطرت کنارے ہو گئے۔ان کو ہمیشہ کھیلنے کودنے سے منع فرماتے اور ارشاد کرتے تھے کہ ہم لوگوں کو کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔حلیمہ یہ بھی کہتی ہیں کہ آپ نے ایک مجھ سے استفسار فرمایا کہ ہمارے بھائیوں کو آپ کہاں روز بھیج دیا کرتی ہیں کیونکہ میں ان کو دن بھر گھر میں نہیں دیکھتا ہوں میں نے جواب دیا کہ میری جان آپ پر فدا ہو وہ گھر کی بھیڑیں جنگل میں چرانے جایا کرتے ہیں ہر روز صبح سویرے گھر سے بھیڑیں لے کر نکل جاتے ہیں، دن بھر جنگل میں بھیڑیں چراتے ہیں اور شام کے وقت ہر روز گھر چلے آتے ہیں یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی انہیں کے ساتھ آپ کیوں نہیں بھیج دیا کرتیں مجھے بھی کچھ کام کرنا چاہئے۔

روضۃ الاحباب جلد اول ص 90

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 27

بچپن میں غرض خلقت کی معرفت

اسوۃ الرسول میں بچپن کے حالات میں ہی یہ واقعہ بھی لکھا ہے جسے انھوں نے طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے۔وہ لکھتے ہیں

" ان کان یخرج ھو و اخوہ فیلعب الغلمان فیجبتھم علیہ السلام ویا خذبید اخیہ و یقول انا لم یخلق ھذا" طبقات ابن سعد

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 27

ترجمہ: جب آپ کے رضاعی بھائی آپ کو ہمراہ لے کر لڑکوں کے ساتھ کھیلنے کے لئے

جایا کرتے تھے اور کھیلنے لگتے تھے تو آپ اپنے رضاعی بھائی کا ہاتھ پکڑ لیتے اور ارشاد فرماتے تھے کہ ہم اس کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔

لمحہ فکریہ

یہ ہے نبوت کا بچپن اور پیغمبر کی ابتدائی زندگی کا حال جسے مورخ شہیر بن ہشام نے اپنی سیرت کی کتاب میں اور ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں قلمبند کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت نے کوہ ابوقبیس پر چڑھ کر فرمایا تھا کہ اے لوگوں میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ تم میں گذارا ہے کیا تم نے کوئی نقص دیکھا کوئی عیب دیکھا، کوئی برائی دیکھی ہے۔ کوئی شخص آپ میں کوئی برائی بیان نہ کر سکا۔ خدا اپنے پیغمبروں کو اس طرح سے بچپن سے ہی تمام برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ کیا وہ ہستی جو نبوت کی شان سے اچھی طرح آگاہ تھی کسی ایسے شخص کے بارے میں جس کا حال حسین ہیکل مصری نے اور دوسرے تمام سیرت نگاروں نے اس طرح سے لکھا ہے جو سابق میں یہی دکھانے کے لئے نقل کیا گیا ہے یہ کہہ سکتے تھے کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ ہوتا" دراصل ایسی احادیث گھڑنے والوں نے ہی خود نبوت کی شان کو گھٹایا ہے"۔

حضور کی مکہ واپسی اور گمشدگی

سیرۃ ابن ہشام میں لکھا ہے کہ

"ابن اسحاق نے کہا: بعض لوگوں نے بیان کیا (واللہ اعلم) کہ آپ کی رضاعی والدہ سعدیہ آپ کو لے کر مکہ آئیں تو آپ ان سے چھوٹ کر لوگوں کی بھیڑ میں گم ہو گئے۔ سعدیہ نے اپنے بیٹے (حضور) کو بہت ڈھونڈا لیکن نہ پایا۔ عبدالمطلب کے پاس آئیں اور ان سے کہا میں آج رات محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو لے کر آئی اور جب مکہ کے بلند حصہ

میں تھی تو مجھ سے الگ ہو کر کھو گیا ۔خدا کی قسم مجھے خبر نہیں کہ کہاں ہے ۔عبد المطلب آپ کے لوٹ آنے کے لئے اللہ تعالٰی سے دعا کرتے ہوئے کعبۃ اللہ کے پاس کھڑے ہوئے۔ لوگوں کو بیان ہے کہ ورقہ بن نوفل بن اسد اور کسی اور شخص کو آپ مل گئے ۔وہ دونوں آپ کو لے کر عبد المطلب کے پاس آئے ۔اور ان سے کہا یہ آپ کا بچہ مکہ کے بلند حصہ میں ہمیں ملا۔ عبد المطلب نے آپ کو لے کر گردن پر بٹھالیا۔اسی طرح کعبۃ اللہ کے گرد گھومتے جاتے آپ کے لئے دعا کرتے اور پناہ مانگتے جاتے تھے ۔پھر آپ کی والدہ آمنہ کے پاس بھجوا دیا

ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 189

بعض مفسرین نے سورۃ والضحٰی کی آیت " وجدک ضالاً فھدیٰ " کا یہی مطلب مراد لیا ہے کہ:

"اور ہم نے تجھ کو گمشدہ پایا تو ہم نے تجھ کو منزل مقصود تک پہنچا دیا"

جب ہم ضالاً کے لغوی معنی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ "ضالاً" کے دو معنی ہیں ۔ایک "گم شدہ" اور دوسرے "گمراہ"۔

گم شدہ کی مثال ہمیں قرآن کریم میں بھی ملتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا

" وقالواء اذا ضللنا فی الارض ء انا لفی خلق جدید "السجدہ ۔10

اور ان کافروں نے یہ کہا کہ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے تو پھر ہم نئی صورت میں پیدا ہوں گے ؟۔

قرآن کریم کے علاوہ حدیث نبویؐ میں بھی یہ لفظ گم شدہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلعم کی معروف حدیث میں آیا ہے کہ " الحکمۃ ضالۃ المومن "

"حکمت یعنی علم و دانش مومن کی گمشدہ چیز ہے یہ جہاں سے بھی ملے حاصل کرے"

یہاں ضالۃ کا معنی یہ ہرگز نہیں ہے کہ علم و دانش مومن کو گمراہ کرنے والا ہے بلکہ مسلمہ طور پر سب کے نزدیک اس کا مفہوم یہی ہے کہ یہ مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں سے

بھی ملے حاصل کر لے۔پیغمبر اکرمؐ کے بارے میں سورہ والضحیٰ میں تین باتوں کا پے در پے ذکر آیا ہے

نمبر 1: الم یجدک یتیماً فاویٰ

نمبر 2: و وجدک ضالاً فھدیٰ

نمبر 3: و وجدک عائلا فاغنیٰ

ان آیات کا باطنی معنی چاہے جو کچھ بھی کیا جاتا رہے لیکن ان آیات کا ایک ظاہری معنی ومفہوم بھی ہے اور ان جملوں کی ترتیب ایک تدریج کا پتہ دیتی ہے۔یعنی پیدا ہوتے ہی یتیم پایا۔لہذا پیدائش کے ساتھ ہی قدرت نے انہیں اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔یعنی پیغمبر اکرم صلعم اپنی پیدائش کے دن سے ہی خدا کے زیر نظر، زیر نگرانی اور زیر تربیت رہے جو ان کے اجتبیٰ کا تقاضا ہے۔

پھر جب چلنے پھرنے لگے اور اپنی رضاعی ماں سے جدا ہو کر بچھڑ گئے گویا حلیمہ سعدیہ کے لئے گم ہو گئے اور انہیں تلاش کرنے پر بھی نہ ملے تو خدا نے انہیں منزل مقصود تک پہنچایا۔

اور جب سن شباب کو پہنچے اور معاشی ضروریات کا سامنا ہوا تو حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ان کی تجارت میں شریک کر کے اور پھر ان کے ساتھ ان کا شادی کا بندوبست کر کے انہیں معاشی ضروریات سے مستغنی کر دیا اور اس کا تفصیلی بیان آگے چل کر آئیگا۔

ہمارے اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ ان آیات کا معنوی وروحانی یا باطنی مطلب خواہ جو کچھ بھی کیا جائے ان کا ایک ظاہر مطلب بھی ہے جو پیغمبر کی ظاہری زندگی سے متعلق ہے اور وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔

لیکن وہ لوگ جو پیغمبر گرامی اسلام کو ہر صورت میں ایک ہر کارہ سے زیادہ وقعت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔وہ اسی بات پر مصر ہیں کہ یہاں پر اس لفظ ''ضالاً'' کا مطلب گمراہ ہی کیا جائے اور اسی وجہ سے وہ جھوم جھوم کر اپنے منبروں پر یہی معنی بیان کرتے ہیں۔

والدہ کے دامن عافیت میں حضور کی پرورش اور حضرت آمنہؑ کی وفات

اسوۃ الرسول میں لکھا ہے کہ بنی سعد کے قبیلہ میں آپ کے چار سالہ ایام طفولیت تمام ہوگئے گویا پانچویں برس کے آغاز سے آپ نے اپنے خاص بیت اشرف کی طرف معاودت فرمائی اور پھر چھ برس کے سن تک اپنی والدہ گرامی قدر کے دامنِ عافیت میں پرورش پاتے رہے۔

مگر مصلحت ایزدی نے اس زمانہ پرورش کو دیر پا نہ رکھا۔ کل دو ہی برس کے بعد اس کی مدت تمام ہوگئی۔ علیا مکرمہ جناب آمنہ بنت وھب سلام اللہ علیھا نے مدینہ منورہ سے لوٹتے ہوئے مقام ابوا میں انتقال فرمایا۔

ابن ہشام لکھتے ہیں:

" ان ام رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم آمنه بنت وهب توفيت . فرسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ابن ست سنين بالايوابين مكة و المدينة . وكانت قد قدمت به على اخواله من عدى وبنى النجار بزيره اياهم فماتت وهي راجعة به الى المكة . سیرۃ ابن ہشام

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 28

ترجمہ: جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مادر گرامی شان حضرت آمنہ بنت وھب نے جب آنحضرت کا سن کل چھ برس کا تھا مقام ابوا میں رحلت فرمائی۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ جناب آمنہ سلام اللہ علیہا اپنے ننھیالی عزیزوں سے ملنے کے لئے مدینہ تشریف لے گئیں تھیں۔ وہاں سے رخصت ہو کر مراجعت فرماتے وقت انتقال

فرما گئیں۔ ترجمہ سیرۃ ابن ہشام از اسوۃ الرسول جلد 2 ص 28

اور ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں آپ کے واقعہ وفات کو ان الفاظ میں لکھا ہے

" ثم رجعت به امه فلما کانوا بالابوا توفیت امه آمنة بنت وهب فقبرها هناک فرعت به ام ایمن علی البعیرین الذین قدموا علیها الیٰ مکة کانت تحصنه معه امه ثم بعد ان ماتت" (طبقات ابن سعد ص 77 ۔ اسوۃ الرسول ج 2 ص 28)

ترجمہ: آنحضرت صلعم اپنی مادر گرامی کے ساتھ مکہ لوٹے جب مقام ابوا پر پہنچے تو آپ کی والدہ ماجدہ جناب آمنہ بنت وھب نے انتقال کیا اور وہیں مدفون کردی گئیں ۔ ام ایمن آپ کو لے کر انہیں دونوں اونٹوں پر مکہ واپس آئیں جن پر سوار ہو کر مکہ سے مدینہ گئیں تھیں ۔ ام ایمن حیات اور بعد وفات حضرت آمنہ کے بھی آنحضرتؐ کو کھلاتی رہیں۔

ترجمہ طبقات ابن سعد ص 77

از اسوۃ الرسول ج 2 ص 28

اور ترجمہ سیرۃ ابن ہشام میں حضرت آمنہؑ کی وفات کا حال اس طرح لکھا ہے

کہ: ابن اسحق نے کہا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ آمنہ بنت وھب اور اپنے دادا عبدالمطلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نگرانی وحفاظت میں تھے ۔ اللہ تعالیٰ جس عظمت و بزرگی تک آپ کو پہنچانا چاہتا تھا اس کے لئے آپ کی بہترین پرورش فرما رہا تھا جب آپ کی عمر شریف چھ سال کو پہنچی تو آپ کی والدہ انتقال کر گئیں۔

ترجمہ سیرۃ ابن ہشام ج 1 ص 189

مذکورہ واقعات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ پیغمبر گرامی اسلام اپنی پیدائش کے اول دن سے خداوند تعالیٰ کی نگرانی، تربیت اور ہدایت کے ماتحت قدم بہ قدم آگے بڑھ رہے تھے اور آپ پیدائش کے دن سے ہی مصطفےٰ ومجتبےٰ تھے۔

ماں کی قبر کی زیارت

واقعات تاریخی یہ بتلاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی دل میں اپنی والدہ گرامی شان کی ہمیشہ یاد زندہ تھی اوران کی مفارقت کے بعد اشفاق مادری کے آثار ویسے ہی تازہ تھے۔ ابن سعد لکھتے ہیں

" فلما یر رسول الله صلعم فی عمرة الحدیبیه بالابوا قال ان الله قد اذن لمحمد فی زیارہ قبر امه فاتاہ رسول الله صلم فاصلحه و بکی عنداہ و بکی المسلمون ۔ لبکاء رسول الله صلم فقیل له ادکتنی رحمتها فبکیت " طبقات ابن سعد ص 73

ترجمہ: عمرہ حدیبیہ کے بعد جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ابوا پر پہنچے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدہ گرامی قدر کی قبر کی زیارت کے لئے خدا کی طرف سے مجاز و ماذون کیا گیا ہوں یہ فرما کر آپ ان کی قبر مطہر پر تشریف لے گئے اوران کو نیکیوں کے ساتھ یاد کیا اور اشکبار ہوئے آپ کو روتا دیکھ کر تمام اہل واسلام بھی رونے لگے۔ آپ سے سبب گریہ دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ مجھے اشفاق و مراحم یاد آ گئے اور میں بے اختیار ہو کر رو پڑا۔ (ترجمہ طبقات ابن سعد ۔ از اسوۃ الرسول جلد 2 صد 29)

بعض اصحاب کا آنحضرتؐ کا حال معلوم کرنا

ابن اسحاق نے کہا: ثور بن یزید نے بعض اہل علم سے روایت بیان کی اور میں یہ سمجھتا ہوں یہ روایت خالد بن معدان الکلاعی کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ نے آپ سے کہا۔ اے اللہ کے رسول، اپنے حالات بیان فرمایئے۔ یہ فرمایا: اچھا سنو! میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰؑ کی بشارت ہوں۔ جب میں اپنی

ماں کے بطن میں آیا تو انھوں نے دیکھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس سے سرزمین شام کے محل ان پر روشن ہو گئے۔ بنی سعد بن بکر کے قبیلے میں دودھ پی کر میں نے پرورش پائی میں اپنے گھروں کے پیچھے اپنے ایک بھائی کے ساتھ تھا اور ہم اپنی بکریوں کے بچے چرا رہے تھے کہ دو شخص سفید کپڑوں پہنے ہوئے میرے پاس برف سے بھرا ہوا سونے کا مرکب طشت لے کر آئے۔ انھوں نے مجھے پکڑا اور میرا پیٹ چاک کیا۔ میرا دل نکالا اور اسے چاک کیا اس میں سے ایک کالا گوشت کا ٹکڑا نکالا اور پھینک دیا پھر انھوں نے میرا دل اور پیٹ برف سے یہاں تک دھویا کہ اسے پاک کر دیا فرمایا پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا:

انہیں ان کی امت کے دس شخصوں کے مقابل تولوں۔ اس نے مجھے ان کے ساتھ تولا تو میں ان سے وزن میں بڑھ گیا۔ پھر اس نے کہا اس کی امت کے سو شخصوں کے ساتھ تولو۔ جب اس نے مجھے ان کے ساتھ تولا تو میں ان سے بھی وزن بڑھ گیا۔ پھر اس نے کہا کہ ان کی امت کے ہزار افراد کے ساتھ تولو۔ اس نے مجھے ہزار کے ساتھ وزن کیا۔ تو جب بھی میں وزن میں بڑھ گیا۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا انہیں چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم اگر تم انہیں پوری امت کے مقابلہ میں تولو گے تو یہ بڑھ جائیں گے۔

ترجمہ سیرۃ ابن ہشام ج 1 ص 186-187

مذکورہ روایت میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں اور یہ چاروں ہی تشریح اور وضاحت طلب ہیں

۱۔ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں

۲۔ میں عیسےٰ کی بشارت ہوں

۳۔ آنحضرت کے پیٹ اور دل کو چاک کر کے دھونے کا حال

۴۔ آپ کو امت کے افراد کے ساتھ وزن کرنے کا حال

اب ہم ان چاروں باتوں کی علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت تشریح اور وضاحت کرتے ہیں۔

میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں

اس روایت میں پیغمبر اکرم صلعم کا یہ کہنا کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔ یہ حضرت ابراہیم کی ان دعاؤں کی طرف اشارہ ہے جو قرآن میں نازل ہوئی ہیں علی الخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ کہنا یہ تقاضا کرتا کہ ان دعاؤں سے مراد وہ دعائیں جو ابراہیم نے اپنی ذریعت کے لئے کی تھیں۔ ہم ان میں سے چند دعاؤں کا بیان قرآن سے نقل کرتے ہیں اور وہ اس طرح ہیں۔

" ربنا واجعلنا مسلمين لك و من ذريتنا امة مسلمة لك و ارنا مناسكنا و تب علينا انك انت التواب الرحيم . ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم آياتك يعلمهم الكتاب و الحكمة و يزكيهم انك انت العزيز الحكيم " البقرہ128-129

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (مجھے اور اسماعیل) کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری توبہ کو قبول کرلے۔ بیشک تو بڑا توبہ کو قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اے ہمارے پروردگار ہماری اولاد کے اس اپنے مطیع وفرمانبردار گروہ میں سے ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرما جو تیری آیتیں ان کو سنائے اور کتاب وحکمت کی انہیں تعلیم دے اور ان (کے ظاہر وباطن) کو پاک کرے بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے"

خداوند تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا لفظ بلفظ قبول کرلی اور ان کی دعا کا انہیں الفاظ میں جواب دیا چنانچہ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوا۔

"لقد من الله علی المومنین اذ بعث فیهم رسولاً من انفسهم یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" آل عمران۔164

ترجمہ: بیشک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جبکہ ایک رسول انہیں میں سے مبعوث کر دیا جو ان پر خدا کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو (ظاہراً و باطناً) پاک کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ گو اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

اور سورہ جمعہ میں ارشاد ہوتا ہے

هو الذی بعث فی الامین رسولاً منهم یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین"

(جمعہ۔4)

ترجمہ: وہی ہے تو جس نے مکہ کے رہنے والوں میں سے ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کے (ظاہر و باطن) کو پاک کرتا ہے اور ان کو قرآن و شریعت کی تعلیم دیتا ہے۔ گو اس سے پہلے وہ اس سے قطعی طور پر نا آشنا تھے۔

2: دوسری دعا جو حضرت ابراہیم نے اپنی ذریعت کے لئے کی وہ سورۃ البقرہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے

"واذ ابتلیٰ ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن قال انی جاعلک للناس اماما۔ وقال و من ذریتی قال لا ینال عهدا الظالمین" (البقرۃ۔124)

ترجمہ: اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیمؑ کا اس کے رب نے چند باتوں میں امتحان لیا اور ابراہیم نے ان کو پورا کر دیا (تو خدا نے) فرمایا کہ میں تم کو کل آدمیوں کا امام بنانے والا ہوں (ابراہیم نے) عرض کی اور میری اولاد میں سے (خدا نے) فرمایا (میرا یہ

وعدہ ہے اور میرا یہ عہد ہے کہ تیری اولاد میں سے بھی امام بناؤں گا لیکن) جو ظالم ہوں گے انہیں میرے اس عہد اور میرے اس وعدے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ کی مذکورہ دونوں دعاؤں میں سے پہلی دعا اپنی ذریت میں اولاد اسماعیل میں سے رسول مبعوث کرنے کے لئے تھی اور دوسری دعا اپنی ذریت میں سے امام بنانے کے لئے تھی۔ پس پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے مذکورہ قول کا مطلب یہ ہے کہ حضرت اسماعیل نے جس کے لئے رسالت اور امامت کی دعا کی تھی وہ میں ہوں اور ختم نبوت کے بعد امامت ذریت ابراہیم میں میری اولاد میں جاری رہے گی

اب چونکہ امامت کے لئے قدرت کا واضح اعلان یہ تھا کہ 'لاینال عہدی الظالمین' ظالم میرے اس عہد سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ لہذا حضرت ابراہیم نے ساتھ ہی ایک اور دعا کی جس میں اس بات کی تشریح کی کہ میرا کون ہے ارشاد ہوتا ہے

" واذقال ابراهیم رب اجعل هذا لبلد امناً اجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام ، رب انهن اضللن کثیراً من الناس ، فمن تبعنی فانه منی و من عصانی فانک غفور رحیم" (ابراہیم۔35-36)

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن وامان والا قرار دے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش کرنے سے بچائے رکھ۔ اے میرے پروردگار بالتحقیق ان ہستیوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ پس جو میری پیروی کریگا (اور بت پرستی سے بچا رہے گا) وہ تو میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے گا (اور بتوں کی پرستش کرنے لگ جائیگا) تو بیشک تو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

پہلی دعا کی خصوصیت یہ تھی کہ پہلے اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے خدا کا مطیع و فرمانبردار رہنے کی دعا کی تھی اور لہذا وہ دعا بلاشرط قبول ہوئی کیونکہ حضرت ابراہیم نے پہلے ہی یہ دعا مختص اور مخصوص کی تھی ،لیکن دوسری دعا میں تخصیص کے الفاظ ادا نہ ہوئے تھے بلکہ

من ذریتی کے الفاظ سے تمام اولاد مراد ہو سکتی تھی لہذا خدا نے دعا کی قبولیت کو مشروط کر دیا ۔ لا ینال عہدی الظالمین اور جب خدا نے اس بات کو مشروط کر دیا تو ابراہیمؑ نے بھی اس بات کی وضاحت اور تشریح کر دی کہ میں نے جو "من ذریتی" میری ذریت میں سے کہا ہے اس سے میری کیا مراد ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ میں نے کبھی بھی بتوں کی پرستش نہیں کی لہذا میں نے جن کے لئے دعا کی ہے اور انہیں میری ذریت کہا ہے وہ ، وہ ہیں جنہوں نے میری طرح کبھی بھی بتوں کی پرستش نہ کی باقی رہے میری اولاد میں سے وہ لوگ جنہوں نے میری اس سیرت کی خلاف ورزی کی ہے اور میرے اس طریقہ پر نہیں چلے ان کے لئے میری دعا نہیں ہے جہاں تک بخشش کا تعلق ہے تو تو غفور الرحیم ہے ۔

پس پیغمبر اکرم صلعم کے یہ کہنے کا میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں یہ ہے کہ میں نبی بھی ہوں رسول بھی ہوں اور امام بھی ہوں

اب ہم مذکورہ روایت کی دوسری بات کو لیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ:

میں عیسیٰ کی بشارت ہوں

پیغمبر اکرم صلعم نے اپنے اس قول میں قرآن کریم کی سورہ صف کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں آیا ہے کہ:

و اذل قال عیسیٰ بن مریم یبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقالما بین یدہ من التوراۃ و مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد فلما جاء ھم بالبینت قالوا حذا سحر مبین (الصف ۔ 6)

اور (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ عیسیٰ ابن مریم نے یہ کہا کہ اے بنی اسرائیل ضرور میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہیں ، توریت کی جو مجھ سے پہلے ہے تصدیق کرنے والا ہوں اور اس رسول کی بشارت دینے والا ہوں میرے بعد آئیگا اس کا نام احمد ہے ۔ پھر جب

وہ ان کے پاس واضح دلیلیں لے کر آیا تو انھوں نے یہ کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

پیغمبر گرامی اسلام کے مذکورہ قول کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے بارے میں گذشتہ آسمانی کتابوں میں خبر دی جا چکی تھی اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی امتوں کو حضور کے آنے کی بشارت دی تھی اور یہی آپ کے اس قول کا مطلب ہے کہ میں عیسےٰ کی بشارت ہوں یعنی وہ میں ہوں جس کے بارے میں عیسیٰؑ بشارت دے کر گئے تھے۔

4,3: پیٹ چاک کرنے اور امت کے تمام افراد کے ساتھ تو لنے کا مطلب کیا ہے؟

اب رہ گئی باقی کی دو باتیں۔ یعنی پہلی پیٹ اور دل چاک کرنا اور دوسری بات امت کے افراد کے مختلف تعداد کے ساتھ تو لنا تو اگر چہ اکثر احادیث میں پیوند کاری بھی ہوئی ہے لیکن اگر اس روایت میں بیان کردہ ان باتوں کو حقیقتاً پیغمبر اکرم صلعم کی بیان کردہ مان لیا جائے۔ تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ روایت کا یہ حصہ اپنے ظاہری الفاظ پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ روایت کا یہ حصہ کنایہ اور استعارہ کے طور پر بیان ہوا ہے۔ لہذا ہم ان دونوں باتوں میں سے پہلے دوسری بات کو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ یہ واقعہ اپنے شیر خوارگی کے زمانہ کا بیان کر رہے ہیں جبکہ آپ دو تین سال کے ہوں گے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس وقت نہ کسی کے سامنے آپ نے اعلان نبوت و رسالت کیا تھا اور نہ ہی اس وقت آپ کی کوئی امت تھی۔ پھر ان فرشتوں نے امت کے دس افراد اور سو افراد اور ایک ہزار افراد آپ کے ساتھ تو لنے کے لئے کہاں سے حاصل کئے تھے۔ اور آخری فقرے میں مجمل طور پر تمام امت کو آپ کے ساتھ تول دیا

اوران سب کے مقابلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کا پلڑا بھاری رہا۔

دراصل اس بات میں ایک لطیف کنایہ ہے اور استعارہ کے طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ نے اپنے اصحاب اور امت کے تمام افراد کو یہ سمجھایا ہے کہ پیغمبرؐ کا ساری امت کے تمام افراد میں سے کسی پر بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا یعنی ساری امت مل کر بھی پیغمبرؐ کی کسی صفت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اور اس بات میں ذرا سا بھی شک نہیں ہے لہذا کسی موہوم خیال کی بناء پر بھی اس بات کو جھٹلایا نہیں جاسکتا اور یہ بات نہیں ہوسکتی کہ کسی بھی معاملہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کی رائے تو غلط ہو اور امت میں سے کسی بھی فرد کی رائے پیغمبرؐ کی رائے کی نسبت صحیح اور درست ہو۔ جیسا کہ قیدیان بدر اور اسی طرح کے دوسرے واقعات کے بارے میں کہا گیا ہے اور اس کا تفصیلی بیان اپنے مقام پر آئیگا۔

اب رہ گئی صرف ایک بات اور وہ پیٹ چاک کرکے اور دل چاک کرکے انہیں پاک صاف کرنے اور نور سے دھونے کی ہے تو اکثر مورخین ومحدثین ومفسرین اور سیرت نگاروں نے اس بات کو لکھا ہے۔

بعض نے اس روایت کے مطابق اس واقعہ کا وقوع ہونا دو سال کی عمر میں لکھا ہے اور بعض نے معراج والی رات میں اس واقعہ کا وقوع ہونا لکھا ہے اور بعض نے ان دونوں موقعوں پر اس واقعہ کا وقوع ہونا لکھا ہے اور بعض نے اسے لم نشرح میں واقع لفظ شرح صدر کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن تعجب ہے مولانا شبلی نعمانی پر کہ انھوں نے اپنی کتاب سیرۃ النبی کی جلد سوم میں معراج والی رات میں تو اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کو تسلیم کیا ہے لیکن بچپنے میں جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کی اس روایت سے ثابت ہے انکار کردیا ہے حالانکہ اگر یہ بات بعید از عقل اور نا ممکن الوقوع ہے تو معراج والی رات میں بھی بعید از عقل اور نا ممکن الوقوع ہی رہے گی۔ اور اگر معراج والی رات میں ایسا ہوسکتا ہے تو پھر بچپنے میں ایسا کیوں نہیں ہوسکتا۔ جبکہ یہ ایک حقیقت واقع ہے کہ آپ کی پیدائش کے

ساتھ ہی قدرت نے ان کی نگرانی وتربیت وہدایت کا کام شروع کردیا تھا جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ثابت کیا جاچکا ہے اور یہی آپ کے اصطفے اور اجتبے کا اقتضا تھا۔

اور جیسا کہ ہم نے وزن کرنے والی بات میں واضح کیا ہے کہ یہ ایک کنایہ اور استعارہ ہے اور پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب کو یہ بات بتلائی ہے کہ امت میں سے کوئی بھی فرد بشر کا ان کے ساتھ مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ اور کسی کا بھی پیغمبر کی صفات کے ساتھ مقابلہ نہیں ہوسکتا اور کسی کا بھی پیغمبر کی صفات کے ساتھ قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح یہاں بھی اگر اسے ایک کنایہ سمجھا جائے اور اس کو ایک استعارہ قرار دیا جائے تو اس روایت میں کوئی نقص اور خرابی نہیں ہے۔ کیونکہ پیٹ حرام وحلال کھانے کے لئے استعمال ہوسکتا ہے۔ اور دل ان تمام باتوں کی آماجگاہ بن سکتا ہے جو کفر وشرک ونفاق اور گناہ کے دوسرے عوامل کے محرک بن سکتے ہیں۔

اگر پیٹ اور دل کی صفائی سے یہ استعارہ مراد لیا جائے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے نوروحی کے وسیلہ سے اپنے بچپن کے زمانے سے ہی نہ تو حرام چیز سے شکم پری کی اور نہ ہی دل کو کفر وشرک ونفاق اور گناہ کے دوسرے محرکات کی آماجگاہ بننے دیا۔ تو اس میں کیا خرابی ہے۔ جبکہ آپ کے اصطفے اور اجتبے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ بچپن سے ہی ہر طرح سے معصوم ہوں اور اگر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے اس قول پر غور کیا جائے تو مطلب اور بھی صاف ہوجاتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ:

"لقد قرن الله به صلى الله عليه وآله من لدن ان كان فطيماً اعظم ملك من ملائكته يسلك به طريق المكارم و محاسن والاخلاق العالم ليله و نهارة" نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ صفحہ 509

ترجمہ: اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگادیا تھا جو انہیں شب وروز بزرگ خصلتوں اور

پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا"

بہر حال پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے اصحاب کو خصوصاً اور امت کے تمام افراد کو عموماً ان کی عقلوں اور فہم کے مطابق کنایے میں سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ میں بچپن سے ہی ملائکہ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان آلائشوں سے پاک ہوں جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں پیغمبر اپنے اصطلے اور اپنے اچھلے کو تمثیل اور کنایہ یا استعارہ کے پردہ میں اپنے اصحاب کو اور امت کے تمام افراد کو سمجھا رہے تھے اور یہ بتلا رہے تھے کہ میری ذات ان باتوں سے پاک ہے جن کو تم میرے بعد میری طرف منسوب کرو گے۔

علامہ شبلی نے بھی معراج کی رات میں اس واقعہ کو تسلیم کر کے وہی استعارے کے معنی مراد لیئے ہیں لیکن بچپنے میں اس بات کے وقوع پذیر ہونے والی روایت کا انکار کرنے کا سبب یہ ہے کہ وہ نہیں چاہتے کہ پیغمبر گرامی اسلام بچپن سے معصوم ثابت ہوں بلکہ وہ ایک ایسا انسان ہی رہے جو غلطیاں کرتا ہو اور ان کی غلطیوں کو اصحاب درست کرتے ہوں۔ اور ان کا کام ایک ہرکارہ کی طرح صرف پیغام کا پہنچانا ہو۔ لہذا اس حد تک پیغمبر سے کسی بھول چوک یا غلطی کا امکان نہ ہو انہیں تسلیم ہے۔

حضرت عبدالمطلب کی کفالت

جب حضور کی والدہ گرامی کا انتقال ہوگیا تو آپ کلی طور پر حضرت عبدالمطلب کی کفالت میں آ گئے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ: " **فلما توفیت قبضه الیه جده عبدالمطلب و ضحه و رق علیه رقه لم یرق علیها علی ولده و کان یقربه صنه و بلمینه و یدخل علیه اذ خلا و اذا نام** " طبقات ابن سعد ص 75

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 30

ترجمہ: جناب آمنہ نے وفات پائی تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش و

پرداخت کے تمام امور جناب عبدالمطلب سے متعلق ہوئے۔ اور حضرت عبدالمطلب نے اپنے محاسن اشفاق کے وہ مسالک آپ کے ساتھ اختیار کیے جو اپنی کسی اولاد کے ساتھ بھی نہیں ظاہر فرمائے تھے۔ تمام گھر والوں میں اس وقت قریب ترین وعزیز ترین یہی تھے۔ اور آپ کے ساتھ سویا کرتے تھے۔ طبقات ابن سعد

ترجمہ اسوۃ الرسول جلد 2 ص 30

اگر چہ جناب عبدالمطلب اپنے جوان مرگ بیٹے عبداللہ کے بعد اس یتیم کو ان کا نعم البدل جانتے تھے۔ لیکن اس وقت آپ کی عمر 80 برس کی ہوگئی تھی۔ اگر آپ چاہتے تو اس پیرانہ سالی میں اپنے اس یتیم پوتے کی پرورش و پرداخت اپنے دوسرے جوان بیٹوں میں سے کسی کے سپرد کر سکتے تھے۔ لیکن رسول اکرم صلعم کی پرورش اور جان کے حفاظت ایسی مہتم بالشان خدمت ان تعلقات ظاہری سے زیادہ مشیت کے نظام حقیقی سے متعلق ہونے کا پتہ دیتی ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے " الم یجدک یتیماً فاویٰ " (والضحیٰ)

قدیم آئین تعظیم سے رسول اللہ صلعم کا استثناء

عرب میں یہ قدیم تہذیب تھی کہ وہ کسی بزرگ خاندان کے برابر تعظیماً کسی عام یا خاص مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے اس قدیم آداب معاشرت کی خلاف ورزی کے اظہار پر اس کے عامل کو عام اس سے کہ وہ کسی مایہ یا پایہ کا کیوں نہ ہوں، نہایت حقارت ونفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس قومی دستور وآداب کے وہ اس قدر پابند تھے کہ غیر ممیز اطفال تک کو بھی اس اقسام کی جرأت کرتے ہوئے دیکھ کر چشم پوشی نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو آداب مجلس اور طریقہ نشست وبرخواست بتلادینے کی ضرورت سے فوراً متنبہ اور آگاہ کردیتے تھے ان کا یہ قدیم دستور کا یہ قومی آداب، اقطاع عالم میں کم وبیش تمام قوموں کی تہذیب ومعاشرت میں آج تک داخل ہے۔ لیکن جناب عبدالمطلب نے اپنے جگر گوشہ، یتیم عبداللہ کو ان قیود سے

بالکل مستثنیٰ فرمایا۔ذیل کا واقعہ اس کا شاہد ہے سیرۃ ابن حشام میں ہے۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا عبدالمطلب بن ہاشم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔عبدالمطلب کے لئے کعبۃ اللہ کے زیر سایہ فرش بچھایا جاتا تھا اور ان کے بیٹے اس فرش کے اطراف بیٹھے رہتے یہاں تک کہ وہ خود اس کی طرف آتے۔بیٹوں میں سے کوئی بھی والد کی عظمت کے لحاظ سے فرش پر نہ بیٹھتا تھا۔

راوی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں کہ وہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے آپ جب تشریف لاتے فرش پر بیٹھ جاتے آپ کو وہاں سے ہٹا دینے کے لئے چچا پکڑتے تو عبدالمطلب کہتے میرے بچے کو چھوڑ دو خدا کی قسم اس کی تو بہت بڑی شان ہے۔ آپ کو ساتھ فرش پر بٹھا لیتے۔اور آپ کی پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے رہتے۔آپ کو جو کام بھی کرتے دیکھتے انہیں خوشی ہوتی۔ اردو ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 189

یہ بات انتہائی طور پر قابل غور ہے کہ حضور کے چچا جب عرب کے عام دستور کے مطابق حضور کو مسند پر بیٹھنے سے روکتے تھے تو حضرت عبدالمطلب انہیں یہ کہہ کر منع نہیں کرتے تھے کہ یہ میرے بیٹے عبداللہ کا یتیم ہے مجھے اس کی خاطر عزیز ہے اس کے روکنے سے اس کی دل آزارگی ہوگئی مجھے اس کی دل آزارگی گوارا نہیں ہے نہیں! بلکہ فرماتے: دعوا اللہ ان لشانا۔میرے بچے کو چھوڑ دو۔خدا کی قسم یقیناً اس کے لئے تو ضرور بڑی شان ہے۔یا ضرور اس کے لیے ایک خاص شان ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ کہے یا یہ سمجھے کہ اس واقعہ سے حضرت عبدالمطلب کی ان کے لئے انتہائی شفقت و محبت ظاہر ہوتی ہے۔یہ بات بھی ضرور ہے مگر فی الحقیقت اس کا سبب وہ معرفت ہے جو حضرت عبدالمطلب حضور کی اس خاص شان کے بارے میں رکھتے تھے۔اور حقیقت میں یہ واقعہ نظام قدرت کی طرف سے مراتب رسالت کی معرفت کا مقدمہ ہے۔

حضرت عبدالمطلب کی وفات اور حضرت ابوطالب کو وصیت

جب رسالتمآب حضرت عبدالمطلب کی کفالت وحفاظت میں آئے اس وقت حضرت عبدالمطلب کی عمر 80 برس کی تھی۔ 82 برس کے ہوئے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ تمام عرب میں کثیر الاولاد مشہور تھے، ابن سعد لکھتے ہیں" فلم یکن فی العرب بنو رب مثل عبدالمطلب" عرب میں عبدالمطلب جتنی کسی باپ کی اولادیں نہیں تھیں لہذا بستر مرگ پر اپنی اولاد میں سے ایک کی صورت ان کی آنکھوں کے سامنے رہنی چاہیے تھی۔ لیکن عبدالمطلب کو اگر کچھ خیال تھا تو اپنے ہشت سالہ بچے کا۔ اور کچھ وصیت کرنا تو صرف اسی بچے کے لیے۔ اس طرح کہ اپنے قائم مقام اور اپنے وارث ووصی کو بلا کر شرعی وصیت کے الفاظ میں اس بچے کی کفالت وحفاظت وحمایت وامانت کے لئے اپنے بعد اس کو ذمہ دار بناتا ہے۔ طبری، ابن سعد اور ابن ہشام نے اس وصیت کو متفقہ طور پر لکھا ہے۔ طبری نے اس طرح لکھا ہے:

"واقعہ فیل سے آٹھ برس بعد حضرت عبدالمطلب نے انتقال فرمایا۔ اور انھوں نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت ابو طالبؑ کو وصیت فرمائی۔ کیونکہ حضرت ابو طالب اور حضرت عبداللہ ماں جائے بھائی تھے اس خصوصیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت ومنصب حضرت ابی طالبؑ کو تفویض ہوا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ابی طالبؑ کے ہمراہ رہے۔

طبری جلد اول ص 1123 طبع حرمین

ترجمہ اسوۃ الرسول جلد 2 ص 35

حضرت عبدالمطلب کے انتقال پر آنحضرتؐ کا حزن وملال

حضرت عبدالمطلب نے مکہ میں وفات پائی اور مقام حجون میں مدفون ہوئے سن

وفات 8 عام الفیل مطابق 578ء ہے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جد بزرگوار کی مفارقت کا بےحد ملال ہوا ام ایمن کی اسناد سے ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

" بانه رسول الله صلم یومئذ یبکی خلف سریر عبدالمطلب "

ام ایمن فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلعم اس دن عبدالمطلب کے جنازے کے پیچھے پیچھے روتے جاتے تھے۔ ترجمہ طبقات ابن سعد ص 75

ازا سوۃ الرسول ج 2 ص 36

حضرت ابوطالب اور رسول اللہؐ کی کفالت

جناب ابی طالب کی کفالت کا زمانہ آپ کے استقلال، پائیداری، ہمت، صبر اور استقامت کی آماجگاہ تھا۔ زمانہ کی نامساعدت، قوم کی مخالفت، دشمنوں کی یورش، اپنی کثیر العیالی اور تنگ حالی، ہمہ وقت دامن گیر رہتی تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود جگر گوشہ عبدالمطلب، یتیم عبداللہ کی حفاظت وحمایت کا خیال ہر وقت دل میں رہتا تھا۔

جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ کفالت کا ایک ایک واقعہ حضرت ابو طالب کے عدیم المثال اور بےنظیر ہمت واستقامت کا کامل دفتر ہے۔ جو ڈیڑھ ہزار برس کی مدت مدید کے بعد بھی آج تک عرب کے کارناموں میں ویسے ہی زندہ ومحفوظ ہے اور ابدالآباد تک قائم رہے گا۔ ذیل کے تاریخی مشاہدات جن کو ہم زمانہ وقوع کی ترتیب سے لکھ رہے ہیں ان واقعات کا پورا انکشاف کرتے ہیں۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:

ابی طالبؑ کے دل میں رسول اللہ کی محبت

ابن سعد لکھتے ہیں کہ:

" کان ابیطالب یحبه شدیداً لا یحبه ولده و کان لا ینام الی جنبه

و یخرج فیخرج معه، یصیب به ابی طالب صابة یصب به بشی ء قط "

طبقات ابن سعد ج 1 ص 74

اسوۃ الرسول ج 2 ص 27

ترجمہ: ابیطالبؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ ایسی شدید محبت تھی کہ ویسی اپنے کسی بیٹے سے بھی نہیں تھی۔ راتوں کو ہمیشہ اپنے پہلو میں لے کر سلایا کرتے تھے اور جہاں کہیں باہر جاتے آپ کو اپنے ہمراہ لے کر جاتے۔ اور جس چیز سے آپ کو رنج ہوتا اس سے اس سے ابیطالب کو بھی ضرور رنج پہنچا کرتا تھا"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابی طالب کو جہاں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی محبت تھی کہ ویسی دنیا میں کسی اور کے ساتھ نہیں تھی۔ وہاں ان کو اس ودیعت الٰہی کے ساتھ غایت درجہ کی عقیدت اور انتہائی خلوص کے ساتھ آپ کی عظمت کا اقرار اور اظہار بھی کیا جاتا ہے۔

حضرت ابی طالب کے دل میں رسول اللہ صلعم کی عقیدت وعظمت

حضرت ابی طالب اپنے والد بزرگوار حضرت عبدالمطلب کے وصی تھی اور قائم مقام اس خصوصیت کی بناء پر آنحضرت صلعم کی کفالت وحفاظت میں ان کا بھی وہی طرز عمل ثابت ہوتا ہے جو حضرت عبدالمطلب کا تھا اور اس پر طبقات ابن سعد کا یہ بیان شاہد ہے

" کان ابو طالب تلقی له و سادة بقعد علیها فجاء ها النبی صلی الله علیه وآله وسلم و هو غلام فعقد علیها فقال ابیطالب وآله ربیع ان ابن اخی لبحش بنعیم " طبقات ابن سعد جلد 1 ص 76۔ اسوۃ الرسول ج 2 ص 38

ترجمہ: جناب ابیطالب کے بیٹھنے کے لئے مسند بچھائی جاتی تھی ، ایک دفعہ جناب رسالتمآب صلعم ۔ جواس وقت کم سن تھے تشرف لائے اور اپنے چچا کے مقام پر بیٹھ گئے ۔ اتنے میں ابو طالب آ گئے اور آنحضرتؐ کو اپنی جگہ بیٹھا ہوا دیکھ کر کہنے لگے کہ ربیعہ ۔ کی خدا کی قسم میرے بھتیجے کے لئے ایک نعمت خاص کی نسبت ہے"

یہ واقعہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ حضرت عبدالمطلب کے احوال میں گذر چکا ہے اور اس سے یہ امر کما حقہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت عبدالمطلب نے آنحضرت صلعم کی اس شان عمل کو آپ کی علو مرتبت کا مقدمہ سمجھا اور اس کا اعلان واقرار فرمایا تھا اور اعتراف کیا تھا اسی طرح حضرت ابیطالبؑ نے آپ کی روحانی عظمت وجلالت کی تصدیق و توثیق فرمائی ۔ زرقانی نے بھی شرح مواہب الدنیہ میں اسی قسم کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے، ہم اس کا ترجمہ اسوۃ الرسول سے نقل کرتے ہیں۔

"ابن عساکر اپنی تاریخ میں جھلمہ بن عرفہ کا یہ مشاہدہ بیان کرتے ہیں ۔ جھلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار عین قحط کے موسم میں مکہ گیا ، قریش قحط کی مصیبت سے پریشان تھے ان میں سے ایک نے صلاح دی کہ لات وعزیٰ سے استغاثہ وفریاد کی جاوے۔ دوسرے نے کہا کہ منات جو ثالثہ اخریٰ ہے چارہ جوئی کی جائے ۔ ان میں سے ایک معزز ذی وجاہت اور صاحب الرّائی بزرگ بول اٹھا کہ مجھے اس امر کا کامل یقین ہے کہ ابھی تم لوگوں میں ایک ایسا بزرگ قوم موجود ہے جو سلسلہ ابراہیمی کا بقیہ ہے اور نسل اسماعیل کا خلاصہ ہے ۔ اس کی طرف کیوں نہ رجوع کیا جاوے ، سب نے کہا کیا تمہارا مطلب ابیطالب کی طرف ہے؟ اس نے جواب دیاں ہاں ۔ انہیں کی طرف ہے، جھلمہ کا بیان ہے کہ یہ سن کر سب کے سب کھڑے ہو گئے اور میں بھی ان کے ساتھ ہولیا ۔ ہم سب مل کر ابیطالب کے مکان پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا ۔ حضرت ابیطالب نکل آئے ۔ سب لوگوں نے عرض کی اے ابی طالب ہر طرف سے قحط عظیم غالب آ گیا ہے ۔ اور اہل وعیال کی

بربادی کا وقت آپہنچا ہے ۔سب کو سیراب کیجئے ۔یہ سنتے ہی ابیطالب باہر نکل آئے آپ کے ساتھ ایک کم سن بچہ بھی تھا وہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے ان کا روئے منور آفتاب تاباں کی طرح روشن تھا۔ابی طالب اس صاحبزادے کو انگلی پکڑے ہوئے آئے ان کے اوراس بچے کو گھیرے ہوئے تھے وہ خانہ کعبہ میں آئے اور رکن کعبہ سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے ۔اوراس بچہ کی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف بلند کر دیا۔اور طلب باراں کی دعا کی۔ پارہ ہائے ابرسطح آسمان پر نمایاں ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد پانی برسنا شروع ہوگیا اور پھر تو ایسا برسا کہ تمام پانی بہہ نکلا اور تمام صحراو بیاباں سرسبز وشاداب ہو گئے۔

زرقانی شرح مواھب الدنیہ ص 249

اسوۃ الرسول جل 2 ص 39

حضرت ابی طالبؑ کے قصیدے کا ایک شعر

جناب ابو طالب نے صرف شان نبوت کے اعلان کی ضرورت سے جو اس واقعہ کی یادگار میں ایک طویل قصیدہ نظم فرمایا ہے جو تمام کا تمام سیرۃ ابن ہشام وغیرہ تمام مستند عربی تواریخ وادب کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے جس شعر میں آنحضرت صلعم کے یمن وبرکت سے حصول باراں کا اشارہ فرمایا گیا وہ شعر یہ ہے

وا بیض الیستسقی الغمام لوجهه

لمثال الیتامیٰ ۔ عصمة الارامل

ترجمہ: محمد صلعم ایسے خوش جمال شخص ہیں جن کی برکت سے ابر پانی برساتا ہے ۔یہ یتیموں کے لئے جائے پناہ ہیں اور بیواؤں کے پردہ دار ہیں۔

اس واقعہ میں قریش نے حضرت ابی طالب سے دعا کی درخواست کی تھی ۔آپ کے ساتھ آنحضرت کے علاوہ آپ کے دوسرے فرزند بھی تھے ۔دعا بھی آپ نے ہی کی تھی

مگر آپ نے آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ آنحضرت سے کرایا۔ اپنے کسی دوسرے فرزند سے نہ کرایا۔ پانی بھی آپ کی دعا کے بعد برسا تھا۔ اگر آپ چاہتے تو اس واقعہ کو اپنے لئے فخر ومباہات کے طور پر نظم فرماتے مگر آپ نے نہ تو اس واقعہ کو اپنے لئے فخر کے طور پر نظم کیا۔ نہ اپنے لڑکوں میں سے کسی لڑکے کی یمن و برکت سے ایسا ہونا قرار دیا بلکہ واضح الفاظ میں اس واقعہ کو حضور انور کی برکت قرار دیا۔ یہ کہا کہ یہ یتیموں کے لئے جائے پناہ ہے اور بیواؤں کے پردہ دار ہیں۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر اور ثابت ہے کہ حضرت ابیطالب اس بچے کی خدا کے ہاں قدر ومنزلت سے آگاہ اور خدا کے نزدیک ان کی شان وعظمت کی پوری پوری معرفت رکھتے تھے اور طبقات ابن سعد کا یہ فقرہ کہ "ان ابن اخی لیحش بنعیم" میرے بھتیجے کیلئے ایک خاص نعمت کی نسبت ہے۔ صاف پتہ دیتا ہے کہ ابی طالب اس بات کی معرفت رکھتے تھے کہ آنحضرت کو ایک خاص نعمت عطا ہونے والی ہے اور نعمت سے مراد یقینی طور پر یہاں نعمت نبوت ہے جیسا کہ سیرۃ ابن ہشام "اما بنعمۃ ربک فحدث" کے معنی میں لکھا ہے پس آثار وقرائن و واقعات پکار پکار کہہ رہے ہیں کہ حضرت ابی طالب آپ کی نبوت کی زمانہ کمسنی سے ہی معرفت رکھتے تھے۔

سفر شام اور راہب بحیرا کا مشہور واقعہ

بارہ برس کے سن میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عم محترم جناب ابی طالبؑ کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا یہ واقعہ تاریخ وحدیث وسیرۃ کی اکثر مستند کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اس سفر کی کیفیت مختصر الفاظ میں یوں بیان کی ہے۔

" لما بلغ رسول الله صلى الله و آله وسلم اثنى عشر سنة خرج به ابى طالب الى الشام فى العبير التى خرج منها للتجارة . و نزلوا

بالراهب بحيرا ۔ فقال لابی طالب فی النبی صلی الله علیه وآله وسلم ما قال و امره ان یحتفظ به فردوه ابو طالب معه الی مکة و شب رسول الله صلعم مع ابی طالب "

طبقات ابن سعد جلد 1 ص 76

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 76

ترجمہ: جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ برس کے ہوئے تو جناب ابی طالب ان کو ہمراہ لے کر قریش کے قافلہ تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے اور بحیرا نامی عیسائی راہب کے مسکن پر منزل گزیں ہوئے راہب بحیرا نے حضرت ابی طالب سے جناب رسول خدا صلعم کی نسبت وہ سب باتیں کہہ دیں جو اس کو آپ سے کہنی تھیں اور آپ کی حفاظت ونگرانی کے متعلق تاکید کردی۔ چنانچہ حضرت ابیطالبؑ آپ کو وہیں سے اپنے ہمراہ مکہ واپس لے آئے اور رسول اللہ ابی طالب کی زیر نگرانی جوان ہوئے۔

ابن سعد نے طبقات میں اختصار کے ساتھ اور مجمل طور پر جو کچھ لکھا ہے اس سے حضرت ابی طالب کی حیثیت، معرفت اور احساسِ ذمہ داری کا پورا پورا پتہ چلتا ہے۔ طبری نے اس واقعہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ لکھا ہے

طبری میں راہب کا واقعہ

طبری نے اس واقعہ کے سلسلہ میں دو روایتیں اپنی تاریخ میں نقل کی ہیں "اسوۃ الرسول" میں طبری مطبوعہ حرمین کی اصل عربی عبارت ترجمے کے ساتھ لکھی ہیں ہم اختصار کے پیش نظر اس کا صرف اردو ترجمہ یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

"جناب ابیطالب قریش کے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کے قصد سے جانے لگے جب اسباب سفر اور سواری کا سامان درست ہوگیا تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملول ہوئے۔ اس وجہ سے کہ مشہور تھا کہ آپ کے عم محترم آپ کو اپنے ہمراہ اس سفر میں

نہیں لے جائیں گے۔ حضرت ابی طالب نے آپ کو ملول دیکھ کر اور ملال کا سبب اس خبر کو
پا کر فرمایا کہ میں اپنے جگر گوشہ کو لئے بغیر کہیں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ابی طالب نے آنحضرت
صلعم کو اپنے ہمراہ لیا۔ جب قافلہ شہر بصریٰ میں جو علاقہ شام کے توابعات میں سے ہے
پہنچا تو وہاں ایک راہب نصرانی رہا کرتا تھا جس کا نام بحیرا تھا۔ اس کا وہاں خاص صومعہ تھا
(خانقاہ) اور وہ اس زمانہ کے تمام نصرانیوں میں باعتبار علم، کتب سماویہ، اعلم الناس تھا اور یہ
کمالات علمی اس کو وراثتاً اس کے سلسلہ میں ایک بزرگ کے بعد دوسرے بزرگ سے ملتے
تھے۔ اب کی بار یہ قافلہ تجار وہاں منزل گزیں ہوا تو بحیرا نے ان کی ضیافت کے لئے بافراط
کھانا تیار کیا اور یہ اس باعث تھا کہ اس نے جناب رسول خدا کو اس حالت میں دیکھا تھا اور
پہچان لیا تھا کہ بخلاف اور اہالیان قافلہ آپ کے فرق مبارک پر ایک پارہ ابر سایہ فگن تھا۔
اس اثنا میں قافلہ کے لوگ آئے اور اس کے صومعہ کے پاس ایک درخت کے سایہ میں
فروکش ہوئے راہب بحیرا اس ابر سایہ فگن کو برابر دیکھ رہا تھا کہ اس درخت کی ڈالیاں بھی
رسول اللہ صلعم کی طرف سایہ کر دینے کی غرض سے جھکنے لگیں تا آنکہ انھوں نے آپ کے فرق
مبارک پر پورا سایہ کر لیا یہ دیکھ راہب بحیرا اپنے صومعہ سے نیچے اتر آیا اور تمام مجمع قریش کو
اپنے پاس بلایا۔ جب بحیرا کی نظر آپ کے روئے منور کی طرف پڑی تو دیر تک آپ کے
جمال مبارک کی زیارت کرتا رہا۔ اور آپ کے جسم مطہر میں ان اشیاء کا مشاہدہ کرتا رہا جو آپ
کی صفات کے متعلق اس کی کتابوں میں لکھے تھے اور اس نے پڑھے تھے۔ تمام لوگوں نے
جب کھانے سے فراغت کی تو بحیرا نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے آپ کے
خواب و بیداری کے حالات دریافت کئے آپ نے اسے بتلائے تو اس نے آپ کے
جوابات کو بھی ان صفات مخصوصہ کے مطابق پایا جو اس کی کتابوں میں لکھی تھیں۔ اس کے بعد
اس نے آپ کی پشت مبارک پر غور کیا تو مہر نبوت کو دوش مطہر کے مابین پایا۔ پھر آپ کے عم
محترم کی طرف مخاطب ہوا۔ اور کہنے لگا یہ لڑکا تمہارا کیا لگتا ہے۔ حضرت ابی طالبؑ نے کہا

میرا بیٹا ہے۔ راھب بحیرا نے کہا یہ آپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ میرے علم میں اس کے باپ کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ حضرت ابی طالب نے جواب دیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ بحیرا نے کہا کہ اس کا باپ کیا ہوا۔ ابیطالب نے کہا کہ وہ مر گیا۔ اور راس کی ماں بھی گذر گئی۔ بحیرا نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ اچھا تو آپ اس کو اپنے ہمراہ اپنے شہر کی طرف یہاں سے واپس لے جائیں اوراس سے متعلق یہودیوں سے ہمیشہ خائف رہا کریں۔ قسم خدا کی اگر وہ اسے دیکھ پائیں گے اور اسی معرفت کے ساتھ جیسا کہ میں نے اس کو پہچان لیا ہے وہ بھی پہچان لیں گے تو پھر اس کے لئے شر وفساد پیدا کریں گے کیونکہ اس کے لئے ایک شان عظیم ودیعت ہوئی ہے یہ سن کر آپ کے عم محترم آپ کو اپنے ہمراہ لے کر وہاں سے واپس ہوئے اور داخل مکہ ہوگئے۔

مذکورہ آخری فقرے کے طبری کے عربی الفاظ اس طرح ہیں کہ "فانه کان شان عظیم فاسرع به الیٰ بلده . فخرج به عمه سراعاً حتیٰ اقدمة مکه"

طبری ص 1125 طبع حرمین عربی

اسوۃ الرسول ج2 ص 57-58

طبری نے اس روایت کو ایک اور طریقہ سے بھی نقل کی ہے جو اس طرح ہے

"حضرت ابو طالب نے شام کا سفر کیا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپ کے ہمراہ تھے اور تمام اکابرین قریش بھی قافلہ میں شامل تھے۔ جب یہ لوگ دیر راھب کے پاس پہنچے تو اتر پڑے۔ اور اپنے سامان بھی قیام کرنے کے ارادہ سے اتار لئے وہ راھب اپنے صومعہ سے باہر نکلا۔ حالانکہ اس سے قبل قریش کا قافلہ تجارتی چند بار آ چکا تھا اور وہیں قیام کر چکا تھا مگر وہ راھب نہ کبھی ان کے پاس آیا تھا اور نہ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ راھب کے اس سلوک سے سامان اتارنے والوں کو حیرت ہوئی یہاں تک کہ اس راھب نے آتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک تھام لیا۔ اور کہا کہ یہ

رسول رب العالمین ہیں اور یہ وہی ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے دونوں جہان کے لئے
رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ یہ سن کر اکابر قریش نے پوچھا کہ یہ تم نے کیسے جانا راھب
نے جواب دیا کہ جس وقت تم لوگ یہاں آئے اور اپنا قافلہ اور سامان سفر وغیرہ اتارنے
لگے تو میں نے دیکھا کہ کوئی شجر اور حجر ایسا باقی نہیں رہا جو ان کے سجدہ تعظیمی کے لئے نہ
جھک گیا ہو اور سوائے نبی کے اور کسی کو سجدہ تعظیمی نہیں کیا جاتا۔ اور میں نے ان کو مہر نبوت
سے بھی پہچان لیا جو ان کے دوش مبارک کے حصہ زیریں کی طرف نمایاں ہے یہ کہہ کر وہ چلا
گیا اور ان لوگوں کی دعوت کے لئے کھانے پکوا کر ہمراہ لایا۔ تو آنحضرت اونٹوں کو چرا رہے
تھے راھب نے کہا ان کو بلا بھیجو۔ جب آپ آئے تو فرق مبارک پر پارہ ابر سایہ کئے ہوئے
تھا۔ بحیرا نے قریش سے خطاب کر کے کہا اس پارہ ابر کو دیکھتے جاؤ۔ جو ان کے سر پر سایہ کئے
ہوئے ہے۔ پھر جب آپ قوم سے قریب آگئے تو اس شجر سے بھی وہی کیفیت ظاہر ہوئی
جو پہلی روایت میں بیان ہو چکی ہے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درخت کے
نیچے بیٹھ گئے تو وہ درخت آپ کے اوپر جھک گیا۔ بحیرا نے پھر مجمع قریش سے کہا کہ اس
درخت کے جھکنے کو دیکھو۔ پھر وہ راھب مجمع قریش میں کھڑے ہو کر مناشدہ کے طریقہ سے
کہنے لگا کہ میں تم پر تاکید کرتا ہوں کہ تم ان کو (آنحضرت صلعم) روم میں (علاقہ شام اس
وقت روم کے ماتحت تھا) نہ لے جاؤ۔ کیونکہ اہل روم اگر ان کو ان صفات کے ساتھ پہچان
لیں گے تو قتل کر ڈالیں گے۔ چنانچہ وہ سات آدمی جو روم سے آئے ہوئے تھے بحیرا پہلے
انہیں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ کہو ان مشاہدات کا تم پر کیا انکشاف ہوا۔ ان لوگوں نے
جواب دیا کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ یہ خدا کے فرستادہ نبی ہیں اور کوئی طریقہ مذہب ایسا
نہیں ہے جس میں ایک نبی مبعوث نہ کیا گیا ہو اور ہم لوگ بھی اس طریق کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اور جو
اس طریقہ میں نبی مبعوث ہوا ہے اس کو اختیار کرتے ہیں۔ بحیرا نے کہا تم ایسے شخص کو چھوڑ دو
گے جس کو تم اپنے اخلاق میں سب سے بہتر سمجھتے ہو۔ سب نے کہا نہیں۔ کیونکہ ہم اس کو اس

طریق میں نیکوکار سمجھ کر اختیار کر چکے ہیں بحیرا نے کہا تم ان اقرار واعتراف کے بعد خدائے تعالیٰ کو جھٹلا سکتے ہو۔کیا کوئی تم میں سے اس کی مشیت کو رد کر سکتا ہے سب نے کہا، کوئی نہیں، ہم سب اس کی بیعت کریں گے اور اسی کے ساتھ رہیں گے۔

راوی کہتا ہے کہ پھر بحیرا ان قریش کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم میں سے اس شخص کا ولی کون ہے۔سب نے کہا ابو طالب اس کے ولی ہیں۔ پھر بحیرا نے ابو طالب کے ساتھ اپنے مناشدہ کو تمام کیا۔ جب تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہاں سے لے کر واپس ہوئے اور ابو بکر اور بلال کو بھی ان کے ساتھ روانہ کیا اور بحیرا نے کیک اور زیت کے تحائف آپ کے ہمراہ کئے

طبری ص 1126 طبع جرمن عربی

اسوۃ الرسول ج 2 ص 58-59

بحیرا راہب کا واقعہ حدیث وتاریخ کے معتبر ماخذوں میں موجود ہے۔سب سے زیادہ مفصل اور مسلسل طور پر ابن ہشام نے اس واقعہ کی پوری کیفیت قلمبند کی ہے۔ابن ہشام مطبوعہ مصر کے عربی متن جلد اول ص 62 پر یہ واقع لکھا ہوا ہے۔ابن ہشام کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے اس کے صفحہ 204 سے 207 تک یہ واقعہ پھیلا ہوا ہے۔جو طبری کے پہلی روایت سے ملتا جلتا ہے جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچپن کے زمانہ میں ہی شان نکھر کر سامنے آتی ہے چونکہ طبری کی پہلی روایت اس سے ملتی جلتی ہے لہذا ہم کو اس کو اختصار کے پیش نظر نقل نہیں کریں گے گو کہ طبری کی دوسری روایت بھی بحیرا راہب کے واقعہ کی تصدیق کرنے والی ہے۔البتہ اس میں ہر من گھڑت تعریف کی طرح یہاں بھی حضرت ابو بکر اور حضرت بلال کا واپسی میں ساتھ کرنا لکھا ہے حالانکہ نہ اس وقت بلال پیدا ہوئے تھے نہ ابو بکر کے اس قافلے میں جانے کا کوئی چانس تھا اور خود پیغمبر ابھی بارہ سال کے کمسن بچے تھے۔

راہب بحیرا کا واقعہ ایک عظیم الشان واقعہ ہے

راہب بحیرا کا واقعہ ایک عظیم الشان واقعہ ہے اور اس واقعہ میں کئی باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔

پہلی بات تو اس واقعہ میں قابل غور یہ ہے کہ وہ راہب اس زمانے کے تمام نصرانیوں میں باعتبار علم کتب سماویہ اعلم الناس تھا۔اور یہ کمالات علمی اس کو وراثتاً اس کے سلسلہ میں ایک بزرگ کے بعد دوسرے بزرگ سے ملے تھے۔طبری مطبوعہ جرمن ص 1125 اصل عبارت اس طرح ہیں۔

" وبها راهب اليه بصير علمهم عن كتاب في يزعمون يتوارثون كابراً عن كابر "

یعنی و نصرانیوں کا عالم متبحر تھا اور اس صومعہ میں اس سے بڑھ کر کوئی عالم ترین راہب نہیں گذرا تھا اس کی نسبت یہ مشہور تھا کہ اس کا علم و کمال وراثتاً ایک بزرگ کے بعد دوسرے بزرگ سے سینہ بہ سینہ پہنچا تھا۔

قرآن کریم بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء آپ کو آپ کی صفات سے جانتے تھے جیسا کہ سورہ اشعراء میں آیا ہے۔

اولم یکن لهم آية ان يعلمه علما ذابني اسرائيل (اشعرا۔197)

کیا اس بات میں ان کے لئے کوئی نشانی نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء کو اس کا علم ہے اور وہ اس کی صفات سے واقف ہیں اور اس علم اور واقفیت کا سبب جہاں ایک بزرگ کے بعد دوسرے بزرگ سے سینہ بہ سینہ علم کا پہنچنا تھا وہاں قرآن یہ کہتا ہے کہ وہ اس نبی امی کا نام ، صفات ، خصوصیات ، حالات اپنی کتابوں تورات اور انجیل میں بھی لکھا ہوا پاتے تھے جیسا کہ سورہ الاعراف میں آیا ہے کہ:

" الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذین یجدونه مکتوباً عندھم فی التوراۃ و الانجیل " الاعراف ۔ 157

وہ لوگ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں (یعنی) اس نبی امی کی جس کا ذکر وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

پس قرآن کی اس تصدیق کی رو سے نصاریٰ کے کچھ علماء کا آپ کے صفات سے واقف ہونا عین حقیقت ہے۔

دوسری بات اس واقعہ میں قابل غور یہ ہے کہ راہب بحیرا نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے خواب و بیداری کے حالات استفسار کیے ۔طبری ص 1125 عربی مطبوعہ جرمن کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"سئل رسول اللہ صلعم عن اشیاء فی حالہ فی یقظۃ وفی نومہ "

اور سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر ص 62 کے الفاظ اس طرح ہیں **" فجعل رسول اللہ صلعلم یخبرہ فیوافق ذالک ماعند بحیرا من صفتہ "**

یعنی بحیرا نے آپ سے آپ کی خواب و بیداری او دیگر حالات پوچھے اور آپ نے اس کے سوالوں کے جواب اس کے معلومات کے مطابق دیئے جو اس کو آپ کی صفات مخصوصہ کی نسبت پہلے سے حاصل تھے اور یہ بات ان مصدقہ روایات کے عین مطابق ہے جس کی شبلی صاحب نے بھی تصدیق کی ہے چنانچہ شبلی صاحب اپنی کتاب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ

''نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب میں آپ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش آتا تھا'' سیرۃ النبی جلد 1 ص 202

اور اسی صفحہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں

''وحی کے انواع میں سے ایک خواب بھی ہے۔صحیح بخاری کے شروع میں ہے کہ

" اول مابدء به رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من الوحی الرویاء الصالحة فی النوم " بخاری کتاب التعبیر میں زیادہ صاف طریقہ سے یہ مسئلہ ادا کیا گیا ہے"

اس عالم نصرانی یعنی راهب بحیرا کو اس بات کا علم تھا لہذا اس نے آپ کے خوابوں کا حال دریافت کیا اور جب آپ نے جواب دیا تو اس نے انہیں صفات کے مطابق پایا جو اس کے علم میں تھے۔

اعلان نبوت سے بہت پہلے خوابوں کا حال اکثر مورخین و محدثین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے۔ اگر چہ کسی نے عمر اور سن و سال کا واضح طور پر تعین نہیں کیا لیکن اعلان نبوت سے بہت پہلے خوابوں کے دیکھنے کا حال سب نے لکھا ہے۔ لیکن یہ بات سب کے نزدیک مسلمہ ہے کہ اس واقعہ کے وقت آنحضرت کی عمر صرف 12 سال کی تھی۔ لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ بچپنے سے ہی نور وحی کی روشنی کو دیکھتے تھے اگر یہ وحی قرآنی وحی نہیں تھی جو چالیس سال کے بعد نازل ہونا شروع ہوا۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ یہ وحی غیر از قرآن تھی جو آپ کے اجتبیٰ کو ظاہر کرتی ہے یعنی حضور بچپن سے ہی مجتبیٰ تھے اور خدا کے زیر نگرانی وحی کے ذریعہ زیر تعلیم و تربیت تھے۔

تیسری بات خاص طور پر قابل غور یہ ہے کہ آپ کے سید الانبیاء ہونے کی خبر حضرت آمنہ کو دی جا چکی تھی جس کا بیان گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے کہ ایک فرشتے نے حضرت آمنہ بن وھب کو آکر یہ بشارت دی کہ تجھے سید الانبیاء کا حمل ہے۔

لہذا حضرت آمنہ کو ایام حمل سے ہی یہ علم ہو چکا تھا کہ مجھے سید الانبیاء کا حمل ہے پھر حضور کے پیدا ہونے کے بعد حضرت آمنہ نے فرشتہ کی بشارت اور پیدائش کے وقت حضور کی کیفیت سب کی سب حضرت عبدالمطلب کو بتا دیں۔ لہذا انہیں بھی یہ علم تھا کہ حضور سید الانبیاء ہیں اور آپ کی بڑی شان ہے۔ جیسا کہ سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر ص 57 سے

گذشتہ اوراق میں نقل لکھا جا چکا ہے کہ حضرت عبد المطلب نے فرمایا" **دعوا ابنی فوالله ان لہ شاناً** " میرے بیٹے کو چھوڑ دو خدا کی قسم اس کی تو بہت بڑی شان ہے۔ اور جب حضرت عبد المطلب کا وقت وفات قریب آیا تو انھوں نے حضرت ابو طالب کو حضور کے لئے وصیت کی اور جو کچھ حضرت آمنہ سے بشارت کا حال اور دوسرے واقعات معلوم ہوئے تھے وہ سب کچھ بتا دیئے اور ان کی حفاظت کی بھی سخت تاکید کی۔ لہذا حضرت ابو طالب کو بھی اس بات کا علم تھا کہ حضور سید الانبیاء ہیں جیسا کہ طبقات ابن سعد کی ص 76 کی عبارت گذشتہ اوراق میں نقل ہو چکی ہے کہ حضرت ابو طالب نے حضور کے بارے میں فرمایا

"ان ابن اخی یمحش بنعیم "یعنی میرے بھتیجے کے لے ایک نعمت خاص کی نسبت ہے پس حضرت ابو طالب کو بھی شروع دن سے ہی نبوت کی اس نعمت عظمیٰ کا علم تھا۔ اور پوری لگن کے ساتھ ان کی حفاظت میں مگن تھے۔ مگر اس نعمت عظمیٰ کا مصلحتاً کھلے لفظوں میں بیان کرنا نہیں چاہتے تھے جیسا کہ حضرت عبد المطلب نے بھی صرف "ان لہ شاناً" خدا کی قسم اس کی تو بڑی شان ہے۔ کہنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ لہذا راھب بحیرا نے جو ابو طالب کو اس بات کی خبر دی کہ " **فانہ کائن لابن اخیک هذا شان عظیم** "یعنی آپ کے اس بھتیجے کے لئے مرتبہ عظیم حاصل ہونے والا ہے۔ سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر ص 62

تو یہ خبر حضرت ابو طالب کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی اور اس سے ان کی معلومات میں کوئی نیا اضافہ نہیں ہوا تھا۔ البتہ ایک بات کا حضرت ابو طالب کو علم نہیں تھا کہ یہود اس کے دشمن ہیں۔ اگر وہ آپ کو دیکھ پائیں گے تو آپ صفات سے آپ کو پہچان لیں گے۔ اور آپ کے ساتھ شر اور فساد پیدا کر لیں گے۔ یا آپ کو قتل کر دیں گے۔ اگر آپ کو اس بات کا علم ہوتا تو آپ حضور کو ہرگز ساتھ لے کر نہ جاتے۔ یا خود بھی نہ جاتے اور یہ بات معلوم ہو جانے پر واپس لوٹ آنے سے ثابت ہے۔ پس یہ بات حضرت ابو طالبؑ کے لئے نئی بات تھی لہذا جس وقت راھب بحیرا نے کہا کہ :

فارجع بابن اخیک الی بلدة و احذر علیه یهود فواللہ لئن رأوه و عرفوا منه ما عرفت له لیبینه شرا فانه کائن لابن اخیک هذا شان عظیم فاسر به الی بلاد" سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر ج1 ص 62

"یعنی آپ اپنے بھتیجے کو اپنے ہمراہ لے کر اپنے شہر کی طرف جلد واپس چلے جایئے اور ان کی نسبت یہودیوں سے ہمیشہ خائف رہا کیجئے کیونکہ وہ لوگ اگر انہیں دیکھ پائیں گے اس معرفت سے جس معرفت سے میں نے انہیں پہچان لیا ہے پہچان لیں گے تو ان کے بہت سے شر اور مفاسد پیدا کریں گے کیونکہ آپ کے اس بھتیجے کے لئے مرتبہ عظیم حاصل ہونے والا ہے۔ اس لئے آپ جلد انہیں لے کر یہاں سے چلے جائیں۔ بحیرا کا یہ کلام سن کر حضرت ابی طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر بسرعت تمام وہاں سے روانہ ہو گئے اور داخل مکہ ہوئے۔

کوئی تاریخ یہی نہیں کہتی کہ ابو طالب نے یہ کہا ہو کہ وہ کونسی شان عظیم اور مرتبہ عظیم ہے جو میرے اس بھتیجے کو حاصل ہونے والا؟ یا یہ پوچھا ہو تمہیں کیسے معلوم ہوا پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ حضرت ابی طالب اپنے بھتیجے کی اس شان سے پہلے ہی واقف تھے۔ اور وہ نعمت عظمیٰ جو ان کو ملنے والی تھی اس کی پوری پوری معرفت رکھتے تھے۔ لہذا جب راہب بحیرا سے یہ سنا کہ یہود اس کے دشمن ہیں اور اس کی نسبت برے ارادے رکھتے ہیں تو سب کاروبار چھوڑا۔ شام کا سفر ترک کیا اور بڑی تیزی کے ساتھ اپنے اس بھتیجے کو لے کر واپس ہوئے ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں: "**فخرج به عمه ابو طالب سریعاً حتیٰ اقدمه مکه**" بحیرا کا یہ کلام سن کو حضرت ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر بسرعت تمام وہاں سے روانہ ہو گئے اور مکہ آ کر دم لیا۔

مولانا شبلی کا خصائص نبوت سے انکار

مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد 3 میں پیغمبر گرامی اسلام کے اعلان نبوت سے پہلے کے تمام معجزات، کرامات اور آپ کے قدوم میمنت لزوم کی برکات کو ظاہر کرنے والی اکثر روایات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ راہب بحیرا کے مشہور و معروف اور عظیم الشان واقعہ کو بھی، جو تاریخ کی تمام مشہور و مستند کتابوں مثل طبقات ابن سعد، تاریخ طبری، سیرۃ ابن ہشام میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے اور حدیث کی معروف کتابوں میں سے صحیح ترمذی اور مستدرک حاکم میں بھی آیا ہے نا قابل اعتبار قرار دے دیا ہے۔

شبلی صاحب یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ حاکم نے مستدرک میں یہ لکھا ہے کہ یہ روایت بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے پھر بھی وہ اس پر اعتبار نہیں کرتے۔

وجہ صاف ظاہر ہے وہ ان باتوں کو کیسے مان سکتے ہیں جن میں پیغمبر گرامی اسلام کی ایک خاص شان نظر آتی ہے۔ ان کے نزدیک تو نبی صرف ایک ڈاکئے کی مانند ہے جو آنے والی ڈاک کو مکتوب الیہ تک پہنچا دیتا ہے اور بس۔

لہذا ان کے نزدیک نبی وحی کو۔ وہ بھی قرآنی وحی کو۔ پہنچانے کی حد تک نبی ہے ورنہ وہ ایک عام آدمی کی طرح ہے۔ جو غلطیاں بھی کرتا ہے، جس کو اصحاب درست کرتے ہیں۔ بھول چوک بھی ہوتی ہے جس کو اصحاب یاد دلاتے ہیں۔ غلط کام بھی کرتا ہے جس کی اصحاب نشاندہی کرتے تھے ان کے یہاں ناموس رسالت تار تار ہے اور ناموس صحابہ برقرار ہے۔ ان کے نزدیک صحابہ میں سے اگر کسی نے پیغمبرؐ پر اعتراض کئے تو اس لئے کہ نبی نے وہ بات بحیثیت نبی کے نہ کہی تھی ورنہ صحابہ ہرگز اعتراض نہ کرتے۔ ان کے نزدیک پیغمبرؐ مقدم نہیں جن کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے صحابہ، صحابہ بنے بلکہ صحابہ مقدم ہیں، یعنی پیغمبر کے ذریعہ اصحاب کو نہ پہچانو بلکہ اصحاب کے ذریعے پیغمبر کو جانچو۔ اگر کسی صحابی نے پیغمبر پر کوئی

اعتراض کیا یا بے ادبی یا گستاخی کی تو یہ نہ سمجھو کہ صحابی نے پیغمبر کی توہین کی ہے بلکہ یہ سمجھو کہ پیغمبر غلطی پر تھا۔ الفاروق میں انھوں نے یہی موقف اختیار کیا ہے اور عظمت صحابہ کا پرچار کرنے والے یہی موقف مسلمانوں سے منوانا چاہتے ہیں اور شبلی نے اسی موضوع پر دراصل اہل سنت کی ترجمانی کی ہے۔

انھوں نے راہب بحیرا کے واقعہ کے سلسلہ میں طبقات ابن سعد اور سیرۃ ابن ہشام میں بیان کردہ واقعہ پر کوئی توجہ نہیں دی اور طبری کے بیان کردہ مختلف طریقوں میں سے پہلے بیان کردہ طریقہ کو بھی نظر انداز کر دیا ہے جسے ہم نے گذشتہ اوراق میں نقل کر دیا ہے انھوں نے طبری کے صرف دوسرے طریقہ سے بیان کردہ روایت پر جرح کی ہے۔

ابن حجر شارح بخاری نے بھی طبری کے دوسرے طریقہ سے بیان کردہ روایت پر ہی جرح کی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس واقعہ میں آخر میں حضرت ابو بکر اور حضرت بلالؓ کا نام بھی ضم کر دیا گیا ہے جسے ہم نے گذشتہ اوراق میں طبری طبع جرمن کے ص 1126 سے نقل کیا ہے۔

حالانکہ حضرت ابو بکر اس وقت بچے تھے اور سفر شام میں تجارت کے لئے جانے کی کوئی بات ہی نہیں تھی یعنی وہ اس سفر میں تجارت کے لئے جانے کے قابل ہی نہ تھے اور نہ ہی بچہ ہونے کی صورت میں کسی کے ساتھ جانا کسی روایت میں آیا ہے۔ لہذا واپس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور بلال تو ابھی معرض وجود میں ہی نہیں آئے تھے نہ وہ ابھی پیدا ہوئے تھے اور یہ حبشی غلام ظہور اسلام کے بہت بعد اسلام میں داخل ہو کر مسلمانوں میں شامل ہوا تھا لہذا ابن حجر نے طبری کے بیان کردہ اس روایت کے صرف اس حصہ کو غلط قرار دیا تھا جس میں حضرت ابو بکر اور حضرت بلال کے ناموں کا اضافہ کیا گیا تھا۔ یعنی یہ دونوں اس قافلہ میں جانے کے قابل نہ تھے۔ نہ جا سکتے تھے اور نہ گئے تھے لہذا ابو طالب کے ساتھ ان کی واپسی کسی طرح بھی ماننے کے قابل نہیں ہے۔

لیکن شبلی صاحب نے اسی بات کو بہانہ بنا کر سرے سے سارے واقعہ پر ہی قلم پھیر دیا ہے۔

طبری کے اس دوسرے طریقہ سے بیان کردہ روایت میں بنی امیہ کی وہی دونوں کوششیں کارفرما ہیں جن کا تفصیلی بیان ہم آگے چل کر کریں گے۔یعنی پیغمبر گرامی اسلام کی حیثیت وشخصیت کو سبک اور کم کر کے دکھانا۔خاندان بنی ہاشم کی اور علی الخصوص حضرت ابو طالب کی خصوصیات سے انکار کرنا اور ہر جگہ کی طرح ،چاہے موقع ہو یا نہ ہو۔شیخین کو شامل کرلینا۔اور ہر واقعہ میں کسی نہ کسی طرح ان کا کردار ثابت کرنا۔

شبلی صاحب نے اپنے بیان میں ظاہر تو یہ کہا ہے کہ عیسائی مولفین جیسے سر ولیم میور ، ڈریپر اور مارگیولیس اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم سمجھتے ہیں اور وہ اس بات کے مدعی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذاہب کے حقائق واسرار اس راہب سے سیکھے تھے۔اور جو نکتے اس نے بتا دیئے تھے انہیں پر آنحضرتؐ نے عقائد اسلام کی بنیا درکھی اور اسلام کے تمام عمدہ اصول انہیں نکتوں کی شرح اور حواشی ہیں۔

عیسائی مولفین نے جو کچھ لکھا ہے یہ ان کا تعصب ہے ورنہ کسی روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہے جو انھوں نے اخذ کر کے لکھی۔خود مولانا شبلی نے بھی اس کا مناسب جواب دیا ہے کہ:

عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اسی طرح ماننا چاہئے۔جس طرح روایت میں مذکور ہے اس میں بحیرا کی تعلیم کا کوئی ذکر نہیں قیاس میں بھی نہیں آسکتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام حقائق سکھا دیئے جائیں۔(سیرۃ النبی جلد نمبر 3)

مولانا شبلی نے ایک حد تک معقول اور کافی جواب دینے بعد کے جب یہ دیکھا کہ اس واقعہ سے ان کا تجزیہ نبوت کا اصول تار تار رہوتا ہے اور واقعہ سے بچپنے سے ہی نبی کی ایک خاص شان معلوم ہوتی ہے تو پھر اس واقعہ کو جھٹلانے پر کمر بستہ ہوگئے اور ظاہر یہ کیا جیسا کہ

وہ عیسائی مولفین کی رد میں ایسا کر رہے ہیں۔

ہم نے عربی تاریخوں کے مستند ماخذوں کی متعدد روایات نقل کر دی ہیں۔صرف اس لئے کہ دنیا دیکھ لے کہ اور پڑھ کر جان لے کہ ان طویل اور پر تفصیل عبارتوں میں کس جملہ اور کس فقرے سے عیسائی مولفین آنحضرت صلعم کی راہب بحیرا سے تعلیم پانے کے معنی لیتے ہیں اور شبلی صاحب کو عیسائیت کی فتح کا عظیم خوف دلاتے ہیں۔

واقعات اور روایت کے الفاظ تو صاف صاف یہ بتلا رہے ہیں کہ بحیرا نے انبیاء کی سیرت کے مطابق آپ سے آپ کی زندگی کے ذاتی حالات و معمولات اور کچھ صفات کے بارے میں پوچھا۔اور آپ نے اس کے تمام سوالوں کا ایسا جواب دیا جن کو سن کر راھب بحیرا کو یقین آ گیا کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جو مبعوث ہونے والے اور جن کا ذکر اور صفات آسمانی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔صورت واقعہ تو صاف طور پر یہ ثابت کر رہی ہے کہ عیسائیوں کے اتنے بڑے عالم نے علم و کمال کے اعتبار سے اس زمانہ کی عیسائی دنیا میں اپنی مثال اور اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔اور اس نے آسمانی کتابوں میں آپ کے صفات پڑھے ہوئے تھے۔آنحضرت صلعم کی نبوت پر کامل طور پر تحقیق کر کے اور آپ میں ان صفات کو پا کر جو اس نے آسمانی کتابوں میں پڑھی تھیں آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی اور اس نے کتب سماویہ میں لکھے ہوئے صفات کو ان میں تحقیق کرنے کے بعد اپنی تصدیق و معرفت کا اظہار کیا تھا۔

بحیرا کی یہ تصدیق ایسی کامل اور جامع تھی جس کی توثیق قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔کیونکہ قرآن نے کتب سماویہ میں آپ کے صفات کے بیان ہونے کا ذکر کیا ہے۔اور بحیرا کی یہ معرفت انہیں کتب سماویہ کا علم رکھنے کی وجہ سے تھی۔اسی بناء پر اکثر علمائے اسلام نے اس کے سابق الاسلام ہونے کی تصدیق کی ہے (ملاحظہ ہو زرقانی کی شرح مواھب الدنیہ جلد اول تذکرہ راھب بحیرا)۔

چونکہ یہ واقعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ آنحضرت میں بچپن سے ہی آثار نبوت موجود تھے لہذا شبلی صاحب اس کو کیسے مان سکتے تھے۔ شبلی صاحب کے نزدیک تو چالیس سال کے بعد بھی نبی صرف وحی قرآنی کے الفاظ پہنچانے کی حد تک نبی تھا اور اس نظریہ کے بغیر اصحاب کے پیغمبر پر اعتراضات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اور یہی نظریہ ان کے ہم مشرب تمام لوگوں کا ہے جسے وہ زبردستی آج دوسرے مسلمانوں سے منوانا چاہتے ہیں۔

راھب بحیرا کے واقعہ کی بحث میں اور بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن ہم طوالب کے خوف سے اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

محاسن اخلاق واطوار قبل از بلوغ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سفر شام کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کا سن مبارک بارہ برس کا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ طفولیت تمام ہو رہی تھی اور شباب کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس سفر کے بعد پھر کامل جوان ہونے تک آپ کا سفر کرنا صحیح طور پر ثابت نہیں ہے۔ اس وقت سے لے کر جوان ہونے تک آپ کی ذات بابرکات سے ان محاسن صفات کے تمام اعلیٰ اور یکتا جوہر ظاہر و آشکار ہونے لگے جو عام فطرت انسانی میں نہایت کم بلکہ نہیں پائے جاتے تھے۔ آپ کے تمام قوائے مدرکہ اس وقت فضل و کامل کے اس حد و انتہائی تک پہنچے ہوئے تھے جن سے ہر انسان کا دسترس دشوار تھا۔ قوائے عملی و نظری اور حسی کے کمالات سے آپ کے تمام محاسن اعمال اور مکارم اخلاق واضح آشکار ہو رہے تھے۔ نیک نفسی، سلامت روی، پاکیزہ طبیعی ہر طرز عمل سے پیدا تھے۔ شرم وحیا، کرم وعطا، زاہد واتقا، صبر وتحمل اور عدل و انصاف آپ کے خاص شعار تھے۔ صلہ رحم، ادائے حقوق جار اور اعانت مظلوم آپ کے صفات ذاتی کے اصلی معیار تھے۔

حلم و وقار، تواضع اور فروتنی، راست گوئی اور امانت داری آپ کی فطرت صالحہ

کے حقیقی جوہر تھے۔

غور و فکر، ترک علائق، استحقاق فی الحقائق، ترکیب طبع قدسیہ کے اصلی عنصر تھے۔ مقدس طبیعت ایسی باتوں پر جس طرح ہمیشہ راغب اور مائل رہا کرتی تھی اسی طرح بری باتوں سے ہمیشہ کنارہ اور متنفر رہتی تھی۔ ایماندار، دیانتدار اور صداقت شعار لوگوں سے ملنے جلنے کے لئے جتنا میلان طبع کا اتنا ہی مغرور، ظالم، درشت خو، کینہ پرور، کج خلق اور خود غرض لوگوں کی صحبت سے احتراز تھا۔ یہ خلاصہ ان باتوں کو جو مستند اور معتبر تاریخوں میں لکھا ہوا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں ان تمام صفات کو ذیل کی عبارت میں نقل کیا ہے طبری اور اب ہشام میں بھی قریب قریب یہی عبارت درج ہے۔

" و شب رسول الله صلی الله علیه وسلم مع ابی طالب یو کله الله و یحفظه و یحوطه من امور الجاهلیه و معاشیها لما یرید من کرامة و هولی دین قومه حتیٰ بلغ ان کان رجلا افضل قومه مودة ۔ وا حسنهم خلقا و اکبر مهم مخایطة و احسن جواراً و اعظم حلماً وا مانة و اصدقهم حدیثاً و ابعدهم من الفحش والاذی و مارای ملاحیاًولا ممارياً احداً حتیٰ سماه قومه الدمین لما جمع الله له من الامورو الصالحة فیه فلقعد کان الغالب علیه بمکة الامین و کان ابو طالب یحفظه و یعضده ینصره الی ان مات "

طبقات ابن سعد ص 77

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 69

ترجمہ: جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عم محترم ابی طالب کی حفاظت و نگرانی میں جوان ہوئے پروردگار عالم نے ہر طریقہ سے آپ کی تائید کی اور مراسم جاہلیت کے تمام مصائب و مناقص سے محفوظ رکھا۔ کیونکہ ان کرامتوں سے ارادہ مشیت میں آپ کی قوم کو دینداری کے طریقہ پر لانا تھا۔ یہاں تک اب ان تمام محاسن صفات سے آراستہ ہو کر

سن بلوغ تک پہنچے تو تمام قبائل و اقوام میں باعتبار خلق و مروت کے افضل ترین،.... اخلاق میں نیک ترین، حلم و امانت میں اعظم ترین اور تقریر و بیان میں صادق ترین فرد تھے۔ ایذا رسانی، فحش زبانی او دیگر افعال ذمیمہ رکھنے والے لوگوں سے زیادہ علیحدہ رہنے والے اور ہمیشہ پرہیز و احتیاط کرنے والے تھے۔ کسی شخص نے آپ کو تند مزاج اور تلخ کلام نہیں دیکھا یہاں تک کہ تمام قوم قریش اور باشندگان مکہ نے اسی وقت سے آنحضرت کو الامین کا خطاب دیا اور حضرت ابیطالب برابر آپ کی حفاظت و نگرانی، اعانت و نصرت فرماتے رہے یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔ اور سیرۃ ابن ہشام کے اردو ترجمہ میں آپ کے بلوغ لا حال ذیل کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔ اردو ترجمہ ازا سوۃ الرسول جلد 2 ص 62

اللہ تعالٰی کی نگرانی اور حفاظت

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانی کے میدان میں اس طرح قدم رکھا کہ اللہ تعالٰی آپ کی نگرانی اور حفاظت فرما رہا تھا۔ آپ کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا کہ کہیں جاہلیت کی گندگی آپ کو نہ چھو جائے اس لئے کہ وہ آپ کا اعزاز اور آپ کی رسالت چاہتا تھا۔ یہاں تک آپ سن بلوغ کو پہنچے تو اپنی قوم میں مروت کے لحاظ سے بہترین، اخلاق میں ان سب سے اچھے، حسب و نسب میں ان سب سے زیادہ شریف۔ پڑوس کے اعتبار سے ان سب سے افضل۔ فضل و علم میں ان سب سے اعلیٰ۔ بات چیت میں ان سب سے زیادہ سچے، امانتداری میں ان سب سے بڑھے ہوئے۔ پاک دامنی اور عزت نفس کے لحاظ سے سب سے بلند۔ فحش اور ان اخلاق سے جو مشہور لوگوں کے دامن کو ناپاک کر دیتے تھے منزلوں دو تھے۔ یہاںتک کہ آپ میں تمام بھلائیوں کو جمع کر کے قوم میں آپ کا لقب ہی امین مشہور کر دیا۔ اردو ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 207

حضرت خدیجہؑ کی طرف سے تجارت کی پیش کش

حضرت خدیجہؑ ثروت و اقتدار کے اعتبار سے تمام تجار میں عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ مکہ اور قرب وجوار کے تمام تجارت پیشہ قوم وقبائل کے لوگ ان کے زیر اثر تھے اور دست نگر۔ عادات واوصاف کے لحاظ سے حضرت خدیجہؑ کی پاک نفسی، حسن اخلاق ، اور عام ہمدردی، مشہور آفاق تھی۔ انہیں محاسن ذاتی کے خصوصیات سے ایام جاہلیت ہی میں آپ کا لقب طاہرہ مشہور ہو گیا تھا آپ کے ذاتی اوصاف کے متعلق ابن سعد کے الفاظ یہ ہیں:" **وھی یومئیذاوسط قریش نسباً و اعظمھم شرما**"

"یہ خاتون اس وقت تمام قریش میں عالی نسب اور شرف میں سب سے بڑھ کر تھیں"

اور ابن ھشام اور طبری کے الفاظ یہ ہیں

" وکانت خدیجہ تاجرة ذات شرف و مال کثیر و تجارة تبعث بھا الی الشام فتکون عیرھا کعامة عبر قریش کانت تستاجرا لرجال و یدفع الیھم المال مصاربة " اسوۃ الرسول جلد 2 ص 76

بحوالہ ابن ہشام وطبری

ترجمہ: جناب خدیجہؑ تاجرہ تھیں۔ صاحب شرافت اور کثیر دولت کی مالک تھیں۔ آپ کی تجارت کا یہ حال تھا کہ جب قافلہ تجارت شام کو جاتا تھا تو اس میں اکیلا ان کا مال تمام لوگوں کے مال کے برابر ہوتا تھا۔ تجار آپ سے مال لے کر تجارت کے لئے جاتے تھے۔ اور منافع لے کر اصل سرمایہ واپس دیتے تھے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و معاملات اور مکارم اخلاق و عادت حضرت خدیجہؑ کے میلان خاطر کا باعث ہوئے اور حقیقت میں منشائے قدرت کا یہ مقدمہ تھا اور " ووجدک عائلاً فاغنیٰ " کی تمہید تھا۔ ابن ہشام اور طبری نے اس حقیقت کو ذیل کے الفاظ میں نقل کیا ہے۔

" فلما بلغها رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم مابلغا من صدق حديثه و عظم امانته و كرم اخلاقه بعث اليه فعرضت عليه ان يخرج في مال لها الى الشام تاجراً و تعطيه ما كانت تعطي غيره مع غلام لها يقال له ميسره " اسوۃ الرسول جلد 2 ص 76

بحوالہ ابن ہشام طبع مصر ص 76 طبری طبع جرمن ص 1127

ترجمہ: جناب خدیجہ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت بیانی، اعلی درجہ کی امانت داری اور اعظم ترین اخلاق کی خبریں پہنچیں تو درخواست کی کہ آپ میرا اسباب تجارت لے کر میرے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف جائیں۔ تو میں اس کے معاوضہ میں اس سے کہیں زیادہ دوں گی جو دوسرے تاجروں کو دیتی ہوں۔

آنحضرتؐ کی تجات کا حال

طبری نے اور ابن ہشام نے حضور کی اس تجارت کا حال مفصل طور پر لکھا ہے اردو ترجمہ طبری کے ص 62,61 پر اور اردو ترجمہ سیرۃ ابن ہشام کے ص 212,211 پر بالکل ملتے جلتے الفاظ میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے ہم صرف سیرۃ ابن ہشام کے الفاظ نقل کرتے ہیں جو اسطرح ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درخواست قبول فرمائی اور ان کا مال لے کر نکلے۔ آپ کے ساتھ خدیجہ کا غلام میسرہ بھی تھا۔ شام پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک راہب کے کلیسا کے نزدیک ایک درخت کے سایہ میں نزول فرمایا۔ راہب نے دور سے دیکھ کر کہا کہ یہ کون ہے جو اس درخت کے نیچے اترا ہے۔ میسرہ نے جواب دیا یہ شخص حرم والے قریشیوں میں سے ہے۔ راہب نے کہا اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کبھی کوئی شخص نہیں اترا۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سامان فروخت کیا۔ جسے لے کر آپ نکلتے تھے اور جو سامان خریدنا چاہا وہ خرید لیا پھر واپس مکہ تشریف لائے۔ اور میسرہ آپ کے ساتھ ہی رہا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب دوپہر کا وقت ہوتا اور گرمی سخت ہو جاتی تو میسرہ دیکھا کرتا کہ دھوپ سے بچاؤ کے لئے دو فرشتے آپ پر سایہ فگن رہتے اور آپ اونٹ پر بیٹھے چلے جاتے آپ جو مال شام سے لائے تھے خدیجہؑ نے اسے فروخت کیا تو دگنا یا اس کے قریب ہو گیا۔ اردو ترجمہ سیرۃ ابن ہشام ص 212,211

شادی کا پیغام

ابن ہشام سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں "میسرہ نے راہب کی باتیں اور آپ پر فرشتوں کا سایہ فگن ہونا حضرت خدیجہؑ سے بیان کیا۔ جناب خدیجہ عقل مند، شریف، عظم والی خاتون تھیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ آپ کی عظمت کے طفیل ان کے لئے بھی سرفرازیاں چاہتا تھا۔ جب میسرہ نے وہ عظیم الشان خبریں سنائیں تو خدیجہؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہلا بھیجا کہ اے میرے چچا کے بیٹے۔ آپ سے رشتہ داری، قوم میں آپ کے شرف، دیانتداری، حسن اخلاق اور سچائی کی وجہ سے آپ کی جانب میرا میلان خاطر ہے۔ پھر نکاح کی استدعا کی۔ جناب خدیجہ ان دنوں قریشی عورتوں میں نسب و شرف کے لحاظ سے افضل و اکمل اور دولت کے اعتبار سے تمام عورتوں میں بڑی مالدار تھیں۔ قوم میں سے ہر ایک آرزومند تھا کہ اے کاش اسے اس امر پر قدرت ہوتی"

ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 211-212

شبلی صاحب کی سیرۃ النبی میں واقعہ تزویج

مولانا شبلی نے آنحضرت کی تزویج کا حال مختصر الفاظ میں اسطرح لکھا ہے:

''(سفر شام سے) واپس آنے کے بعد حضرت خدیجہؑ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن ان کے چچا عمر ابن اسد زندہ تھے۔ عرب میں عورتوں کو یہ آزادی تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں اور اس میں بالغہ اور نابالغہ کی قید نہ تھی۔ حضرت خدیجہ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کئے تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام روسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے۔ ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا پانچ سو درھم مہر طلائی مقرر فرمایا:

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 78

بحوالہ سیرۃ النبی ص 137

شبلی صاحب نے حضرت خدیجہ کی شادی کے بارے میں انتہائی اختصار سے کام لیا ہے۔ بس حضرت خدیجہؑ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا، کیوں بھیجا؟ یہ وہ لکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ اس میں کچھ شان نبوت کا بیان ہو جاتا۔ جبکہ ابھی پیغمبر صرف پچیس (25) برس کے تھے اور نبوت کے اعلان میں ابھی چالیس برس کا ہونے تک پندرہ (15) برس پڑے تھے۔ لہذا قلم کی مہار باپ کے انتقال اور عرب کی عورتوں کی آزادی کی طرف موڑ دی۔ مگر ایک بات ان کے قلم سے مجبوراً نکل گئی کہ اس کے بغیر چارہ نہیں تھا اور وہ یہ کہ ''ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا''۔

صرف یہ پانچ حرفی فقرہ، مگر وہ خطبہ کیا تھا اس خطبہ کی عبارت پھر بھی نقل نہیں فرمائی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھ گئے کہ اس خطبہ کو تمام کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔

اس خطبہ کو امام قسطلانی نے مواھب الدنیہ میں علامہ زرقانی نے شرح مواھب الدنیہ میں، امام الحر میں برزنجی نے اسی المطالب میں بیک لفظ تحریر کیا ہے۔ زرقانی کی شرح مواھب لدنیہ میں یہ خطبہ اس طرح ہے:

حضرت ابو طالب کا خطبہ نکاح

" الحمد الله الذی جعلنا من ذریة ابراهیم و زرع اسمعیل و ضئضعی معد وعنصر مضیر و جلعنا حصنة بیته و سواس حرمه و جعل لنا بیتاً محجوماً و حرماً آمناً و جعلنا الحکام علی الناس ثم ان ابن اخی هذ امحمدً بن عبدالله لا یوزن الا رفع له شرفا و نیلا و فضلا فان کان فی المال قل فان المال ظل و زائل و امر حائل و محمدً من قد عرفتم قرابته . وقد خطب خدیجه بنت خویلد و یذل بها ما اجله و عاجله من مالی کذا و هو والله بعد هذا له نباء عظیم و خطر جسیم " اسوۃ الرسول جلد2 ص 79 بحوالہ زرقانی شرح مواھب الدنیہ ص 243,242

ترجمہ: تمام تعریف اس خدائے بزرگ و برتر کے لئے سزاوار ہے جس نے ہم کو ذریت ابراہیم اور اولاد اسماعیل اور نسل معد ابن عدنان اور صلب مضر سے پیدا کیا ہے اور ہم کو اپنے بیت کا محافظ اور اپنے حرم محترم کا نگہبان مقرر فرمایا ہے۔ ہمارے لئے ایک ایسا گھر قرار دیا ہے، جس کا خلق خدا حج کرتی ہے۔ اور ایسی متبرک زمین عطا کی ہے کہ جہاں خدا کی مخلوق امن پاتی ہے۔ ماسوا اس کے خدا نے ہم کو لوگوں پر حاکم بنایا ہے۔ امابعد میرا یہ بھتیجا محمد بن عبداللہ جس کا اگر کسی بھی شخص سے موازنہ کیا جائے تو از روئے فضل و کمال و باعتبار شرافت و ذہانت و عقل یہی گرامی تر نکلے گا۔ یہ مالداری اور دولتمندی میں کم ہے مگر مال کیا ہے۔ ایک ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ اور متغیر اور متبدل ہونے والا حال ہے۔ محمد وہی شخص ہے جس کی قرابت جو کچھ مجھ سے ہے آپ لوگ اس کو خوب جانتے ہیں اس نے خدیجہؑ سے تزویج کا ارادہ کیا ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ محمد وہ شخص ہے جس کے لیے ایک خبر عظیم اور ایک مہتمم بالشان بہرہ یا حصہ نصیب ہونے والا ہے"

شبلی صاحب نے اس خطبہ کو کس طرح لکھ سکتے تھے جس کے آخر میں ابو طالب نے بالفاظ واضح قسم کھا کر یہ کہا کہ: ''**ھو واللہ بعد ھذا لہ نباء عظیم و خطر جسیم**'' میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ محمدؐ وہ شخص ہے جس کے لئے ایک خبر عظیم اور ایک مہتمم بالشان بہرہ یا حصہ نصیب ہونے والا ہے۔

ابھی تو قرآن کی پہلی وحی آنے میں پندرہ سال پڑے ہیں۔ لیکن ابو طالب کو اس **نباء عظیم** یعنی عظیم خبر کی ابھی سے معرفت ہے۔ اور شبلی صاحب کو یہ بات پچتی نہیں تھی اس لیے صرف نظر کر گئے۔

بنی امیہ کے پروپیگنڈے اور علی دشمنی کی انتہا ہے یہ کہ وہ ابو طالب جو اپنے بھتیجے کے بارے میں اس کے بچپنے سے یہ جانتا تھا کہ یہ سید الانبیاء جو نبی ہونے کی حیثیت حفاظت اور پرورش کر رہا تھا۔ جو قسم کھا کھا کر کہتا تھا کہ میرے اس بھتیجے کی بڑی شان ہے اور اس کے ایک نباء عظیم یعنی ایک عظیم خبر اور ایک مہتمم بالشان بہرہ یا حصہ نصیب ہونے والا ہے۔ اس ابی طالب کے بارے میں بنی امیہ کے سارے ہی طرفداروں کو یہ کہے بغیر تسکین نہیں ہوتی کہ ابو طالب ایمان نہیں لائے تھے۔ بہر حال ابی طالب کے خطبہ نکاح کے بعد ورقہ بن نوفل نے جناب خدیجہ کی طرف سے خطبہ نکاح پڑھا۔

ورقہ بن نوفل کا خدیجہؑ کی طرف سے خطبہ نکاح

حضرت ابو طالب کی طرف سے خطبہ نکاح پڑھے جانے کے بعد ورقہ بن نوفل نے حضرت خدیجہ کی طرف سے خطبہ نکاح پڑھا۔ علامہ زرقانی شرح مواھب الدنیہ میں منتقی کی سند کے ساتھ اس کے خطبہ کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:

"فی المنتقی فلما اتم ابو طالب الخطبة تکلم ورقة بن نوفل فقال الحمد اللہ الذی جعلنا کما ذکرف و فضلنا کما علی عملت فنحن سادة

العرب و قادتها انتم اهل ذالک کله لا ینکره العشیرة فضلکم ولا یر احمد من الناس فخرلم و شرفکم و قدرغبنا فی الاتصال یحبلکم و شرفکم فا شهدوا علی معاشر قریش بانی قد زوجیت و خدیجه بنت خویلد من محمد بن عبدالله علی اربعمائة دیناراً ثم سکت فقال ابو طالب قد احببت ان بشرکک ثمها . فقال عمها یا معاشر قریش انی قد انکحت محمد بن عبدالله من خدیجه بنت خویلد ، و شهد علی ذالک صناوید قریش "

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 80

زرقانی شرح مواھب الدنیہ ص 241

ترجمہ: منتہی میں مرقوم ہے کہ جب ابی طالب اپنا خطبہ نکاح ختم کر چکے تو ورقہ بن نوفل نے یوں تقریر کی۔

"وہ خدا قابل ستائش ہے جس نے ہم لوگوں کو ان اوصاف سے موصوف کیا جس کا آپ (ابو طالبؑ) نے ذکر کیا ہے۔ ہم لوگوں کو وہ فضائل عنایت کئے جن کا شمار و انحصار آپ (ابو طالب) نے فرمایا ہے۔ ہم لوگ سردار عرب ہیں اور پیشوائے قوم ہیں اور آپ حضرات (بنی ہاشم) وہ بزرگوار ہیں جن کے فضائل سے کسی قبیلہ اور عشیرۃ کا انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ اور آپ کے مفاخر اور مشارف پر کسی فرد واحد کو حرف گیری کی جرأت ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم لوگوں نے بطیب خاطر آپ حضرات سے پیوند کرنا چاہا ہے اور آپ کے مشارف میں شریک ہونا قبول کیا ہے۔ اے معاشر قریش آپ حضرات اس بات پر گواہ رہیں کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ کے ساتھ چار سو دینار مہر پر بیاہ دیا ہے۔ یہ کہہ کر ورقہ خاموش ہوگئے۔ تو حضرت ابیطالبؑ نے ان سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ اس تصدیق و شہادت میں خدیجہ کے چچا کو بھی شریک کرلیں۔ یہ سن کر ان کے چچا اسد اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ "اے معاشر قریش آپ حضرات گواہ رہیں کہ میں نے خدیجہ

بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ سے کر دیا ہے۔ تمام صنادید قریش نے اس پر گواہی کر دی۔

اس نکاح میں صرف روسائے مضر شریک تھے

معاویہ کے ادارہ روایت سازی نے جس طرح موقع بہ موقع حضرات شیخین میں یہاں کسی نہ کسی کا نام اڑانے کا کاروبار کیا ہے۔ وہ یہاں بھی نمایاں ہے۔ بعض کتابوں میں ایک اور غلط واقعہ نقل ہوا ہے اور وہ غلط واقعہ آنحضرت صلعم کی محفل عقد میں حضرت ابو بکر کی شرکت کا ہے۔ جس کی حقیقت ہم شرح مواھب الدنیہ زرقانی سے ذیل میں لکھتے ہیں کہ زرقانی مواھب لدنیہ کے اس فقرے کی شرح میں کہ "حضرت ابو طالب و روسائے مضر خطب ابو طالب" زرقانی نے یوں شرح کی ہے،

"ھذا ھوا لصواب المذکور فی الروض و غیرہ و مافی فیسخ ابو بکر رضی اللہ عنہ لا اصل لہ"

قول صحیح و درست یہی ہے جیسا کہ کتاب روض وغیرہ میں مذکور ہے کہ ابو طالب اور صرف روسائے مضر شریک تھے اور ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور بعض کتابوں میں جو حضرت ابو بکر کی شرکت کے متعلق لکھا گیا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے وہ بالکل بے اصل ہے۔

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 82

بحوالہ شرح مواھب الدنیہ زرقانی

حضرت خدیجہؑ سے عقد کے بعد شغل تجارت

یہ بات مسلمہ تاریخی ہے کہ سفر شام سے واپسی کے بعد آنحضرت صلعم کا حضرت خدیجہ سے عقد ہوا۔ اس سفر میں ان روحانی انکشافات کے علاوہ جن کا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے۔ مادی لحاظ سے بھی آنحضرتؐ نے اس تجارت میں اتنا نفع کمایا کہ حضرت خدیجہ کا

مال تجارت دگنا ہوگیا یا دگنے کے قریب ہوگیا اور عقد کے بعد تو حضرت خدیجہ کا تمام مال آپ کے لئے حاضر تھا۔ مگر کیا حضرت خدیجہؑ سے عقد کے بعد پیغمبر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے تھے اور حضرت خدیجہ کے مال پر گذر بسر کرنے لگے تھے یہ بات تو پیغمبر کی شان کے سراسر خلاف تھی۔ تاریخوں نے اس بات کو واضح طور پر لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؑ سے عقد کے بعد بھی آپ مال تجارت لے کر یمن اور شام وغیرہ عرب کے مختلف نقاط پر تجارت کے لئے جاتے رہے، یہاں تک کہ خدا کے ارشاد کے مطابق (ووجدک عائلاً فاغنیٰ) ''ہم نے تجھے تنگ دست پایا پس ہم نے تجھے غنی کر دیا'' غنی اور مالدار ہو گئے۔ اب جس کو خدا کہے کہ ہم نے تمہیں غنی اور مالدار کر دیا اس کے بعد کسی کا ان کو فقیر سمجھنا، یا تنگدست سمجھنا قرآن کو بلکہ خدا کو جھٹلانا ہے۔ یقیناً آپ حضرت خدیجہؑ سے عقد کے بعد بھی تجارت کا کاروبار کرتے رہے یہاں تک کہ آپ مال کی طرف سے مستغنی ہوگئے تو خدا کے حکم سے تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کر کے عبادت خداوندی میں مصروف ہو گئے۔

پیغمبرؐ کے وزیرؑ کی ولادت

خداوند تعالیٰ نے سورۂ والضحیٰ میں عقد خدیجہ کے ذریعہ پیغمبرؐ کے مستغنی ہونے کو " ووجدک عائلاً فاغنیٰ '' کے الفاظ میں بیان فرمایا اور اس کے فوراً بعد ساتھ ہی سورہ الم نشرح میں پیغمبر کا بوجھ بٹانے والے کا ذکر کیا ہے اور ارشاد فرمایا'' ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک ''اور ہم نے تیرا وہ بوجھ جو تیری پشت کو توڑے ڈالتا تھا ہلکا کر دیا''۔

وزر بوجھ کو کہتے ہیں اور اسی کا اسم فاعل وزیر ہوتا ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے کئی مواقع پر صحیح اور مستند احادیث کے مطابق حضرت علیؑ کو اپنے وزیر کا لقب دیا ہے۔

چنانچہ دعوت ذوالعشیرۃ میں جب اپنے قریبیوں کے سامنے پہلی مرتبہ اپنی

رسالت کا اعلان کیا تو ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا کہ "یا بنی عبدالمطلب انی و اللہ ماا علم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل مما قدجئنکم بہ ۔انی قد جئتکم بخیر الدنیا و الآخرۃ و قد امرنی اللہ ان ادعوکم ابیہ،فایکم یو زرنی فی ھذا الام علی ان یکون اخی و وصی و خلیفنی فیکم"

سیرۃ امیر المومنین ص 153

بحوالہ تاریخ طبری ج2ص 63

ترجمہ: اے فرزندان عبدالمطلب خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ عرب میں کوئی جوان اس چیز سے بہتر چیز لایا ہو۔جو میں تمہارے لیے لے کر آیا ہیں ۔میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں ۔اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس بھلائی کی طرف تمہیں دعوت دوں تم میں سے کون شخص ہے جو اس سلسلے میں میرا بوجھ بٹائے اور میرا معاون و مددگار بننے کے لیے تیار ہو؟ اور میرا وزیر بنے ،وہی میرا بھائی ،میرا وصی اور میرا جانشین و خلیفہ ہو" تمام تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ ساری محفل میں سناٹا تھا صرف علیؑ تھے جو اٹھ کر یہ اعلان کر رہے تھے کہ:

"انا یا بنی اللہ اکون وزیرک" تاریخ ابوالفداء جزو 1 ص 116

"اے نبی اللہ میں آپ کا وزیر بننے کے لئے تیار ہوں"

لہذا پیغمبر اکرمؐ نے فوراً اعلان کیا کہ:

"ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیک فاسمعوا لہ و اطیعوا"

تاریخ ابوالفداء جزو 1 ص 116

تاریخ طبری جزو 2 ص 217

یعنی یہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے۔

اس کے بعد پیغمبر جب بھی موقع مناسب سمجھتے اپنے وزیر کا تعارف و اظہار

فرماتے۔جیسا کہ حضرت انس سے روایت ہے کہ:

" عن انس قال قال رسول الله ان الله اصطفا نی علی الانبیاء و اختارلی و اخترت ابن عمی و صی و شد به عندی کما شد عضد وسیٰ باخیه هارون و هو خلیفتی و وزیری و لو کان بعد نبیاً لکان له النبوة

سید علی ھمدانی مودة القربیٰ مودة سادسہ

ترجمہ: انس بن مالک سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے مجھ کو تمام انبیاء سے برگزیدہ کیا ہے اور مجھے اپنے وصی مقرر کرنے کا اختیار دیا ہے پس میں نے اپنے ابن عم کو منتخب کرلیا ہے اس کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ نے میرا بازو قوی کیا ہے جس طرح موسیٰ کے بازو کو ان کے بھائی ہارونؑ کے ذریعہ سے قوی کیا تھا، پس وہ میرا خلیفہ ہے اور وزیر ہے اگر میرے بعد نبی ہوتا تو اس کو یعنی علی کو نبوت ملتی"

اور اسی لئے آنحضرتؐ ہمیشہ حضرت علیؑ کو حضرت ہارون سے مشابہ قرار دیا کرتے تھے جیسا کہ جنگ تبوک کے موقع پر فرمایا:

" اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ"

ازالۃ الخفاء مقصد 2 ص 26

کنزل العمال ج 6 ص 404

پیغمبر گرامی اسلام کی اس حدیث میں حضرت موسیٰ کی اس دعا کی طرف اشارہ ہے جو قرآن میں ان الفاظ کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔" واجعل لی وزیراً من اهلی ، هارون اخی اشدد به اذری و اشر که فی امری" (طہ۔29 تا 32)

اور میرا ایک وزیر (میرے کام میں بوجھ بٹانے والا) میرے ہی کنبہ سے میرے بھائی ہارون کو مقرر کردے۔اس کے ذریعہ میری کمر کو مضبوط کردے۔اور اس کو میرے کام میں میرا شریک کردے۔

اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کے وزیر کے بارے میں اس طرح سے نازل فرمایا کہ:

" ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظهرک "

اور کیا ہم نے وہ بوجھ ہلکا نہیں کر دیا جو تیری پشت کو توڑے ڈالتا تھا۔

بہر حال آنحضرت کا یہ وزیر 30ء عام الفیل میں یعنی آنحضرت کی حضرت خدیجہ سے شادی کے پانچ سال بعد پیدا ہوا۔

حضرت علی بیت اللہ (خانہ کعبہ) میں بروز جمعہ سن 30 عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ اور یہ وہ شرف خاص ہے جو نہ ان سے پہلے کسی کو ملا اور نہ ان کے بعد کسی کو حاصل ہوگا۔ مورخین اور سیرت نگاروں نے اسے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے مخصصات میں شمار کیا ہے، چنانچہ امام حاکم اپنی کتاب مستدرک میں لکھتے ہیں کہ:

" تواتر الاخبار ان فاطمه بنت اسد ولدت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم الله وجهه فی جوف الکعبة "

یعنی اخبار متواترہ سے ثابت ہے کہ امیر المومنین علی ابن طالب کرم اللہ وجہہ وسط خانہ کعبہ میں فاطمہ بن اسد کے بطن سے پیدا ہوئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اس بات کو نقل کیا ہے۔ اور اس امر کی صراحت کی ہے کہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی کو یہ شرف نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

تواترت الاخبا ان فاطمه بنت اسد ولدت امیر المومنین علیاً فی جوف الکعبة فانه و لد فی یوم الجمعة ثالث عشر من شهر رجب بعد عام الفیل ثلثین ستة فی الکعبه ولم هولد فیها احد سواه قبله ولا بعده "

سیرۃ امیر المومنین ص 122

بحوالہ ازالۃ الخفاء ص 251

ترجمہ: متواتر روایات سے ثابت ہے کہ امیر المومنین علی روز جمعہ تیرہ رجب 30 عام الفیل کو وسط کعبہ میں فاطمہ بنت اسد کے بطن سے پیدا ہوئے اور آپ کے علاوہ نہ آپ سے پہلے کوئی خانہ کعبہ میں پیدا ہوا اور نہ آپ کے بعد۔

عصر نو کے مصنف عباس محمود عقاد نے اس مبارک پیدائش کو خانہ کعبہ کی عظمت پارینہ کی تجدید اور خدائے واحد کی پرستش کے دور جدید سے تعبیر کیا ہے وہ لکھتے ہیں

" ولد علی فی داخل الکعبة و کرم الله وجهه عن السجود لا ضامها فکانما کان میلادة ثمة ایذانا بعهد جدید الکعبة و العباده فیها "

سیرة امیر المومنین ص 122

بحوالہ العبقریة الاسلامیة ص 862

ترجمہ: علی ابن ابی طالب خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے اور خداوند عالم نے ان کے چہرے کو بتان کعبہ کے آگے جھکنے سے بلند تر رکھا۔ گویا اس مقام پر حضرت کی پیدائش کعبہ کے لئے نئے دور کا آغاز اور خدائے واحد کی پرستش کا اعلان عام تھا۔ اسی طرح تقریباً اکثر مورخین اور سیرت نگاروں نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت امیر المومنین کی خانہ کعبہ میں پیدائش کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا۔ بلکہ قرآئن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مشیت ایزدی کی کارفرمائی کا نتیجہ تھا چنانچہ عباس ابن عبدالمطلب بیان کرتے ہیں کہ:

''وہ اور یزید ابن قعنب اور بنی ہاشم و بنی عزی کے چند افراد خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے تھے کہ فاطمہ بنت اسد تشریف لائیں اور خانہ کعبہ کے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں ابھی ایک آدھ لمحہ گزرا تھا کہ ان کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوئے لرزتے ہوئے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے مضطرب نگاہوں کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

"اے میرے پروردگار میں تجھ اور تیرے نبیوں پر اور تیری نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں ۔تو اس باعزت گھڑی، اس کے معمار اور اس مولود کے صدقے میں جو میرے شکم میں ہے میری مشکل حل کر ۔اور اس کی ولادت کو میرے لئے آسان کر دے ۔مجھے یقین ہے کہ یہ مولود تیرے جلال وعظمت کی نشانیوں میں سے ایک روشن نشانی ہے اور تو تو ضرور میری مشکل آسان کرے گا۔

عباس کہتے ہیں کہ جب فاطمہ بنت اسد اس دعا سے فارغ ہوئیں تو ہم نے دیکھا کہ خانہ کعبہ کی عقبی دیوار شق ہوئی اور وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوراً اس نئے در سے اندر داخل ہو گئیں اور دیوار کعبہ شگافتہ ہونے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر پلٹ آئی گویا اس میں کبھی شگاف پڑا ہی نہ تھا۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صورت یکا یک اور اتفاقیہ طور پر پیش نہیں آئی ۔اگر یہ اتفاقی حادثہ ہوتا تو نہ خرق عادت کے طور پر دیوار شق ہوتی اور نہ فاطمہ بنت اسد اندر داخل ہوتیں ۔بلکہ یہ غیبی طاقت ہی کا کرشمہ اور قدرت کی کارفرمائی ہی کا نتیجہ تھا اس ولادت کے تین دن بعد تک فاطمہ بن اسد بیت اللہ میں رہیں اور چوتھے دن مولود نو کو لئے ہوئے باہر نکلیں ۔پیغمبر اکرمؐ جو منتظر و چشم براہ تھے آگے بڑھے اور اپنے محسن و مربی چچا کے لخت جگر کو ہاتھوں پر لے کر سینہ سے لگایا ۔بچے نے شمیم نبوت سونگھ کر آنکھیں کھول دیں ۔اور سب سے پہلے جمال جہاں آرائے حبیب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا ۔پیغمبرؐ نے اپنی زبان مولود کے منہ میں دے کر آب وحی سے چمن امامت کی آبیاری کی ۔علم نبوت لعاب دہن رسول میں حل ہو کر علی کے رگ و پے میں اترا ۔اور زبان پیغمبر نے گواہی دی کہ 'خصني بالنظر و خصصة بالعلم' اس نے مجھے پہلی نظر کے لئے منتخب کیا اور میں نے اسے علم کے لئے منتخب کیا"

سیرۃ امیر المومنین ص 124

پیغمبر کے جانشین کی تربیت کا حال

ہم گذشتہ اوراق میں ثابت کر آئے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی طرح خدا نے پیغمبر گرامی اسلام کے جانشین کا بھی اصطفے فرمایا ہے اور ان کو بھی مجتبےٰ بنایا ہے۔ یعنی انھوں نے پیدائش سے لے کر آخر عمر تک خدا کی زیر نگرانی اور زیر تربیت پرورش پائی ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین حقیقی یعنی حضرت علی ابن ابی طالب کو تعلیم و تربیت کے لئے جیسا گہوارہ نصیب ہوا وہ دنیا میں کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں آنکھیں کھولیں۔ انہیں کی پاکیزہ آغوش میں پرورش پائی اور بچپنے سے لے کر جوانی کا پورا زمانہ انھیں کے ساتھ گذارا انہیں کے سر چشمہ علم وہدایت سے فیضیاب ہوئے اور انہیں کی زبان چوس کر پھولے پھلے اور پروان چڑھے۔ چنانچہ جناب فاطمہ بنت اسدؑ فرماتی ہیں کہ:

" لما ولدته شماه صلى الله عليه وسلم عليا ً و يصق في نمه انه التحمه لسانه فمازالى ليمصيه حتى نام قالت نما كان من الفدطلبنا له مرضعة فلم يقبل لا ى احد فدعونا له محمد ا فالقمه لسانة فكان كذالك ماشاء الله تعالىٰ" سیرۃ امیر المومنین ص 139

بحوالہ سیرۃ نبویہ دحلان ص 176

ترجمہ: جب علیؑ پیدا ہوئے تو پیغمبرؐ نے ان کا نام علی رکھا اور اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ٹپکایا اور زبان ان کے منہ میں دے دی جسے چوستے چوستے سو گئے جب دوسرا دن ہوا تو ہم نے دایہ تلاش کی مگر علی نے کسی کی چھاتی کی طرف منہ نہ بڑھایا۔ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یاد کیا آپ نے اپنی زبان علی کے منہ میں دے دی اور وہ میٹھی نیند سو گئے اور جب تک خدا نے چاہا ایسا ہی ہوتا رہا"

اگرچہ زمانہ رضاعت میں آپ ماں ہی کی گود میں پرورش پاتے تھے مگر اس نومود کی دیکھ بھال زیادہ تر پیغمبر اکرمؐ خود کرتے، اپنے ہاتھ سے نہلاتے دھلاتے، پہروں گود میں لئے رہتے، سوتے تو خود جھولا جھلاتے، جاگتے تو لوری دیتے۔ اور غیر معمولی محبت اور گرم جوشی کا اظہار کرتے۔ اور ماں باپ سے بڑھ کر نگرانی و تربیت میں حصہ لیتے۔ بلکہ چھ برس کے سن میں علی مستقل طور پر پیغمبر کی تربیت و کفالت میں آگئے اور ماں باپ دونوں ان کی طرف سے یکلخت بے فکر ہو گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر تربیت آنے کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ مکہ میں قحط پڑ گیا اور اس قحط سالی نے حضرت ابو طالب کی معاشی و اقتصادی حالت انتہائی کمزور کر دی اور ان کی محدود آمدنی سے وسیع کنبہ کی پرورش دشوار ہوگئی آنحضرت نے اپنے چچا کی ذمہ داریوں کو دیکھ کر محسوس کیا کہ انہیں ہمدردی و تعاون کی ضرورت ہے آپ نے اپنے چچا عباس سے کہا کہ ابو طالب عیالدار اور معاشی بحران میں گرفتار ہیں۔ وہ اپنی زبان سے تو کچھ کہیں گے نہیں اور نہ وہ تنگدستی کا شکوہ کرنے کے عادی ہیں۔ آپ کو اللہ نے بہت کچھ دیا ہے ہمیں مل جل کر ہاتھ بٹانا چاہیے۔ عباس نے اس سے اتفاق کیا اور دونوں مل کر ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ اس قحط سالی میں کثرت عیال کی وجہ سے پریشان حال ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آپ کا بوجھ ہلکا کر دیں اور آپ کے بچوں کی پرورش کا بار اٹھا لیں۔ ابو طالب نے کچھ پس و پیش کیا اور آخر بھائی اور بھتیجے کے اصرار پر کہا کہ عقیل کو میرے پاس رہنے دیں اور دوسرے بچوں کو اپنے ہاں لے جایئے چنانچہ عباس نے طالب کی کفالت کا بار اٹھا لیا اور جعفر حضرت حمزہ کے حصہ میں آئے اور آنحضرتؐ نے علی کا انتخاب کر لیا جو روز ازل سے انہی کے لئے منتخب ہو چکے تھے۔

حضرت علیؑ کے لئے یہ خشک سالی بہار تازہ کا پیغام اور تنگ دستی ایک نعمت عظمیٰ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور قحط کے تھپیڑوں میں انہیں دامن رحمت کے سایہ اور محیط وحی کی

آغوش میں پہنچا دیا۔

ابن جریر طبری نے اس واقعہ کو اس طرح سے لکھا ہے

کان من نعمت الله علي علي ابن ابی طالب و ما صنع الله و اراد به عن الخبر ان قریشاً اصابتهم ازمة شدیده " سیرۃ امیر المومنین ص 140 بحوالہ تاریخ طبری ج2 ص 57

"علی ابن ابی طالب پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام تھا کہ قریش شدید قحط کی زد میں آ گئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے علی کے لئے جس بہتری اور بھلائی کا ارادہ کیا تھا اسے پورا کیا۔

دنیا میں کون باپ اس طرح سے پالے پوسے گا جس طرح پیغمبرؐ نے پالا ۔انہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے پلاتے ،اپنے قریب سلاتے ،شب و روز نظروں کے سامنے رکھتے ،اور ان کی تمام ضروریات کا خود اہتمام کرتے حضرت علی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پرورش و تربیت کے بارے میں فرماتے ہیں

وضعنی فی حجره و انا ولد یضمنی الی صدره یکفنی الی فراشه و یمسنی جسده و یشمنی عرقه و کان لیمضغ الشئی ثم یلقمنیه' (نہج البلاغہ)

ترجمہ: میں بچہ ہی تھا کہ رسول اللہ نے مجھے گود میں لے لیا تھا۔اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھے بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے اور اپنے جسد پاک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے پہلے آپ کسی چیز کو چباتے پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے"

یہ تو تھی جسمانی تربیت مگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمام عالم کے اخلاق کے سنوارنے اور نکھانے کے لئے خلق ہوئے تھے کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ جسے وہ خصوصی طور پر آغوش تربیت میں لیں اس کی اخلاقی تعلیم و تربیت میں کوئی کمی اٹھا رکھیں گے؟ جب

کہ مربی ہونے کے اعتبار سے الگ اور معلم عالم ہونے کے اعتبار سے الگ ان پر اس کی دوسری ذمہ داری تھی کیا ان کی یہ کوشش نہ ہوگی کہ اس اپنے حسن تربیت کا شاہکار بنا کر پیش کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔اور آنحضرت نے علی کی جسمانی پرورش و پرداخت کے ساتھ ان کی طبعی استعداد اور ہمہ گیر صلاحیت کا جائزہ لے کر ذہنی و فکری نشو و نما بھی اور علمی و اخلاقی تربیت میں بھی غیر معمولی توجہ و انہاک سے کام لیا۔حضرت خود اس روحانی تربیت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

"کنت اتبعه الفصیل اثر امه یرفع لی فی کل یوم من اخلاقه علما و یامرنی بالاقتداء به" نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ

ترجمہ: میں رسول خدا کے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے"

اس تعلیم و تربیت نے آپکی شخصیت کو تعمیر اور سیرت کی تخلیق میں ایسا موثر کردار ادا کیا کہ آپ سیرت میں اخلاق میں اور علم و عمل میں پیغمبر اکرمؐ کا کامل ترین نمونہ اور ان کے اوصاف و کمالات کے نظیر اتم قرار پائے۔ان کی سیرت میں، سیرت نبوتی کی جھلک اور ان کے اخلاق میں، اخلاق نبوی کا پرتو نظر آتا تھا۔اور ایسا ہونا ہی چاہیے تھا۔کیونکہ ان کے لوح دل پر کسی سیرت کا نقش ابھرا تو وہ سیرت رسول تھی اور صفحہ قلب پر کسی کے حسن ماحول کی چھوٹ پڑی تو وہ پیغمبر کا عمل و کردار تھا غرض قدرت کے فیضان اور ایک قدسی ماحول کے اثرات و عوامل نے آپ کو غیر معمولی صفات و کمالات سے آراستہ کر دیا۔جب تربیت رسول ایسے فیاض فطرت، و معلم عالم انسانیت کی ہو تو علم و حکمت کا کون سا نقش دل و دماغ پر ابھرا نہ ہوگا۔اور حقیقت و عرفان کا کونسا گوشہ نگاہوں سے مخفی رہا ہوگا"۔

امیر المومنین نے اس علمی تربیت کو ایک موقع پر اس طرح بیان فرمایا" ھذا ما رزقنی رسول الله زقاًزقاً "میرے سینہ میں وہ علم ہے جو رسول اللہ نے مجھے اس طرح

بھرایا ہے جس طرح پرندہ اپنے بچہ کو دانہ بھراتا ہے''۔

حضرت کی یہ بیان کردہ تشبیہ اپنے اندر یہ معنویت و لطافت لئے ہوئے ہے کہ جس طرح پرندہ اپنے پوٹے میں جمع کی ہوئی غذا جوں کی توں اپنے بچے کے منہ میں منتقل کرتا ہے اسی طرح پیغمبر نے وہ تمام علوم ، وہ شریعت کے ہوں یا حکمت کے، قرآن کے ہوں یا سنت کے، اخلاق کے ہوں یا سیاست کے، ظاہر کے ہوں یا باطن کے، حاضر کے ہوں یا غیب کے، جوں کے توں ان کے سینہ میں منتقل کر دیئے ۔اور ان میں کوئی تغیر و تبدل اور ردوبدل نہیں ہوا۔اس تربیت علمی کی تکمیل کے بعد اعلم امتی کی سند دی اور انا مدینۃ العلم و علی بابھا ''میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں'' کا تمغہ جبین امامت پر آویزاں کیا ۔اور اس طرح اپنے علم تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا۔یعنی جس طرح شہر میں داخل ہونے کا ذریعہ دروازہ ہوتا ہے اسی طرح میرے علم تک رسائی کا ذریعہ علیؑ ہیں، علیؑ ہوں جن کا شجرہ علم علم نبوت سے بلاواسطہ ملتا ہے اور علم نبوت کا شجرہ علم خدا سے براہ راست ملتا ہے۔لہذا جو اس در سے بے خبر ہوگا وہ خدا اور رسول کی تعلیمات سے بے خبر رہے گا۔

ماخوذ از سیرت امیر المومنین ص 142,141

وحی کے آغاز کا حال

اگرچہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلی قرآنی وحی آنحضرت صلعم پر غار حرا میں چالیس سال کی عمر میں نازل ہوئی تھی ۔لیکن قرآنی وحی کے نازل ہونے سے پہلے بھی پیغمبرؐ پر وحی نازل ہوتی رہی ہے جیسا کہ مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں لکھا ہے کہ:۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا آغاز خواب میں رویائے صالحہ سے ہوا۔آپ جو رویا دیکھتے تھے وہ سپیدۂ سحر کی طرح (سچا ہوکر) نمودار ہوتا تھا۔ سیرۃ النبی جلد 3 ص 306

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اس بات کو ذرا

اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غار حرا میں تشریف لے جانے سے قبل ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرف سے "یا محمد" اور "یا رسول اللہ" کی آوازیں آیا کرتی تھیں اور نظر کوئی نہ آتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ نزول وحی سے قبل آپ نے اس قسم کی بہت سی آوازیں سماعت فرمائی تھیں۔ اور نظر کوئی بھی نہیں آتا تھا۔ سات سال تک آپ کو روشنی نظر آتی رہی۔ اور آپ اس روشنی کو دیکھنے سے مسرور ہوا کرتے تھے۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ظاہری روشنی تھی یا علم و معرفت اور علم و یقین، جس سے آپ کے قلب مبارک کو فرحت حاصل ہوتی تھی، آپ ہر شجر و حجر سے سلام کی آواز سنتے تھے۔ مدارج النبوۃ ص 45,44

مولانا شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں

"نبوت کا دیباچہ اگر چہ یہ تھا کہ خواب میں آپ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش آتا تھا۔ (سیرۃ النبی جلد 1 ص 202)

اور اسی صفحہ کے حاشیہ پر اس طرح لکھتے ہیں

"وحی کے انواع میں سے ایک خواب بھی ہے۔ صحیح بخاری کے شروع میں ہے

"اول ما بدء به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرويا ء الصالحه في النوم" حاشیہ سیرۃ النبی جلد 1 ص 202

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی جس چیز سے ابتداء ہوئی وہ نیند کی حالت میں رویائے صالحہ تھے۔

خواب میں فرشتوں کی آمد

مولانا شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں

"نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالت خواب میں فرشتے نظر آیا کرتے تھے۔صحیح بخاری میں ہے کہ آغاز وحی سے پہلے رویاء میں فرشتے آپ کے پاس آئے۔آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبہ کے احاطہ میں آرام فرمارہے تھے۔ایک فرشتہ نے پوچھا ان میں وہ کون ہے؟ بیچ والے نے جواب دیا۔ان میں سے جو سب سے بہتر ہے۔پچھلے نے کہا تو ان میں سے بہتر کو لے لو۔اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔

(سیرۃ النبی جلد 3 ص 528۔بحوالہ صحیح بخاری کتاب التوحید۔باب صفت النبیؐ)

پتھروں سے سلام کی آواز

مولانا شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھ کو نبوت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا۔میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔

سیرۃ النبی جلد 3 ص 528

بحوالہ صحیح مسلم کتاب الفضائل و مسند احمد حنبل جلد 5 ص 9

و مسند دارمی باب ما اکرم اللہ بہ نبیہ من ایمان شجر

درختوں اور پہاڑوں سے سلام کی آواز

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ:

"حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ اور درخت بھی سامنے آتا تھا اس سے السلام یا رسول اللہ کی آواز آتی ہے اور میں اس کو سن رہا تھا۔

سیرۃ النبی جلد 3 ص 530

بحوالہ جامع ترمذی ذکر معجزات

اور ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ کے باب 40 میں لکھتے ہیں کہ:

''ابن اسحاق نے کہا: عبدالملک بن عبداللہ (ابن ابی سفیان) ابن العلاء بن جاریہ الثقفی) نے جو خوب یاد رکھنے والے تھے۔ بعض اہل علم سے روایت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رفع حاجت کے لیے نکلتے تو باہر چلے جاتے یہاں تک کہ بستی سے دور ہو جاتے اور مکہ کی گھاٹیوں اور وادیوں کے اندر پہنچ جاتے جس پتھر اور درخت کے پاس سے آپ گذرتے وہ السلام علیک یا رسول اللہ کہا کرتا۔

راوی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے داہنے بائیں اور پیچھے توجہ فرماتے۔ درختوں اور پتھروں کے سوا کسی کو نہ دیکھتے۔ (غرض اس حالت پر آپ) اتنی مدت تک رہے جس مدت تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر رمضان کے مہینے میں بمقام حرا جبرائیل آئے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے آپ کے اعزاز واکرام کی وہ عظمت وشان والی چیز لائے جو سب جانتے تھے۔ ترجمہ سیرۃ ابن ہشام ص 260

بچپن سے ہی ایک عظیم المرتبت فرشتے کا ساتھ رہنا

اگر چہ مذکورہ سیرۃ نگاروں اور محدثین نے نبوت کی یا قران کی وحی سے سات پہلے یا دس سال پہلے فرشتے کی آمد کا ذکر کیا ہے لیکن حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ خدا نے بچپن سے ہی ایک عظیم فرشتے کو آپ کے ساتھ رکھا ہوا تھا آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

" ولقد قرن الله به صلى الله عليه وآله من لدن ان كان خطيماً اعظم ملک من الملائكة يسلک به طريق المكارم و محاسن اخلاق العالم ليله و نهار. ولقد كنت اتبع اتباع الفيصل اثر امه برفع لى فى كل يوم من اخلاقه علما و يامرنى بالاقتداء به ولقد كان يجاور فى كل سنة بحراء فاراله ولا يراه غيرى ولم يجمع بيت واحد يومئذ فى الاسلام غير

رسـول الـلـه صـلـى الله عليه وآله وخديجة وانا ثالثهما ارى نورالوحي و الرسالة و اشم ريح النبوة ۔

ولقد سمعت رنة الشيطان حين نزل الوحي عليه صلى الله عليه وآله فقلت يا رسول الله ماهذا لرنة ؟ فقال هذا الشيطان اليس من عبادته ، انک تسمع ما اسمع و ترى ما ارى الا انک لست بنبئي ولکنک وزير "

نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ ص 510,509

ترجمہ: اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت سے ہی فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا اور میں ان کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لیے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال غار حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے او وہاں میرے علاوہ کوئی انہیں نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام المومنین خدیجہؓ کے علاوہ کسی گھر کی چاردیواری میں اسلام نہ تھا۔ البتہ تیسرا ان میں میں تھا۔ میں وحی رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔

جب آپ پر پہلی وحی (قرآنی) نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی جس پر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ آواز کیسی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا ہے (اے علی) جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وزیر ہو اور جانشین ہو۔

کیا پہلی وحی میں نبوت و رسالت کے ملنے کا بیان ہے؟

قرآنی وحی کے آغاز کے حال میں سیرۃ نگاروں نے جو کچھ لکھا ہے اور اس میں

نبوت ورسالت کے الفاظ جس طریقہ سے استعمال ہوئے ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان حضرات نے غار حرا میں چالیس سال کی عمر میں اقرا باسم ربک کی قرآنی وحی کے نزول کو نبوت کا ملنا سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ نبوت یا نبی ہونا اور بات ہے۔ قرآنی وحی کے نزول سے پہلے وحی کا ہونا اور بات ہے۔ قرآنی وحی کا ہونا اور بات ہے اور نبوت کا اظہار کرنا اور بات ہے اور کار رسالت انجام دینے کا حکم ہونا دوسری بات ہے۔

پیغمبر اکرمؐ شروع دن سے نبی تھے اور قرآنی وحی کے نازل ہونے سے پہلے عظیم المرتبت فرشتے کا ساتھ رہنا اور خواب میں فرشتوں کا آنا۔ حالات کا منکشف ہونا، آپ کے اجلنے کا تقاضا ہے اور نبوت وکار رسالت انجام دینے کے لئے قدرت کی طرف سے آپ کی تربیت کے لئے ہے۔ قرآنی وحی کا آغاز نبوت کا ملنا نہیں ہے بلکہ صرف قرآن کے نزول کی ابتداء ہے کوئی تاریخ یا سیرۃ یا حدیث کی کتاب یہ نہیں کہتی کہ پیغمبر اکرم نے اقراء باسم ربک کی قرآنی وحی کی پانچ آیات سننے کے بعد کسی سے یہ کہا کہ مجھے خدا نے نبی بنایا ہے کیونکہ نبی تو پہلے سے ہی تھے مگر اظہار اور اعلان کی اجازت نہ تھی اور ان پانچوں آیات میں سے ایک بھی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ظاہر اور ثابت ہو کہ پیغمبر کو ان میں نبی بنانے کا بیان ہوا ہے یا اعلان نبوت یا اظہار نبوت کا بیان یا حکم ہوا ہے، البتہ جب آپ نے جبرائیل کی آمد کی خبر حضرت خدیجہؑ کو سنائی تو انھوں نے یہ کہا کہ مجھے امید ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے اور جب حضرت خدیجہ نے ورقہ بن نوفل کو جا کر یہ خبر سنائی تو انھوں نے بھی یہی کہا کہ مجھے امید ہے کہ یہ اس امت کے نبی ہوں گے اور جب ورقہ بن نوفل نے حضور کو طواف کرتے ہوئے دیکھا اور خدیجہؑ کے بیان کی تصدیق چاہی اور آپ نے تصدیق کی تو اس نے بھی حضور سے یہی کہا کہ مجھے امید ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے نازل ہونے کا آغاز ہونے کے باوجود حضورؐ نے اپنی زبان مبارک سے یہ نہیں فرمایا کہ میں نبی ہوں یا خدا نے مجھے نبی بنایا ہے اس سلسلہ میں شیخ

عبدالحق محدث دہلوی نے بالکل صحیح لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

"بعض محققین کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت آپ کی رسالت پر مقدم ہے اس لئے کہ محدثین کے مذہب کے مطابق نبوت میں تبلیغ اور دعوت شرط نہیں ہے۔ اور وحی کا نزول تکمیل نفس کے لئے ہوتا ہے جس طرح سورۃ اقراء نفس کی تکمیل و تعلیم کے لیے نازل ہوئی اور یہ نبوت ہے اور اس کے بعد یا ایھا المدثر قم فانذر تبلیغ دعوت کے لیے ہے یہ رسالت ہے"۔ مدارج النبوۃ ص 46

دراصل اس قرآنی وحی میں پیغمبر کو صرف یہ تلقین کی گئی ہے کہ قرآنی وحی چونکہ پڑھنے کے لئے ہوگی لہذا اس کے لکھوانے کا اہتمام کریں اور قرآنی وحی کو لکھوانے کی افادیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ علوم کا اسلاف سے اخلاف تک پہنچنا قلم کے ذریعہ یعنی تحریر میں لانے کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ چونکہ یہ کتاب ہدایت ہے اور رقیامت تک آنے والے انسانوں کے پڑھنے، اس سے ہدایت حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ہے لہذا اس کے ساتھ ساتھ لکھوانے کا بندوبست کیا جائے اس وحی کے بعد اور کوئی قرآنی وحی نہ آئی بلکہ تین سال کا فترت کا زمانہ گذرنے کے بعد سورہ الضحیٰ میں فاما بنعمة ربک فحدث کے ذریعے اس بات کا حکم دیا گیا اب تم اپنی نبوت کا اظہار کردو اور حضرت خدیجہؑ کو بتادو کہ میں نبی ہوں یہ صرف نبوت کا اظہار تھا لیکن کار رسالت وانذ عشیرتک الاقربین کے حکم کے بعد شروع ہوا۔ اسی لئے بہت سے مورخین ومحدثین اور شیعہ سیرت نگاروں نے اعلان رسالت کی تاریخ 27 رجب المرجب لکھی ہے اور یہ اتفاق کی بات ہے کہ آپ کی معراج کی تاریخ بھی 27 رجب المرجب ہی ہے۔ اسی لئے تمام اہل تشیع 27 رجب کو روز بعثت رسول کے طور پر مناتے ہیں اور سارے مسلمان معراج کے لئے بھی مناتے ہیں حالانکہ قرآن کی یہ پہلی وحی یعنی "اقراء باسم ربک" ماہ رمضان میں شب ہائے قدر میں نازل ہوئی پس پیغمبر نبی تو پیدائش کے وقت سے ہی نبی تھے

لیکن اظہار واعلان کی اجازت نہ تھی۔اظہار کی اجازت ''فاما بنعمہ ربک فحدث''
کے حکم کے بعد ہوئی اور وانذر عشیرتک الاقربین کے حکم کے ذریعہ مبعوث بہ سالت
ہوئے۔

غار حرا میں عبادت کا بیان

مولانا شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ ''مکہ معظّمہ سے تین میل پر ایک غار تھا
جس کو حرا کہتے ہیں۔آپ مہینوں وہاں جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے کھانے پینے کا
سامان لے جاتے وہ ختم ہو چکتا تو پھر گھر تشریف لاتے اور پھر واپس جا کر مراقبہ میں مصروف
ہوتے۔صحیح بخاری میں ہے کہ غار حرا میں آپ تحنث یعنی عبادت کیا کرتے تھے

سیرۃ النبی جلد 1 ص 201
بحوالہ صحیح بخاری

سورۃ اقراء کا نزول

مولانا شبلی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں

''ایک دن جبکہ آپ حسب معمول غار حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے فرشتہ غیب
نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے '' اقرا باسم ربک الذی خلق . خلق الانسان من
علق . اقراء و ربک الاکرم الذی علم بالقلم . علم الانسان مالم یعلم''
پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا
کیا۔پڑھ، تیرا خدا کریم ہے وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے سکھایا، جس نے انسان کو
وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہیں تھیں'' آپ گھر تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز
تھے۔

سیرۃ النبی جلد 1 ص 202

سورہ اقراء کا نزول اعلان نبوت کے لئے نہیں تھا۔

سورۃ اقراء کی ان پہلی پانچوں آیتوں میں ''اقرا باسم ربک'' سے لے کر ''مالم یعلم'' تک ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ ہم نے تمہیں آج سے نبی بنا دیا ہے یا تم اپنی نبوت کا اعلان کر دو۔ یا لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے خدا نے نبی بنایا ہے اور تمہاری ہدایت پر مجھے مامور کیا ہے لہذا تم خدا پر اور میری نبوت پر ایمان لے آؤ۔ لیکن اکثر سیرت نگاروں نے سورہ اقراء کی ان پانچوں آیات کو نبوت کا ملنا سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ بات وہی صحیح ہے جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کہی ہے کہ

''محدثین کے مذہب کے مطابق نبوت میں تبلیغ اور دعوت شرط نہیں ہے اور وحی کا نزول تکمیل نفس کے لئے ہوتا ہے۔ جس طرح اقراء نفس کی تکمیل و تعلیم کے لئے نازل ہوئی ہے اور یہ نبوت ہے۔ اور کے بعد جو یا ایھا المدثر قم فانذر (تبلیغ دعوت کے لئے ہے) یہ رسالت ہے۔

پس شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر محدثین کے نزدیک وحی کا نزول تکمیل نفس کے لئے ہوتا ہے۔ جو پیغمبر کے اوپر وحی قرآنی سے پہلے بھی ہوتی رہی تھی اور'' اقراء باسم ربک'' کی قرآنی وحی بھی نبی کے نفس کی تکمیل و تعلیم کے لئے اور اس کے بعد بھی دونوں کی قسم کی وحی ہوتی رہی ہے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے جو وحی ہوتی رہی وہ قرآن کا حصہ نہیں تھا۔ وہ صرف آپ کے نفس کی تکمیل و تعلیم کے لئے تھا لیکن اقراء باسم ربک کے بعد دونوں قسم کی وحی ہوتی رہی۔ وہ بھی جو قرآن کا حصہ تھا اور وہ بھی جو قرآن کا حصہ نہیں تھا۔ وہ صرف آپ کی ہدایت، نفس کی تکمیل و تعلیم، کسی امر کی اطلاع اور آگاہی بخشنے کے لیے ہوتا تھا۔ اور وہ وحی جو قرآن کا حصہ ہوتا تھا وہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ہدایت، تلاوت اور پڑھنے کے لئے

ہوتا تھا اور سورۃ اقراء کی مذکورہ پانچوں آیات کے بیان میں غور و خوض کرنے سے اصل حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے ارشاد ہوتا ہے:۔

"اقراء باسم ربک الذی خلق"

"اپنے رب کے نام سے جس نے کائنات کو پیدا کیا پڑھ"

بعض مفسرین باسم کی "ب" کو زائد قرار دیا ہے ان کے نزدیک یہ اقرا اسم ربک ہے یعنی اپنے رب کا نام پڑھ۔ بہر حال دونوں معنی صحیح ہیں لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اس آیت میں خدا نے "باسم ربک" کہا ہے "باسم اللہ" نہیں کہا ہے جو "الذی خلق" کے تعلق سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو ہستی ساری کائنات کی خالق ہے وہی انسان کی خالق ہے وہی ساری کائنات کا ادارہ کرنے والا اور اس کا نظام چلانے والا ہے اور کار ہدایت اس کی ربوبی سے متعلق ہے اور کائنات کا خلق کرنا بھی اس کی ربوبیت سے متعلق ہے۔ اور انسان بھی اسی کائنات کا ایک حصہ ہے لہذا فرمایا۔ "خلق الانسان من علق"

اس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔

پھر مزید تاکید کے کہا "اقراوربک الاکرم" پڑھئے تمہارا پروردگار بڑا کریم اور عالی شان والا ہے۔ "الذی علم بالقلم"

وہی کہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے تعلیم دی اور سکھایا۔

اس آیت میں علم اور تعلیم کے لئے قلم کی اہمیت بیان کی ہے اور واقعاً اگر قلم نہ ہوتا تو ہم تک وہ علوم منتقل نہ ہو سکتے جو ہزاروں سال پہلے وجود میں آئے۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ لفظ "اقراء" سے اس وحی کا آغاز ہو چکا ہے جو قیامت تک پڑھی جائیگی لہذا اس وحی کو جو قرآنی آیات پر مشتمل اور قیامت تک پڑھے جانے کے لئے ہو قلم کے ذریعہ احاطہ تحریر میں لانا ہے تا کہ قیامت تک انسان کی ہدایت کے لئے وہ مشعل راہ بن سکے اس نے قلم کے ذریعہ ہی وہ باتیں سکھائی ہیں جو اسے معلوم نہیں تھیں۔ لہذا اب وہ وحی

جو پڑھے جانے کے لئے ہے اسے تحریر کراتے جاؤ تا کہ وہ لوگوں کے پڑھنے کے کام آسکے اور وہ اس کے ذریعہ ہدایت پا سکیں۔

یہ پانچوں آیات آنحضرت کے لئے ایک دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہیں یعنی آپ نے قرآنی وحی کے لکھوانے کا بندوبست کرنا ہے لہذا ان آیات کا تقاضا یہ ہے کہ پیغمبر نے اپنی زندگی میں قرآن کو کاملاً لکھوا کر جمع کرا دیا تھا۔اور کاتبان وحی کے پاس پیغمبر کی املاء کے ساتھ کاملاً جمع کیا ہوا موجود تھا۔اور بعد میں جمع کروانے والی روایات حکمرانوں کو کریڈٹ دینے کے لئے صرف افسانے ہیں۔

یہ تمام باتیں اس بات کا پتہ دے رہی ہیں کہ اب آنحضرتؐ کے لئے رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے خصوصی تربیت کا اہتمام کیا جارہا ہے اور قرآنی وحی کو لکھوانا رسالت کی ذمہ داریوں میں اولین ذمہ داری ہے۔اور اس کے بعد رسالت کی دوسری ذمہ داریوں کے بارے میں تربیت دینے کے لئے ان پانچوں آیات کے نزول کے بعد قرآنی وحی کا سلسلہ بند کر دیا گیا اور تین سال تک مکمل طور پر بند رہا اور زمانہ کو محدثین اور تمام سیرت نگاروں نے فترت کا نام دیا ہے یعنی وہ زمانہ جس میں قرآن کی وحی نہیں ہوتی۔

فترت وحی کا زمانہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ "مفسرین و محققین کہتے ہیں کہ فترت وحی کی مدت تین سال ہے۔یعنی اقراء...الخ کی پہلی وحی کے بعد تین سال کی مدت تک وحی کا نزول نہیں ہوا۔

ابن اسحق نے مواھب الدنیہ میں کہا ہے کہ امام احمد نے تاریخ شعبی میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر اکتالیس سال کی تھی کہ وحی کا سلسلہ رک گیا اور تین سال تک آپ کی نبوت کو اسرافیل سے قریب کر دیا گیا۔وہ آپ کو اسرار نبوت تعلیم

فرماتے رہے اور اس مدت میں قرآن سے کوئی آیت نازل نہیں ہوئی جس کو حضرت اسرافیل اپنی زبان سے ادا کرتے۔

جب آپ کی عمر شریف چوالیس سال کی ہوئی (یعنی تین سال کی فترت کے بعد)تو آپ کی نبوت کی تعلیم جبرائیل کے سپرد کردی گئی پس آپ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا اور یہ سلسلہ بیس سال تک جاری رہا" مدارج النبوۃ ص 45

پیغمبرؐ نے کسی کو زمانہ فترت میں اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت نہیں دی

اس بارے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ تین سال تک وحی قرآنی رکی رہی اور اس عرصہ میں آپ کی تکمیل نفس اور رسالت کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے تیار کیا جاتا رہا اور قرآن کی پہلی وحی میں کوئی ایسا حکم نہیں تھا کہ تم اپنی نبوت کا اعلان کردو یا میری توحید کا ہی پرچار کرو لہذا اس مدت میں کسی کو یہ کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آنحضرتؐ نے کسی سے یہ کہا ہو کہ میں نبی ہوں یا میری نبوت پر ایمان لے آؤ۔ حتیٰ کہ اس زمانہ میں خود حضرت خدیجہؑ اور حضرت علیؑ کو بھی اس قسم کی دعوت نہیں دی۔ البتہ جب کوئی نئی بات ظاہر ہوتی تھی تو گھر آکر ایک واقعہ کے طور پر ضرور بیان کرتے تھے یا حضرت علی جو آپ کے ساتھ رہتے تھے اس واقعہ کے عینی شاہد ہوتے تھے لہذا عقیدت سے قطع نظر ظاہری حالات میں بھی حضرت خدیجہؑ بھی اور حضرت علیؑ بھی پیغمبر کی دعوت کے بغیر یہ جان چکے تھے کہ یہ نبی ہیں یا نبی ہونے والے ہیں۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ نے غار حرا میں سورہ اقراء کی پانچ آیتوں کے نازل ہونے اور جبرائیل کے آنے کو بیان کیا تو وہ فوراً پکار اٹھیں کہ "مجھے یقین ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہیں' طبری نے اس واقع کو اس طرح نقل کیا ہے۔

قرآنی وحی کے نزول کے بعد خدیجہؑ سے بیان کرنا اوران کا جواب

ابن جریر طبری نے اس واقعہ کو اس طرح سے بیان کیا ہے۔

"فقالت خدیجة البشر یا بن عم واثبت فوالذی نفس خدیجة بیده انی لارجو ان تکون نبی ھذہ الامة ثم قامت مجمعت علیھا ثیابھاثم انطلقت الی ورقة بن نوفل بن اسد و ھو ابن عمھا و کان ورقة قد تنصرا وقراء الکتاب واسمع من اھل التوراة والانجیل فاخبر نه مما اخبرھا به رسول اللہ صلعم انه رای وسمع فقال ورقة قدوس قدوس والذی نفس ورق بیده لئن کنت صدقتنی یا خدیجة لقد جاء ہ الناموس الاکبر ......بالناس جبرئل علیه السلام الذی کان یاتی موسیٰ و انه لنبی ھذا الامة فقولی له فلیثبت فرجعت خدیجة الی رسول اللہ صلعم فاخبرته بقول ورقة" اسوۃ الرسول جلد 2 ص 171

بحوالہ تاریخ طبری ص 1151 طبع جرمن

ترجمہ: آنحضرتؐ سے نزول وحی کا حال سن کر خدیجہ نے کہا یا ابن عم آپ کو بشارت ہو آپ نے جو کچھ کہا وہ سب صحیح و ثابت ہے اور اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں خدیجہ کی جان ہے مجھ کو یقین ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہیں۔ یہ کہہ کر خدیجہؑ اٹھ کھڑی ہوئیں اپنے کپڑے پہنے۔ اور اپنے برادر عم زاد ورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس آئیں۔ ورقہ عیسائی طریق کے آدمی تھے۔ عیسائی علماء سے علم توریت و انجیل حاصل کر چکے تھے۔ جب خدیجہ نے ورقہ سے وہ خبریں بیان کیں جو رسول اللہ صلعم سے سن کر آئی تھیں اور ورقہ نے ان کو سن

لیا اوران پر غور کیا تو پکار اٹھا قدوس، قدوس ۔اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ورقہ کی جان ہے اگر یہ سچ ہے جو کچھ تم نے کہا ہے تو اے خدیجہ، وہ ناموس اکبر یعنی جبرائیل علیہ السلام ہیں یہ وہی ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا اور تحقیق کہ وہ (آنحضرت صلعم) اس امت کے نبی ہیں ۔میری طرف سے لے جاکر ان سے کہہ دو کہ وہ اپنے مدعا پر ثابت قدم رہیں ۔یہ سن کر جناب خدیجہ وہاں سے واپس آئیں اور جو کچھ ورقہ نے کہا تھا سب آکر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کردیا۔

اور سیرۃ ابن ہشام میں پیغمبرؐ کے حضرت خدیجہ سے واقعہ بیان کرنے اور ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کے بارے میں اس طرح لکھا ہے

''پھر میں نے ان سے وہ چیز بیان کی جو میں نے دیکھی تھی تو انھوں نے کہا اے میرے چچا کے فرزند خوش ہوجایئے اور ثابت قدمی اختیار فرمایئے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے بے شک میں اس بات کی امید رکھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے''۔ سیرۃ ابن ہشام ص 263,262

تاریخ طبری اور سیرۃ ابن ہشام کی مذکورہ عبارتوں سے واضح طور پر ثابت ہے کہ پیغمبر نے حضرت خدیجہ کو جو کچھ واقعہ پیش آیا تھا صرف وہی سنایا تھا اورانہیں ہرگز یہ نہیں کہا تھا کہ خدا نے مجھے نبی بنایا ہے یا میں نبی ہوں ۔یا تم میری نبوت پر ایمان لے آؤ۔اگر آنحضرتؐ حضرت خدیجہ سے یہ بات کہتے تو پھر نہ تو حضرت خدیجہ ورقہ بن نوفل کے پاس جاتیں اور نہ وہ یہ کہتیں کہ ''بیشک میں اس بات کی امید رکھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے'' بلکہ اس موقع پر فوراً یہ فرماتی کہ میں آپ پر ایمان لاتی ہوں۔

ورقہ بن نوفل کا بیان

سیرۃ ابن ہشام میں ورقہ کا بیان اس طرح سے لکھا ہے ''پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں

کپڑے پہن لئے اور ورقہ بن نوفل بن اسعد بن عبدالعزیٰ بن قصی کی جانب چلی گئیں جوان کے چچیرے بھائی تھے۔ورقہ نے دین نصرانی اختیار کر رکھا تھا، کتابیں پڑھی تھیں اور توریت وانجیل والوں کی باتیں سنتے رہتے تھے۔پھر جناب خدیجہ نے ان سے وہ سب باتیں بیان کیں جن کے دیکھنے اور سننے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔تو ورقہ نے کہا۔قدوس،قدوس۔پاک ہے پاک ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ورقہ کی جان ہے اے خدیجہ اگر تو نے مجھ سے سچ کہا ہے تو ناموس اکبر جو موسیٰ کے پاس آتا تھا وہ ان کے پاس آپہنچا اور بے شک وہ اس امت کے نبی ہیں۔ سیرۃ ابن ہشام ص 264

نہ تو تاریخ طبری کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے اور نہ ہی سیرۃ ابن ہشام کی عبارت سے کہ جناب خدیجہ تصدیق رسالت کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بغرض تصدیق رسالت ورقہ بن نوفل کے پاس گئے۔لیکن ہر واقعہ میں توہین رسالت کا پہلو نکالا گیا اور ایسی ایسی روایتیں گھڑی گئیں جس سے یہ ثابت ہو کہ پیغمبر ایک عام آدمی سے بھی گئے گذرے تھے۔ہمیں ان واہیات وخرافات کو لکھنے کی ضرورت نہیں ہے جو مشکوۃ،صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کتب احادیث میں لکھی گئی ہیں۔ہم یہاں پر صرف مولانا شبلی صاحب کا ایک ہلکا سا فقرہ نقل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

''آپ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ سیرۃ النبی جلد 1 ص 202

نہ تو شبلی صاحب کو خبر ہے اور نہ ان کے آئمہ حدیث کو کہ ورقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کب اور کہاں ہوئی اور اگر خبر ہے تو پھر کیا خاص غرض کے تحت اس سے روگردانی کر کے اپنی طرف سے باتیں گھڑنے میں لگے رہتے ہیں کیونکہ وہی تاریخ ثابت کرتی ہے کہ نزول وحی قرآنی کے بعد جب اس نعمت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے آپ خانہ

کعبہ میں تشریف لے گئے تو وہاں ورقہ سے ملاقات ہوئی اور جس تقدیس اور عظمت سے ورقہ نے آپ کی تعظیم وتکریم کی وہ تاریخ طبری کی درج ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

" فانصرف رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم الی لکعبة وفطاف بهافلقبه ورقه بن نوفل و هو یطوف بالبیت فقال یا بن عم اخبر بما رایت او سمعت فاخبره رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم فقال له ورقه والذی نفس و رقه بیده انک لنبئی هذه الامة ولقد جاء ک ال ناموس الاکبر الذی جاء انی موسیٰ ولتکذبة و لتوذینه و لنخرجنه ولتقاتلنه الئن ادرکت ذالا انصرن نصراً بعلمه تثم ادنیٰ راسه فقبل ما فوقه"

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 172

بحوالہ طبری ص 1152 طبع جرمن

ترجمہ: جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں طواف کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے، ورقہ آپ کو طواف میں مشغول دیکھ کر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اے میرے بھتیجے تم نے کیا چیزیں مشاہدہ کی ہیں یا سنی ہیں مجھے بتلاؤ۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام باتیں انہیں بتلا دیں۔ ورقہ سن کر کہنے لگے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں ورقہ کی جان ہے۔ یقیناً آپ اس امت کے نبی ہیں اور بیشک تم پر وہی ناموس اکبر نازل ہوا ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ لوگ تمہاری تکذیب کریں گے تمہیں ایذا دیں گے۔ خارج از بلد کریں گے اور تمہارے ساتھ جنگ وقتال کریں گے اگر میں اس زمانہ تک زندہ رہا تو اللہ کی ویسی مدد کروں گا جس سے وہ خود واقف ہے پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر اپنے قریب کر کے اس کے اوپر بوسہ دیا۔

پیغمبر کو تصدیق کے لئے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں تھی

یہ مشاہدہ تاریخی صاف صاف بتلا رہا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ورقہ کے پاس گئے اور نہ کوئی اور آپ کو ان کے پاس لے کر گیا بلکہ نزول جبرائیل کے بعد واقعہ کو حضرت خدیجہؑ سے بیان کر کے جب آپ حسب معمول خانہ کعبہ کے طواف کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں آپ کو ورقہ ملے اور جو کچھ ان سے گفتگو ہوئی وہ طبری کی زبانی اوپر نقل کر دی گئی ہے قریب قریب تمام تاریخوں کا اس بات پر اتفاق ہے اور حقیقتاً واقعہ بھی یہی ہے اور اتنا ہی ہے باقی سب کی پیغمبر کی ذات ان کی حیثیت اور ان کی شخصیت کو گرانے کے لیے بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے گھڑی ہوئی حدیثوں کا طومار ہے اور زیادہ تر ان گھڑی ہوئی حدیثوں کو دیکھ کر ہی غیر مسلم دشمنان دین۔ دشمنان خدا و رسول اور دشمنان اسلام نے پیغمبر گرامی اسلام کی شان میں گستاخیاں کی ہیں جن کے اصل بانی بنی امیہ کے حکمران تھے جنہیں بنی ہاشم میں نبوت کا جانا ہرگز گوارا نہیں تھا۔

معتبر تاریخیں شاہد ہیں کہ پیغمبر گرامی اسلام کو نہ تو کوئی ورقہ کے پاس لے گیا اور نہ پیغمبر کو ورقہ کے پاس جانے کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم لدنیہ کے ذریعہ سے اپنی نبوت و رسالت کا بہ نفس نفیس خود پختہ علم اور یقین کامل تھا اور کسی کی تصدیق و توثیق کی مطلق ضرورت نہیں تھی مگر ابھی پیغمبرؐ کو اپنی نبوت و رسالت کا اپنی زبان مبارک سے اظہار کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔

ورقہ کا آنحضرتؐ کے اعلان نبوت سے پہلے انتقال ہو گیا تھا

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

ورقہ بن نوفل کا نام آغاز وحی کے ضمن میں ابھی گذرا ہے ۔ یہ حضرت خدیجہ کے رشتہ دار تھے اور اسلام سے پہلے سچے عیسائی ہو گئے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ سے نزول جبرائیل کا حال سنا تو انھوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور کہا کہ اگر میں زندہ رہا تو اس وقت جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی میں آپ کی پوری مدد کروں گا ۔ حضرت خدیجہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ورقہ جنت میں گیا یا دوزخ میں ۔ انھوں نے آپ کی تصدیق کی تھی لیکن آپ کے ظہور سے پہلے مر گئے ۔ فرمایا مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے کہ وہ سفید کپڑے پہنے ہیں ۔ اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کے جسم پر یہ لباس نہ ہوتا ۔ سیرۃ النبی جلد 2 ص 332

بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الرویا ترمذی کتاب الرویاء

ومسند احمد بن حنبل

شبلی صاحب نے چونکہ اقراء کی پانچ آیتوں کے نزول کو آپ کا مبعوث ہونا سمجھ لیا ہے لہذا اس کو یہ لکھا کہ جب آنحضرتؐ کی بعثت ہوئی لیکن یہ لکھ کر ورقہ آپ کے ظہور سے پہلے مر گئے اپنے اوپر کے بیان کو رد کر دیا ۔ کیونکہ آپ نے اپنی نبوت کا اظہار زمانہ فترت کے خاتمہ پر تین سال کے بعد **فامہ بنعمۃ ربک فحدث** کے نازل ہونے کے بعد حضرت خدیجہ پر کیا ۔ اور آپ مبعوث برسالت وانذر عشیرتک الاقربین کے حکم کے ذریعے ہوئے جہاں تک نبی ہونے کا تعلق ہے تو وہ آپ پہلے سے نبی تھے آمنہ بنت اسد کو معلوم تھا کہ آپ سید الانبیاء ہیں حضرت عبدالمطلب کو معلوم تھا کہ میرا یہ پوتا سید الانبیاء ہیں ۔ حضرت ابو طالب کو معلوم تھا کہ میرا یہ بھتیجا سید الانبیاء ہے ۔ راھب بحیرا کو معلوم تھا کہ آنحضرت سید الانبیاء ہیں ۔ اور حضرت خدیجہؓ اور حضرت علی ساتھ رہتے ہوئے آثار و حالات سے اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ نبی ہیں پس نبی تو آپ پیدائشی طور پر تھے لیکن رسالت کے فرائض انجام دینے کے لئے 27 رجب المرجب کو وانذر عشیرتک الاقربین کے

حکم کے ذریعہ مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ اور شبلی صاحب کو اس مذکورہ بیان سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے صرف جبرائیل کے آنے اور سورہ اقراء کی پہلی پانچ آیتیں لانے کا ذکر کیا تھا۔ اور اس وقت اپنی نبوت کا اظہار نہیں کیا تھا اور نہ ہی انہیں اس وقت اپنی نبوت کا اظہار کرنے یا کسی کو دعوت اسلام دینے کا حکم ہوا تھا۔ یہ حکم کب ہوا اس کا بیان ہم آگے چل کر کریں گے۔

سورہ اقراء کی پانچوں آیتوں کے نزول کا مضحکہ خیز بیان

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ پہلی وحی قرآنی کے نازل ہونے سے کئی سال پہلے غار حرا میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے۔ کہ ایک دن رمضان کے مہینے میں جبرائیل نازل ہوئے اور سورہ اقراء کی پانچ آیتوں کی حضور کے سامنے تلاوت کی جس کا معنی ومفہوم ہم گذشتہ اوراق میں لکھ آئے ہیں لیکن بنی امیہ کے حکمرانوں نے اس واقعہ کو بھی ایسا رنگ دیا کہ کوئی نادان سے نادان بچہ بھی ایسا نہ کرتا ہوگا۔

ہم نے تو کوئی نادان سے نادان بچہ بھی ایسا نہیں دیکھا کہ اسے اس کے والدین نے پہلی مرتبہ نرسری سکول میں پڑھنے کے لیے بٹھایا ہو اور اس کے استاد نے جب اس بچے کو پڑھانا شروع کیا اور یہ کہا کہ پڑھو! بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الف۔ ب تو اس بچے نے استاد کو یہ کہتے ہی کہ پڑھو! یہ کہا ہو کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہو۔ مگر جب قدرت نے اپنے پیغمبر کو قرآن کے پڑھانے کا آغاز کیا تو اس وقت پیغمبر نے ایسا مضحکہ خیز طرز عمل اختیار کیا کہ اس نادان بچے کو بھی ہنسی آجائے اس واقعہ کو جس طرح سے رنگ دیا گیا ہے اس کو ہم شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی سے نقل کرتے ہیں۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ

"ایک پیغمبر کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں جبرائیل کی سب سے پہلی آمد اس وقت ہوئی جب آپ غار حرا میں معتکف تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت

عائشہ کی زبانی یہ واقعہ ان الفاظ میں ادا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا آغاز خواب میں رویائے صالحہ سے ہوا۔ آپ جو رویاء دیکھتے تھے وہ سپیدہ سحری کی طرح (سچا ہوکر) نمودار ہوتا تھا۔ پھر (طبیعت مبارک میں) تخلیہ پسندیدہ کیا گیا۔ غار حرا میں جا کر آپ تنہا کچھ دن بسر کرتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے۔ جب سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آتے اور پھر نیا سامان لے کر غار میں چلے جاتے یہاں تک کہ حق آپ کے سامنے آ گیا اور وہ فرشتہ آپ کے سامنے آ گیا اور اس نے کہا ''پڑھ'' آپ نے فرمایا، میں پڑھا نہیں ہوں'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجھ کر پکڑ کر اتنا دبا دیا کہ وہ تھک گیا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ ''پڑھ'' میں نے پھر وہی جواب دیا اس نے مجھے اتنا دبا دیا کہ وہ تھک گیا اور چھوڑ دیا اور کہا کہ ''پڑھ'' میں نے پھر کہا میں پڑھا نہیں ہوں اس نے تیسری دفعہ دبایا اور کہا:

"اقراء باسم ربک الذی خلق ۔ خلق الانسان من علق ۔ اقراء و ربک الاکرم ۔ الذی علم بالقلم ۔ علم الانسان مالم یعلم "

اپنے پروردگار کے نام پڑھ۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا بزرگ ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ تعلیم کیا جو نہیں جانتا تھا۔ سیرۃ النبی جلد 3 ص 307,306

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرائیل کہہ کہہ کر اور دبا دبا کر اور بھینچ بھینچ کر تھک گئے اور پھر بھی نہ پڑھا اور تین دفعہ کہہ کر جب تھک گئے تو آخر کار پانچوں آیتیں اپنے آپ خود ہی پڑھ کر چلتے بنے اگر پہلے ہی اس طرح تلاوت کر کے یا پڑھ کر چلے جاتے جیسے بعد میں تھک تھکا کر خود ہی پڑھ کر چلے گئے تو دبا دبا کر تھکنے کی نوبت تو نہ آتی واہ واہ کیا کہنے ہیں؟ جبرائیل نے اتنا بھینچا، اتنا بھینچا کہ خود تھک گئے اور پھر بھی نہ پڑھا سکے اور پیغمبرؐ یہی کہتے رہے کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں حالانکہ جبرئیل خدا کی طرف سے پیغمبرؐ کو پڑھانے

ہی تو آئے تھے۔ کس طرح سے لوگوں کو بے وقوف بنایا گیا ہے کیونکہ جب کوئی پڑھانے والا کسی ایسے شخص کو جو پڑھا ہوا نہیں ہے پڑھانا شروع کرتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ پڑھ تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں ان لوگوں نے پیغمبر کو اتنا نادان سمجھ لیا ہے کہ نرسری سکول میں داخل ہونیوالا بچہ بھی اتنا نافہم اور کم سمجھ نہ ہوگا۔ حالانکہ یہ پہلا قرآنی سبق تھا جو خدا نے جبرائیل کے ذریعہ بذریعہ وحی دیا تھا۔

یہ ہیں بنی امیہ کے حکمرانوں کی گلکاریاں اور لکھی ہوئی ہیں۔ صحیح بخاری میں پھر پیغمبر گرامی اسلام پر پھبتیاں کسنے کے لئے دشمنان اسلام کو کہیں اور جانے کی کیا ضرورت ہے؟۔ بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے گھڑی ہوئی یہ روایتیں انہیں احادیث کی کتابوں میں لکھی ہوئی مل جاتی ہیں۔

یہاں پر ایک بات عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس روایت کی راویہ حضرت عائشہ کو بیان کیا گیا ہے جو بالاتفاق اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں ۔ بلکہ سورہ اقراء کی مذکورہ پانچوں آیتوں کے نازل ہونے کے تقریباً پانچ سال بعد پیدا ہوئی تھیں ۔ لہذا جب حضرت عائشہ کی طرف روایت کو منسوب کر دینے سے روایت میں کوئی وزن پیدا نہیں ہوسکتا البتہ بنی امیہ کے حکمرانوں کی طرف سے حضرت عائشہ کے نام کا استعمال مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کا اچھا ذریعہ تھا۔

شبلی صاحب حضرت عائشہ کا اس وقت تک پیدا نہ ہونا تسلیم کرتے ہیں

مولانا شبلی اپنی کتاب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ:

یہ روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے لیکن حضرت عائشہ اس وقت پیدا نہیں

ہوئی تھیں ۔محدثین کی اصطلاح میں ایسی روایت کومرسل کہتے ہیں ۔لیکن صحابہ کا مرسل محدثین کے نزدل قابل حجت ہے کیونکہ متروک راوی بھی صحابہ ہی ہوں گے ۔

حاشیہ نمبر 3 سیرۃ النبی جلد 1 ص 202

اب شبلی صاحب کی یہ بات حسن عقیدت ہی ہے جو''ہونگے'' کو قابل حجت قرار دے رہے ہیں کیونکہ ''ہونگے'' میں یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کسی درباری ملا نے بنی امیہ کی فرمانبرداری میں پیغمبر کی توہین اور ہتک کے لئے مذکورہ روایت کو گھڑ کر حضرت عائشہ کی طرف جھوٹ اور غلط طور پر منسوب کردیا ہو لہذا کہا جاسکتا ہے کہ اس روایت کے اصلی راوی وہی واضعان حدیث ''ہوں گے'' جو بنی امیہ کی طرف سے جھوٹی حدیثیں گھڑنے پر مامور تھے اور انھوں نے یہ حضرت عائشہ کی طرف جھوٹ منسوب کردیا ہے کیونکہ بنی امیہ کے طرف دار اسی طرح سے آنکھیں بند کرکے حدیثیں گھڑا کرتے تھے اور اس روایت کو ایسے راوی کی طرف آنکھیں بند کرکے منسوب کردیا کرتے تھے جس کا اس وقت وجود ہی نہ ہو جیسا کہ ابوہریرہ کی حضرت ابوطالبؑ کے کلمہ نہ پڑھنے کی روایت جو حضرت ابوطالب کی وفات کے نوسال بعد ایمان لایا اور اس کا اس وقت وہاں وجود ہی نہ تھا ۔

پیغمبر غار حرا میں عبادت کیسے کرتے تھے؟

شبلی صاحب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ

''صحیح بخاری میں ہے کہ غار حرا میں آپ تحنث یعنی عبادت کیا کرتے تھے''

سیرۃ النبی جلد 1 ص 201

غار حرا چونکہ مکہ سے تین میل دور تھا جہاں پر آپ تنہائی میں عبادت کیا کرتے تھے لہذا کسی نے یہ نہیں لکھا کہ آپ غار حرا میں عبادت کس طرح کیا کرتے تھے ۔بعض نے تحنث کے معنی غور وفکر کیے ہیں اور غور وفکر کرنے کے لئے غار حرا میں جاکر بیٹھنے کی ضرورت نہیں تھی

بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت مکہ سے باہر نکل جاتے تھے اور مکہ کی گھاٹیوں میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن جریر طبری اپنی معروف تاریخ میں لکھتے ہیں کہ:

''ابتدا میں رسول اللہ کا یہ دستور تھا کہ جب نماز کا وقت آتا۔ آپ اپنے چچا ابو طالب، دوسرے چچا اور تمام قوم سے چھپ کر مکہ کی گھاٹیوں میں چلے جاتے۔ علی ابن ابی طالب آپ کے ساتھ ہوتے۔ وہاں وہ دونوں نماز پڑھتے اور شام کو پلٹ آتے ایک عرصہ تک یہ دستور رہا۔

اردو ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 84

مولانا شبلی نے بھی اپنی کتاب سیرۃ النبی میں یہی لکھا ہے چنانچہ وہ اسطرح لکھتے ہیں کہ:

''نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے۔ اور وہاں نماز ادا کرتے ابن الاثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپ حرم میں ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں جائز تھی۔ ایک دفعہ آپ حضرت علیؑ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے اتفاق سے آپ کے چچا ابو طالب آ نکلے۔ ان کو اس جدید طریقہ عبادت پر تعجب ہوا کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون سا دین ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیم کا یہی دین تھا۔

سیرۃ النبی جلد 1 ص 207

اس روایت میں کئی باتیں قابل غور ہیں

اول یہ کہ اس روایت کے پہلے حصہ میں شبلی نے ابن الاثیر کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ چاشت کی نماز آپ حرم میں ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں جائز تھی اور روایت کے دوسرے حصے میں یہ کہا ہے کہ ایک دفعہ آپ حضرت علیؑ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے آپ کے چچا ابو طالب آ نکلے ان کو اس جدید طریقہ عبادت پر تعجب ہوا کھڑے ہو گئے۔ اور بغور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون دین ہے؟

آپ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیم کا دین ہے۔اس روایت کے پہلے حصہ کا دوسرے حصہ سے تضاد صاف ظاہر ہے اگر یہ نماز قریش کے مذہب میں جائز ہوتی اور یہ کوئی نیا طریقہ نہ ہوتا تو حضرت ابو طالبؑ کو تعجب کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور نہ یہ پوچھنے کی ضرورت تھی کہ یہ کون دین ہے؟ اور نہ ہی اسے جدید طریقہ عبادت سمجھتے۔

تحقیق سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے پیغمبرؐ دروں اور گھاٹیوں میں حضرت علیؑ کے ساتھ اس وقت نماز پڑھتے تھے جب تک سورہ اقراء کا نزول نہ ہوا تھا اور یہ تقریباً آنحضرت کے سینتیسویں سال (37) سال سے لے کر چالیسویں سال تک زمانہ ہے اور حرم میں آپ سورہ اقراء کے نزول کے بعد زمانہ فترت کے تین سالہ دور میں نماز پڑھتے تھے مگر چونکہ آپ ابھی تک مبعوث برسالت نہ ہوئے تھے اور کسی کو یہ نہیں بتلایا تھا کہ میں نبی ہوں اور نہ ہی ابھی تک کسی کو دعوت ایمان دی تھی لہذا یہ زمانہ جاہلیت کے زمانہ میں ہی شمار ہوتا تھا

حضرت علیؑ کے ساتھ حرم میں آنحضرت کے نماز پڑھنے کی ایک مستند روایت طبری میں عفیف سے اس طرح مروی ہے۔

عفیف کی روایت حرم میں نماز پڑھنے کے بیان میں

عن عفیف قال جئت فی الجاهلیة الی مکه فنزلت علی العباس بن عبدالمطلب . قال فلما طلعت الشمس و حلقت فی السماء و انا انظر الی الکعبة . اقبل شاب فرمی ببصره الی السماء ثم استقبل الکعبة فقام مستقبلها فلم یلبث حتیٰ جاء غلاماً فقام عین یمینه فقال فلم یلبث حتیٰ جاء ت امراة فقامت فرکع الشاب فرکع الغلام و امراة فرفع الشاب فرفع

الغلام و المراء ة فخر الشاب ساجداًفسجدا معه فقلت یا عباس امر عظیم . فقال امر عظیم اتدری من هذا فقلت لا قال هذا محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب ابن اخی . اتدری من هذا معه فقلت لا قال هذا علی ابن ابی طالب ابن اخی . اتدری من هذه المراة التی حلفها . قلت لا قال هذا خدیجه بنت خویلد زوجة ابن اخی و هذا حدیثنی ان ربک رب السماء امر هم بهذ الذی تراهم علیه و ایم الله باعلم علی ظهر الارض کلها احد علی هذا الدین غیر هولاء الثلاثة "

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 175 طبری ص 1161 طبع جرمن

ترجمہ: عفیف سے منقول ہے کہ میں ایام جاہلیت میں مکہ گیا اور عباس ابن عبدالمطلب کے پاس مقیم ہوا۔ جب آفتاب طلوع ہو کر آسمان پہ چاروں طرف پھیل گیا تو میں کعبہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس اثناء میں ایک جوان شخص کعبہ میں آیا اور اس نے سر بلند کر کے آسمان کی طرف دیکھا پھر کعبہ کا بوسہ لیا پھر کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا، کچھ عرصہ نہ گذرا تھا کہ ایک لڑکا آیا اور آکر اس جوان شخص کے داہنے طرف کھڑا ہو گیا پھر کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ایک عورت آئی اور وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں وہ جوان شخص رکوع میں گیا تو وہ لڑکا اور عورت بھی رکوع میں گئے۔ پھر وہ جوان کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ لڑکا اور عورت بھی کھڑی ہو گئی۔ پھر وہ جوان شخص سجدے میں گیا اور اس کے ہمراہ یہ دونوں بھی سجدے میں گئے۔ عفیف کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر میں نے کہا اے عباس تو امر عظیم ہے۔ یہ سن کر عباس نے کہا ہاں یہ ایک امر عظیم ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ عباس نے کہا۔ جوان شخص محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب میرے بھائی کے بیٹے ہیں۔ عباس نے کہا جانتے ہو یہ ساتھ کون ہے؟ میں نے کہا نہیں عباس نے کہا یہ علی ابن ابی طالب میرے بھائی کے بیٹے ہیں۔ پھر عباس نے پوچھا جانتے ہو یہ عورت کون ہے؟ میں

نے کہا نہیں۔ عباس نے کہا یہ خدیجہ بنت خویلد میرے بھتیجے کی زوجہ ہے اور اس محمد (صلعم) نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمان کا رب ہے اور اس بات کو جس کو کرتے ہوئے تم ان کو دیکھ رہے ہو اس کا اسی نے ان کو حکم دیا ہے۔ اور خدا کی قسم اس وقت تک میرے علم کے مطابق سوائے ان تین آدمیوں کے روئے زمین پر ان تینوں کے سوا کوئی ایک بھی آدمی اس دین پر نہیں ہے"

یہ طبری کی مذکورہ اصل عبارت کا ترجمہ ہے اردو زبان میں بھی طبری کا ترجمہ ہو چکا ہے اس کے حصہ اول میں یہ روایت ص 82 پر اسی طرح سے نقل ہوئی ہے۔ اور تاریخ طبری جلد 2 ص 65 پر یہ روایت عفیف کے پوتے اسمٰعیل ابن الیاس سے نقل شدہ ہے اس کے بھی آخری الفاظ میں کہ عباس نے کہا کہ:

وایم اللہ ماعلم علی ظھرا لارض کلھا احد علی ھذا لدین غیر لاء الثلثہ" تاریخ طبری جلد 2 ص 65

یعنی خدا کی قسم مجھے علم نہیں ہے کہ تمام روئے زمین پر ان تین کے علاوہ کوئی اور بھی اس دین پر ہو۔

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر حرم میں نماز زمانہ فترت ختم ہونے اور "**و امابنعمة ربک فحدث**" کے فرمان کے مطابق حضرت خدیجہؑ کو اور حضرت علیؑ کو اپنی نبوت پر ایمان لانے کا بیان کرنے کے بعد پڑھتے تھے یا سورہ اقراء کے نزول کے بعد زمانہ فترت میں پڑھتے تھے کیونکہ نبوت کا کسی پر اظہار نہ کرنے کی وجہ سے یہ زمانہ دور جاہلیت میں ہی شمار ہوتا تھا لہذا عفیف نے اسے زمانہ جاہلیت کہا اور مکہ کی گھاٹیوں میں نماز 37 سال کی عمر سے لے کر چالیس سال کی عمر تک کے عرصہ میں پڑھتے تھے جہاں پر انھیں کوئی نہ دیکھتا تھا۔ اور حضرت ابو طالبؑ نے صرف اس لئے دیکھ لیا کہ اس طرف کو اتفاق آ نکلے۔

یہ نماز بالکل ایک جدید طریقہ عبادت تھا

عفیف کی مذکورہ روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نماز بالکل ایک جدید طریقہ عبادت تھا ورنہ عفیف اسے دیکھ کر امر عظیم نہ کہتا۔ اور حیرت کا اظہار نہ کرتا اور حضرت عباس بھی اسے امر عظیم نہ کہتے اور یہ نہ کہتے کہ ان تینوں کے سوا تمام روئے زمین پر کوئی دوسرا ایک بھی آدمی نہیں ہے جو اس دین پر ہو۔ اور خاندان کے بزرگ یعنی حضرت عباس سے بڑھ کر اور کس کو اس بات کا علم ہو سکتا تھا۔ اور کامل ابن اثیر کی روایت جسے ہم سیرۃ النبی کے حوالے سے گذشتہ اوراق میں نقل کر آئے ہیں اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بالکل ایک جدید طریقہ عبادت تھا ورنہ حضرت ابو طالب کو حیران ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ یہ جدید طریقہ عبادت پیغمبر نے کس طرح اختیار کیا۔ آیا خود سے اختراع کیا یا اس کی بھی خدا کی طرف سے تعلیم دی گئی تھی تو خود اس روایت کے الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح سے نماز پڑھنے کا حکم انہیں خدا نے دیا تھا وہ الفاظ یہ ہیں "ورب السماء امرهم بهذ الذای تراهم" اس بات کا جس کو تم کرتے ہوئے دیکھ رہے ہو اس کا اس کے رب نے انہیں حکم دیا ہے۔

خدا نے نماز کس طرح سکھائی؟

ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

"جس وقت رسول اللہ پر نماز فرض کی گئی جبرائیل آپ کے پاس آئے، اس وقت آپ مکہ اعلیٰ میں تھے۔ وہ اشارے سے آپ کو وادی میں لے گئے اس سے ایک چشمہ جاری ہوا۔ حضرت جبرائیل نے وضو کیا تا کہ وہ بتادیں کہ نماز کے لئے اس طرح طہارت کی جائے۔ رسول اللہ صلعم ان کو دیکھتے رہے ان کے بعد ان کی طرح رسول اللہ نے وضو کیا۔

پھر جبرئیل نے کھڑے ہوکر رسول اللہ کو نماز پڑھائی ۔آپ نے اقتداء کی ۔جرائیل چلے گئے آپ خدیجہ کے پاس گئے اور جس طرح آپ نے حضرت جرائیل کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تھا اسی طرح آپ نے خدیجہ کو بتانے کے لئے کہ نماز کے لئے طہارت اس طرح ہوتی ہے،ان کے سامنے وضو کیا۔اس کے بعد جس طرح جرائیل نے آپ کو نماز پڑھائی تھی آپ نے خدیجہؓ کے ساتھ نماز پڑھی اور انھوں نے آپ کی اقتدا کی"

اردو ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 79

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"اس کے بعد جرائیل نے زمین پر پاؤں مارا ،پانی نمودار ہوا۔اس پانی سے وضو کیا۔یعنی کلی کی تین مرتبہ ہاتھ اور پاؤں دھونے اور ایک مرتبہ سر کا مسح کیا اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کی تعلیم دی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح وضو کیا۔پس جرائیل نے ایک چلو آنحضرت کے روئے مبارک پر چھڑکا اور آگے بڑھ کر دو رکعت نماز ادا کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اقتدا فرمائی اس کے بعد جرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اس طرح وضو کرتے اور نماز پڑھتے رہو اس کے بعد جرائیل آسمان کی طرف بلند ہو گئے۔ مدارج النبوۃ ص 42

اس روایت سے یہ تو پتا چل گیا کہ یہ طریقہ عبادت یا نماز پڑھنے کا طریقہ جرائیل نے سکھایا تھا اور یہ بات ظاہر ہے کہ جبرائیل نے خدا کے حکم سے سکھایا تھا تبھی تو سابقہ روایت میں یہ آیا ہے کہ اس طریقہ سے نماز پڑھنے کا حکم ان کو ان کے پروردگار نے دیا ہے۔

اور سابقہ دونوں روایتوں میں یہ تحقیق ہو گیا کہ پیغمبر زمانہ جاہلیت میں اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔

لیکن بالفاظ واضح ان روایتوں سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ زمانہ جاہلیت میں کس سال سے آپ نے یہ نماز پڑھنی شروع کی۔اور جبرائیل نے کس سن میں آپ کو یہ نماز سکھائی۔البتہ علمائے امامیہ میں سے علامہ مجلسی نے اپنی کتاب حیات القلوب جلد دوم اردو ترجمہ ص 422 پر جبرائیل کے ساتھ نماز پڑھنے کا یہ واقع اس وقت لکھا ہے جب آنحضرت صلعم سینتیسویں (37) سال میں تھے۔ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

''علی بن ابراہیم'' ابن شہر آشوب اور ''شیخ طبرسی'' بلکہ تمام محدثین ومفسرین نے روایت کی ہے کہ آنحضرت اپنی قوم سے کنارہ کش ہو کر کوہ حرا پر تنہا عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔خداوند عالم آپ کو روح القدس کی تائید سے خوابوں، فرشتوں کی آوازوں اور سچے الہامات کے ساتھ ہدایت فرماتا رہتا تھا۔اور قرب ومحبت ومعرفت کے مدارج عالیہ پر ترقی دیتا رہا اور آپ کو وجود علم وفضل اور اخلاق حمیدہ اور آداب پسندیدہ سے آراستہ فرماتا رہا۔ان حالات میں سوائے جناب امیر اور جناب خدیجہؑ کے کوئی آپ کا مونس ومحرم نہ تھا۔یہاں تک کہ جب آپ کی عمر سینتیس (37) سال کی ہوئی آپ نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آپ کو ندا دے رہا ہے کہ یا رسول اللہ، اس کے بعد ایک روز حضرت ابو طالب کی بھیڑیں چراتے ہوئے مکہ کی پہاڑیوں پر حضرت کا گذر ہوا وہاں آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے آپ کو یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کیا آپ نے پوچھا تم کون ہو وہ بولے میں جبرائیل ہوں۔خدا نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ کو رسالت کی خوشخبری دوں۔جبرئیل نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو ایک چشمہ جاری ہوا جبرائیل نے وضو کیا اور آنحضرت کو وضو کرا سکھایا۔تو حضرت نے وضو کیا۔پھر نماز کی تعلیم دی اور آنحضرت نے امیر المومنین کو تعلیم دی اور ان کے ساتھ نماز ظہر ادا فرمائی۔بیت الشرف میں واپس گئے تو نماز عصر خدیجہؑ کے ساتھ پڑھی۔

حیات القلوب جلد 2 ص 422

مذکورہ روایت کی تائید

مذکورہ روایت سے ثابت ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت کی ہی بات ہے اور جس وقت آپ سینتیس (37) سال کے تھے تو وہ جاہلیت کا زمانہ ہی تھا اس روایت کی تائید جہاں سیرۃ النبی جلد 1 ص 207 والی روایت سے۔ طبری ص 1161 طبع جرمن والی روایت سے اور تاریخ طبری ہی کی جلد 2 ص 65 والی روایت سے اور تاریخ طبری ہی کی جلد اول ص 79 والی روایت سے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوۃ ص 45 والی روایت سے، جو گذشتہ اوراق میں گذر چکی ہیں۔ وہاں امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ایک مشہور و معروف روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو حدیث و تاریخ کی مستند کتابوں میں درج ہے ہم نمونہ کے طور پر چند تاریخی حوالے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے تمام لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی

نمبر 1: میزان الاعتدال میں ترجمہ عباد ابن عبداللہ اسدی میں علیؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

انا عبدالله و اخو رسول الله و انا الصديق الاكبر و ماقالها قبلي ولا يقولها بعدي الا كاذب مفتر و لقد اسلمت و صليت قبل الناس بسبع سنين'' میزان الاعتدال مطبوعہ ص جلد 2 ص 6

ترجمہ: حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں خدا کا بندہ اور رسول اللہ صلعم کا بھائی ہوں اور میں ہی صدیق اکبر ہوں، اس کلمہ کو میرے سوا نہ تو مجھ سے پہلے کسی نے کہا ہے اور نہ ہی کوئی میرے بعد کہے گا۔ مگر وہی جو جھوٹا اور مفتری ہوگا۔ اور بلاشک میں نے سب لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔ اس کے بعد علامہ ذہبی نے یہ لکھا ہے کہ عباد کو ابن

حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔

نمبر2: اور ابن اثیر نے اپنی تاریخ کامل میں اس طرح لکھا ہے " **اختلف العلام فی الاول من اسلم مع الاتفاق علی ان خدیجه اول خلق الله اسلاماً فقال قوم اول ذکر آمن علی : روی عن علی انه قال انا عبدالله و اخو رسول الله و انا صدیق الاکبر لا یقولها بعدی الا کاذب و مفتر صلیت معه رسول الله صلعم قبل الناس بسبع سنین** " تاریخ کامل ابن اثیر جلد2 ص25

ترجمہ: اس بارے میں علماء نے اختلاف کیا کہ اول کون اسلام لایا۔ اس کے باوجود اس بات پر سب متفق ہیں کہ خلقت خدا سے اول جناب خدیجہ اسلام لائیں اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ مردوں میں سے اول حضرت علیؑ ایمان لائے ۔جیسا کہ خود حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں، اور رسول کا بھائی ہوں اور میں ہی صدیق اکبر ہوں میرے سوا جو یہ بات کہے گا وہ جھوٹا اور مفتری ہوگا۔ میں نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی۔

نمبر3: ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ طبری میں اس طرح لکھا ہے

" **اول من صلی علی بعث النبی یو م الاثنین و صلی علی یوم الثلاثا . عن زید بن ارقم قال اول من اسلم علی ابن ابی طالب و انا الصدیق الاکبر لا یقولها بعدی الا کاذب و مفتر صلیت مع رسول الله صلعم قبل الناس بسبع سنین** " تاریخ طبری جلد2 ص211

ترجمہ: جس نے اول نماز پڑھی وہ حضرت علیؑ ہیں رسول اللہ سوموار کو مبعوث ہوئے اور حضرت علی نے منگل کے دن نماز پڑھی ۔زید بن ارقم سے روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت علیؑ اسلام لائے اور کہا میں نے خود علی سے سنا ہے کہ وہ فرماتے ہیں "میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول کا بھائی ہوں اور میں ہی صدیق اکبر ہوں ۔میرے سوا جو یہ بات کہے گا وہ

جھوٹا اور مفتری ہے۔ میں نے رسول اللہ کے ساتھ سب لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔

یہ روایت طبری میں غیار بن عبداللہ سے بھی مروی ہے اور مذکورہ روایت تاریخ طبری کے اردو ترجمہ میں صفحہ 82 پر لکھی ہوئی ہے ہم صرف مذکورہ معتبر ومستند تاریخی حوالوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ جو اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ حضرت نے سب لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی۔

حضرت علیؑ نے سات سال پہلے نماز کیسے پڑھی؟

مذکورہ روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے سب لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔ گذشتہ اوراق میں مدارج النبوۃ کی عبارت سے ثابت ہو چکا ہے کہ غار حراء میں جانے سے سات سال پہلے پیغمبر ایک روشنی دیکھتے تھے اور اسے دیکھ کر مسرور ہوتے تھے اور یہ روشنی علم وعرفان کی روشنی تھی۔ گذشتہ اوراق میں بیان کردہ روایت سے بھی یہی ثابت ہے کہ جبرائیل نے پیغمبر کو سینتیس ویں (37) سال کی عمر میں نماز پڑھ کر سنائی اور دکھائی اور نماز پڑھنا سکھایا۔ عفیف والی روایت سے اور اسمٰعیل والی روایت سے یہ ثابت ہوا کہ پیغمبر کو عفیف نے زمانہ جاہلیت میں علی اور خدیجہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور یقینی طور پر زمانہ جاہلیت پیغمبر کے مبعوث ہونے سے پہلے کے زمانہ کو کہتے ہیں پس غار حرا میں سورہ اقراء کی وحی کے نزول سے چار سال پہلے سے پیغمبر نماز پڑھ رہے تھے اور غار حرا میں بھی پیغمبر جو عبادت کرتے تھے جسے سب نے عبادت ہی لکھا ہے وہ نماز ہی تھی۔ یہ وہی نماز تھی جو جبرائیل نے سکھائی تھی اور علی ساتھ رہتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔

پھر گذشتہ اوراق میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ سورہ اقراء کے نازل ہونے کے بعد

وحی کا آنا بالکل رک گیا اور تین سال تک کوئی قرآنی وحی نازل نہیں ہوئی اس کو متفقہ اور مسلمہ طور پر سب فترت کا زمانہ کہتے ہیں۔ اور اس کی تفصیل ہم نے گذشتہ اوراق میں بیان کی ہے کہ اس زمانہ میں آنحضرتؐ کو اسرار نبوت تعلیم کئے جاتے رہے اس عرصہ میں آپ کو دعوائے نبوت ثبوت کرنے یا دعوت اسلام دینے یا تدارت کا حکم ہی نہیں تھا البتہ حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہ ساتھ رہنے کی وجہ سے تمام حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے یہ جانتے تھے کہ آپ نبی ہیں۔ پس سینتیسویں سال سے غار حرا کی عبادت تک چار سال اور غار حرا میں سورہ اقراء کے نزول کے بعد سے زمانہ فترت کے تین سال مل کر کل سات سال ہوتے ہیں۔ اس سات سال کے عرصہ میں پیغمبر نے کسی کو دعوت اسلام یا اپنی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی ہی نہیں نہ دعوت دینے کا حکم تھا جس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ یہ حکم کب ہوا۔ لیکن علی پیغمبر کے ساتھ رہتے تھے اور پیغمبرؐ کے پیچھے پیچھے ایسے چلتے تھے جیسے کہ اونٹنی کے پیچھے اونٹنی کا بچہ چلتا ہے اور پیغمبرؐ جو کچھ کرتے تھے علی سے بھی اس پر عمل کراتے تھے۔ پس یہ روایت صحیح و مستند و موثق ہے اور عین مطابق عقل و درایت ہے اور مطابق واقعہ اور حقیقت ہے کہ علی نے پیغمبر کے ساتھ سب مسلمانوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی۔ ان حقائق پر غور کئے بغیر اکثر مورخین و مفسرین و محدثین نے غار حراء میں سورہ اقراء کے نزول کو آپ کو مبعوث بہ نبوت و رسالت ہونا قرار دیا ہے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے اول تو نبوت و رسالت دو علیحدہ علیحدہ مناصب ہیں نبوت کے لئے تو آپ کا انتخاب روز الست عالم ارواح میں ہو چکا تھا جس پر سورہ احزاب کی آیت نمبر 7 ''واذ اخذنا من النبیین میثاقھم'' سے ثابت ہے۔ اور حضرت خدیجہؑ کے لئے و اما بنعمۃ ربک فحدث کے حکم کے ذریعہ اپنی نبوت کے اظہار کرنے کا حکم ہوا اور سورہ والضحیٰ کے ذریعہ فترت کا زمانہ ختم ہوا اور رسالت کا سب سے پہلا اعلان وانذر عشیرتک الاقربین کے حکم کے ذریعے اپنے کنبہ والوں کے ساتھ رسالت کا آغاز کرنے کے حکم سے ہوا۔ پس سورہ والضحیٰ کی

آخری آیت نمبر 11 کے ذریعہ گھر والوں پر اپنی نبوت کا اظہار کرنے کا حکم ہوا اور و انذر عشیرتک الاقربین کے ذریعے رسالت کا آغاز ہوا اور آپ مبعوث بر رسالت ہوئے اسی لئے اکثر مورخین و مفسرین و محدثین و علمائے شیعہ کا اتفاق ہے اس بات پر کہ آپ 27 رجب المرجب کو مبعوث بر رسالت ہوئے جبکہ سورہ اقراء کا نزول ماہ رمضان میں ہوا اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے پس سورہ اقراء کا نزول قرآنی وحی کا آغاز تو ہے لیکن مبعوث بہ نبوت و رسالت ہونے کا حکم نہیں ہے۔

صدیق اکبر کے لقب پر غور

مذکورہ حدیث و تاریخ کی کتابوں یعنی حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال اور ابن اثیر کی تاریخ کامل اور ابن جریر طبری کی تاریخ طبری کے علاوہ حضرت علیؑ کے یہ دعوے حدیث و تاریخ کی دوسری کتابوں مثلاً شیخ سلیمان قندوزی بلخی کی کتاب ینابیع المودۃ کے 151 پر اور سنن ابن ماجہ الجزو الاول کے ص 56 پر اور امام حاکم کی مستدرک علی الصحیحین الجزو الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ کے ص 112 پر اور محب الدین الطبری کی کتاب ریاض النضرۃ الجزو الثانی الباب الرابع الفصل الرابع کے ص 158,157 پر بھی لکھی ہوئی ہے۔ مگر ان میں سے بعض نے صدیق اکبر کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے یہ بھی کہا کہ میں ہی فاروق اعظم ہوں:

یہ بات بڑی اہم ہے اور اس سیرت کے خلاف ہے جو اہل سنت کے یہاں زبان زدِ عوام ہے اور یہاں پر وہ بات بالکل صادق آتی ہے کہ " رب مشهور لا اصل له" یعنی اکثر مشہور باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی۔

حضرت علیؑ سب کے سامنے کہتے تھے بانگے پکارے کہتے تھے اور خود حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سامنے کہتے تھے کہ میں صدیق اکبر ہوں میں فاروق اعظم ہوں

اور نہ صرف وہ یہ دعوے کرتے تھے بلکہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ میرے سوا جو کوئی خود کو صدیق اکبر کہے گا وہ جھوٹا اور مفتری ہوگا۔لیکن کسی تاریخ یا کسی حدیث کی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر یا حضرت عمر نے حضرت علیؑ کو ٹوکا ہو اور یہ کہا ہو کہ اے علی تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔بلکہ کسی تاریخ یا کسی حدیث کی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر نے کبھی بھی یہ کہا ہو کہ میں صدیق اکبر ہوں۔یا حضرت عمر نے یہ کہا ہوں کہ میں فاروق اعظم ہوں۔یہ القابات معاویہ کے حکم سے اور معاویہ کے ادارہ روایت سازی نے ان کی طرف منسوب کیے ہیں اور معاویہ کے حکم سے خطیبوں اور واعظوں کے پروپیگنڈے نے ان باتوں کو شہرت بخشی ہے۔جیسا کہ علامہ مدائنی نے اپنی کتاب الاحداث میں لکھا ہے جسے ہم آئندہ چل کر مناسب مقام پر نقل کریں گے۔اور یہ سب اقتدار کی کرم بخشیاں ہیں اور شاید حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جو یہ کہا ہے کہ جب دنیا کسی سے رخ پھیرتی ہے تو اس کی خوبیاں بھی دوسروں کو دے دیتی ہے اور جب کسی کی طرف رجوع کرتی ہے تو دوسروں کی خوبیاں بھی اسے عطا کر دیتی ہے۔یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہو۔

حضرت علیؑ کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے خطاب خود پیغمبر نے عطا فرمائے

صحیح و مستند و موثق روایات کے مطابق حضرت علی علیہ السلام خود کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم خود سے خود اپنے آپ ہی نہیں کہتے تھے بلکہ یہ القابات یعنی صدیق اکبر اور فاروق اعظم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمائے تھے ہم ذیل میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ کی چند حدیثیں بطور ثبوت کے پیش کرتے ہیں۔

اہل سنت کے مشہور و معروف علماء و محدثین میں سے ابن عبد البر اپنی کتاب

الاستیعاب میں اور ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں لکھتے ہیں کہ

" عن ابی یعلی الغفاری قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول سیکون فتنه فاذا کان ذالک فالزموا علی بن ابی طالب فانه اول من امن بی و اول من یصافحنی یوم القیامة . وهو الصدیق الاکبر و هوفاروق هذه الامة و هو یعسوب المومنین و المال یعسوب المنافقین "

ابن عبدالبر۔الاستیعاب فی معرفت الاصحاب
ترجمہ ابو یعلی غفاری حدیث 2969 ص 676 الجزوالثانی
وابن حجر عسقلانی: الاصابہ فی تمیز الصحابہ
ترجمہ ابو یعلی الغفاری

ترجمہ: بزرگ صحابی رسول ابو یعلی غفاری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرے بعد فوراً ہی فتنے کھڑے ہو جائیں گے جب ایسا ہو تو تم علی کو اپنا حاکم ماننا۔ کیونکہ وہ سب سے پہلے میرے اوپر ایمان لایا اور قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرے گا اور وہ صدیق اکبر ہے اور اس امت کا فاروق ہے وہ مومنین کا حاکم ہے اور منافقین کا حاکم مال ہے۔

نمبر 2: عن ابی ذر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لعلی انت الصدیق الاکبر و انت الفاروق الذی یفرق بین الحق و الباطل :

محب الدین طبری ریاض النضرہ
الجزوالثانی الباب الرابع الفصل الثانی ص 155

ترجمہ: بزرگ صحابی حضرت ابو ذر غفاری سے روایت: وہ کہتے ہیں میں نے جناب رسول خدا کو علی سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ اے علی تم صدیق اکبر ہو اور تم وہ فاروق ہو جو حق کو باطل سے جدا کرتا ہے۔

نمبر 3 تیسری حدیث بزرگ صحابی پیغمبر حضرت سلمان فارسی سے اس طور پر مروی ہے کہ

" عن سلمان الفارسی قال قال رسول اللہ صلعم لعلی ھذا ول آمن بی و ھذا اول یصافحنی یوم القیامۃ ۔ وھذ اصدیق الاکبر و ھذا فاروق الاعظم یفرق بین الحق و الباطل و ھذا یعسوب المومنین والمال یعسوب المنافقین " اسوۃ الرسول جلد 2 ص 178

بحوالہ فردوس الاخبار امام دیلمی وطبرانی

ترجمہ: بزرگ صحابی پیغمبر حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علی کی نسبت فرمایا کہ علی وہ ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور سب سے پہلے مجھ سے قیامت کے دن مصافحہ کرے گا اور یہی صدیق اکبر ہے اور یہی فاروق اعظم ہے ۔ جو حق و باطل کا فیصلہ کرے گا یا حق کو باطل سے جدا کرے گا۔

بیشک سورۃ الحدید کی آیت نمبر 19 کے مطابق "جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ سب اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق ہیں"

لیکن صدیق اکبر نہ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کے سوا کسی کو کہا ۔ نہ علی کے سوا کسی نے اس کا دعویٰ کیا ۔ نہ حضرت ابوبکر نے کبھی اپنے بارے میں یہ کہا کہ میں صدیق اکبر ہوں ۔ نہ حضرت ابوبکر کے بارے میں کسی صحیح السند کتاب میں کوئی صحیح روایت اس بارے میں آئی ہے ۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ جس ہستی کو خود پیغمبر صلعم نے صدیق اکبر کہا جس کے بارے میں بزرگ اصحاب پیغمبر نے روایت کی ۔ جس کے لئے خود حضرت علیؑ نے بارہا دعویٰ کیا جس کے بیان سے حدیث و تاریخ و سیرۃ کی کتابیں چھلک رہی ہیں اس کو صدیق اکبر کہنے سے اس کو صدیق اکبر سمجھنے سے لوگ ڈرتے ہیں اور کچھ لوگ یہ سن کر چڑتے ہیں اور غصہ کرتے ہیں اور جس کو نہ پیغمبرؐ نے صدیق اکبر کہا نہ کسی صحابی نے روایت ۔ نہ خود حضرت ابوبکر نے

اس بات کا دعویٰ کیا۔ نہ کسی حدیث و تاریخ کی کتاب میں اس کے بارے میں صحیح و مستند روایت موجود ہے۔ لیکن صرف بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے خطیبوں اور واعظوں کے پروپیگنڈے نے اصل صدیق اکبر کو اور اصل فاروق اعظم کو سب کی نظروں سے اوجھل کر دیا اور وہ جو صدیق اکبر اور فاروق اعظم نہیں تھے ان کو شہرت دے دی۔

بہر حال یہ بات قرآنی وحی کے بیان کے ضمن میں آئی ہے کہ سب سے پہلے وحیٔ قرآنی کون سی تھی کیونکہ اس بارے میں مورخین و محدثین و مفسرین اور سیرۃ نگاروں کے درمیان اختلاف ہے۔

تحقیق اس بات کی کہ سب سے پہلے قرآنی وحی کونسی تھی۔

مورخین، محدثین، مفسرین، سیرت نگاروں اور راویان اخبار کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے قرآنی وحی کونسی تھی؟ ہم یہاں پر اس عنوان کے تحت چند کتابوں سے ان روایات کو نقل کریں گے جن سے قرآنی وحی کے نزول کے بارے میں مختلف راویان اخبار کے اختلاف کا پتہ چلتا ہے اور پھر ان پر تحقیق و تبصرہ و محاکمہ کریں گے۔

نمبر 1: قرآنی وحی کے بارے میں طبری کی پہلی روایت

ابن جریر طبری اپنی معروف تاریخ طبری میں لکھتے ہیں:

''ابن کثیر کہتا ہے کہ میں نے ابو سلمہ سے پوچھا کہ سب سے پہلے قرآن کا کون سا جزو نازل ہوا؟ اس نے کہا'' یا ایھا المدثر '' میں نے کہا لوگ تو کہتے ہیں کہ سب سے پہلے '' اقرا باسم ربک '' نازل ہوا۔ اس نے کہا میں نے جابر ابن عبداللہ سے پوچھا تھا کہ سب پہلے قرآن کا کونسا حصہ نازل ہوا ہے، اس نے کہا'' یا ایھا المدثر '' میں نے کہا نہیں بلکہ '' اقرا باسم ربک الذی خلق ''سب سے پہلے نازل ہوا۔ جابر نے کہا میں

تم سے صرف وہی کہوں گا جو خود رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا۔

ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 77

نمبر 2: قرآنی وحی کے بارے میں طبری کی دوسری روایت

طبری کی دوسری روایت اسی طور پر ہے:

''جابر ابن عبداللہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے التوائے وحی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن میں چلا جا رہا تھا، میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ فرشتہ جو حرا میں میرے پاس آیا کرتا تھا۔ آسمان اور زمین کے بیچ میں ایک کرسی پر متمکن نظر آیا۔ میں اس سے سہم گیا۔ اور گھبرا کر میں نے کہا: مجھے لحاف اڑھاؤ۔ گھر والوں نے لحاف اڑھا دیا۔ تب اللہ عزوجل نے یہ سورہ یا ایھا المدثر قم فانذر و ربک فکبر اپنے قول والرجز فاھجر تک نازل فرمائی، پھر متواتر وحی آنے لگی۔

ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 79

نمبر 3: قرآنی وحی کے بارے میں سیرۃ النبی کی پہلی روایت

مولانا شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں

''فرشتے کی زبانی سب سے پہلے وحی غار حرا میں آئی اس وقت عمر شریف چالیس برس کی تھی اور ''اقراء باسم ربک الذی خلق'' کی ابتدائی آیتیں۔ اس مکتب کا اولین درس تھا۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک وحی کا سلسلہ رکا رہا۔ آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں: '' والضحیٰ، والیل اذا سجیٰ۔ ماودعک ربک و ماقلیٰ (والضحیٰ) قسم ہے دن کی جب کہ وہ پوری روشنی پر ہو اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ سنسان ہو جائے کہ تیرے پروردگار نے نہ تجھ کو

چھوڑا اور نہ تجھ سے اپنی محبت اٹھائی'' سیرۃ النبی شبلی جلد 3 ص 298

نمبر 4: قرآنی وحی کے بارے میں سیرۃ النبی کی دوسری روایت

''تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ فترۃ الوحی یعنی سلسلہ وحی کے رک جانے (فترۃ) کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ آپ حرا سے واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک آواز سنائی دی۔ آپ نے ادھر اُدھر دیکھا۔ کچھ نظر نہ آیا۔ اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ نظر آیا۔ آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے تو کہا۔ مجھے کمبل اڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ اسی حالت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں'' **یا ایھا المدثر قم فانذر وربک فکبر**'' (مدثر) اے گلیم پوش اٹھ۔ اور لوگوں کو خدا سے ڈرا۔ اپنے رب کی کبریائی بیان کر۔

سیرۃ النبی شبلی جلد 2 ص 299

نمبر 5 قرآنی وحی کے بارے میں سیرۃ النبی کی تیسری روایت

مولانا شبلی نعمانی سیرۃ النبی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''اس کے برخلاف، صرف حضرت جابر کی روایت ہے بخاری باب بدء الوحی و باب کیف نزل الوحی'' کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ سب سے پہلی وحی میں سورہ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ مگر اجماع عام یہ ہے کہ یہ حضرت جابر کا وہم ہے وہ آیتیں فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے اتریں۔ (حاشیہ سیرۃ النبی جلد 3 ص 299)

نمبر 6 قرآنی وحی کے بارے میں ابن ہشام کی پہلی روایت

سیرۃ ابن ہشام میں اسطرح آیا ہے کہ

''ابن اسحٰق نے کہا۔ پھر وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ مدت کے لئے رک گئی یہاں تک کہ آپ کو یہ بات بہت شاق گذری اور صدمہ ہوا۔ پھر آپ کے پاس جبرائیل

سورہ ضحیٰ لے کر آئے جس میں پروردگار آپ سے قسم کھا کر خطاب فرماتا ہے کہ نہ آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے بیزار ہوا۔ ترجمہ سیرۃ ابن ہشام ص 267

نمبر 7 قرآنی وحی کے بارے میں ابن ہشام کی دوسری روایت

ابن ہشام کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ یا ایھا المدثر کے بعد سب سے پہلے وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی۔ ترجمہ سیرۃ ابن ہشام ص 278

نمبر 8 قرآنی وحی کے بارے میں ابن ہشام کی تیسری روایت

ابن ہشام کی تیسری روایت میں یہ ہے کہ یا ایھا المدثر کے بعد سب سے پہلے "فاصدع بما تومر" نازل ہوئی۔ ترجمہ سیرۃ ابن ہشام ص 278

نمبر 9 قرآنی وحی کے بارے میں مدارج النبوۃ کی پہلی روایت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فترت وحی کی مدت میں ایک بار جبرائیل علیہ السلام کو ایک ایسی کرسی پر بیٹھے دیکھا جو زمین سے لے کر آسمان تک بچھی ہوئی تھی۔اس نظارے سے آپ پر خوف و دہشت طاری ہوگئی اور آپ اسی حالت میں گھر واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے "زملونی" اسی طرح فرمایا جس طرح غار حرا میں پہلی وحی کے نزول کے وقت فرمایا تھا۔اس کے بعد ہی حق تعالیٰ نے آپ پر یا ایھا المدثر قم فانذر کی وحی نازل فرمائی۔ مدارج النبوۃ ص 46

نمبر 10 قرآنی وحی کے بارے میں مدارج النبوۃ کی دوسری روایت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ

''قرآن پاک کی وہ آیتیں جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ اقراء کی پہلی تین آیتیں ہیں یعنی قراء باسم ربک الذی سے لےکر'' علم الانسان مالم یعلم '' تک۔امام نووی نے اسی قول کو مرجح قرار دیا ہے کہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔

مدارج النبوۃ ص45

نمبر 11 قرآنی وحی کے بارے میں مدارج النبوۃ کی تیسری روایت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ ''یاایھا المدثر'' ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ قول ضعیف ہے بلکہ باطل ہے۔

مدارج النبوۃ ص45

نمبر 12 قرآنی وحی کے بارے میں مدارج النبوۃ کی چوتھی روایت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں

بعض مفسرین کا قول ہے کہ قرآن جو سب سے پہلے نازل ہوا وہ سورہ الفاتحہ ہے بیہقی کا قول ہے کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے اور اگر محفوظ ہو تو ہوسکتا ہے کہ یہ یاایھا المدثر کے بعد نازل ہوئی ہو۔

مدارج النبوۃ ص45

قرآنی وحی کے بارے میں مذکورہ ایک درجن کے قریب روایتوں سے قرآنی وحی کے نزول کے بارے میں اختلاف کا صاف پتہ چلتا ہے۔ان تمام روایات کا خلاصہ اس طور

پر ہے

۱۔ بعض نے کہا سب سے پہلے اقراء باسم ربک نازل ہوئی

۲۔ بعض نے کہا سب سے پہلے یاایھا المدثر نازل ہوئی

۳۔ بعض نے کہا یاایھا المدثر زمانہ فترت کے بعد نازل ہوئی

۴۔ بعض نے کہا سب سے پہلے زمانہ فترت کے بعد والضحیٰ نازل ہوئی۔

۵۔ بعض نے کہا سب سے پہلے سورہ الحمد نازل ہوئی

۶۔ بعض نے کہا سورہ الحمد کی حدیث اگر محفوظ ہو تو یہ یاایھا المدثر کے بعد نازل ہوئی

۷۔ بعض نے کہا یاایھا المدثر کے بعد سب سے پہلے "وانذر عشیر تک الاقربین نازل ہوئی

۸۔ بعض نے کہا یاایھا المدثر کے بعد سب سے پہلے "فاصدع بما تومر" نازل ہوئی

سب سے پہلے قرآنی وحی کے بارے میں ہماری تحقیق اور اس کے دلائل

مذکورہ آیات قرآنی کے نازل ہونے کے بارے میں ہم تحقیق دقیق کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ اس طرح ہے۔

۱۔ سب سے پہلے سورہ الحمد نازل ہوئی

۲۔ سورہ الحمد کے بعد غار حرا میں سب سے پہلے قرآنی آیات میں سے سورہ اقراء کی پانچ آیات نازل ہوئیں۔

۳۔ زمانہ فترت کے بعد سب سے پہلے سورہ والضحیٰ نازل ہوئی۔

۴۔ سورہ والضحیٰ کے بعد سب سے پہلے "وانذر عشیر تک الاقربین "نازل ہوئی

۵۔ وانذر عشیرتک الاقربین کے بعد یاایھا المدثر نازل ہوئی۔

٦۔ یاایھا المدثر کے بعد فاصدع بما تومر نازل ہوئی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کو تدریجی طور پر آگے بڑھانے کا تقاضا یہ تھا کہ مذکورہ آیات اس ترتیب سے نازل ہوئی ہوں۔لہذا اب ہم اس تحقیق کے بارے میں دلائل پیش کرتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت نمبروار مذکورہ آیات کی تدریجی ترتیب کو ثابت کرتے ہیں۔

نمبر 1: سب سے پہلے سورہ الحمد کا نزول

روایات کے اعتبار سے مدارج النبوۃ کی ص 45 کی روایت یہ کہتی ہے کہ سب سے پہلے سورہ الحمد نازل ہوئی۔امام واحدی نے (اسباب نزول) مطبوعہ مصر کے ص 15 پر بھی یہی لکھا ہے کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ کا نزول ہوا ہے۔امام واحدی نے اسباب نزول میں اس بارے میں ایک روایت بھی نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ قول علی ابن ابی طالب کا ہے

اسباب نزول واحدی ص 15

پھر وہ روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ پیغمبر کو سینتیسویں (37 ویں) سال میں جبرائیل نے نماز سکھائی یا پڑھائی اور وہ روایت جس میں پیغمبر اور علی کو حضرت ابو طالبؑ نے ایک گھاٹی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔

اور وہ روایت جو عفیف سے مروی ہے کہ اس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ، حضرت علی علیہ السلام اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کو زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کے صحن میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

اور وہ روایت جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ نے یہ فرمایا کہ "لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب "کوئی نماز فاتحۃ الکتاب یعنی سورہ الحمد کے بغیر نہیں ہوتی۔

اور اس کے ساتھ سورۃ الحمد کے متن میں یہ آیت ''اھدنا الصراط المستقیم ، صراط الذین انعمت علیھم ''یعنی ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرما۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے ان کا راستہ جن کو تو نے اپنی نعمت سے نواز ہے۔

اس آیت میں نعمت سے مراد بالاتفاق نعمت دنیا یا مال و زر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو کافروں اور گمراہوں کے پاس بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ انہیں اہل ایمان سے زیادہ حاصل ہوا ہے۔ لہذا یہاں مفسرین کا اتفاق ہے اس بات پر کہ یہاں نعمت سے مراد صرف وہ ہدایت و توفیق ہے جو اس کے بہترین اطاعت گذاروں کے شامل حال رہی ہے اور جس کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہوا ہے " اولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین من ذریۃ آدم و ممن حملنا مع نوح و من ذریۃ ابراھیم و اسرائیل و ممن ھدینا و اجتبینا '' (مریم۔58)

(یہ انبیاء ماسبق) وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا ہے ان میں کچھ انبیا تو اولاد آدم میں سے ہیں اور کچھ انبیاء ان کی اولاد میں سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا اور کچھ انبیاء ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت کی اور منتخب کر لیا اور مجتبے بنایا''

یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ سورہ الحمد ہی سب سے پہلی سورہ ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی۔ کیونکہ سنت الٰہیہ یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اپنے بندوں کو عطا کرنا چاہتا ہے اور اس نے اسے دینے کا ارادہ کر لیا ہے اس کے لئے بھی وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ اس سے سوال کرے اور اس سے دعا مانگے۔

مثلاً خدا کا یہ ارادہ تھا کہ پیغمبر اکرم کو علوم غیب سے نوازے اور زیادہ سے زیادہ علم عطا کرے لیکن خدا نے پیغمبر کو حکم دیا کہ ''قل رب ذدنی علما'' (طہ۔114)

اور اے میرے حبیب تو یہ دعا کرو کہ اے میرے پروردگار میرے علم میں زیادتی فرما۔

خدا کا یہ پختہ ارادہ تھا کہ وہ اپنے حبیب کو اتنا علم عطا فرمائے گا کہ اتنا کسی کو عطا نہیں کیا لیکن جو کچھ وہ عطا کرنے والا تھا اس کے لئے اپنے حبیب سے کہا کہ اس کے لئے تم بھی مجھ سے دعا کرو۔ مجھ سے سوال کرو اور مجھ سے مانگو اور دعا کے اس فلسفہ کو ہم نے اپنی کتاب ''آیت سجدہ'' قرآن کا درس توحید میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پس خداوند تعالی نے سورۃ الحمد میں ''اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیھم'' کی دعا اپنے حبیب سے اس لئے کرائی کہ اس کا یہ ارادہ تھا کہ وہ اپنے حبیب کو انبیاء علیہم السلام کے راستہ پر چلائیگا۔ انہیں اس نعمت عظمٰی سے نوازے گا جس نعمت عظمٰی سے اس نے سابقہ انبیاء کو نوازا ہے۔ اور وہ اپنے حبیب کو قرآن عظیم عطا فرمائے گا اور انہیں رسولوں کی صراط مستقیم پر گامزن رکھے گا چنانچہ خدا خود قرآن کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ یقیناً تم ان رسولوں میں سے ہو جو صراط مستقیم پر تھے'' (یٰسین 1 تا 4)۔

لیکن اس نے چاہا کہ اس کا بندہ بھی اس بات کے لئے اس سے سوال کرے اس سے دعا کرے اس سے طلب کرے اور اس سے مانگے جس کے عطا کرنے کا اس نے ارادہ کرلیا ہے۔

پس پیغمبر صلعم نے سینتیسویں (37 ویں) سال سے چالیس سال کی عمر تک تقریباً چار سال خدا کے حضور نماز میں یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے ان لوگوں میں سے قرار دے اور ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے انعام کیا ہے اور جنہیں تو نے یہ نبوت کی نعمت عظمٰی سے نوازا ہے اور جنہیں تو نے کتاب وحکمت عطا فرمائی ہے۔ اور اپنا رسول بنایا ہے اور تین سال زمانہ فترت کے شامل کر کے سات سال تک یہ دعا کرتے رہے تب '' واما بنعمة ربک فحدث '' کے ذریعے اظہار نبوت کا حکم ملا اور و انذر عشیرتک الاقربین کے حکم ذریعہ 27 رجب المرجب کو مبعوث برسالت ہوئے۔ یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ سورہ الحمد سب سے پہلے نازل ہوئی۔

اس کے علاوہ علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر غرایب القرآن میں ص 26 پر سورہ الحمد کے ناموں کے ذیل میں اس طرح لکھا ہے۔ تسمیتھا بفاتحة الکتاب ، قیل لانھا اول سورة نزلت من السماء . روی علی ابن عبی طالبؑ . انه قال نزلت فاتحه الکتاب بمکة من کنز تحت العرش ولھذا قال اکثر العلما انھا مکیة و خطائوا مجاھدا فی قواہ . افھا مدینة . و کیف ولا و تد صح عن البنی فی حدیث ابی بن کعب انھا من اول ما نزل بالقرآن انھاالسبع المثانی و سورة الحجر مکیة بلا خلاف . غرایب القران ص26

ترجمہ: اس کا نام فاتحۃ الکتاب ہوا ہے۔ ایک قول کے مطابق۔ اس لئے کہ وہ سب سے پہلا سورہ ہے جو عالم بالا سے اترا ہے۔ حضرت علی ابن ابی طالب سے روایت ہے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب مکہ میں عرش کے نیچے کے خزانہ سے نکل کر نازل ہوا ہے۔

اس لئے کہ اکثر علماء نے کہا ہے کہ وہ مکیہ ہے اور مجاہد کے قول کو "وہ مدنیہ" ہے غلط ٹھہرایا ہے اور کیونکر ایسا نہ ہو جبکہ حدیث صحیح میں ابی بن کعب کی روایت پیغمبر خدا سے ہے کہ یہ قرآن کے ابتدائی نزول شدہ اجزاء میں سے ہے۔

پھر یہ کہ اس سورہ کا نام سبع مثانی ہے جس کا ذکر سورہ حجر میں ہے جو بلا اختلاف مکی سورہ ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن میں عموماً انداز تخاطب سے نمایاں ہے کہ وہ خداوند عالم کا کلام ہے لیکن سورہ حمد میں انداز بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بندہ کی عرض ہے اپنے خدا کی بارگاہ میں۔

اصل بات یہ ہے کہ سورہ الحمد کلام خدا اس معنی میں ہے کہ اللہ کے ارادہ خاص سے مثل بقیہ قرآن کے اس کی انشاء ہوئی اور اس اعتبار سے وہ قرآن مجید کا جزو ہے مگر وہ بطور کلام الٰہی قرآن کے ساتھ اتارا نہیں گیا بلکہ بطور تعلیم اور امت رسول کے لئے نماز میں

پڑھنے اور اللہ کی بارگاہ میں عرض داشت پیش کرنے کے لئے اتارا گیا ہے۔

اس کے علاوہ سوہ الحجر میں آیا ہے کہ

" ولقد آتینک سبعا من المثانی و القرآن العظیم " (الحجر۔) 87

اور بیشک ہم نے آپ کو سبع مثانی (یعنی سوہ الحمد) اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔

اس آیت میں سبع مثانی یعنی سورہ الحمد کا ذکر علیحدہ سے پہلے ہوا ہے اور قرآن عظیم کا ذکر بعد میں ہوا ہے۔ گویا سورہ الحمد قرآن عظیم کا مقدمہ یا دیباچہ ہے اور قرآن عظیم اس کا متن ہے اس لئے اس کو قرآن کے شروع میں علیحدہ طور پر لکھا گیا ہے۔

سورۃ الحمد کے نام

سورۃ الحمد کا نام بھی اس کے سب سے پہلی سورۃ ہونے کی دلیل ہے تمام سوروں میں سب سے زیادہ نام سورۃ الحمد کے وارد ہوئے اور یہ اس کی عظمت کا مقتضے ہے

سیوطی نے الاتقان میں 25 تک نام گنوائے ہیں ان میں مشہور نام '' فاتحۃ الکتاب'' یا الفاتحہ اور ام الکتاب اور ''السبع المثانی'' اور ''سورۃ الحمد'' ہیں ''فاتحۃ الکتاب'' نام حدیث میں سب سے زیادہ آیا ہے۔ فاتحہ کے معنی ہیں افتتاح یا آغاز کرنے والی چیز۔ یہ نام اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے فاتحۃ الکتاب کا نزول ہوا اور پھر کتاب نازل ہوئی یعنی پہلے اپنے حبیب سے اس نعمت عظمٰی کے حصول کے لئے دعا کرائی اور پھر وہ نعمت عظمٰی عطا کی۔

2۔ قرآنی وحی کا آغاز اور سوہ اقراء کا نزول

سورہ اقراء کی پہلی پانچ آیتیں قرآن عظیم کی سب سے پہلی نازل ہونے والی آیتیں ہیں۔ اس کے لفظ اقراء سے ثابت ہے کہ اب قرآن کی وہ وحی نازل ہونی شروع ہوگئی ہے جو قیامت تک پڑھی جائے گی اور علم بالقلم کے ذریعہ قلم کی اہمیت بتا کر اس بات کی طرف

اشارہ کیا گیا ہے کہ اب قرآن کی جو وحی کی جائیگی وہ احاطہ تحریر میں لائی جائیگی اور آئندہ آنے والی نسلوں کو قلم کے ذریعہ یہ علم سکھایا جائیگا۔اور علم الانسان مالم یعلم کے ذریعہ یہ بتلایا گیا کہ یہ قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت اور تمام ضروریات علمی پورا کرنے کے کام آئیگی۔

لیکن سورہ اقراء کی ان پانچوں آیات میں سے ایسی کوئی بات بیان نہیں ہوئی کہ ہم نے تمہیں نبی بنایا ہے یا تم اپنی نبوت کا اظہار کر دو یا لوگوں کو اپنی نبوت کی طرف دعوت دو بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بیان کردہ روایت مندرجہ صفحہ 46 کے مطابق یہ وحی پیغمبرؐ کی تکمیل نفس کے لیے تھی۔اور آئندہ قرآن کریم کے نازل ہونے کے ساتھ ساتھ اسے لکھائے جانے کی ہدایت پر مشتمل تھی قرآن کی اس وحی کے بعد بالاتفاق قرآنی وحی کا نزول رک گیا اور تین سال تک رکا رہا جسے زمانہ فترت کہتے ہیں اس کو ہم نے گذشتہ اوراق میں "فترت وحی" کے عنوان کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔اس فترت وحی کے زمانے میں پیغمبر کی تکمیل نفس اور رسالت کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے تربیت ہوتی رہی پیغمبرؐ نے اس عرصہ میں نہ اپنی نبوت کا کسی پر اظہار کیا نہ کسی کو دعوت دی حتیٰ کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؑ پر بھی اپنی نبوت کا اظہار نہیں کیا گو وہ آثار و قرائن سے یہ جانتے اور سمجھتے تھے کہ یہ نبی ہیں لہذا خفیہ تبلیغ کا بیان صرف ایک افسانہ ہے۔

3: زمانہ فترت کے بعد سب سے پہلے سورۃ والضحیٰ نازل ہوئی

شبلی کی سیرۃ النبی سے سابقہ اوراق میں بیان ہوا کہ ابن اسحٰق والی روایت میں آیا ہے کہ فترت وحی کے بعد سب سے پہلے سورہ والضحیٰ نازل ہوئی اور سیرت ابن ہشام میں بھی یہی بیان ہوا ہے کہ فترت وحی کے بعد سب سے پہلے سورہ والضحیٰ نازل ہوئی۔اگر ہم سورہ والضحیٰ کے متن میں غور کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ واقعاً زمانہ فترت کے بعد سب سے

پہلے سورہ والضحیٰ ہی نازل ہوئی ہے جیسا کہ سورہ الفاتحہ کا مضمون اس بات کا گواہ ہے کہ پیغمبر پر سب سے پہلے سورہ الفاتحہ ہی نازل ہوئی ہے۔ ہم ذیل میں سورہ والضحیٰ کے معانی کی تشریح پیش کرتے ہیں اور اس بات پر غور کرتے ہیں کہ یہ سورہ کہتا کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ والضحیٰ ۔ والیل اذا سجیٰ ۔ ماودعک ربک وما قلیٰ ۔ وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ ۔ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ ۔ الم یجدک یتیماً فآویٰ ۔ ووجدک ضالاً فھدیٰ ۔ ووجدک عائلاً فاغنیٰ ۔ فاما الیتیم فلا تقھر ۔ واما السائل فلا تنھر ۔ واما بنعمۃ ربک فحدث

ترجمہ: اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

۱۔ قسم ہے دن کی جب کہ وہ روشن ہو جائے

۲۔ اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ چھا جائے

۳۔ نہ تو تمہارا پروردگار تم سے دستبردار ہوا یا چھوڑا اور نہ ہی تم سے بیزار یا ناراض ہوا

۴۔ اور تمہارے لئے آخری حصہ تمہارے پہلے حصہ سے یا آخرت دنیا سے بہتر ہے

۵۔ اور آگے چل کر تمہارا پروردگار تمہیں اس قدر عطا فرمائیگا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

۶۔ کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا تو اس نے تمہیں پناہ دی

۷۔ اور اس نے تمہیں گمشدہ پایا تو تمہیں منزل مقصود تک پہنچایا

۸۔ اور اس نے تمہیں تنگ دست پایا تو تمہیں غنی اور بے نیاز کر دیا

۹۔ پس تم بھی کسی یتیم پر ظلم نہ کرنا

۱۰۔ اور کسی سوال کرنے والے کو نہ جھڑکنا

۱۱۔ اور رہی تمہارے پروردگار کی نعمت تو اب اس کو بیان کر دو۔

سورہ والضحیٰ کا شان نزول

نمبر 1: مولانا شبلی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ:

فرشتہ کی زبانی سب سے پہلے وحی غار حرا میں آئی۔ اس وقت عمر شریف چالیس برس کی تھی اور ''اقراء باسم ربک الذی خلق '' کی ابتدائی آیتیں اس مکتب کا ابتدائی درس تھا۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک وحی کا سلسلہ رکا رہا آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ ابن اسحق کی روایت ہے کہ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ **والضحیٰ ۔ والیل اذا سجیٰ ۔ ماو دعک ربک و ماقلیٰ ۔** قسم ہے دن کی جبکہ وہ پوری روشنی پر ہو اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ سنسان ہو جائے۔ کہ تیرے پروردگار نے نہ تجھ کو چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے اس نے اپنی محبت اٹھائی ہے۔ سیرۃ النبی شبلی جلد 3 ص 298

نمبر 2: ابن ہشام میں اس طرح آیا ہے کہ

ابن اسحق نے کہا۔ پھر وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مدت کے لئے رک گئی۔ یہاں تک کہ آپ کو یہ بات بہت ہی شاق گذری اور صدمہ ہوا۔ پھر آپ کے پاس جبرائیل سورۃ ضحیٰ لے کر آئے جس میں پروردگار نے آپ سے قسم کھا کر خطاب فرماتا ہے کہ نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار رہا۔

نمبر 3: ابن جریر طبری عبداللہ سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''(نزول اقراء کے بعد جب آنحضرت نے حضرت خدیجہؑ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو) وہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ان کو یہ واقعہ سنایا۔ اس نے کہا اگر تم اپنے بیان میں سچی ہو تو بلاشبہ تمہارے شوہر نبی ہیں۔ ان کو اپنی قوم سے تکلیف پہنچے گی۔ اگر میں نے ان کا زمانہ نبوت پایا۔ تو میں ضرور ان پر ایمان لے آؤں گا۔ اس واقعہ کے بعد ایک طویل مدت تک حضرت جبرائیل وحی لے کر رسول اللہ کے پاس نہیں آئے۔ حضرت خدیجہؑ

نے رسول اللہ سے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے رب نے تم سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی۔ والضحیٰ۔ والیل اذا سجیٰ۔ ماودعک ربک و ماقلیٰ۔

ترجمہ تاریخ طبری جلد 1 ص 74

نمبر 4: ابن جریر طبری کی ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ "عامر سے مروی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں رسول اللہ صلعم کو نبوت ملی۔ تین سال اسرافیل آپ کے پاس آتے رہے۔ وہ آپ کو کلمہ اور کچھ تعلیم دیتے رہے۔ اب تک قرآن آپ کی زبان پر نازل نہیں ہوا تھا۔ تین سال کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نبوت کا پیام لے کر آپؐ کے پاس آئے اور دس سال تک مکہ میں اور دس سال تک مدینہ میں قرآن آپ پر نازل ہوتا رہا۔

ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 138

طبری کی اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ تین سال کے بعد جبرائیل علیہ السلام نبوت کا پیام لے کر آئے۔ یہ سورہ والضحیٰ کی آیت 'واما بنعمۃ ربک فحدث' کی طرف اشارہ ہے۔

نمبر 5: طبری نے وہ روایات نقل کرنے کے بعد جن میں یہ آیا ہے کہ دس سال تک مکہ میں اور دس سال تک مدینہ میں قرآن آپ پر نازل ہوتا رہا۔

اور وہ روایات نقل کرنے کے بعد جن میں یہ آیا ہے کہ "تیرہ سال تک مکہ میں اور دس سال تک مدینہ میں قرآن آپ پر نازل ہوتا رہا لکھتے ہیں کہ

ابو جعفر کہتے ہیں کہ شاید جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نزول وحی کے بعد رسول اللہ صلعم نے دس سال تک مکہ میں قیام کیا۔ انھوں نے اس مدت کو اس وقت سے شمار کیا ہے جبکہ جبرائیل علیہ السلام اللہ کی طرف سے وحی لے کر آپ کے پاس آئے۔ اور آپ نے اللہ کی توحید کی اعلانیہ دعوت دی۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے تیرہ سال مکہ میں قیام کیا انھوں نے اس مدت کو ابتدائے نبوت سے شمار کیا جبکہ تین سال تک اسرافیل آپ کے ساتھ رہے

مگراس زمانہ میں آپ کودعوت کا حکم نہیں تھا۔ ترجمہ تاریخ طبری ص 138

ان تمام روایات سے صاف طور پر ثابت ہے کہ آپ کا زمانہ تبلیغ رسالت مکہ میں دس سال ہے اور وہ سورہ والضحیٰ کی آیت "واما بنعمة ربک فحدث " کے نزول کے بعد سے شروع ہوتا ہے اس سے پہلے آپ نے کسی کو دعوت نہیں دی اور نہ ہی کسی کو یہ بتلایا کہ میں نبی ہوں لیکن سن بعثت سورہ اقراء کی پہلی پانچ آیتوں کے نزول کے وقت سے شمار کرلیا گیا ہے اور یہی تاریخ مروج ہوئی ہے اور اسی بنیاد پر واقعات تاریخی کو واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

سورۃ والضحیٰ کی مختصر تشریح

اس سورۃ میں پہلی دو آیتوں میں خداوند تعالیٰ نے اپنی دو عظیم نشانیوں کی قسم کھائی ہے جو جواب قسم کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

تیسری آیت جواب قسم ہے یعنی نہ تو تمہارا پروردگار تم سے دستبردار ہوا ہے اور نہ ہی تم سے ناراض ہوا ہے۔ اب خدا نے قسم کھا کر یہ بات کیوں کہی۔ ہمیں وہ خرافات نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو سراسر توہین رسالت ہے اور ایک من گھڑت جھوٹا فسانہ ہے اور جسے شبلی صاحب تک نے بھی اپنی کتاب سیرۃ النبی میں بخاری کی روایت ہونے کے باوجود خلاف عقل و درایت اور خلاف حقیقت و واقعہ ہونے کی بناء پر مسترد کردیا ہے۔ کیونکہ یہ بات صاف اور واضح طور پر ثابت ہے کہ اس وقت آپ کو دعوت کا حکم ہی نہ ہوا تھا لہذا پہلی وحی آنے اور وحی کے رک جانے کا ذکر آپ نے اپنی زوجہ محترمہ کے سوا اور کسی سے کیا ہی نہیں تھا لہذا کسی کافرہ کی طرف سے یہ کہنا کہ اس کے شیطان نے (یعنی نعوذباللہ خدا نے)اسے چھوڑ دیا ہے بالکل غلط ہے جسے شبلی صاحب بھی برداشت نہ کرسکے حالانکہ یہ بخاری میں لکھا ہے۔

البتہ آپ نے اپنی پہلی وحی کا ذکر حضرت خدیجہؑ سے ضرور کیا تھا اور حضرت

خدیجہؓ نے جواب میں یہ کہا تھا کہ مجھے امید ہے کہ آپ نبی ہوں گے ۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہ نے یہ بات اس لئے کہی کہ سورہ اقراء کی پہلی پانچ آیات میں کوئی لفظ ایسا نہیں تھا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ آپ کو نبی بنایا جاتا ہے صرف جبرائیل کے آنے اور سورہ اقراء کی پانچ آتیوں کی وحی لانے سے ہی حضرت خدیجہؓ نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ یہ بات تو نبیوں والی ہے اور صرف اسی بناء پر حضرت خدیجہؓ نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا تھا۔لہذا عین ممکن ہے کہ جب تین سال تک قرآنی وحی رکی رہی تو حضرت خدیجہ نے یہ خیال ظاہر کیا ہو کہ کہیں خدا نے تمہیں چھوڑ ہی نہ دیا ہو جیسا کہ بعض روایتوں میں بھی حضرت خدیجہؓ کی طرف اس بات کو منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ طبری کا بیان گذر چکا ہے۔

لہذا دراصل یہ سورہ حضرت خدیجہؓ کی تسلی کے لئے ہے اور اب خصوصی طور پر ان کے سامنے اپنی نبوت کا اظہار کردینے کے حکم ساتھ ہے "**واما بنعمة ربک فحدث**" کیونکہ پیغمبر کے ساتھ تو اس تین سال کے عرصہ میں بھی اسرافیل اور جبرائیل علیھما السلام آنخضرت کو تعلیم دینے اور تکمیل نفس اور امور رسالت کی تربیت کے لیے ہر وقت ساتھ رہتے تھے لہذا پیغمبر کی طرف اس بات کی نسبت دینا کہ انھوں نے ایسا خیال کیا ہوگا توہین رسالت ہے اور صحیح بخاری میں زمانہ فترت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ تو پیغمبر اکرم صلعم کی توہین کی بھی انتہائی گھٹیا قسم ہے۔چوتھی آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ یقینی طور پر آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے۔اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ تمہاری زندگی کا آخری حصہ ابتدائی حصہ سے بہتر ہے لیکن اس آیت کا سیاق وسباق یہ کہتا ہے کہ اس آیت سے پہلے یہ کہا گیا ہے کہ خدا نے تمہیں نہیں چھوڑا ہے اور آیت کے بعد کہا گیا ہے کہ آگے چل کر تمہارا پروردگار تمہیں اس قدر عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہوجاؤ گے لہذا سیاق و سباق کلام یہ کہتا ہے کہ جو چیز رکی ہوئی تھی اسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آخری حصہ پہلے سے بہتر ہے۔یعنی آخری حصہ میں تمہیں وحی کے ذریعہ بہت زیادہ علوم غیب عطا ہوں گے۔

پانچویں آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ آگے چل کر تمہارا پروردگار تمہیں اس قدر عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس قدر عطا فرمانے سے مراد مال دنیا کا عطا فرمانا ہے یعنی تمہارا پروردگار اس قدر مال دنیا تم کو عطا فرمائیگا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

چھٹی، ساتویں اور آٹھویں آیت کی تشریح گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکی ہے

نویں دسویں آیت میں چھٹی ساتویں اور آٹھویں آیت کے مضمون سے نتیجہ اخذ کر کے نصیحت کی گئی ہے اور درس عبرت کے طور پر ہے۔اور گیارہویں آیت میں اس خیال کے پیدا ہونے کی وجہ کو صاف کرنے کے لیے کہا گیا ہے کہ اب رہی تمہارے پروردگار کی نعمت یعنی نبوت کے اظہار کی بات تو اب اس کو بیان کر دو۔

سیرۃ ابن ہشام میں اور تاریخ طبری میں اس بات کو بالفاظ واضح بیان کیا گیا ہے چنانچہ سیرۃ ابن ہشام میں آیا ہے کہ:

"وامابنعمة ربک فحدث "اور جو نعمت پروردگار تیرے کی ہے۔پس بیان کر یعنی اللہ تعالی کے پاس سے نبوت کی جو نعمت اور عزت آپ کو ملی اسے بیان کیجئے۔ اور اس کی جانب لوگوں کو بلائیے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو جو اللہ تعالی نے آپ پر اور آپ کی نبوت کے ذریعہ سے تمام بندوں پر انعام فرمائی تھی،تنہائی میں ان لوگوں سے ذکر کرنے لگے جن پر آپ کو بھروسا تھا۔ ترجمہ سیرۃ ان ہشام ص 268

طبری نے اس بات کو ذرا اور واضح کر کے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمه عن ابی اسحق ." وا ما بنعمة ربک فحدث" ای ما جاء ک من الله نعمة و کرامة من النبوت فحدث ای ذکرها وادع الها . قال نجعل رسول الله صلم یذکر ما انعم الله علیه علی العباد من النبوه سراً الیٰ من یطمئن الیه من اهله فکان اول من صدقه

و آمن به واتبعه من خلق الله فيما ذكر زوجته خديجة بنت خويلد رحمها الله"

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 174

بحوالہ طبری ص 1156 طبع تیرمن

ترجمہ: ابن حمید سلمہ سے اور سلمہ ابن اسحق سے آیہ "وا ما بنعمة ربک فحدث" کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یا رسول اللہ جو نعمت اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئی تم لوگوں سے اسکو بیان کر دو یعنی اپنی نبوت کے بارے میں لوگوں کو بتا دو۔ اور لوگوں کو اس کی طرف بلاؤ۔ اور اس کی دعوت دو۔ ابن اسحق کا بیان ہے کہ اس آیہ کے نزول کے بعد آپ آنحضرت صلعم خفیہ طور پر بطور راز کے صرف اپنے گھر والوں سے جن کے متعلق آپ کو اطمینان تھا اس احسان و انعام کا جو اللہ نے آپ پر اور آپ کے ذریعہ سے اپنے بندوں پہ آپ کو نبوت دے کر کیا تھا، ذکر کرنے لگے۔ لہذا سب سے پہلے جس سے اس نعمت نبوت کا راز میں ذکر کیا وہ آپکی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؑ تھیں۔ پس تمام بندگان الٰہی میں سب سے پہلے آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے والی آپ پر ایمان لانے والی اور آپ کی اطاعت و اتباع کرنے والی آپ کی بیوی حضرت خدیجہؑ بنت خویلد تھیں خدا ان پر رحم کرے۔

نبوت کے اظہار کا وقت

مذکورہ بیان سے ثابت ہوگیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانہ فترت میں کسی کو دعوت نہیں دی نہ کسی کو یہ بتلایا کہ میں نبی ہوں۔ گو پیغمبرؐ بچپن سے جانتے تھے کہ میں نبی ہوں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ یہ فرشتے میرے ساتھ کیوں لگے ہوئے ہیں اور مجھے کس کام کے لیے تیار کر رہے ہیں اور ان کی طرف سے السلام علیکم یا رسول اللہ کہنے کا کیا مطلب ہے۔ حضرت آمنہ بنت وھب کو علم تھا کہ یہ بچہ سید الانبیاء

ہے۔ حضرت عبدالمطلب کو علم تھا کہ یہ بچہ عظیم شان والا ہے اور حضرت ابو طالبؑ کو علم تھا کہ اس بچے کو ایک عظیم نعمت ملنے والی ہے۔ راھب بحیرا کو علم تھا کہ یہ بچہ خاتم الانبیاء ہے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اور حضرت علیؑ کو علم تھا کہ یہ نبی ہیں اور حضرت علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سات سال سے نماز پڑھتے آرہے ہیں۔ یہ سب باتیں ان احادیث و روایات سے ثابت ہیں جن کا بیان سابق میں گذر چکا ہے مگر خدا کی طرف سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے ظاہر کرنے اور کسی کو دعوت دینے کا حکم نہیں تھا۔ یہ حکم زمانہ فترت کے اختتام پر سورہ اقراء کے نازل ہونے کے تین سال کے بعد آیا ہے۔ اور "واما بنعمة ربک فحدث" کے حکم کے ذریعہ اپنی نبوت کو ظاہر کرنے اور بیان کرنے کی اجازت ملی تو پیغمبر نے سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو بتلایا اور گھر والوں میں اس وقت صرف حضرت خدیجہؑ تھیں اور حضرت علیؑ تھے جو آپ کے زیر تربیت تھے۔ اور ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے اور زید بن حارثہ تھے جو آپ کے غلام تھے۔

لہذا تمام تاریخیں اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ سب سے پہلے یہ تینوں حضرات آپ کی نبوت پر ایمان لائے تھے اور سورہ والضحیٰ کے نازل ہونے کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا اور اعلانیہ تبلیغ کا سلسلہ شروع ہوگیا" واما بنعمة ربک فحدث" کے ذریعہ گھر والوں پر ظاہر کرنے کے بعد " وانذر عشیرتک الاقربین " کے ذریعے کنبہ والوں کو ڈرانے کا حکم عام ہوا اور " وانذ عشیرتک الاقربین " کے بعد یا "ایھاالمدثر قم فانذر" کے ذریعہ تمام قبائل قریش کو تبلیغ کرنے اور ڈرانے کا حکم آیا اور یا "ایھاالمدثر قم فانذر" کے حکم کے ذریعہ تمام بنی نوع انسان کو تبلیغ کرنے، رسالت کا پیغام پہنچانے کا حکم آگیا۔ پس زمانہ فترت کے بعد واما بنعمة ربک فحدث " کے حکم کے ذریعہ صرف اپنے گھر والوں کو مطمئن کرنے اور بتلانے کے لئے کہا گیا اور وانذر عشیرتک الاقربین کے حکم کے ذریعہ آپ کو مبعوث برسالت کیا گیا اور پھر یہ سلسلہ نہیں رکا۔

لہذا خفیہ تبلیغ کا افسانہ صرف من گھڑت داستان ہے اور صرف ان لوگوں کے لئے گھڑا گیا ہے جو طبری کی سعد بن وقاص کی روایت کے مطابق پچاس (50) سے بھی زیادہ آدمیوں کے ایمان لانے کے بعد ایمان لائے تھے اور جس کی صحت وصداقت کے لئے ہم نے سابقہ صفحات میں کئی اہم شواہد بیان کئے ہیں۔ بہر حال پیغمبرؐ نے سب سے پہلے اپنے گھر سے نبوت کے اظہار کا آغاز کیا پھر تدریجی طور پر اپنی نبوت کا اظہار کرنے اور اپنی رسالت کا آغاز کرنے کے لئے اپنے کنبہ والوں کو تبلیغ رسالت کرنے اور ڈرانے کا حکم دیا جس کا بیان آگے آتا ہے۔

4۔ سورۃ والضحیٰ کے بعد وانذر عشیر تک الاقربین نازل ہوئی

ہم اب تک یہ ثابت کر چکے ہیں کہ پہلے سورۃ الفاتحہ نازل ہوئی پھر قرآنی وحی سورہ اقراء کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ سورہ اقراء کے بعد زمانہ فترت شروع ہو گیا اور پھر کوئی قرآنی وحی نازل نہیں ہوئی۔ زمانہ فترت کا اختتام سورۃ والضحیٰ کے نزول سے ہوا جس میں اپنے گھر والوں پر اپنی نبوت کے اظہار کی اجازت ملی اور اس کے بعد چونکہ تدریجی طور پر آگے بڑھنے کا تقاضا یہ تھا کہ آپ اپنے گھر والوں کے بعد اپنے کنبہ والوں اور قریبی رشتہ داروں کے سامنے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان و اظہار کریں لہذا اسی اقتضا سے خداوند تعالیٰ نے سورۃ والضحیٰ کے بعد وانذر عشیر تک الاقربین نازل فرمائی۔

تاریخ طبری میں اس واقعہ کا سلسلہ سند اس طور پر مروی ہے:

قال حدثنی محمد ابن اسحق عن عبدالغفار ابن القاس عن المنهال ابن عمر عن عبداللہ ابن الحاث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب عن عبداللہ بن عباس عن علی ابن ابی طالب"

اس سلسلہ سند کے ساتھ طبری نے دعوت ذوالعشیرہ کا حال لکھا ہے ہم اختصار

کے خیال سے عربی کی عبارت کو ترک کرتے ہیں۔ اور اردو ترجمہ تاریخ طبری مترجم سید محمد ابراہیم ندوی شائع کردہ نفیس اکیڈیمی کراچی سے اس کی اصل عبارت نقل کرتے ہیں۔

بنو عبد المطلب کو دعوت اسلام

علی ابن ابی طالب سے مروی ہے کہ جب آیہ" وانذر عشیرتک الاقربین "رسول اللہ پر نازل ہوئی۔ آپ نے مجھے بلایا اور کہا اے علی اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی کنبہ والوں کو ہدایت کروں مگر میں اپنے کو اس سے عہدہ برآ ہونے میں مجبور پاتا ہوں، کیونکہ جب میں ان کو اپنی دعوت دوں گا وہ مجھے تکلیف پہنچائیں گے۔ اس خوف سے میں اس حکم کی بجا آوری میں خاموش تھا کہ جبرائیل میرے پاس آئے اور کہا کہ محمد اگر اللہ کے اس حکم کی بجا آوری نہ کرو گے تو تمہارا رب تم کو عذاب دے گا۔

اس لئے تم آدھ سیر تین پاؤ کا کھانا تیار کرو اس پر بکری کی ران بھون کر رکھ دینا اور دودھ سے بھر کر ایک کٹورا لا دو۔ اس کے بعد تمام بنو عبد المطلب کو میرے پاس بلا لاؤ تاکہ میں ان سے گفتگو کروں اور اللہ کے حکم کو ان تک پہنچا دوں۔ میں نے رسول اللہ کی فرمائش پوری کردی اور پھر تمام بنو عبد المطلب کو جو اس زمانے میں کم وبیش چالیس مرد تھے۔ آپ کے پاس بلا لایا۔ ان میں آپ کے چچا ابو طالب۔ حمزہ۔ عباس اور ابو لہب بھی تھے۔ سب کے جمع ہو جانے کے بعد رسول اللہ نے مجھے اس کھانے کے لانے کا۔ جو میں نے آپ کے لئے تیار کیا تھا۔ حکم دیا میں نے اسے لاکر رکھ دیا۔ رسول اللہؐ نے اس میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اسے اپنے دانتوں سے چیرا اور پھر اسے خوان کے کناروں پر رکھ دیا اور سب سے کہا۔ بسم اللہ کر کے کھانا شروع کیجئے۔ تمام جماعت نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا مجھے صرف ان کے ہاتھ چلتے دکھائی دیتے تھے اور قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں علی کی جان ہے کہ جتنا کھانا میں نے ان کے لیے تیار کیا تھا ان میں سے ہر شخص اس تمام کو کھا جاتا۔

کھانے کے بعد رسول اللہ نے فرمایا ان سب کو دودھ پلاؤ۔ میں نے وہ کٹورا لا کران کو دیا اس کو پی کر وہ سب سیر ہو گئے حالانکہ بخدا وہ صرف اتنا تھا کہ ان میں کا ہر شخص اسے پی جاتا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے چاہا کہ ان سے گفتگو کریں مگر آپ کے بولنے سے پہلے۔ابولہب نے کہا کہ عرصہ سے یہ تم پر جادو کرتا رہا ہے۔یہ سن کو تمام جماعت اٹھ کھڑی ہوئی۔رسول اللہ نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔مجھ سے کہا،علی تم نے دیکھا کہ اس شخص نے مجھے آج بات کرنے کا موقع نہیں دیا۔اور سب لوگ چلے گئے۔کل پھر اسی قدر کھانے کا انتظام کرو اور ان سب کو میرے پاس بلا لاؤ

بنوعبدالمطلب کومکرر دعوت اسلام

حسب الحکم دوسرے دن پھر میں نے اس قدر کھانے اور دودھ کا انتظام کر کے سب کو رسول اللہ کی خدمت میں جمع ہونے کی دعوت دی جب وہ آ گئے۔آپ نے کل کی طرح مجھے کھانا لانے کا حکم دیا میں کھانا لایا۔آپ نے آج بھی وہی کیا جو کل کیا تھا۔اس کی برکت سے سب نے شکم سیر ہو کر کھالیا۔پھر آپ نے مجھ سے کہا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔میں اس کٹورے کو لے آیا۔اس سے وہ سب سیر ہو گئے۔اس سے فراغت کے بعد رسول اللہ نے فرمایا اے بنوعبدالمطلب میں نہیں مانتا کہ کوئی عرب مجھ سے پہلے اس سے بہتر کوئی نعمت تمہارے پاس لایا ہو جو میں تمہارے پاس لایا ہوں۔اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس بھلائی کی دعوت دوں۔تم میں سے کون اس معاملہ میں میرا بوجھ بٹانے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔تا کہ وہ میرا بھائی بنے۔میرا وصی ہو اور تم میں میرا جانشین ہو۔اس دعوت میں سب کے سب ساکت وصامت رہے۔کسی نے حامی نہ لی۔البتہ میں نے کہا۔حالانکہ میں اس وقت جماعت میں سب سے کم عمر تھا۔سب سے زیادہ چھوٹی آنکھیں تھیں۔پیٹ بڑا اور پنڈلیاں پتلی پتلی تھیں۔اے اللہ کے نبی میں تمہارا وزیر

بنتا ہوں ۔رسول اللہ نے میری گردن تھام کر کہا ''یہ میرا بھائی ہے ۔میرا وصی ہے اور تم میں میرا خلیفہ ہے ۔تم اسکی بات کو سنو اور جو کہے اسے بجالاؤ۔

اس پر ساری جماعت ہنسنے لگی اور انھوں نے ابو طالب سے کہا سنو! تم کو حکم ہوا ہے کہ تم اپنے لڑکے کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔

ترجمہ تاریخ طبری جلد اول

مترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی

شائع کردہ نفیس اکیڈیمی لاہور ص 88-89

تاریخ طبری عربی طبع جرمن میں مذکورہ آخری عبارت کے اصل الفاظ اس طرح ہیں " انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیہ فاخذ برقبتی ثم قال : ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوا .قال فقام القوم و یقولون لابی طالب قدامرک ان یستمع لابنک و تطیع (اسوۃ الرسول جلد 2 ص 206)

بحوالہ تاریخ طبری عربی طبع جرمن

طبری نے پہلی دفعہ تو دعوت کے موقع پر تو یہ لکھا ہے کہ ابولہب نے آنحضرت کو بولنے کی مہلت ہی نہ دی ۔لیکن دوسرے دن کی دعوت میں ابولہب کی دخل اندازی کا کوئی ذکر نہیں کیا وہ اب کی مرتبہ خاموش رہا کیا کوئی اور رمکمک حاصل ہوگئی ؟ابولہب ایسا تو نہ تھا کہ پیغمبر کو بغیر دخل اندازی کے کچھ کہنے دیتا لیکن دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب نے دوسری دفعہ بھی دخل اندازی کرنا چاہی چنانچہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ نے '' فائق '' کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ ''دوسرے دن پھر حضرت علی کے ذریعہ انہیں دعوت دی ۔وہ لوگ دوبارہ کھانے پر جمع ہوئے ۔جب کھا پی چکے تو پیغمبر اکرم فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے ۔ابولہب نے پھر رخنہ اندازی کرنا چاہی ۔مگر ابو طالب نے اس کی معاندانہ روش دیکھ کر اسے ڈانٹا اور کہا: " یا اعور ما انت و ھذا ''

سیرۃ امیر المومنین ص 153,52

بحوالہ فائق جلد 1 ص 98

''اے بد بخت تجھے ان باتوں سے کیا واسطہ''۔ یہ سن کر ابولہب کو روکنے ٹوکنے کی ہمت نہ ہوئی اور گھٹنوں میں سر دے کر چپ بیٹھ گیا۔ آپ نے مجمع سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم اپنی اپنی جگہ پر اطمینان وسکون سے بیٹھے رہو۔ اور پیغمبر سے کہا آپ جو کہنا چاہتے ہیں شوق سے کہیں ہم آپ کی ایک ایک بات غور سے سنیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ آنحضرتؐ کی ڈھارس بندھی اور آپ نے اولادِ عبدالمطلب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یا بنی عبدالمطلب انی واللہ ما اعلم شاباً (الخ)

سیرۃ امیر المومنین

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 62

یہ عبارت تاریخ طبری کے اردو ترجمہ مترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی کے مطابق کاملاً نقل ہو چکی ہے۔

بہر حال دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ تاریخ وحدیث کی تمام معتبر و مستند کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس موقع پر پیغمبرؐ نے صرف اور صرف اپنے اقربا یعنی اولادِ عبدالمطلب کو ہی مدعو کیا تھا اور ان کے سوا کسی اور کو نہیں بلایا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبرؐ نے بہ تقاضائے تدریج پہلے کام اپنے گھر سے شروع کیا اور حضرت خدیجہؓ۔ حضرت علیؑ اور حضرت زید بن حارثہؓ کو جو آپ کے غلام تھے دعوت دی اور گھر والوں کے بعد اپنے کنبہ کے قریب ترین رشتہ داروں یعنی صرف اولادِ عبدالمطلب کے سامنے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا اور اسی تقاضائے تدریج سے اپنے کنبہ والوں کے بعد تمام قوم قریش کو دعوت دینے کے لیے پکارا۔

5 وانذر عشیرتک الاقربین کے بعد

” یا ایھا المدثر قم فانذر “ کانزول ہوا

جو لوگ تحقیق پسند ہیں اور حقیقت شناس وہ قدرت کے اس تدریجی نظام کی مصلحت اور خوبی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے نازک وقت میں تبلیغ رسالت کا ادا کرنا بہت مشکل کام تھا ۔لہذا ایک دم ہر خاص وعام پر اپنے دعوے کو ظاہر کرنا نئے اسلام کے لئے خطرہ جان ہوسکتا تھا۔لہذا پہلی قرآنی وحی نازل کرنے کے بعد تین سال تک خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو تیار کیا۔پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سورہ اقراء کی پہلی پانچ آیتوں کے نازل ہونے کے بعد تین سال بعد یعنی زمانہ فترت کے بعد اپنے گھر والوں کے سامنے ظاہر کرنے کا حکم دیا۔اس کے بعد صرف اور صرف اپنے قریبی رشتہ داروں کے سامنے اظہار اور دعوت کا حکم ہوا اور صرف اولاد عبد المطلب کو بلایا گیا اور کنبہ والوں پر اظہار نبوت کرنے اور دعوت دینے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی قوم کے سامنے اعلان کرنے کا حکم ہوا ۔لہذا ساری قوم کو ڈرانے کے لئے جو آیات اتریں وہ سورۃ المدثر کی پہلی آیات تھیں۔ چونکہ فترت وحی کا زمانہ ختم ہونے کے بعد وحی قرآنی کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا لہذا بعض سیرت نگاروں نے ابتدائی آیات کی تدریج وترتیب میں غلط قیاس سے کام لیا۔

اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ فترۃ الوحی ۔یعنی قرآنی وحی کے رک جانے کی مدت میں پیغمبرؐ نے کسی سے نہیں کہا کہ میں نبی ہوں ۔یا مجھے نبی بنایا ہے ۔اور رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے ۔ یہاں تک کہ خود اپنی زوجہ محترمہ سے بھی نہیں کہا۔ورقہ بن نوفل سے بھی نہیں کہا۔ورنہ وہ یہ نہ کہتے کہ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا جب وہ اعلان نبوت

کریں گے تو میں ضرور ان پر ایمان لے آؤں گا۔ آنحضرت نے ورقہ سے صرف اتنا کہا کہ جبرائیل میرے پاس آئے اور سورہ اقراء کی پہلی پانچ آیتیں لائے۔ اور سورہ اقراء کی ان پانچ آیتوں میں کوئی حکم ایسا نہیں تھا جس میں تبلیغ رسالت یا نبوت کے اظہار کا حکم ہو۔ بلکہ یہ تکمیل نفس کے لئے تھا جیسا کہ مدارج النبوۃ سے گذشتہ اوراق میں بیان ہوا ہے اور یہ صرف آئندہ قرآنی وحی کو احاطہ تحریر میں لانے کے لئے دستور العمل دیا گیا تھا۔

پس جب کسی اعلان یا اظہار یا تبلیغ کا کوئی حکم ہی نہیں تھا تو آپ کیسے کسی کو دعوت دے سکتے تھے۔ لہذا زمانہ فترت میں کسی کو دعوت دینا جھوٹا افسانہ اور من گھڑت داستان ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے آیہ یا ایھا المدثر قم فانذر اور آیہ وانذر عشیرتک الاقربین کے نزول کے بیان کو آگے پیچھے کر دیا ہے۔ یعنی جو پہلے نازل ہوئی اسے بعد میں نازل ہونا بیان کیا اور جو بعد میں نازل ہوئی اسے پہلے نازل ہونا بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں آیتیں اپنی اپنی ساخت کے اعتبار سے صاف پہچانی جاتی ہیں کیونکہ یا ایھا المدثر قم فانذر کا حکم عام ہے اور وانذر عشیرتک الاقربین خاص اپنے قریبی رشتہ داروں کے لئے ہے۔

حکم عام کی تعمیل پیغمبر نے پہاڑ کے اوپر چڑھ کر علی الاعلان فرمائی اور خاص اپنے قریبی رشتہ داروں یعنی اولاد عبدالمطلب کو دعوت دینے کی تعمیل اولاد عبدالمطلب کو اپنے گھر بلا کر کی۔

جن حضرات نے فترت وحی کے زمانہ کو خفیہ تبلیغ کا زمانہ قرار دے دیا ہے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ فترت وحی کے زمانہ میں پیغمبر کو اپنی نبوت کے اظہار اور دعوت دینے کا حکم ہی نہیں تھا۔ اور فترت وحی کے بعد ان کے نزدیک سب سے پہلی قرآنی وحی اور سب سے پہلی آیت " یا ایھا المدثر قم فانذر " ہے۔ اور یہ حکم عام ہے۔ اعلانیہ ڈرانے کا حکم ہے اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ یا ایھا المدثر کے بعد قرآنی وحی کا سلسلہ

شروع ہوگیا اور پھر نہیں رکا۔

تعجب اس بات کا ہے کہ بعض سیرت نگار پیغمبرؐ کو پہاڑ پر چڑھا کر اعلان پہلے کراتے ہیں اور اپنے کنبہ کو دینا بعد میں دکھاتے ہیں

شبلی صاحب نے سیرۃ النبی میں اور شیخ اقبال نے جواہر الاسلام میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ کوہ صفا کے اعلان کے موقع پر ابولہب نے مخالفت کی اور نازیبا الفاظ استعمال کئے تو اس کی شان میں سورۃ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ کوہ صفا کے اعلان کے موقع پر آپ کے اقربا یعنی اولاد عبد المطلب بھی موجود تھی او پیغمبر انہیں ڈرا چکے تھے۔لہذا بعد میں اقربا کو ڈرانے کے لئے وانذر عشیرتک الاقربین کا نزول بالکل فضول ہوجاتا ہے۔کیونکہ وہ تو پہلے ہی ڈرائے جاچکے ہیں لیکن اگر وانذر عشیرتک الاقربین پہلے ہو اور صرف اولاد عبد المطلب کو دعوت دی گئی ہو تو پھر اعلان عام میں ان کی شرکت سے کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ سورہ والضحیٰ کے نزول کے بعد قرآنی وحی کا سلسلہ شروع ہوگیا اور پھر نہیں رکا۔اور فوراً وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوگئی۔اور پھر یا ایھاالمدثر قم فانذر نازل ہوگئی۔لہذا خفیہ تبلیغ کا زمانہ صرف ان لوگوں کے لئے گھڑا گیا جو پچاس سے زیادہ آدمیوں کے بعد ایمان لائے تھے تاکہ ان کا خفیہ تبلیغ کے زمانہ میں ایمان لانا بیان کیا جاسکے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ چونکہ حضرت علی علیہ السلام "واما بنعمة ربک فحدث" کی تعمیل کے موقع پر اپنے ایمان کا اظہار کرچکے تھے لہذا دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر برملا اولاد عبد المطلب کی موجودگی میں اپنے ایمان کا اظہار اور پیغمبرؐ کا ساتھ دینے کا اعلان کردیا۔

اگر خفیہ تبلیغ کا عرصہ تین سال تک ہوتا اور اس میں کچھ ایمان لانے والے موجود

ہوتے تو جس وقت پیغمبر نے کوہ صفا پر کھڑے ہوکر اعلان فرمایا تھا تو ان ایمان لانے والوں میں سے بھی کچھ نہ کچھ کھڑے ہو جاتے اور علی الاعلان کلمہ شہادتین اپنی زبانوں پر جاری فرماتے۔

اس میں تو پیغمبرؐ نے تمام قبائل قریش کو پکارا تھا۔ابولہب نے تو جو کہا تھا اس نے دعوت ذوالعشیرہ میں بھی کہا تھا لیکن اس کا کہنا ایک تیرہ برس کے بچے کو نہ روک سکا۔اگر ایک تیرہ برس کا بچہ قرابت داروں کی دعوت تبلیغ میں کھڑا ہو کر اپنے ایمان کا اظہار کرسکتا ہے تو تمام قبائل قریش کی دعوت میں دوسرے ایمان والے اپنے ایمان کا اظہار کیوں نہیں کرسکتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک کوئی ایمان ہی نہیں لایا تھا سوائے حضرت علیؑ۔ حضرت خدیجہؑ اور حضرت زید بن حارثہ کے۔یہ تین سال کی خفیہ دعوت کا افسانہ وہی فترت کا زمانہ ہے جس میں آپ حضرت اسرافیل کے حوالے رہے۔اور اس تین سال کے عرصہ میں پیغمبر نے کسی کو بھی دعوت نہیں دی نہ کسی کو بتلایا کہ میں نبی ہوں۔حتیٰ کہ حضرت خدیجہ ع اور حضرت علیؑ کو بھی نہیں بتلایا اور نہ ہی انہیں دعوت دی۔لیکن بعض سیرت نگاروں نے اپنی طرف سے خاص اغراض کے لئے اسے خفیہ دعوت کا زمانہ قرار دے دیا ہے تا کہ جو لوگ بہت بعد میں ایمان لائے ان کو اس خفیہ دعوت کے زمانہ میں ایمان لانا بیان کیا جاسکے اور انہی کے لئے اس خفیہ دعوت کا افسانہ گھڑا گیا ہے۔

بہر حال جب فترت وحی کے بعد خدا نے "واما بنعمة ربک فحدث " کی قرآنی وحی کے ذریعہ فترت وحی کو ختم کیا تو پھر آیہ" وانذر عشیرتک الاقربین "کے ذریعہ اور آیہ یا ایہا المدثر قم فانذر" کے ذریعہ اور آیہ فاصدع بما تومر واعرض عن المشرکین" کے ذریعے تبلیغ کھلم کھلا اور عام ہوگئی فرق صرف اتنا ہے کہ واما بنعمة ربک فحدث " کے حکم پر صرف گھر والوں کو دعوت دی اور آیہ وانذر عشیرتک الاقربین کے حکم پر

صرف اپنے قریبی رشتہ داروں کے سامنے اعلان کیا اور صرف اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی اور آیہ یا ایھا المدثر کے ذریعہ تمام قبائل کو پکارا اور ان سب کے سامنے اعلان کیا اور آیہ فاصدع بما تومر کے ذریعہ خدا کے حکم کے مطابق برملا تمام اقوام عالم کے لئے تبلیغ کا آغاز ہوگیا لہذا خفیہ تبلیغ کا زمانہ کوئی ہے ہی نہیں اس کے بعد تو سب کچھ کھلم کھلا ہوگیا اور پیغمبر برسر عام کہتے تھے "قولو ا لا الہ الا اللہ تفلحوا"

یا ایھاالمدثر کا شان نزول

سورہ یا ایھا المدثر کی پہلی آیات کے بارے میں بھی عجیب وغریب داستانیں گھڑی گئی ہیں ہم نمونہ کے طور پر چند مثالیں ذیل میں درج کرتے ہیں شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ:

"تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ فترۃ الوحی یعنی سلسلہ وحی کے رک جانے (فترۃ) کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں۔آپ حرا سے واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک آواز سنائی دی۔آپ نے ادھر ادھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ نظر آیا۔آپ حضرت خدیجہؑ کے پاس آئے تو کہا مجھے کمبل اڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔اس حالت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں" یاایھاالمدثر قم فانذرو ربک فکبر" (مدثر) اے گلیم پوش اٹھ اور لوگوں کو خدا سے ڈرا اپنے رب کی کبریائی بیان کر۔

سیرۃ النبی جلد 3 ص 299

شبلی صاحب اپنے مذکورہ بیان کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

اس کے برخلاف صرف حضرت جابر کی حدیث ہے (بخاری باب بدء الوحی و باب کیف نزل الوحی) کہ انھوں نے آنحضرت صلعم سے سنا کہ سب سے پہلے وحی میں سورہ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئی مگر اجماع عام یہ ہے کہ یہ حضرت جابر کا وہم ہے وہ آیتیں فترت

وحی کے بعد سب سے پہلے اتریں۔ حاشیہ سیرۃ النبی جلد 3 ص 299

شبلی صاحب اسی صفحہ پر مزید لکھتے ہیں کہ

''اس کے بعد مسلسل وحی نازل ہونی شروع ہوگئی اور اس کا تار اس وقت تک نہ ٹوٹا جب تک حیات طیبہ کا ظاہری سلسلہ منقطع نہ ہوگیا۔ سیرۃ النبی جلد 3 ص 299

شبلی صاحب کے مذکورہ بیان سے ثابت ہوگیا کہ ان کے نزدیک محدثین کا اتفاق بھی اس بات پر ہے اور اجماع عام بھی یہی ہے کہ فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے ''یا ایھا المدثر قم فانذر '' نازل ہوئی۔ اور فترۃ وحی کا زمانہ تین سال ہے جس میں پیغمبر نے کسی کو دعوت نہیں دی۔ اور ''یا ایھا المدثر قم فانذر'' خاص نہیں بلکہ عام حکم ہے۔ لہذا یہ سمجھنا کہ پیغمبر نے یا ایھا المدثر کے نزول کے بعد تین سال تک خفیہ اور رازداری کے ساتھ تبلیغ کی بالکل باطل اور غلط خیال ہے اور قرآنی آیات کے خلاف ہے۔ کیونکہ یا ایھا المدثر کے نزول کے بعد تو پیغمبر نے کوہ صفا پر چڑھ کر اعلان عام کیا اور تمام قوم قریش کو پکارا ہے اور قوم قریش کے ہر قبیلہ کو آواز دی ہے۔ دراصل خفیہ تبلیغ کا زمانہ اگر کچھ ہے تو صرف وہی ہے جو فترۃ وحی کے بعد ''واما بنعمۃ ربک فحدث '' کی صوت میں یعنی اپنے گھر والوں جناب خدیجہ۔ حضرت علی اور اپنے غلام زید بن حارثہ کو یہ بتلانے کی صورت میں ظاہر ہوا کہ انھیں آپ نے بتلایا کہ میں نبی ہوں اور چونکہ وہ حالات واقعات و آثار قرائن سے پہلے ہی جانتے تھے کہ یہ نبی ہیں لہذا وہ فوراً آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی نبوت کی تصدیق کی، گھر والوں کو یہ بات بتلانے کے بعد ہی فوراً اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم آگیا اور یہ حکم ہی آپ کا مبعوث برسالت ہونے کا حکم تھا۔ اسی لئے تمام علمائے شیعہ کا اتفاق ہے اس بات پر کہ آنحضرت 27 رجب المرجب کو مبعوث برسالت ہوئے جبکہ سورہ اقراء کی پہلی پانچ آیتیں بالاتفاق ماہ رمضان میں نازل ہوئیں تھیں اور اس میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں تھا کہ آپ اپنی نبوت کا اظہار کردیں جبکہ وحی کا سلسلہ بچپنے سے جاری تھا جو تربیتی وحی

تھی اور نبی آپ عالم ارواح میں ہی منتخب ہو چکے تھے اور پیدائش کے وقت سے ہی نبی تھے او فترت وحی کا زمانہ ختم ہونے کے بعد سلسلہ وحی مسلسل طور پر جاری رہا اور یکے بعد دیگرے پیغام آتے رہے اور پیغمبر ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے لہذا فترت وحی کے زمانہ کو خفیہ تبلیغ کا زمانہ قرار دینا اور سمجھنا سراسر غلط ہے اور فترت وحی کے بعد آپ اعلانیہ تبلیغ فرماتے تھے البتہ اس میں تدریج سے کام لیا گیا پہلے اپنے گھر سے کام شروع کیا پھر اپنے قریبی رشتہ داروں کے سامنے اعلان کیا پھر تمام قبائل قریش کے سامنے کوہ صفا پر چڑھ کر اعلان کیا اور اس کے بعد **فاصدع بما تومر و اعوض عن المشرکین** کے حکم پر تمام کفار و مشرکین کے سامنے علی الاعلان تبلیغ شروع کر دی چاہے وہ کفار و مشرکین قریش ہوں یا اہل کتاب یہود و نصاریٰ و صابئین وغیرہ ہوں۔

لیکن شبلی صاحب اور ان کے ہم مشرب و ہم خیال لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ **یا ایھا المدثر** کے حکم عام کے نزول کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خفیہ طور پر اور راز داری کے ساتھ کام شروع کیا۔ چنانچہ وہ سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ:-

"تین برس تک آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہایت راز داری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا۔ لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا صاف حکم آیا " **فاصدع بما تومر** " (حجر۔6) اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے واشگاف کہہ دو اور نیز حکم دیا" **وانذر عشیرتک الاقربین** " اور اپنے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا (الشعرا۔ 11)

سیرۃ النبی شبلی جلد 1 ص 210

اس کے بعد لکھتے ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا "یا معشر قریش" لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئیگا۔ سب نے کہا ہاں! کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپ

نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا یہ سن کر سب لوگ جن میں ابولہب آپ کا چچا بھی تھا سخت برہم ہو کر چلے ہو گئے۔

سیرۃ النبی شبلی جلد 1 ص 210

اس کے بعد شبلی صاحب دعوت ذوالعشیرہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

"چند روز کے بعد آپ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ دراصل تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا تمام خاندان عبدالمطلب کو مدعو کیا گیا۔حمزہ، ابو طالب، عباس، سب شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کو کفیل ہے۔اس بار گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا۔تمام مجلس میں سناٹا تھا۔دفعتاً حضرت علی نے اٹھ کر کہا۔گو مجھ کو آشوب چشم ہے۔گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں۔تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔

سیرۃ النبی شبلی جلد 1 ص 211

اگر چہ شبلی صاحب نے اس عظیم واقعہ کو مختصر کرنے میں حد کر دی اور علیؑ کی فضیلت کو ظاہر کرنے والی باتوں کو چھپانے کی انتہا کر دی ہے لیکن لاکھ پردے ڈالنے کے باوجود علی کی فضیلتوں کا نور ان پردوں میں سے چھن چھن کر باہر نکل رہا ہے۔

شبلی صاحب یہ بات تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکے کہ" یہ دراصل تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا" اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پہلے تبلیغ اسلام کا کام شروع نہ کیا تھا لیکن انھوں نے ایک خاص مقصد کے لیے آیات و واقعات کو آگے پیچھے کیا۔جو واقعہ پہلے ہوا تھا اسے بعد کا واقعہ ظاہر کیا اور جو واقعہ بعد میں ہوا اسے پہلے ہونا ظاہر کیا۔اور یا ایھا المدثر کے نزول کے بعد تین سال تک رازداری سے تبلیغ دکھائی جو کسی طرح بھی حقیقت کے مطابق نہیں ہے۔اور یا ایھا المدثر کا شان نزول جس طرح سے لکھا ہے وہ بھی پیغمبر کی شان کے خلاف ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں یا ایھا المدثر کا شان نزول اسی طرح لکھا ہے جس طرح شبلی صاحب نے سیرۃ النبی میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فترت وحی کی مدت میں ایک بار جبرائیل علیہ السلام کو ایک ایسی کرسی پر بیٹھے دیکھا جو زمین سے لے کر آسمان تک بچھی ہوئی تھی۔ اس نظارے سے بھی آپ پر خوف و دہشت طاری ہوئی۔ اور آپ اسی حالت میں گھر واپس تشریف لائے۔ اور حضرت خدیجہؓ رضی اللہ عنہا سے 'زملونی' اسی طرح فرمایا جس طرح غار حرا میں پہلی وحی کے نزول کے وقت فرمایا تھا اس کے بعد ہی حق تعالی نے آپ پر ''یا المدثر قم فانذر'' کی وحی نازل فرمائی اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ اور مسلسل نزول ہوتا رہا۔ اردو ترجمہ مدارج النبوۃ ص۔46

ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوت کے حوالہ سے گذشتہ اوراق میں لکھ آئے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو ابھی تبلیغ کا حکم ہی نہ تھا۔ اور یا ایھا المدثر قم فانذر کے نزول کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا اور مسلسل وحی نازل ہوتی رہی جس کی تعمیل میں پیغمبر نے اعلانیہ تبلیغ فرمائی لہذا یا ایھا المدثر کے نزول کے بعد تو خفیہ اور راز داری سے تبلیغ کا زمانہ بنتا ہی نہیں۔

البتہ ابن اسحق والی روایت کے مطابق جس میں فترۃ وحی کے بعد سورۃ والضحیٰ کا نزول بیان ہوا ہے اور پیغمبر کو فاما بنعمۃ ربک فحدث کا حکم ہوا ہے کہ اب تم اپنے گھر والوں سے جنہیں یہ گمان ہوگیا ہے کہ خدا نے کہیں تمہیں چھوڑ ہی نہ دیا ہو اپنی نبوت کی نعمت عظمیٰ کو بیان کردو۔ اور انہیں بتلادو کہ خدا نے مجھے نبی بنایا ہے اور میں نبی ہوں اس کے بعد سلسلہ وحی شروع ہوگیا اور پیغمبرؐ نے ان پر عمل کیا اور ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ ابن ہشام میں یا ایھا المدثر قم فانذر'' کا شان نزول اس طرح لکھا ہے۔

مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ سخت ترین اذیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے قریش سے پائی وہ یہ تھی کہ ایک روز آپ نکلے تو جو بھی آزاد یا غلام آپ سے ملا اس نے آپ کو جھٹلایا اور ایذا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر واپس تشریف لائے اور جو سختی آپ پر پڑی اس کے سبب آپ نے کمبل اوڑھ لیا اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ سورۃ نازل فرمائی۔

"یا ایھا المدثر قم فانذر" اے کملی اوڑھنے والے شخص اٹھ اور (لوگوں کو برے نتیجوں سے) ڈرا۔ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 303

ابن ہشام کی یہ روایت انتہائی طور پر قابل غور ہے سب سے پہلی بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ:

"ایک روز آپ نکلے تو جو بھی آزاد یا غلام آپ سے ملا اس نے آپ کو جھٹلایا"

اس سے ثابت ہوا کہ "یا ایھا المدثر" کے نزول سے پہلے پیغمبر صلعم تبلیغ رسالت کر چکے تھے ورنہ جھٹلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور وہ یقینی طور پر دعوت ذوالعشیرہ میں اولاد عبدالمطلب کے سامنے اپنی نبوت کا اظہار کرنا تھا اور انہیں اس امر کی طرف دعوت دینا تھا اور اس دعوت میں ابولہب نے جو طرز عمل اختیار کیا وہ تمام تاریخوں کی زینت ہے۔ لہذا پیغمبر کی تبلیغ کے ساتھ ہی ابولہب کا زہریلا پروپیگنڈہ شروع ہو چکا تھا۔

دوسری بات سیرۃ ابن ہشام والی روایت میں قابل غور یہ ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر واپس ہوئے اور جو سختی آپ پر پڑی اس کے سبب سے آپ نے کمبل اوڑھ لیا اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ سورہ نازل فرمایا "یا ایھا المدثر قم فانذر" اے کملی اوڑھے ہوئے شخص اٹھ اور (لوگوں کو برے نتیجوں سے) ڈرا۔

اب کمبل اوڑھنے کی دو وجوہات ہمارے سامنے آئی ہیں۔ پہلی وجہ جو شبلی صاحب

نے لکھی ہے جس کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ آنحضرت نے جبرائیل کو دیکھا تو ڈر گئے اور گھر آکر کہا کہ مجھے کمبل اڑھاؤ اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔

شبلی صاحب کی بیان کردہ یہ روایت بالکل خلاف عقل و درایت ہے۔ پیغمبرؐ کے ساتھ تو بچپن سے ہی ایک مقدس فرشتہ رہتا تھا۔ وحی قرآنی کے نزول سے پہلے بھی جبرائیل پیغمبر کے پاس آتے رہتے تھے پیغمبرؐ کو وضو خود جبرائیل نے کر کے دکھائی۔ پیغمبر کو خدا کی طرف سے نماز خود جبرائیل نے پڑھ کر دکھائی۔ اور بالاتفاق یہ واقعہ نہ صرف سورہ المدثر سے پہلے کا ہے بلکہ سورہ اقراء کے نزول سے بھی بہت پہلے کا ہے پھر زمانہ فترۃ وحی میں بھی اگرچہ بعض روایات کا زور اس بات پر ہے کہ زمانہ فترت وحی میں آپ کی تکمیل نفس اور تربیت کا کام اسرافیل کے سپرد ہو گیا۔ لیکن شبلی صاحب نے خود اپنی کتاب سیرۃ النبی میں بخاری کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ زمانہ فترت میں بھی جبرائیل ہی پیغمبرؐ کے پاس آتے تھے آپ کو تسلی دیتے تھے۔ اور انہیں یہ یقین دلا کر جاتے تھے کہ آپ رسول ہیں۔ لہذا اس حالت میں پیغمبر کا جبرائیل کو دیکھ کر ڈر جانا اور بھاگے بھاگے گھر جانا اور کمبل اوڑھ کر پڑ جانا۔ خلاف عقل و درایت اور خلاف حالات وواقعات ہے۔

لیکن سیرۃ ابن ہشام کی روایت کے عین مطابق عقل و درایت ہے اور کفار قریش کی طرف سے جھٹلائے جانے کی وجہ سے آپ کا کبیدہ خاطر ہونا اور اداس ہو جانا عین فطری ہے۔ لہذا آپ کا کبیدہ خاطر ہو کر اداسی کے عالم میں کمبل اوڑھ کر لیٹ جانا بالکل صحیح ہے اور اس حالت میں جبرائیل کا یہ وحی لے کر آنا کہ "یا ایھا المدثر قم فانذر" "اے کمبل اوڑھ کر لیٹ جانے والے اٹھ اور اپنی قوم کو ڈرا واقعات کے عین مطابق ہے۔

آیت کا لب ولہجہ بھی یہی ہے کہ پیغمبر جبرائیل سے ڈر کر اور کمبل اوڑھ کر نہیں پڑے تھے بلکہ کفار کے جھٹلانے پر کبیدہ خاطر ہوئے تھے اور اداس ہو کر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے تھے۔ لہذا قدرت نے یاایھا المدثر نازل فرما کر حوصلہ دلایا اور ان کی ہمت بندھائی اور

پورے تحکم کے ساتھ فرمایا "قم فانذر" اداس اور کبیدہ خاطر نہ ہو۔ اٹھو! کھڑے ہو جاؤ اور قوم کو ڈراؤ۔

شبلی صاحب اور ان کے ہم مشرب کیونکہ پیغمبرؐ کی ایک ڈاکئے سے زیادہ اہمیت کے قائل نہیں ہیں اور وہ ڈاکیا بھی شاید ایسا جسے کسی جاگیردار نے بیگار میں پکڑا ہوا ہو لہٰذا وہ پیغمبرؐ کے لئے بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے گھڑی ہوئی ان روایتوں کو تو اختیار کر لیتے ہیں جن میں پیغمبر کی توہین کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور ہو۔ اور ایسی روایت جس میں پیغمبر کی کچھ نہ کچھ شان نظر آتی ہو اس کی یا تو تردید کر دیتے ہیں یا صرف نظر کر دیتے ہیں۔

بعثت رسالت کے سن کا غلط تعین

یہ بات بھی جبر تاریخ ہے کہ جس طرح سن ہجری کے آغاز کا تعین غلط طور پر کیا گیا اسی طرح بعثت رسالت کو غلط طور پر شروع کیا گیا۔

سن ہجری کا آغاز تو اس لیے غلط ہے کہ حتماً و یقیناً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے یکم ربیع الاول کو ہجرت فرمائی تھی اور ہرگز ہرگز کسی تاریخ کسی حدیث یا کسی سیرت کی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ پیغمبر نے یکم محرم الحرام کو ہجرت کی تھی اور یہ بات چیلنج کے ساتھ کہی جا سکتی ہے۔ مگر معلوم نہیں کیوں سن ہجری کا آغاز یکم محرم سے قرار دے دیا گیا۔ اگر سن ہجری کا تعین کرنا تھا تو یکم ربیع الاول سے کرنا چاہیے تھا۔ سن ہجری سے پہلے عرب میں عام الفیل کا رواج تھا ممکن ہے عام الفیل یکم محرم سے شروع ہوتا ہو۔ اس لئے سن ہجری بھی یکم محرم الحرام سے قرار دے دیا گیا

بہر حال یہ بات مسلمہ اور متفق علیہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت یکم ربیع الاول کو ہوئی تھی یکم محرم کو نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب سن ہجری یکم محرم سے شروع ہوتا ہے۔

اسی طرح بعثت نبوی اور بعثت رسالت میں گھپلا ہے کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بحیثیت نبی انتخاب عالم ارواح میں ہو چکا تھا جس کا بیان سابق میں گذر چکا ہے اور پیغمبر اپنی پیدائش کے وقت سے ہی نبی تھے اور پیغمبر کے ساتھ بچپنے سے ہی ایک فرشتہ ساتھ رہتا تھا۔ اور رویا صادقہ کے ذریعہ بھی وحی والہام کا سلسلہ جاری تھا۔ اور حتماً سورہ اقراء کا نزول نبوت کی عطائیگی یا اعلان رسالت کے لئے نہیں تھا۔ یہ بھی اگر چہ قرآنی وحی تھی لیکن یہ بھی صرف آگاہی بخش اور تربیتی وحی تھی تا کہ یہ بتلایا جائے کہ آئندہ جب بھی قرآنی آیات نازل ہوں تو انہیں ساتھ کے ساتھ قلم کے ذریعہ احاطہ تحریر میں لایا جائے کیونکہ آئندہ مسلمانوں کو قلم کے ذریعے ہی علم پہنچ سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے نہ تو سورہ اقراء سے پہلے کسی کو یہ بتلایا کہ میں نبی ہوں اور نہ ہی کسی کو دعوت دی کہ مجھے نبی مانو اور نہ ہی سورہ اقراء کے نزول کے بعد فترت وحی میں کسی کو دعوت دی اور نہ ہی سورہ اقراء کی ان پانچوں آیتوں میں ایسا کوئی حکم تھا۔ بلکہ سورہ اقراء کے نزول کے تین سال بعد حضرت خدیجہؑ کی تسلی کی خاطر اور اطمینان قلب کے لئے پیغمبر کو یہ حکم ہوا کہ اب آپ خدیجہ پر اپنی نبوت کو ظاہر کریں اور حضرت خدیجہ اور اپنے گھر والوں کو یہ بتلا دیں کہ میں نبی ہوں۔ کیونکہ انہیں یہ خیال ہو گیا تھا کہ سورہ اقراء کی ان پانچ آیات کے بعد چونکہ اور کوئی وحی قرآنی نازل نہیں ہوئی تھی کہیں خدا نے آنحضرتؐ کو چھوڑ ہی نہ دیا ہو لہذا خدا نے سورۃ والضحیٰ نازل فرمائی اور جہاں یہ بتلایا کہ ہم نے تمہیں چھوڑا نہیں وہاں تسلی کے طور پر یہ بھی بتلایا کہ ہم تو تمہاری بچپن سے نگرانی کر رہے ہیں جبکہ آپ یتیم تھے ہم کیسے آپ کو چھوڑ سکتے ہیں اور پھر " **واما بنعمة ربک فحدث** " کے حکم کے ذریعہ حضرت خدیجہؑ اور اپنے گھر والوں پر اپنی نبوت کے اظہار کرنے کا حکم دیا کہ اب آپ ان کو بتلا دیں کہ میں نبی ہوں اور پھر **واما بنعمة ربک فحدث** کے بعد **وانذر عشیرتک الاقربین** نازل ہوئی اور آپ کو تبلیغ رسالت پر مامور کیا گیا۔

یہ مبعوث بہ رسالت ہونے کے حکم کی پہلی وحی تھی۔ لیکن اکثر مورخین نے سورہ اقراء کے نزول کو نبوت کا ملنا سمجھ لیا۔ جیسا کہ طبری نے لکھا ہے کہ "چالیس سال کی عمر میں رسول اللہ صلعم کو نبوت ملی" تین سال تک اسرافیل آپ کے پاس آتے رہے وہ آپ کو کلمہ اور کچھ تعلیم دیتے رہے اب تک قرآن آپ کی زبان پر نازل نہیں ہوا تھا۔ تین سال کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نبوت کا پیغام لے کر آپ کے پاس آئے اور دس سال تک مکہ میں اور دس سال تک مدینہ میں قرآن آپ پر نازل ہوتا رہا۔"

ترجمہ تاریخ طبری جلد اول ص 138

طبری وہ روایت نقل کرنے کے بعد جن میں یہ آیا ہے کہ تیرہ سال تک مکہ میں اور دس سال تک مدینہ میں قرآن آپ پر نازل ہوتا رہا۔ لکھتے ہیں کہ

"ابو جعفر کہتے ہیں کہ شاید جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نزول وحی کے بعد رسول اللہ نے دس سال تک مکہ میں قیام کیا انھوں نے اس مدت کو اس وقت سے شمار کرلیا جبکہ جبرائیل علیہ السلام اللہ کی طرف سے وحی لے کر آپ کے پاس آئے اور آپ نے اللہ کی توحید کی اعلانیہ دعوت دی اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے تیرہ سال مکہ میں قیام کیا جبکہ تین سال اسرافیل آپ کے ساتھ رہے مگر اس زمانہ میں آپ کو دعوت کا حکم نہ آیا تھا۔

ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 138

یہ تمام روایات ثبوت ہیں اس بات کا کہ بعثت رسالت کے سن کا غلط تعین کیا گیا۔ جو زمانہ فترت وحی کے خاتمہ کے بعد شروع ہوتا ہے اور یہی بات صحیح ہے کہ پیغمبر نے مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد صرف دس سال مکہ میں قیام کیا۔ لیکن سن بعثت نبوی یا سن بعثت رسالت بھی سن ہجری کی طرح غلط طور پر قرآن کی پہلی وحی کے نزول کے وقت سے شمار کرلی گئی۔ حالانکہ نہ آپ اس وقت مبعوث بہ نبوت ہوئے تھے کیونکہ آپ شروع دن سے نبی تھے اور نہ ہی مبعوث بہ رسالت ہوئے تھے کیونکہ اس کا آغاز فترت وحی کے تین سال بعد "وانذر

عشیرتک الاقربین ''کے حکم سے ہوا تھا جبکہ کنبے اور اپنے خاندان والوں یا قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم ہوا اور پھر یا ایھا المدثر کے ذریعہ تمام قبائل قریش کو تبلیغ رسالت کا حکم ہوا۔ اور اسی لئے تمام علمائے شیعہ کا اتفاق ہے اس بات پر کہ آنحضرت 27 رجب المرجب کو مبعوث برسالت ہوئے جبکہ قرآن کی پہلی وحی بالاتفاق ماہ رمضان میں آئی۔ پس سن بعثت کا تعین بھی غلط طور پر کیا گیا ہے۔

حضرت ابو بکر کے ایمان لانے کا بیان اور حضرت علیؑ کے ایمان کی بے اعتباری کا چرچہ

بہت سی عجیب و غریب باتوں میں ایک عجیب و غریب بات عمر، جنس اور آزاد و غلام کے حساب سے ایمان لانے کی ترتیب ہے۔ چونکہ حضرت علی کے سب سے پہلے ایمان لانے کا انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ چونکہ آنحضرت نے تبلیغ کا کام اپنے گھر سے ہی شروع کیا تھا اور ''واما بنعمة ربک فحدث'' کے نازل ہونے کے بعد آپ نے رازداری کے ساتھ اپنے گھر سے ہی اپنی نبوت کے اظہار کا آغاز کیا تھا لہذا حضرت علیؑ، حضرت خدیجہؑ اور حضرت زیدؓ جو آپ کے غلام ہونے کی حیثیت سے آپ کے گھر کے ہی ایک فرد شمار ہوتے تھے سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔

اب چونکہ اقتدار پر آنے والوں کے طرفداروں کو یہ گوارا نہیں تھا کہ حضرت ابو بکر کو، جو تصادف حالات سے برسر اقتدار آ گئے تھے کوئی پیچھے سمجھے۔ لہذا یہ کہنا شروع کر دیا کہ بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی ایمان لائے عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں۔ غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ ایمان لائے اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر ایمان لائے۔

ہمیں آگے ایمان لانے یا پیچھے ایمان لانے کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی جو ایمان لے آیا وہ بہرحال ایمان لے آیا۔ مگر ایمان لانے کے بیان کو عمر، جنس اور غلام و آزاد میں تقسیم کرنے والوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس بات کو بنیاد بنا کر حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہؓ کے ایمان کی بے قدری اور بے اعتباری کا بھی چرچا کیا ہے اور ابن تیمیہ اور ان سے اتحاد نظر رکھنے والے حضرات یہی لکھتے اور بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔

''حضرت علیؑ اس وقت بچے تھے۔ آنحضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ لہذا وہ آنحضرت کی بات ماننے پر مجبور تھے۔ اور حضرت خدیجہؓ بھی آپ کی زوجہ تھیں وہ بھی آپ کے ماتحت تھیں۔ لہذا وہ بھی آنحضرت کی بات ماننے پر مجبور تھیں۔ زید بن حارثہ آنحضرتؐ کے غلام تھے وہ بھی آنحضرت کے ماتحت تھے اور وہ بھی آپ کی بات ماننے پر مجبور تھے۔ لہذا ان تینوں کے ایمان لانے کی کوئی وقعت اور حیثیت نہیں ہے اگر وہ نہ مانتے تو اور کیا کرتے؟ لیکن حضرت ابو بکر آزاد تھے۔ ان کا ایمان معرفت کے ساتھ تھا لہذا ان کا ایمان سب سے افضل تھا۔

جہاں تک حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہؓ کے ایمان کی بے قدری اور بے اعتباری کا تعلق ہے تو یہ درباری علماء کی اسی فطرت کا نتیجہ ہے جو وہ صاحبان اقتدار کو خوش کرنے کے لئے کیا کرتے ہیں۔ اور حضرت ابو بکر کی آزاد مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کی بنیاد پر برتری ثابت کرنا اسی فطرت کا نتیجہ ہے اور جیسا کہ اہل سنت کے ایک مشہور عالم نے اپنی کتاب الاحداث میں لکھا ہے ''معاویہ کے حکم سے حضرت علیؑ کے فضائل کے مقابلہ میں ویسی ہی ملتی جلتی فضیلت کی احادیث گھڑنے والوں کی باتوں میں یہ ایک بات ہے ورنہ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ حضرت ابو بکر سے پہلے بہت سے لوگ ایمان لا چکے تھے اور بہت سے شواہد و حقائق اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ لہذا ہم ذیل میں وہ روایت پیش کرتے ہیں جو طبری جیسی معتبر تاریخ میں بیان ہوئی ہے اور وہ مذکورہ ترتیب کے خلاف ہے اور وہ حقائق و

شواہد بھی بیان کرتے ہیں جو مذکورہ روایت کی تائید کرنے والے ہیں۔

حضرت ابو بکر کب ایمان لائے؟

ابن جریر طبری نے حضرت ابو بکر کے اسلام لانے کے متعلق چند روایتیں لکھنے کے بعد یہ روایت لکھی ہے کہ:

عن محمد بن سعد قال قلت لابی اکان ابو بکر اولکم اسلاماً فقال لا و لقد اسلم وقبلہ اکثر من خمسین ولکن کان افضلنا اسلاماً۔

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 179 بحوالہ تاریخ طبری

''یعنی محمد بن سعد سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا۔ کیا آپ لوگوں میں سے حضرت ابو بکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ انھوں نے کہا نہیں! یقینی طور پر ان سے پہلے تو پچاس آدمیوں سے بھی زیادہ اسلام لا چکے تھے لیکن ان کا اسلام ہم لوگوں کے اسلام سے افضل تھا''

تاریخ طبری کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے جس کا ترجمہ سید محمد ابراہیم ایم اے ندوی نے کیا ہے اور جسے نفیس اکیڈمی نے شائع کیا ہے۔ اس روایت کا مذکورہ ترجمہ تاریخ طبری میں اس طرح ترجمہ کیا گیا ہے۔

''محمد بن سعد کہتا ہے، میں نے اپنے باپ سے کہا، کیا تم میں سب سے پہلے ابو بکر اسلام لائے تھے؟ انھوں نے کہا نہیں، ان سے قبل پچاس سے زیادہ اصحاب اسلام لا چکے تھے مگر وہ اپنے اسلام میں ہم سب سے افضل تھے۔

ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 86

حافظ محمد علی نے بھی اپنی کتاب سیرۃ العلویہ حصہ اول میں سبقت فی الاسلام کے بارے میں ایک عمدہ بحث کی ہے حافظ صاحب نہایت راسخ العقیدہ سنی المذہب تھے جو ان

کی کتاب کے ص 477 تا 483 سے ظاہر ہے۔انھوں نے ابن اثیر کے حوالہ سے حضرت سعد بن وقاص کا مذکورہ قول پیش کیا ہے۔ البلاغ المبین جلد اول ص 573

بحوالہ سیرۃ العلویہ حافظ محمد علی ص 31 و مابعد

حضرت سعد ابن وقاص کا مرتبہ

حضرت ابو بکر کے اسلام لانے کے بارے میں جتنے راویوں نے روایتیں بیان کی ہیں ان میں سے کوئی بھی راوی حضرت سعد ابن وقاص کے پایہ کا نہیں ہے۔سعد بن ابی وقاص بالاتفاق سابقین اسلام میں سے ہیں، بدری ہیں۔بروز صلح حدیبیہ بیعت رضوان میں حصہ لینے والے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس چھ رکنی کمیٹی کے رکن ہیں جن میں حضرت عمر نے خلافت کو محدود کر دیا تھا۔یعنی حضرت عمر کے بعد سعد بن وقاص حضرت عمر کی نظر میں ان چھ آدمیوں میں سے تھے جو ان کے بعد خلیفہ ہو سکتے تھے اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔شبلی صاحب الفاروق میں لکھتے ہیں:

تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نظر پڑ سکتی تھی۔علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن وقاص، عبد الرحمن بن عوف۔ الفاروق شبلی حصہ اول ص 264

مزید حوالے دینے کی اس لئے ضرورت نہیں ہے کہ اس چھ رکنی کمیٹی کے نام تاریخ و سیرۃ کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں موجود ہیں اور اس کو اتنی شہرت حاصل ہے کہ کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہے۔

بہر حال حضرت سعد بن ابی وقاص وہ ہستی ہیں جو حضرت عمر کی نظر میں ان کے بعد خلافت کے چھ حقداروں میں سے ایک تھے وہ فرماتے ہیں کہ "حضرت ابو بکر سے پہلے پچاس سے بھی زیادہ آدمی ایمان لا چکے تھے اور حضرت ابو بکر کے اسلام لانے کے بارے میں کوئی بھی راوی ان کے پایہ اور مرتبہ کا نہیں ہے۔لہذا اس سلسلہ میں کوئی بھی

روایت ان کی بیان کردہ روایت کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی ۔ کیونکہ سعد ابن وقاص کبار صحابہ میں سے تھے ۔ اتنے بزرگ صحابی کے قول کے مقابلہ میں کسی تابعی یا تبع تابعی کی رائے کو کوئی وزن نہیں دیا جاتا ۔ تو پھر ایک صحابی کے قول کے مقابلہ میں کسی کی قیاس آرائی کیونکر مستند سمجھی جاسکتی ہے؟ اور اس نظریہ کو کیا اہمیت دی جاسکتی ہے؟ علاوہ ازیں سعد ابن وقاص کی روایت کی تائید و تصدیق کرنے والے بہت سے مضبوط تاریخی شواہد ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

حضرت سعد کی روایت کے تائیدی شواہد

نمبر 1 حضرت ابوبکر اعلان نبوت کے وقت یمن میں تھے

ان حقائق میں سے جو حضرت سعد بن وقاص کی روایت کی تائید کرتے ہیں ایک یہ ہے کہ حضرت ابوبکر بعثت رسول کے موقع پر مکہ میں موجود ہی نہ تھے ۔ بلکہ یمن میں تھے اور وہاں سے وارد مکہ ہونے کے بعد انھیں بعثت رسول کی خبر ملی جبکہ پیغمبرؐ کے دعوائے نبوت کی خبر عام ہو چکی تھی اور کم از کم سارے مکہ میں پھیل چکی تھی اور بہت سے لوگوں کے ایمان لانے کی وجہ سے اس کا چرچہ ہو چکا تھا چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

" قال ابو بكر فقدمت مكه و قد بعث النبي فجائوني عقبه ابن ابي معيط و شيبه و ربيعه و ابو جهل و ابو البختري و صناديد قريش . فقلت لهم هل نابتكم نائبة او ظهر منكم ام قالوا يا ابا بكر اعظم الخطب يتيم عبدالله يزعم انه نبي مرسل " سیرۃ امیر المومنین حصہ اول ص 149 بحوالہ اسد الغابہ ج 3 ص 208

ترجمہ: ابوبکر کہتے ہیں کہ جب میں مکہ واپس آیا اس وقت نبی اکرمؐ مبعوث برسالت

ہو چکے تھے۔ عقبہ ابن معیط، شیبہ، ربیعہ، ابوجہل اور ابوالبختری اور سرداران قریش میرے پاس آئے۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کیا تم پر کوئی افتاد پڑی ہے؟ یا کوئی حادثہ رونما ہوا ہے؟ انھوں نے کہا اے ابوبکر سب سے بڑی اندوہناک خبر یہ ہے کہ یتیم عبداللہ یہ گمان کرنے لگا ہے کہ وہ اللہ کا فرستادہ نبی ہے۔

اسد الغابہ میں خود حضرت ابوبکر کے قول سے جب یہ بات ثابت ہے کہ وہ بعثت پیغمبر کے وقت مکہ میں موجود ہی نہ تھے بلکہ اس وقت آئے جبکہ بعثت پیغمبر کی خبر عام ہو چکی تھی اور لوگوں کے ایمان لانے کی وجہ سے اس بات کا چرچا ہو رہا تھا۔ پھر روسائے قبائل اور سرداران قریش کا حضرت ابوبکر کے پاس آ کر انھیں بتلانا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ ان کے ہم خیال تھے اور وہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے۔ لہذا حضرت سعد ابن وقاص کے قول کے مطابق اگر حضرت ابوبکر سے پہلے پچاس سے زیادہ آدمی ایمان لا چکے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

نمبر 2: ہجرت حبشہ سے بھی سعد ابن وقاص کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

ان حقائق میں جو حضرت سعد ابن وقاص کی روایت کی تائید کرتے ہیں ایک ہجرت حبشہ کا واقعہ ہے۔ ابن جریر طبری مسلمانوں پر سختیوں کا حال بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

"جب رسول اللہ نے اپنی قوم کو اس ہدایت اور نور کی طرف سے جسے دے کر اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا۔ دعوت دی تو ابتدا میں وہ آپ سے کنارہ کش نہیں ہوئے بلکہ قریب تھا کہ بات مان لیتے۔ مگر جب آپ نے ان کے جھوٹے معبودوں کا ذکر کیا اور قریش

کی ایک جماعت جو صاحب املاک تھی طائف سے مکہ آئی تب انھوں نے آپ کی بات کا برا سمجھا۔ آپ کے سخت مخالف ہو گئے اور انھوں نے اپنے فرمانبرداروں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کیا اس طرح اکثر آدمی آپ کا ساتھ چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے البتہ صرف تھوڑے سے وہ لوگ آپ کے ساتھ رہ گئے جن کو اللہ نے اسلام پر قائم رکھا۔ کچھ عرصہ اسی طرح گذرا۔ پھر قریش کے رؤسا نے مشورہ کر کے اس بات کا تہیہ کر لیا کہ ان کے بیٹے بھائی یا قبیلہ والوں میں سے جو مسلمان ہو گئے ہیں ان کو کسی طرح اسلام سے برگشتہ کیا جائے۔

ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 95

ترجمہ محمد ابراہیم ندوی نفیس اکیڈمی

پھر پہلی ہجرت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

''یہ رسول اللہ کے پیرو مسلمانوں پر بڑی تکلیف اور سخت آزمائشوں کا وقت تھا جو ان کے بہکانے میں آگئے وہ مرتد ہو گئے اور جن کو اللہ نے اس فتنہ سے بچانا چاہا وہ بدستور اسلام پر قائم رہے جب مسلمانوں کے ساتھ یہ شرارت کی گئی رسول اللہ نے ان کو حبشہ چلے جانے کا حکم دیا۔ ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 95

پھر پہلی ہجرت کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''اس سلسلہ میں محمد ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ نے دیکھا کہ ان کے صحابہ مصیبت اور تکلیف میں ہیں اور خود آپ اللہ کی حفاظت اور اپنے چچا ابو طالبؑ کی وجہ سے امن و عافیت میں ہیں اور آپ ان کی مصیبت میں کوئی مدد نہیں کر سکتے آپ نے ان سے کہا کہ بہتر ہو گا تم حبشہ چلے جاؤ۔ ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 96

شبلی صاحب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں

''قریش کا ظلم و تعدی کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان نثاران اسلام کو ہدایت کی کہ حبش کو ہجرت کر جائیں۔

سیرۃ النبی ۔شبلی جلد 1 ص 233

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہجرت حبش یا ہجرت اولی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

''جب کافروں کا ظلم وستم خدا کے نیک بندوں اور مسلمانوں پر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو حبشہ ۔جو امن وآمان کی جگہ تھی ۔ہجرت کر جانے کا حکم دیا تا کہ وہاں مسلمان ان کافروں کے ظلم وستم سے محفوظ رہیں ۔یہ ماہ رجب ۵ھ بعثت کا واقعہ ہے۔ مدارج النبوۃ ص 56

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آگے چل کر اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ

''اسی طرح جب بھی کسی مسلمان کو کافر حد سے زیادہ ستاتے تو وہ حبشہ ہجرت کر جاتا''۔ مدارج النبوۃ ص 56

یہ ہجرت جو ۵ھ بعثت نبوی میں بیان کی جاتی ہے یہ سن سورہ اقراء کے نزول کے وقت سے شمار کیا گیا ہے ورنہ پیغمبر نے تین سال تک زمانہ فترت میں کسی کو دعوت ہی نہیں دی اسی لئے طبری نے مکہ میں نزول قرآن کے بعد دس سال قیام لکھا ہے اور زمانہ فترت کے بعد جب آپ مبعوث بہ رسالت ہوئے اس وقت سے ہجرت حبشہ کے وقت تک صرف دو سال بنتے ہیں ۔بہر حال چونکہ سن بعثت سورہ اقراء کے وقت سے ہی معین کیا گیا لہذا یہ ۵ھ بعثت تھا۔جبکہ ہجرت حبشہ کا حکم اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے نام تاریخ وسیرت کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ نام بنام لکھے ہوئے ہیں ۔جن میں حضرت ابو بکر کا اس وقت ہجرت کرنے والوں میں کہیں نام ونشان نہیں ہے ۔حالانکہ ۵ھ بعثت میں ہجرت کرنے والوں میں بہت ہی نمایاں ہستیاں ہیں قبائل قریش میں دو قبیلے سب سے زیادہ مشہور ومعروف اور نمایاں حیثیت کے حامل تھے سب سے اول نمبر پر بنی ہاشم تھے اور دوسرے نمبر پر بنی امیہ ۔بنی امیہ میں سے حضرت عثمان بن عفان نے معہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ کے ساتھ ہجرت فرمائی ۔حضرت ام حبیبہ جو سردار بنی امیہ ابوسفیان کی بیٹی

تھی نے اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت فرمائی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔ بنی ہاشم میں سے معروف ہستیوں میں حضرت مصعب ابن عمیر اور حضرت عثمان ابن مظعون پیغمبر کے قریبی رشتہ دار تھے اور سب سے بڑھ کر حضرت جعفر طیار جو پیغمبرؐ کے چچا زاد بھائی، حضرت علی علیہ السلام کے برادر حقیقی اور حضرت ابو طالب کے فرزند تھے ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے اور حضرت جعفر طیار کا بادشاہ حبشہ کے دربار میں خطبہ تمام تاریخوں کی زینت ہے اور جس طرح سے بادشاہ حبشہ کے دربار میں اسلام کی حقانیت بیان کی اور سورہ مریم کی تلاوت کی اسے سن کر بادشاہ حبشہ زارو قطار روتا رہا۔

ان حضرات کی ہجرت سے طبری کی اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ کفار قریش نہ صرف مسلمان ہونے والوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے تھے بلکہ ہر قبیلہ کے کفار اپنے قبیلہ کے مسلمان ہونے والے آدمی کو دوبارہ مرتد ہونے پر مجبور کرتے تھے اور یہ بہت بڑا نقصان اور تکلیف دہ بات تھی لہذا پیغمبر نے حکم دیا کہ جو بھی اسلام قبول کرلے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائے۔ اس طرح ۵ ھ بعثت سے لے کر ۷ ھ بعثت تک اسلام لانے والے پیغمبر گرامی اسلام کے حکم کے مطابق حبشہ کی طرف ہجرت کرتے رہے لیکن نہ تو حضرت ابو بکر نے حبشہ کی طرف اس عرصہ میں ہجرت کی اور نہ ہی حضرت عمر نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حالانکہ وہ ۶ ھ بعثت میں ایمان لا چکے تھے ان کے بارے میں تو آگے چل کر لکھا جائے گا یہاں پر حضرت ابو بکر کی ہجرت کے بارے میں تحقیق پیش کی جا رہی ہے کہ یہ بات چیلنج کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ حضرت ابو بکر نے ۵ ھ بعثت نبوی اور ۷ ھ بعثت نبوی کے عرصے میں ہرگز ہرگز ہجرت نہیں فرمائی اور تاریخ وحدیث وتفسیر وسیرت کی تمام کتابوں کے صفحات اس مطلب کے بیان سے خالی ہیں اور خود طبری کا وہ بیان جو سابق میں نقل ہوا ہے کہ جب حضرت ابو بکر یمن سے واپس آئے تو

صنادید عرب اور سرداران قریش مثل ابوجہل۔ ابوالبختری وشیبہ وغیرہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے اعلان نبوت کو انتہائی مخالفانہ انداز میں حضرت ابوبکر سے بیان کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صنادید عرب اور سرداران قریش حضرت ابوبکر کو اپنے جیسا اور اپنا ہم خیال وہم فکر آدمی سمجھتے تھے اور جانتے تھے حالانکہ اب اسلام کا سورج بلند ہو چکا تھا مگر حضرت ابوبکر نے ان صنادید عرب اور سرداران قریش سے قطعی طور پر اختلاف نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ اگر محمد صلعم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ میں نبی مرسل ہوں تو یہ بالکل صحیح ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میں تو خود رازدارانہ تبلیغ کے زمانہ میں فترت وحی کے عرصہ میں ان پر ایمان لا چکا ہوں مگر وہ فترت وحی کے زمانے میں ایمان لائے ہوتے تو ایسا کہتے بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے حدیثیں گھڑنے والوں سے یہ چوک ہوگئی کہ جہاں حضرت علی کے فضائل کے مقابلہ میں صحابہ کی شان میں حدیثیں گھڑی جارہی تھیں اور حضرت علیؑ کے سب سے پہلے ایمان لانے کی فضیلت کے مقابلہ میں یہ روایت گھڑی گئی تھی کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر تھے وہاں یہ روایت بھی گھڑ دیتے کہ حضرت ابوبکر ۵ھ بعثت میں ہجرت کرنے والوں میں سب سے آگے آگے تھے۔ اب چونکہ ان سے یہ چوک ہوگئی ہے لہذا کسی تاریخ کسی حدیث، کسی سیرت اور کسی تفسیر کی کتاب میں ۵ھ سے لے کر ۷ھ بعثت کے زمانہ میں ہجرت کرنے والوں میں ان کا نام نہیں آسکا۔ جو اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ حضرت ابوبکر اس وقت تک ایمان ہی نہیں لائے تھے اور ۷ھ بعثت نبوت سے لے کر ۱۰ھ بعثت نبوی تک کفار قریش کے بائیکاٹ کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام بنی ہاشم کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصور رہے اور ۱۰ھ بعثت نبوی میں آپ اس محاصرہ سے باہر آئے اور پھر سے کار تبلیغ شروع کیا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت ابو

ذرغفاریؓ اور عمار یاسرؓ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ اصحاب ہجرت کے وقت ایمان ہی نہیں لائے تھے حضرت سلمان فارسی اور حضرت مقداد تو ایمان ہی مدینہ میں ہجرت کے بعد لائے تھے البتہ حضرت ابوذرغفاری اور عمار یاسر ہجرت مدینہ سے پہلے ایمان لے آئے تھے اور ان پر کفار قریش کے ظلم و تشدد کی واردات بیعت عقبہ کے بعد اور ہجرت مدینہ سے پہلے کی ہے جس میں عمار یاسر کے والد اور والدہ پر اتنا تشدد کیا گیا کہ وہ راہ حق میں جام شہادت نوش کر کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور عمار یاسر نے تقیہ کر کے اپنی جان بچائی اور وہ کلمہ کہہ دیا جو کفار کہلانا چاہتے تھے اس پر سورۂ نحل کی آیت نمبر 106 نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ ''اس شخص کے سوا جو کلمہ کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے اور کشادہ دلی کے ساتھ کفر اختیار کرے تو ان پر خدا کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے'' (سورہ النحل۔106)

پس اس سے ثابت ہوا کہ سلمان فارسی، مقدار، ابوذرغفاری اور عمار یاسر نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی۔ لیکن بہت بعد میں ایمان لانے اور حبشہ کی طرف ہجرت نہ کرنے کی بناء پر ان کی قدرومنزلت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی کیونکہ اصل چیز صدق دل کے ساتھ ایمان لاکر سورہ حم سجدہ کے حکم ثم استقاموا کے مطابق استقامت و پائیداری دکھانا اور ثابت قدم رہتے ہوئے اطاعت شعاری اور فرمانبرداری اختیار کرنا ہے۔ اور سورہ حجرات کی آیت نمبر 15 کے حکم ''ثم لم یرتابوا'' کے مطابق پھر کبھی شک نہیں کیا۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسے ہی لوگ ایمان میں سچے ہیں۔ پس ان کے بہت دیر بعد میں ایمان لانے سے ان کی قدرومنزلت میں کوئی کمی نہیں ہوئی لہذا اگر حضرت ابوبکر کے بارے میں حضرت علیؑ کے مقابل فضیلت بنانے کے لئے زمانہ فترت میں ایمان لانے اور خفیہ تبلیغ کا افسانہ گھڑا جاتا تو بہت دیر بعد ایمان لانے اور حبشہ کی طرف ہجرت نہ کرنے سے ان کی قدرومنزلت میں محض

یہ بات کمی کا باعث نہ تھی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخیں حضرت ابو بکر کی ہجرت حبشہ کے بارے میں کیا کہتی ہیں۔

حضرت ابو بکر نے حبشہ کی طرف ہجرت کب فرمائی

محمد حسین ہیکل وزیر معارف حکومت مصر نے اپنی کتاب سیرت ابو بکر صدیق میں یہ لکھا ہے کہ آپ اسریٰ کے واقعہ کے بعد حبشہ کی ہجرت کے لئے روانہ ہوئے۔

اور اسریٰ یعنی واقعہ معراج بعض روایات کے مطابق ہجرت مدینہ سے چھ ماہ پہلے ہوا۔ اور بعض روایات کے مطابق شعب ابی طالب سے باہر آنے کے بعد یعنی ۱۰ بعثت نبوی میں ہوا اور ۱۲ بعثت نبوی میں بھی کہا گیا ہے پس اس حساب سے آپ کا حبشہ کی طرف ہجرت کے لئے روانہ ہونا تقریباً ۱۰ بعثت نبوی کے بعد کا واقعہ ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں روضۃ الاحباب کے حوالہ سے دوٹوک الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ "حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ ہجرت بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد مدینہ کی ہجرت سے پہلے ہوئی" مدارج النبوۃ ص 57

حضرت ابو بکر کے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ اور واپس آنے کا سبب

دوسرے تمام مسلمانوں کے لئے ہجرت حبشہ کی وجہ بالاتفاق قریش کا ان پر ظلم و ستم تھا اور انہیں مرتد بنانے کی کوشش تھی لیکن حضرت ابو بکر کی ہجرت حبشہ کے بارے میں سیرت نگاروں نے ان کی حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جانے کی وجہ واقعات کے مطابق نہیں بلکہ اپنے عقیدے کے مطابق تحریر کی ہے۔ چنانچہ شبلی صاحب لکھتے ہیں:

ابو بکر جاہ و اقتدار میں دیگر روسائے قریش سے کم نہ تھے، لیکن آواز سے قرآن نہیں

پڑھ سکتے تھے اس بناء پر ایک بار ہجرت کے لیے آمادہ ہوگئے۔ سیرۃ النبی جلد 1 ص 234

گویا کوئی شخص حضرت ابو بکر کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ تو صرف اس لئے ہجرت حبشہ پر آمادہ ہوئے تھے کہ آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے حالانکہ قرآن تو آہستہ آواز یا چپکے چپکے سے بھی پڑھا جاسکتا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق کی ہجرت کے بارے میں ہر سیرت نگار نے اپنی سوچ اور نظریے اور عقیدے کے مطابق رنگ دیا ہے اور ہر ایک کا رنگ جدا ہے۔

محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر اپنی کتاب سیرۃ ابو بکر میں لکھتے ہیں

"اسرا کے واقعہ کے بعد ابو بکر سارا وقت رسول اللہ کی صحبت، کمزور اور مظلوم مسلمانوں کی اعانت اور اسلام کی تبلیغ میں گذارتے تھے۔ تجارت صرف اس حد تک کرتے جس سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا گذارا چلا سکیں اس دوران میں بھی رسول اللہ۔ ابو بکر اور دوسرے مسلمانوں پر قریش کے مظالم میں زیادتی ہی ہوتی چلی گئی قریش نے ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ سعی باقی نہ چھوڑا۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ اگر وہ چاہیں تو حبشہ کی جانب ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ متعدد مسلمان مظالم سے تنگ آ کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے لیکن ابو بکر نے رسول اللہ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

سیرۃ ابو بکر صدیق محمد حسین ہیکل ص 49

محمد حسین ہیکل کا یہ بیان تضاد سے پر ہے اور صرف عقیدہ کی بنیاد پر مضمون نگاری کی گئی ہے مسلمانوں پر ظلم وستم شروع دن سے ہی ہو رہا تھا لہذا پیغمبر نے شروع میں ہی مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا تھا اور انھوں نے ۵ بعثت نبوی سے ۷ بعثت نبوی کے درمیان حبشہ کی طرف ہجرت کی پیغمبر نے واقعہ اسریٰ یعنی معراج کے واقعہ کے بعد مسلمانوں کو ہجرت کا حکم نہیں دیا تھا کیونکہ حضرت ابو بکر نے حبشہ کی طرف تمام مسلمانوں کے ساتھ ہجرت نہیں کی لہذا عقیدہ؟ یہ بات بنائی کہ واقعہ اسریٰ کے بعد متعدد

مسلمان مظالم سے تنگ آ کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے لیکن ابو بکر نے رسول اللہ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ سیرۃ ابو بکر صدیق ص 49

یہ بات تو انھوں نے اپنے عقیدے کے اظہار کے طور پر لکھی تھی لیکن پھر حضرت ابو بکر کی ہجرت حبشہ کی روایت کو اس طرح سے نقل کرتے ہیں:

اس کے برعکس ایک روایت میں مذکور ہے کہ ابو بکر بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے راستہ میں مکہ کا ایک سردار ابن دغنہ انہیں ملا۔ جب اسے ان کے ارادے کا علم ہوا تو وہ بولا۔

"آپ ہجرت نہ کریں۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، نہایت صادق القول ہیں۔ محتاجوں کی مدد کرتے ہیں میں آپ کو پناہ دیتا ہوں۔ آپ واپس مکہ چلئے چنانچہ وہ مکہ آگئے ابن دغنہ نے اپنے وعدہ کے مطابق خانہ کعبہ میں اعلان کر دیا کہ میں نے ابو بکر کو پناہ دے دی ہے قریش بھی اس پناہ کو قبول کریں۔ سیرۃ ابو بکر صدیق ص 50,49

شیخ عبدالحق محدث دہلوی روضۃ الاحباب کے حوالے سے دوٹوک الفاظ میں حضرت ابو بکر کی ہجرت کا وقت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی یہ ہجرت بیعت عقبہ کے بعد مدینہ کی ہجرت سے پہلے ہوئی جب آپ نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہا ہم اس شہر میں جس کو چھوڑ کر ابو بکر چلے جائیں کس طرح رہیں گے، چنانچہ بہت سے لوگ آپ کے پاس گئے اور آپ کو واپس لانا چاہا لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب بہرک الغمار نامی موضع کے قریب پہنچ چکے تھے، ان لوگوں کے کہنے سننے سے آپ مکہ کی طرف واپس ہوئے۔

مدارج النبوۃ ص 57

اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ:

"لیکن جب آپ قبیلہ قازہ کے نزدیک پہنچے تو مالک ابن الدغنہ نے آپ کو اپنے

پاس روک لیا اور قریش کے شر سے اپنی پناہ میں لے لیا۔ مدارج النبوۃ ص 57

سیرۃ النبی شبلی۔مدارج النبوۃ عبدالحق محدث دہلوی اور محمد حسین ہیکل وزیر معارف حکومت مصر کی کتاب سیرۃ ابو بکر صدیق کے مذکورہ بیانات سے ثابت ہوا کہ:

کوئی شخص حضرت ابو بکر کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا وہ تو صرف اس لئے ہجرت پر آمادہ ہوئے کہ آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے (شبلی کی سیرۃ النبی)

یعنی شبلی صاحب حضرت ابو بکر کو سرداران قریش کے ہم پلہ دکھانا چاہتے تھے لہذا انھوں نے اپنے نظریہ کے مطابق وہ لکھا۔

اور محمد حسین ہیکل یہ دکھانا چاہتے تھے کہ حضرت ابو بکر نے ظلم وستم سہنے کے باوجود پیغمبر اکرم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔لہذا انھوں نے حضرت ابو بکر کے ہجرت نہ کرنے کو اس طرح چھپایا اور اس طرح اپنے عقیدے کے مطابق لکھا نہ کہ واقعات کی تحقیق کے مطابق۔

لیکن ایک روایت نے انہیں مجبور کردیا کہ وہ آپ کی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے ارادہ سے روانہ ہونے کو بادل ناخواستہ لکھیں۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو کچھ لکھا ہے اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کے کفار قریش کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے اور وہ ان سے بہت مانوس تھے اور حضرت ابو بکر کے ایمان لانے کا یا تو انہیں ابھی تک علم ہی نہیں ہوا تھا یا پھر حضرت ابو بکر کے ایمان لانے کو انھوں نے کوئی اہمیت نہیں دی یا حضرت ابو بکر نے ایمان لانے کے باوجود قریش کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار کئے رکھا کہ انھیں حضرت ابو بکر کا ایمان لانا برا نہ لگا ہو یا حضرت ابو بکر نے بعثت نبوی کے بعد ایمان لاتے ہی بیعت عقبیٰ اولی کے بعد ہجرت حبشہ کے لئے روانہ ہوگئے ہوں اور ایک تاجر پیشہ آدمی کی لوگوں کے ساتھ امن سے پیار محبت سے اور اثر ورسوخ سے رہنے کی جتنی ضرورت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے لہذا ان تعلقات ،میل ملاپ اور پیار ومحبت کی وجہ سے کفار مکہ کو

آپ کے چلے جانے کا افسوس ہوا اور وہ انہیں واپس لانے کے لئے روانہ ہو گئے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ

''جب آپ نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہا ہم اس شہر میں جس کو چھوڑ کر ابو بکر چلے جائیں کس طرح رہیں گے۔

مدارج النبوۃ ص 57

تعجب ہے کہ عمار یاسر مسلمان ہوں تو ان پر اور ان کے والدین پر اتنا ظلم و تشدد ہو کہ وہ جام شہادت نوش کر جائیں اور عمار یاسر تقیہ سے وہ کلمہ کہہ کر جو کفار کہلانا چاہتے تھے اپنی جان بچائیں او خداوند تعالی ان کے ایمان کی گواہی دے۔ اور حضرت ابو بکر ایمان لائیں تو کفار قریش یہ کہیں کہ ''ہم اس شہر میں جس کو چھوڑ کر ابو بکر چلے جائیں کس طرح رہیں گے۔

مدارج النبوۃ ص 57

بہر حال حضرت ابو بکر کی ہجرت حبشہ کے بارے میں جو وجوہات لکھی گئی ہیں اور جو وقت ان کی ہجرت کا بتلایا گیا ہے ان پر غور کرتے ہوئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر واقع اسریٰ کے بعد یا بیعت عقبہ کے بعد او رہجرت مدینہ سے پہلے تقریباً 11 بعثت نبوی سے کچھ پہلے ہی ایمان لائے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے جس سے سعد بن وقاص کی روایت کی واضح طور پر تائید ہوتی ہے کہ حضرت ابو بکر کے ایمان لانے سے پہلے پچاس سے بھی زیادہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے یہ دوسری شہادت تھی اور تیسری بات یا تیسری شہادت جس سے سعد بن وقاص کی روایت کی تائید ہوتی ہے وہ حضرت عائشہ کی جبیر ابن معطم سے منگنی کے ٹوٹنے کا واقعہ جو اسطرح ہے۔

نمبر 2 حضرت عائشہ کی منگنی ٹوٹنے سے سعد بن وقاص کی روایت کی تائید ہوتی ہے

ان حقائق میں سے جو حضرت سعد بن وقاص کی روایت کی تائید کرتے ہیں ایک حضرت عائشہ کی منگنی کے ٹوٹنے کا واقعہ ہے۔

حضرت عائشہ کے عقد کا تفصیلی بیان تو ہم ازواج پیغمبر کے حالات اور پیغمبر کے کثرت ازدواج پر اعتراضات کے جواب میں تحریر کریں گے یہاں پر صرف اتنا حصہ پیش کریں گے جس سے سعد ابن وقاص کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔

تمام سیرت نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ جس وقت حضرت خولہ بنت حکیم نے حضرت عائشہ کے لیے ابو بکر کو پیغمبر اکرم کا پیغام پہنچایا تو اس وقت ان کی منگنی جبیر ابن معطم یا ان کے بیٹے سے ہوئی ہوئی تھی۔

چنانچہ تذکار صحابیات کا مولف ام المومنین حضرت عائشہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ:

"حضور کے نکاح میں آنے سے پہلے عائشہ کی نسبت جبیر ابن معطم کے بیٹے (یا بروایت دیگر خود جبیر ابن معطم) سے ہوئی تھی مگر ان لوگوں نے یہ نسبت اس لیے فسخ کر دی کہ حضرت ابو بکر صدیق اور ان کے اہل خاندان مسلمان ہو چکے تھے" (تذکار صحابیات ص 48)

اور سید سلیمان ندوی صاحب سیرۃ عائشہ صدیقہ میں حضرت خولہ کی پیغام رسانی کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد مسند امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

"لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہ جبیر ابن معطم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں اس لئے ان سے بھی پوچھنا ضرور تھا۔ حضرت ابو بکر نے جبیر سے جا کر پوچھا کہ تم نے

عائشہ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی اب کیا کہتے ہو جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا جبیر کا خاندان ابھی اسلام سے آشنا نہیں ہوا تھا۔ اسکی بیوی نے کہا اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آ گئی تو ہمارا بچہ بد دین ہو جائیگا ہم کو یہ بات منظور نہیں ۔ سیرت عائشہ صدیقہ سلیمان ندوی ص 25 بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل جزو 6 ص 211

اور ابن جریر طبری نے حضرت خولہ کی پیغام رسانی کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد اس طرح لکھا ہے کہ:

''ام رومان نے کہا: واقعہ یہ ہے کہ معطم ابن عدی نے اپنے بیٹے کے لئے عائشہ کو مانگا تھا۔ اور ابو بکر نے آج تک وعدہ خلافی نہیں کی ہے ابو بکر معطم کے پاس گئے ان کی وہ بیوی بھی موجود تھی جس کے بیٹے کے لئے عائشہ کو مانگا گیا تھا۔ اس بڑھیا نے ابو بکر سے کہا کہ اگر ہم اپنے بیٹے کی شادی تمہاری لڑکی سے کردیں گے تو غالبًا اسے صابی بنا لوگے اور جس مذہب کو تم نے اختیار کیا ہے اس میں اسے بھی شامل کر لو گے۔ ابو بکر نے معطم سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے اس نے کہا جو کچھ کہہ رہی ہے وہ ٹھیک ہے بیشک ہمیں یہ اندیشہ ہے۔ یہ سن کر ابو بکر ان کے یہاں سے نکل آئے اور اس طرح اللہ نے ابو بکر کو ان کے وعدے کے ایفاء سے بری الذمہ کر دیا جو انھوں نے اپنی لڑکی سے متعلق معطم سے کیا تھا۔

ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 492-493

حضرت عائشہ کے عقد کی تاریخ کا بیان

حضرت عائشہ کے پیغمبر سے عقد کے بارے میں بہت ہی اختلاف ہے چنانچہ ایک ہی مصنف سید سلیمان ندوی اپنی کتاب سیرۃ عائشہ صدیقہ میں لکھتے ہیں

''حضرت عائشہ کی ازدواج کی تاریخ میں اختلاف ہے علامہ بدر الدین عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کا نکاح سنہ ہجرت سے دو برس پہلے اور کہا جاتا ہے

کہ تین برس پہلے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ڈیڑھ برس پہلے ہوا تھا۔

سیرۃ عائشہ صدیقہ ص 27

حوالہ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد 1 ص 45

اور اسی صفحہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں

''بعض اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات کے تین برس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے نکاح کیا تھا اور بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ جس سال حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا اس سال حضرت عائشہ کا نکاح ہوا''۔

سیرۃ عائشہ صدیقہ ص 47

اور تلخیص صحاح میں خود حضرت عائشہ سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ

" قالت تزوجنی بعدھا بثلث سنین اخرجه الشحان والترمذی "

تلخیص الصحاح جلد 5 ص 79

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنخضرت نے مجھ سے ان (حضرت خدیجہؓ کی وفات) کے تین برس بعد عقد کیا اس روایت کو صحیح بخاری میں اور صحیح مسلم میں اور صحیح ترمذی میں بیان کیا گیا ہے۔

اور عبدالبر صاحب استیعاب ترجمہ عائشہ میں فرماتے ہیں کہ

" تزوجھا بعد موت خدیجه رضی الله عنھا بثلاث سنین "

الاستیعاب عبدالبر ترجمہ عائشہ

''آپ نے ان (حضرت عائشہ) سے خدیجہؓ کی رحلت کے تین برس بعد عقد کیا

ان ساری روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ چاہے یہ عقد حضرت خدیجہ کی رحلت کے ایک سال بعد ہوا ہو یا ڈیڑھ سال بعد ہوا ہو یا دو سال بعد ہوا ہو یا تین سال بعد ہوا ہو ہر صورت میں حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے بعد ہوا ہے۔ اور بالاتفاق حضرت خدیجہؓ کی

رحلت رمضان 10 بعثت نبوی میں شعب ابی طالب سے باہر آنے کے بعد ہوئی اور یہ سن اتنا مشہور ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام عام الحزن رکھا تھا یعنی غم و اندوہ کا سال لہٰذا ہر صورت میں حضرت عائشہ کا عقد پیغمبر کے ساتھ مکہ میں ہوا ہو تو کم از کم رمضان 10 بعثت نبوی کے بعد ہوا ہے۔

حضرت عائشہ کی عمر اور تاریخ پیدائش کا بیان

اصابہ میں ترجمہ عائشہ میں اس طرح لکھا ہے

" والدت بعد البعث باربع سنين او خمس فقد ثبت في الصبح ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم تزوجها و هي بنت ست و قبل تبع و يجمع بانها كانت اكملت السادسة و دخلت في السابعة و دخل بها وهي بنت تسع و كان دخلوه في الشوال في السنة الاولىٰ (اصابہ ترجمہ عائشہ)

ترجمہ: آنحضرت کے مبعوث بہ رسالت ہونے کے چار یا پانچ برس بعد پیدا ہوئیں صحیح میں ثابت ہے کہ آنحضرت نے ان سے عقد فرمایا اور وہ چھ یا کہا گیا ہے کہ سات برس کی تھیں۔ اور اجتماع بین الاقوال اس سے ہوسکتا ہے کہ چھٹا برس پورا ہو چکا تھا اور ساتواں شروع ہوا تھا اور زفاف نو برس کے سن میں ہوا جو سن ہجری کے پہلے سال ماہ شوال میں تھا۔

اور سید سلمان ندوی سیرۃ عائشہ صدیقہ میں لکھتے ہیں کہ:

''مورخ ابن سعد نے لکھا ہے اور بعض ارباب سیر نے اس کی تقلید کی ہے کہ حضرت عائشہ نبوت کے چوتھے سال کی ابتداء میں پیدا ہوئیں اور نبوت کے دسویں سال چھ برس کے سن میں بیاہی گئیں۔ لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر نبوت کے چوتھے سال کی ابتداء میں ان کی ولادت مان لی جائے تو نبوت کے دسویں سال میں ان کی عمر 6 سال کی نہیں بلکہ 7 سال کی ہوگی اصل یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی عمر کے متعلق چند باتیں

متفقہ طور پر ثابت ہیں ہجرت سے تین برس پہلے 6 برس کی عمر میں بیاہی گئیں۔ شوال سنہ 1ھ میں نو برس کی تھیں کہ رخصتی ہوئی 18 سال کی عمر میں یعنی ربیع الاول 11ھ میں بیوہ ہوئیں اس لحاظ سے ان کی ولادت کی صحیح تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ ہوگا۔

سیرۃ عائشہ صدیقہ سید سلیمان ندوی ص 21

حضرت عائشہ کی تاریخ پیدائش عمر اور عقد کی تاریخ میں اختلافات کا بیان

مذکورہ بیان سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عائشہ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے ان کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے اور شادی کی تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے۔

چنانچہ بعض نے حضرت خدیجہ کی وفات والے سال میں لکھا بعض نے وفات سے 1-1/2 سال بعد لکھا بعض نے دو سال بعد لکھا بعض نے تین سال بعد لکھا۔ خود حضرت عائشہ سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، تلخیص الصحاح اور استیعاب کی سند کی رو سے تین سال بعد ہوا۔ اور بعض نے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد بھی عقد کا ہونا لکھا ہے۔
چنانچہ محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر اپنی کتاب ''حضرت عمر فاروق اعظم'' میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حفصہ بن عمر خنیس بن حذافہ کی بیوی تھیں جو سابقون الاولون میں سے تھے واقعہ بدر سے چند مہینے پہلے خنیس نے حضرت حفصہ کو چھوڑ دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا، جس طرح اس سے پہلے حضرت عائشہ بنت ابی بکر سے کیا تھا۔ (ترجمہ حضرت عمر فاروق محمد حسین ہیکل)

اور ڈاکٹر طہٰ حسین مصری نے اپنی کتاب "الشیخان" میں بھی یہی لکھا ہے ہم الشیخان کے ترجمہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم مترجمہ شاہ حسن ایم اے علیگ سے انکا بیان کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

"ایک موقع پر حضرت اسماء نے ناشتہ کا سامان اپنی کمر کی پیٹی کی دو دھجیاں بنا کر باندھ لیا تھا اسی مناسبت سے آنحضرت نے آپ کو ذات النطاقین کا لقب دیا نطاق یعنی طوق کمر یا کمر بند۔ بعد میں یہی اسماء آنحضرت کے اہل بیت اور قرابت داروں میں بھی ہو گئیں۔ کیونکہ رسالتمآب نے آپ کی چھوٹی سوتیلی بہن ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدینہ میں عقد فرمایا۔ (حضرت ابو بکر صدیق از طہٰ حسین مصر باب 13 ص 106)

حضرت عائشہ کی جبیر بن معطم سے منگنی کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے

مذکورہ تاریخوں حدیث کی کتابوں اور سیرت کی کتابوں کے حوالوں سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ حضرت عائشہ کی حضور سے شادی کی تاریخ میں کتنا اختلاف ہے۔

لیکن جبیر ابن معطم کے ساتھ منگنی کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے نہ تو کسی مورخ نے اس کی تردید کی ہے اور نہ ہی کسی سیرت نگار نے اس بات کو جھٹلایا ہے اور یہ بات سبھی نے متفقہ طور پر لکھی ہے کہ جبیر ابن معطم نے یہ منگنی حضرت ابو بکر کے مسلمان ہونے کی وجہ سے توڑ دی جو اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ جبیر ابن معطم نے جب یہ منگنی کی تھی اس وقت حضرت ابو بکر ایمان نہیں لائے تھے۔

یہ منگنی ٹوٹنے کی واردات حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے بعد 10 بعثت نبوی سے لے کر 12 بعثت نبوی تک کے عرصہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس سے واضح طور پر ثابت ہوتا

ہے کہ حضرت ابو بکر انہیں ایام میں مسلمان ہوئے تھے اور 5 بعثت نبوی سے 7 نبوی کے وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور اسی لئے اس وقت ہجرت کرنے والوں کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی بلکہ بیعت عقبہ اولی کے بعد یعنی 11 بعثت نبوی میں ہجرت حبش کے لئے آمادہ ہوئے تھے

کیونکہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ جبیر ابن معطم سے بھی یہ منگنی حضرت عائشہ کی عمر کے تقریباً پانچویں یا چھٹے سال میں ہی ہوئی ہوگی جو آنحضرت سے عقد کا سال بتلایا جاتا ہے تو بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر 10 بعثت نبوی تک ایمان نہیں لائے تھے۔

اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ جبیر نے حضرت عائشہ سے ان کے پیدا ہوتے ہی یہ منگنی کرلی تھی تو بھی 5 بعثت نبوی کے آخر تک حضرت ابو بکر کا ایمان نہ لانا ثابت ہوتا ہے کیونکہ تاریخ وحدیث اور سیرت کی تمام کتابوں میں یہی لکھا ہوا ہے کہ حضرت عائشہ 5 بعثت نبوی کے آخر میں پیدا ہوئی تھیں اور چونکہ حضرت ابو بکر 5 بعثت نبوی اور 7 بعثت نبوی کے عرصہ میں ایمان نہیں لائے تھے اسی وجہ سے 5 بعثت نبوی اور 7 بعثت نبوی کے عرصہ میں انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت نہ کی تھی اور چونکہ وہ تقریباً 10 ہجری کے قریب قریب ایمان لائے تھے اسی لئے انھوں نے بیعت عقبہ اولی کے بعد ہجرت کا ارادہ کیا تھا اور ان کے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے ہی جبیر ابن معطم نے یہ منگنی توڑی تھی۔

لہذا یہ تمام حقائق یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ سعد ابن وقاص کی روایت صحیح ہے یہ تمام حقائق ان کی بیان کردہ روایت کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر سے پہلے ایک جماعت کثیر مسلمان ہوچکی تھی یا پچاس سے بھی زیادہ مسلمان ایمان لاچکے تھے اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا افسانہ من گھڑت داستان ہے اور حضرت علیؑ کی اس فضیلت کے مقابلہ میں بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے گھڑی ہوئی روایتوں میں سے ایک ہے۔

5 بعثت ہجرت حبشہ اور حضرت جعفر طیار کا بادشاہ کے سامنے خطبہ

غار حرا میں سورہ اقراء کے نزول کے وقت سے قرار دیئے گئے سن کے مطابق 5 بعثت نبوی میں مسلمانوں نے پیغمبر کے حکم سے حبشہ کی طرف ہجرت کی چونکہ کفار قریش نہ صرف مسلمانوں پر ظلم وتشدد کرتے تھے بلکہ انہیں اپنے پچھلے دین پر پلٹانے پر مجبور کرتے تھے اور اس طرح بہت سے مسلمان کفار کے ظلم وتشدد کو برداشت نہ کرسکنے پر مرتد ہوگئے یہ دونوں باتیں پیغمبر کے لئے بہت ہی تکلیف دہ تھیں۔ مسلمانوں پر ظلم وستم بھی اور مسلمانوں کا مرتد ہوجانا بھی۔ لہذا آپ نے یہ حکم دے دیا کہ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرجائیں کیونکہ وہاں کا بادشاہ عادل ہے۔ لہذا پیغمبر کے حکم سے 5 بعثت سے لے کر 7 بعثت نبوی تک جتنے لوگ مسلمان ہوئے تھے وہ قافلوں کی صورت میں اور فرداً فرداً بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرگئے سوائے حضرت عمر کے جو 6 بعثت نبوی میں ایمان لائے تھے لیکن چونکہ انہیں ابوجہل نے پناہ دے دی تھی لہذا انھیں ہجرت کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

حبشہ میں یہ مہاجرین بادشاہ حبشہ کی رعایا کی حیثیت سے امن وچین اور عیش و آرام کی زندگی بسر کررہے تھے جب کفار قریش کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے عمارہ ابن ولید اور عمرو بن عاص کو تحفہ تحائف دے کر روانہ کیا تاکہ مسلمانوں کو وہاں سے نکلوادیں جب یہ کفار بادشاہ حبشہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس کو سجدہ کرکے اور قریش کے بھیجے ہوئے تحائف پیش کرکے اور وزیروں کو رشوت دے کر یوں بھڑکایا کہ ہمارے ہی اعمام وطن چھوڑ کر یہاں آگئے ہیں حضرت عیسیٰ کو غلام کہتے ہیں یہ عقیدہ بادشاہ کے بھی خلاف ہے لہذا ان کو ہمارے ساتھ کردیجئے یہ ہمارے غلام ہیں ہم ان کو گرفتار کرسکتے ہیں۔

نجاشی بادشاہ نے کہا کہ یہ بات میری شان کے خلاف ہے کہ جو لوگ میرے پاس پناہ پکڑیں ان کو میں دشمنوں کے سپرد کر دوں۔ پھر مسلمانوں کو طلب کیا وہ سب حاضر ہوئے۔ مسلمان۔ سلام علیک کہہ کر مجلس میں بیٹھ گئے اہل دربار نے کہا تم لوگوں نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا تم لوگوں نے خلاف ادب کیا ہے۔

حضرت جعفر طیارؓ نے کہا ہم لوگ سوائے اپنے پروردگار حقیقی کے کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے نہ ہم کسی کو اس لائق جانتے ہیں ہم لوگوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی نصیحت ہے کہ سوائے خدائے تعالٰی کے اور کسی کو سجدہ کرنا گناہ عظیم ہے پھر کفار کی تمام تکالیف بیان کیں اور کہا کہ ہم کو ان کافروں سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے اور اسی وجہ سے تمہارے شہر میں بھاگ آئے ہیں اور تم کو عادل و منصف سمجھتے ہیں۔

نجاشی نے حضرت جعفر طیار سے کہا جو کلام الٰہی تمہارے پیغمبر پر نازل ہوتا ہے اس میں سے کچھ میرے سامنے پڑھ کر سناؤ۔ حضرت جعفر طیار نے سورہ مریم کا شروع بڑی خوش الحانی اور روحانیت میں ڈوب کر اس طرح سے تلاوت کیا کہ نجاشی بادشاہ زارو قطار رونے لگا اور آنسو اس کی داڑھی پر بہنے لگے اور اہل دربار حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ نجاشی نے کہا واللہ یہ اللہ کا کلام ہے اور توریت کا کلام اور یہ کلام ایک ہی مقام کا ہے اور حضرت عیسٰی کی زبان سے ہم تک اسی طرح پہنچا ہے مجھے کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق نبی ہیں اور حضرت عیسٰی روح اللہ نے انہیں کی خبر دی تھی اور عمرو عاص اور عمارہ کو کہا واللہ میں مسلمانوں کو تمہارے سپرد نہ کروں گا اور سفارت قریش کو واپس کر دیا۔

حضرت جعفر طیار نے اس موقع پر ایک بڑی پر اثر تقریر کی جس میں تعلیمات اسلامی کو وضاحت سے بیان کیا اور کہا اے بادشاہ! یہ اس رسول پاک کی تعلیم ہے ہم لوگ اس پر ایمان لائے ہیں اور اس کی تعلیم کو ہم نے قبول کیا ہے۔ صرف اس پر ایمان لانے کی

وجہ سے ہمیں وہ تکالیف ومصائب جھیلنے پڑے کہ ہمیں اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر جلاوطن ہونا پڑا۔اپنے وطن میں ان کفار ومشرکین نے ہمیں نہ رہنے دیا آخر ہم نے تجھ کو عادل ومنصف مزاج بادشاہ سن کر تیری پناہ لی تیرے انصاف اور رحم سے ہمیں امید ہے کہ تو ہم غریبوں اور پردیسیوں پر ظلم نہ ہونے دیگا۔

بادشاہ حبشہ نجاشی کا اس رقت آمیز تقریر سے دل بھر آیا اور اس کا دل اس رسول عربی پر قربان ہوگیا اور اس صداقت آمیز کلام کو سن کر مسلمان ہوگیا۔اور کافر ایلچیوں کو دربار سے نکلوا دیا اور حضرت جعفر طیار مدت تک وہاں رہے اور فتح خیبر کے دن حبش سے واپس ہوئے۔ خلاصہ از سوانح رسول ص 102 تا 104

بحوالہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 116 وسیرۃ محمدیہ ص 302

6 بعثت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دار الارقم میں پناہ گزین ہونا

جب تمام مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارقم ابن ابی ارقم ابن عبد مناف بن اسد۔کے مکان میں پناہ لی اور وہیں تبلیغ شروع رکھی۔یہ مکان کوہ صفا کے اوپر واقع تھا آپ کا قیام ایک ماہ تک وہاں رہا۔

سوانح عمر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ ص 1048

بحوالہ تاریخ الاسلام ص 52۔اور واشنگٹن اروِن کی لائف آف محمد ص 52

6 بعثت حضرت امیر حمزہؑ کا اسلام لانا

"ایک روز سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفا پہاڑی پر تشریف رکھتے تھے ابوجہل ملعون وہاں سے گزرا اور حضور اقدس کو بہت گالیاں بکنے لگا۔اور ایک پتھر اٹھا کر آپ

کے سر مبارک پر دے مارا۔ حضور انور کا روئے مبارک لہو لہان ہو گیا آپ نے کچھ جواب نہ دیا اٹھ کر چلے گئے۔

عبداللہ بن جوعان کے آدمی اور ایک بڑھیا عورت یہ حال دیکھ رہے تھے وہ لوگ بہت متاسف ہو کر رونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں سے حضرت امیر حمزہ کو آپ سے سخت محبت تھی۔ اور ثوبیہ کا دودھ بھی مل کر پیا تھا۔ رضائی بھائی بھی تھے جناب امیر حمزہ بارعب، بہت بہادر، شیر دل اور شکار کے بہت شائق تھے اور سپاہ گری کے فنون سے خوب ماہر تھے آپ سارا دن شکار کھیلا کرتے تھے جب شکار سے واپس آئے تو صفا پہاڑی پر ایک بڑھیا کے رونے کی آواز سنی۔ آپ نے پوچھا کہ تو کیوں روتی ہے اس نے جواب دیا کہ آپ کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکالیف وایذاؤں کو دیکھ کر روتی ہوں کہ ابوجہل ملعون نے اس کا سر پھوڑ دیا ہے۔ یہ سن کر امیر حمزہ کو سخت غصہ آیا۔ خانہ کعبہ کے اندر سیدھے تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ابوجہل ملعون وہاں بیٹھا ہے آپ نے اس کے قریب ہو کر سخت گالیاں دیں اور کمان کو اس کے سر پہ مار کر اس کے سر کو پھوڑا کہ خون سے وہ لعین تر بتر ہو گیا بنی مخزوم قبیلہ کے لوگ اٹھے کہ حضرت امیر حمزہ سے بدلہ لیں۔ ابوجہل نے منع کیا کہ اگر اس سے لڑو گے تو دین محمدی قبول کر کے قریش کو کمزور کر دیگا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قوت حاصل ہو جائے گی۔ پھر حضرت امیر حمزہؓ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور گھر لوٹے۔ جناب رسول خداؐ کو دیکھا کہ سر پھوٹا ہوا ہے اور وہ رو رہے ہیں۔ عرض کیا اے محمد جو کچھ آپ کو تکلیف پہنچی مجھے خبر نہ تھی۔ جناب رسول صلعم نے فرمایا کہ جس کا نہ باپ نہ ماں نہ چچا نہ رشتہ دار ہو جو مدد کرے وہ کس طرح دنیا میں رہ سکتا ہے۔ ابوجہل ملعون نے یہ حال میرا کیا روز قیامت سے نہ ڈرا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ دے حضرت امیر حمزہ نے کہا:

"یہ سن کو خوش ہو گے کہ میں نے اس لعین کا سر پھوڑ دیا کہ تمہارا دل خوش ہو۔ آپ نے فرمایا میرا دل تو اس طرح خوش ہوتا ہے کہ جب آپ مسلمان ہو جائیں اور کلمہ شریف

لا اله الا الله محمد رسول الله پڑھیں ۔امیر حمزہ نے کہا کہ میں بھی اسلام لانے کے واسطے ہی آیا ہوں ۔امیر حمزہ کا اسلام سن کر قریش کی کمر ٹوٹ گئی''۔

سوانح عمری رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ ص 104-105

بحوالہ تاریخ طبری فارسی جلد چہارم ص 383 طبع نول کشور

ابن خلدون کتاب ثانی 28/3 روضۃ الاحباب جلد اول صفحہ 53

واشنگٹن اردن کی لائف آف محمد ص 53

6 ۔ بعثت حضرت عمر کے اسلام لانے کا بیان

6 ۔ بعثت نبوی کے اہم واقعات میں سے حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کے بعد حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ ہے ۔حضرت عمر کے اسلام لانے کا بیان لکھنے سے پہلے ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم اس عنوان کے تحت جو کچھ لکھ رہے ہیں اس کے لئے ہماری نیت اور ارادہ یہ نہیں ہے کہ ہم حضرت عمر کی شان میں اپنی طرف سے کوئی نا زیبا بات کہیں یا ان کی توہین اور ہتک کی نیت سے کچھ لکھیں ۔یا ان کے طرفداروں اور عقیدتمندوں کے جذات کو مجروح کریں ۔ بلکہ ہماری یہ کتاب چونکہ خالصتاً عظمت ناموس رسالت کے بیان میں ہے لہذا ہر وہ بات جو عظمت ناموس رسالت کے خلاف ہوگی اس کا رد و ابطال عظمت ناموس رسالت کے دفاع میں کیا جائیگا ۔ کیونکہ عظمت ناموس رسالت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے معاویہ اور بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے ایسی ایسی حدیثیں گھڑی گئیں ہیں کہ ان سے بڑھ کر عظمت ناموس رسالت کو تار تار کرنے والی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی ۔لہذا ایسی حدیثوں کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنا صرف عظمت ناموس رسالت کے دفاع میں ہوگا اور اس سے پہلے بھی اسی عنوان سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی عظمت ناموس رسالت کے دفاع میں ہی لکھا گیا ہے ۔

چنانچہ ان وضعی اور من گھڑت احادیث میں سے ایک حدیث وہ ہے جو حضرت عمر کے بارے میں وضع کی گئی ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ اور غلط طور پر منسوب کر کے یہ کہا گیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت عمر کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ: "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا"

حالانکہ حضرت عمر کے حالات زندگی پر سرسری نظر ڈالنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز ہرگز ایسی بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ کیونکہ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ گویا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس بات کی معرفت نہیں تھی کہ خدا کا فرستادہ نبی و رسول کیسا ہوتا ہے۔

حضرت عمر کے حالات زندگی کو اسلام لانے سے پہلے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

نمبر 1: سب سے پہلا حصہ وہ ہے جس کے بارے میں تمام سیرت نگاروں اور ان کی مداح سرائی کرنے والے واضح الفاظ میں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت عمر ان تمام عیوب میں جو زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں پائے جاتے تھے سب سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ جس نے تفصیل کے ساتھ معلوم کرنا ہو وہ محمد حسین ہیکل سابقہ وزیر معارف حکومت مصر کی کتاب "حضرت عمر فاروق اعظم" کا مطالعہ کرے۔

نمبر 2: دوسرا حصہ وہ ہے جس میں اسلام کے ظہور کے بعد کفار و قریش مسلمانوں پر جس طرح سے ظلم و ستم کرتے تھے تو ان سے بچنے کے لئے مسلمانوں کے پاس دو ہی راستے تھے ایک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق حبشہ کی طرف ہجرت کر جانا اور دوسرے اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ جانا یعنی مرتد ہو جانا۔

اور حضرت عمر کی مداح سرائی کرنے والے تمام سیرت نگار اس بات کو تسلیم کرتے ہیں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں کفار و قریش میں حضرت عمر سے بڑھ کر اور کوئی

نہ تھا ہم اس بات کے ثبوت میں شبلی صاحب کی زبانی صرف دو مثالیں پیش کرتے ہیں ۔شبلی صاحب اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں

لُبَینہ: ان کے خاندان میں ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔اس کو بے تحاشہ مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں پھر ماروں گا۔لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زدوکوب کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا۔ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کرسکے آخر مجبور ہوکر فیصلہ کیا کہ ''نعوذ باللہ'' خود بانی اسلام کا قصہ پاک کردیں۔تلوار کمر سے لگا کرسیدھے رسول اللہ کی طرف چلے'' الفاروق شبلی ص 76

شبلی صاحب نے لبینہ کے واقعہ کو سیرۃ النبی جلد اول میں صفحہ 231 پر بھی نقل کیا ہے اور اس سے اگلے صفحہ پر اور ایک کنیز کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے

حضرت زنیرہ: حضرت عمر کے گھرانے کی کنیز تھیں اور اس وجہ سے عمر اسلام لانے سے پہلے ان کو جی کھول کر ستاتے ۔ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 232

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم روزنامہ جنگ کے محترم صحافی نذیر ناجی کے ایک آرٹیکل کا تھوڑا سا اقتباس پیش کریں۔

نذیر ناجی صاحب ان جماعتوں کے بارے میں جنہوں نے پاکستان کی مخالفت کی تھی سویرے سویرے کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

''حقیقت یہ ہے کہ مولوی حضرات نے آخری دم تک پاکستان کی شدید مخالفت کی ۔علماء کی سب سے بڑی اور منظم جماعت جمیعت علمائے ہند کانگرس کی حلیف تھی ۔علامہ اقبالؒ کو مولانا حسین احمد مدنی کے سیاسی موقف پر تنقید بھی کرنا پڑی تھی ۔افسوس کہ یہ باتیں نوجوان نسل سے چھپائی گئیں۔اور تحریک پاکستان کے اصل مقاصد کو ہماری تاریخ اور نصابی

کتب سے بددیانتی کرتے ہوئے حذف کردیا گیا۔

روزنامہ جنگ 23 اکتوبر 2004 ص 6

اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں:

''ہوا یوں کہ جب مولوی حضرات پاکستان کو وجود میں آنے سے نہ روک سکے تو اس پر قبضہ کے طریقہ سے سوچنے لگے۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے اپنا پاکستان دشمن کردار نگاہوں سے اوجھل کرنے کے لئے تاریخ کو مسخ کیا۔ اس کے بعد قیام پاکستان کے معاشی پہلو غائب کر کے مذہبی عنصر نمایاں کیا اور اس کی آڑ میں اپنی سیاسی دکانداری چمکائی۔ تحریک آزادی کے دوران مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ان لوگوں کے تصورات کا جائزہ لینا تو ان کی اس دور کی تحریروں اور تقریروں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ یاد رہے کہ انھوں نے پاکستان میں دستیاب تمام کتابوں سے وہ حوالے حذف کر دیئے ہیں جن میں ان کے پاکستان دشمن خیالات درج تھے'' روزنامہ جنگ 23 اکتوبر 2004 ص 6

نذیر ناجی نے ان مولوی حضرات کے بارے میں جو کچھ پاکستان کے تعلق سے لکھا ہے انھوں نے حضرت عمر کو اسلام کا ہیرو بنانے کے سلسلہ میں بھی یہی طرز عمل اختیار کیا ہے۔

شبلی نعمانی کی کتاب الفاروق، درحقیقت حضرت عمر کا نثر میں ایک قصیدہ ہے اور ان کے تمام عیوب کو خوبصورتی کے ساتھ اچھائی میں بدلنے کی انتہائی کوشش کا ایک شاہکار ہے

لیکن ماضی قریب میں میٹرک کے نصاب میں عظیم شخصیات سے متعلق یہ سمجھتے ہوئے کہ مولانا شبلی جو کہ شمس العلماء کے لقب سے ملقب تھے اور انھوں نے حضرت عمر کی زندگی کے بارے میں اپنی کتاب الفاروق میں جو کچھ لکھا ہے اسے خوب صاف ستھرا کر کے لکھا ہے ان کی کتاب الفاروق سے حضرت عمر کی زندگی کے کچھ حالات لکھ دیئے۔ حالانکہ انھوں نے اسے خوب لیپا پوتی کر کے لکھا تھا۔ مگر اصل بات اس میں جھلک رہی تھی۔

مگر اب چونکہ ان مولوی حضرات کا حضرت عمر کے بارے میں بھی طرز عمل یہ ہے

کہ ان کی زندگی سے متعلق کوئی ایسی بات نہ لکھی جائے جس سے ان کی افسانوی شخصیت متاثر ہو اور ان کے بارے میں صرف ایسی باتیں ہی لکھی جائیں جن سے وہ اسلام کے ہیرو نظر آئیں چاہے ان میں وہ بات ہو یا نہ ہو۔ لہذا ان مولوی صاحبان نے آسمان سر پر اٹھالیا اور وزیر تعلیم محترمہ زبیدہ جلال کا ناک میں دم کر دیا ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگائی گئیں ۔چونکہ خیر سے وہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتی تھیں لہذا وہ انہیں یہ تو کہہ نہیں سکتے تھے کہ انھوں نے شیعہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہے لہذا ان کو امریکی ایجنٹ قرار دیا گیا اور یہ الزام لگایا گیا کہ وہ امریکی ایجنڈے پر کام کر رہی ہیں قصہ کوتاہ ان حضرات نے مولانا شبلی کی الفاروق سے نقل کردہ حضرت عمر کی زندگی کے حالات کا بیان میٹرک سے خارج کرا کے چھوڑا۔

اسی طرح ان مولوی حضرات نے حضرت عمر کی اسلام کے خلاف مخالفانہ روش کو جو ان کی اسلام لانے سے پہلے تھی بدل دیا ہے اور ان حضرات نے اسی انداز سے حضرت عمر کے اسلام دشمن کردار کو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کرنے کے لئے تاریخ کو مسخ کر دیا ہے۔ اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف مخالفانہ روش کو جو اسلام لانے کے بعد بھی جاری رہی اس میں خود پیغمبرؐ کو قصوروار ٹھہرا کر حضرت عمر کو صحیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلطی پر قرار دے دیا ہے۔ جس کا بیان اپنے اپنے مقام پر آتا رہے گا۔

لیکن حضرت عمر کے اسلام لانے سے پہلے کے دونوں حصوں کا بیان یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ خدا ایسے آدمی کو اپنا منصب و رسالت عطا نہیں کر سکتا کیونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

" اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ "

"اللہ خوب جانتا ہے کہ اس نے اپنا منصب و رسالت کیسے آدمی کو عطا کرنا ہے"

لہذا مذکورہ حدیث کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا" غلط ۔جھوٹی اور من

گھڑت ہے اور حضرت علی علیہ السلام کی شان میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث اور مسلمہ فریقین حدیث منزلت کے مقابلہ میں گھڑی گئی ہے۔

حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعے اور بعد کے حالات کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا حصہ: اسلام لانے کا واقعہ اور اسلام لانے کے بعد ہجرت تک کے حالات پر مشتمل ہے

دوسرا حصہ مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد پیغمبر کی رحلت کے واقعات وحالات پر مشتمل ہے

تیسرا حصہ: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے لے کر عین بعد کے حالات پر مشتمل ہے۔

حضرت عمر کی اسلامی زندگی کے حالات تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کے بیان کے ساتھ ساتھ بیان ہوں گے اور تیسرے حصہ کے کچھ حالات پیغمبر اکرم کی رحلت کے بیان کے بعد ہوں گے۔ یہاں پر پہلے حصہ یعنی حضرت عمر کے اسلام لانے سے لے کر ہجرت مدینہ تک کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

سوانح عمری حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصنف نے ''اسلام حضرت عمر ابن الخطاب'' کے عنوان کے تحت معتبر ومستند حدیث وتاریخ وسیرۃ کی کتابوں کے حوالے سے اس طرح لکھا ہے کہ

''ابو جہل ملعون نے خانہ کعبہ کے نزدیک کھڑے ہو کر کہا کہ جو کوئی محمد صلعم کا سر کاٹ کر لاوے میں اس کو سو (100) اونٹ اور چالیس ہزار (40000) درھم دوں گا۔ حضرت عمر نے کہا میں یہ کام کرسکتا ہوں۔ حضرت عمر اللہ کے پیارے حبیب نبی آخری الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلح ہو کر قتل کرنے کو چلے۔ راستہ میں ایک مسلمان نعیم بن عبداللہ نے پوچھا کہاں جاتے ہو۔ حضرت عمر نے کہا محمدؐ کے قتل کو۔ نعیم نے کہا۔ بنی ہاشم سے کس طرح بچو گے۔ حضرت عمر نے کہا شاید تو نے دین تبدیل کیا ہے اگر ایسا ہو تو پہلے تجھے

قتل کروں۔ پھر سعد ابن وقاص سے جھپٹ ہوئی۔ سعد نے کہا پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کو قتل کرو جو مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ سن کو طیش کھا کر اپنے بہن اور بہنوئی کو مار پیٹ کر اور لہولہان کر کے تلوار لٹکا کر حضرت امیر حمزہؓ کے گھر آئے کسی صحابی نے شگاف سے دیکھ کر کہا کہ عمر مسلح آتے ہیں امیر حمزہ نے فرمایا دروازہ کھول دو اگر نیک نیتی سے آیا ہے تو مبارک۔ اگر شرارت کی نیت سے آیا ہے تو انشاء اللہ انہیں کی تلوار سے قتل کروں گا۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا۔ تو حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکل آئے اور بغلگیر ہوئے۔ عمر کو خوب دبایا کہ بند بند ان کا ہل گیا اور فرمایا اے عمر ابن خطاب واللہ اگر بنیت خیر آیا ہے تو خیر ورنہ جیتا نہ پھر یگا۔ رعب نبوت سے حضرت عمر کا بدن کانپا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور پکار اٹھے۔ اشھدان لا الہ الا اللہ و انک رسول اللہ آنحضرت نے اللہ اکبر بآواز بلند فرمایا اور سب مسلمانوں نے تکبیر کہی چالیس مسلمان پورے ہوئے۔

سوانح عمری رسول مقبول ص 105۔ بحوالہ تفریح الاذکیاء جلد دوم ص 5150

ترجمہ تاریخ ابن خلدون کتابن کافی جلد سوم ص 32,31

سیرۃ النبی ص 205

روضۃ الاحباب جلد اول ص 130

تاریخ الاسلام دہلوی جلد دوم ص 53

حاشیہ صحیح بخاری مترجم ک 15 ص 40

اس کے بعد صحیح بخاری کے حوالے سے لکھتے ہیں

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر ڈرے ہوئے گھر میں بیٹھے تھے، اتنے میں عاص بن وائل سہمی ایک ڈوری دار چادر اور ایک ریشمی کرتہ کا جوڑا پہنے ہوئے ان کے پاس آیا۔ وہ بنی سہم کے قبیلہ سے تھا جو جاہلیت کے زمانہ میں ہمارے حلیف تھے۔ اس نے کہا عمر تمہارا کیا حال ہے۔ کیونکہ آزردہ ہو۔ انھوں نے کہا تیری قوم بنی سہم کے لوگ کہتے

ہیں ۔اگر میں مسلمان ہوا تو وہ مجھ کو مار ڈالیں گے۔ عاص نے کہا تیرا وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ عاص کے ایسا کہنے پر اطمینان ہوا پھر عاص باہر نکلا دیکھا تو میدان لوگوں سے بھر گیا۔ عاص نے پوچھا کیوں کہاں کا ارادہ ہے انھوں نے کہا کہ خطاب کے بیٹے کی خبر لینے جاتے ہیں جس نے اپنا دین بدل ڈالا ہے۔ عاص نے کہا دیکھو تم عمر کو مت ستاؤ۔ یہ سنتے ہی لوگ لوٹ گئے دوسری روایت میں ہے کہ عمر میری پناہ میں ہے۔ سوانح عمری رسول مقبول ص 106 بحوالہ صحیح بخاری کتاب المناقب اسلام عمر پ 15 ص 39,38

اور مدارج النبوۃ میں ہے کہ

"حضرت عمر اپنے ماموں ابو جہل کی پناہ میں رہے"

مدارج النبوۃ جلد دوم ص 92

جہاں تک امر واقعہ کا تعلق ہے تو تاریخ و سیرت و حدیث کی مستند کتابوں میں تو یہی لکھا ہے کہ ابو جہل نے خانہ کعبہ کے نزدیک کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ "جو کوئی محمد ﷺ کا سر کاٹ کر لائے میں اس کو سو اونٹ اور چالیس ہزار درہم دوں گا۔ حضرت عمر نے کہا یہ کام میں کر سکتا ہوں۔ حضرت عمر آنحضرت کے قتل کے ارادے سے چلے۔ راستہ میں کچھ لوگوں سے تکرار ہوئی اور بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کی خبر سن کر ان کو مار مار کر لہو لہان کیا اور پھر تلوار لے کر آنحضرت کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پر حضرت حمزہ کو دیکھ کر اور آنحضرت کے رعب سے مرعوب ہو کر لرز اٹھے اور تلوار ہاتھ سے گر گئی اور آپ نے بے ساختہ کلمہ پڑھ لیا۔

اور کلمہ پڑھنے کے بعد جب واپس لوٹے تو کفار قریش کی طرف سے قتل کئے جانے کے خوف سے ڈرے ہوئے سہمے ہوئے آزردہ خاطر گھر میں بیٹھے تھے کہ عاص بن وائل سہمی وہاں آ گیا اور ان کی ڈھارس بندھائی یہ روایت خود حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ بن عمر سے منقول ہے اور صحیح بخاری میں لکھی ہوئی ہے حوالہ اوپر درج ہے اور مدارج النبوۃ جلد دوم میں صفحہ 92 پر یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر اپنے ماموں ابو جہل کی پناہ میں رہے۔

اب یہ اظہار عقیدت ہی کی بات ہے کہ ان کے عقیدت مند یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے اسلام لانے کے بعد خانہ کعبہ میں جا کر علی الاعلان نماز پڑھی جبکہ نہ ابھی نماز واجب ہوئی تھی نہ صرف کلمہ پڑھنے سے انہیں نماز کا سبق خود بخود یاد ہوا تھا ایسا شخص جو اپنے قتل کئے جانے کے خوف سے ڈرا ہوا اور سہا ہوا آزردہ خاطر اپنے گھر میں چھپ کر بیٹھا ہوا ہو اور اپنے ماموں ابوجہل کی پناہ میں ہو۔ اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ ایسا کام کرے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ ابوجہل جو ہر مسلمان ہونے والے پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑا کرتا تھا اس شخص کے مسلمان ہونے پر اسے پناہ دینے پر آمادہ کیوں ہو گیا؟ جو اس کے اعلان کردہ انعام کے حصول کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا۔ کفار قریش کی عادت اور ابوجہل کی فطرت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ حضرت عمر کے اسلام لانے کی خبر سن کر مار مار کر ان کا بھرکس نکال دیتا یا انہیں اپنے سابقہ مذہب پر پلٹا لیتا۔ سوائے اس صورت کے کہ حضرت عمر نے اپنے اسلام لانے کی وجہ بتلا کر ابوجہل کو مطمئن کر دیا ہو اور ابوجہل نے حضرت عمر کے عندیہ سے متفق ہو کر انہیں پناہ دینے کا اعلان کر دیا ہے۔

عقیدت بھی عجیب شے ہے۔ تمام سیرت نگاروں اور حدیث و تاریخ کی مستند کتابوں میں تو یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر رعب نبوت سے کانپنے لگے اور تلوار ہاتھ سے گر گئی اور پکار اٹھے اشھد ان لا الہ الا اللہ و انک رسول اللہ۔

لیکن ان کے عقیدت مند ظاہری صورت حال کے بجائے دل کی بات نکال کر یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر اپنی بہن اور بہن سے قرآن سن کر اسلام کی طرف راغب ہو گئے تھے چنانچہ علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اس سے

پہلے اپنے سابقہ ارادے سے توبہ کر چکے تھے اور اپنی بہن اور بہنوئی سے قرآن مجید کی آواز سن کر اور صحیفہ میں پڑھ کر اسلام کی طرف راغب ہو چکے تھے اور اس نعمت سے مالا مال ہونے کے لئے وہاں حاضر بارگاہ ہوئے تھے۔

تحفہ حسینیہ علامہ محمد اشرف سیالوی جلد اول ص 261

حالانکہ اگر وہ بہن سے قرآن سن کر اسلام کی طرف راغب ہو گئے تھے تو آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کا خیال ترک کر دیا تھا تو تلوار گھر میں رکھ کر خالی ہاتھ کیوں نہ گئے؟

بہر حال سیالوی صاحب نے اپنی عقیدت میں دل کی بات یہ معلوم کی کہ بہن اور بہنوئی سے قرآن سن کر اسلام کی طرف راغب ہو گئے تھے اور قتل کا ارادہ ترک کر کے اس نعمت سے مالا ہونے کے لئے وہاں حاضر بارگاہ ہوئے تھے۔

لیکن شبلی صاحب کی عقیدت سیالوی صاحب سے بڑھ کر ہے انھوں نے یہیں بہن اور بہنوئی سے قرآن سن کر کلمہ پڑھوا دیا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں

''راہ میں اتفاقاً نعیم ابن عبداللہ مل گئے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے۔ بولے کہ محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انھوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ خود تمہاری بہن اور بہنوئی ایمان لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھی ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا دیئے۔ لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی۔ بہن نے کہا کچھ نہیں بولے کہ نہیں، میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے۔ اور جب ان کی بہن بچانے کو آئی تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا بدن لہولہان ہو گیا۔ اس حالت میں ان کی زبان سے نکلا کہ ''عمر جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا''

ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ

تھے مجھ کو بھی سناؤ۔فاطمہ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے۔اٹھا کر دیکھا یہ سورہ تھی

"سبح اللہ مافی السموت وما فی الارض و ھو العزیز الحکیم ۔ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے" آمنو باللہ و رسول تو بے اختیار پکار اٹھے" اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ"

الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 770

شبلی صاحب نے کلمہ تو یہیں بہن کے پاس پڑھوادیا لیکن وہ یہ جھوٹ گھڑتے وقت بھول گئے کہ سورہ الحدید جس کی پہلی آیت انھوں نے نقل کی ہے وہ سورہ مدنی ہے جیسا کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس سورہ کے آغاز میں لکھا ہے کہ

" سورہ الحدید مدنیۃ و ھی تسع و عشرون آیۃ و اربع رکوعات "

یعنی سورہ حدید مدنی سورہ ہے اور اس کی 29 آیتیں اور اس کے چار رکوع ہیں۔

لہذا 6 ھ بعثت نبوی میں اس کے پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ سورہ اس وقت تک نازل ہی نہیں ہوا تھا اور آمنوا باللہ و رسولہ اس سورہ کی ساتویں آیت ہے۔

بہر حال شبلی صاحب نے حضرت عمر کے دل کی بات بیان کرنے میں سوچ سمجھ سے کام نہیں لیا۔اس سے تو بہتر تھا کہ بہن کے یہ کہنے پر

"عمر جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا" یہ کہتے کہ حضرت عمر نے دل میں یقین کر لیا کہ اب ان کے مسلمانوں پر ظلم و تشدد اور پیغمبر کو قتل کرنے سے، اسلام کو آگے بڑھنے سے روکا نہیں جا سکتا۔لہذا انھوں نے کچھ اور بات سوچ کو پیغمبر کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

علامہ محمد اشرف سیالوی اور مولانا شبلی نعمانی نے حضرت عمر کے دل کی جو بات معلوم کی وہ اوپر بیان ہوگئی اب ایک اور سنی دانشور کی بات سنئے کہ ان کے نزدیک حضرت عمر کے دل میں کیا بات تھی جب وہ پیغمبر صلعم کو قتل کرنے کے ارادے سے چلے۔

محمد حسین ہیکل سابقہ وزیر معارف حکومت مصر چونکہ سیاسی آدمی تھے لہذا انھوں نے حضرت عمر کے دل کی بات کا سیاسی نکتہ نظر سے خیال کا اظہار کیا۔

وہ سو اونٹوں اور چالیس ہزار درہم کے انعام کے لالچ میں قتل کا ارادہ کرنے کے خیال کو رد کرتے ہوئے ان کے دل کی بات یوں بیان کرتے ہیں کہ: حضرت عمر سو اونٹوں اور چالیس ہزار درہم کے لالچ میں آنحضرت صلعم کو قتل کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے تھے بلکہ انھوں نے دیکھا کہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے اتحاد کو پارہ پارہ کردیا ہے اور عربوں میں پھوٹ ڈال دی ہے لہذا وہ اس افتراق کو روکنے کے لئے آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔(حضرت عمر فاروق اعظم محمد حسین ہیکل)

بہر حال دل کی باتیں ہر ایک کے نزدیک اپنے نکتۂ نظر سے ہیں اور امر واقعہ صرف اتنا ہی ہے جیسا کہ مستند تاریخوں، حدیث کی کتابوں اور سیرت کی کتابوں کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ حضرت عمر آنحضرت کو قتل کرنے کے ارادے سے تلوار لے کر روانہ ہوئے تھے اور رعب نبوت سے کانپنے لگے اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی اور پکار اٹھے اشھد ان لا الہ الا اللہ ،واشھد ان محمد رسول اللہ.

رعب نبوت سے ایمان لانے کا ایک اور واقعہ بھی تاریخوں میں آیا ہے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت کسی درخت کے نیچے سو رہے تھے اور تلوار پاس رکھی تھی کہ ایک کافر کا ادھر سے گذر ہوا اس نے آنحضرت کی تلوار اٹھائی اور آنحضرتؐ کو بیدار کر کے کہنے لگا کہ اے محمدؐ بتلاؤ اب تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ۔ یہ سنتے ہی اس کے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آنحضرت نے تلوار اٹھا کر اس سے کہا کہ اب تو بتلا کہ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا یہ سن کر وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

پس حضرت عمر کے ایمان لانے کا واقعہ دو باتوں پر مشتمل ہے ایک امر واقعہ اور دوسرے عقیدتمندوں کی طرف سے دل کی باتیں معلوم کر کے اپنی طرف سے اظہار خیال۔

7ھ بعثت نبوی شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کا محاصرہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوت میں "بنو ہاشم کا مقاطعہ 7ھ نبوت۔ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ "ادھر تمام قریش جمع ہوئے اور آپس میں سب نے یہ طے کیا کہ بنو ہاشم کے ساتھ شادی بیاہ، اٹھنا بیٹھنا، بول چال سب بند۔ ان سے بالکل قطع رحم کیا جاتا ہے اور ان کے لئے یہاں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جائیگی جس سے یہ نفع اٹھا سکیں۔ دکانداروں سے عہد لیا کہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہیں کریں گے۔ اور یہ تمام ایک عہدنامہ کے طور پر لکھ کر مہر لگا کر خانہ کعبہ کے دروازہ سے لٹکا دیا اور کہ دیا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نعوذ باللہ) ہم قتل نہیں کردیں گے ہمارے اور بنی ہاشم کے درمیان صلح نہیں ہوسکتی۔

مدارج النبوۃ ص 63

اور مولانا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں محرم 7ھ نبوی شعب ابی طالب میں محصور ہونا" کے عنوان کے تحت اس طرح لکھا ہے

"ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہوگئے تین سال تک خاندان بنی ہاشم نے اس حصار میں بسر کی"

سیرۃ النبی شبلی جلد 1 ص 242

جناب ابو طالبؑ کا آنحضرت کی اپنی جان سے زیادہ حفاظت کرنا

جب حضرت ابو طالب کو اس عہدنامہ کی اطلاع ہوئی تو وہ آنحضرت اور تمام بنی ہاشم کو لے کر اس درہ میں جس کو شعب ابی طالب کہتے ہیں جا ٹھہرے۔ اور درہ کے دونوں اطراف کو بند کردیا اور شب و روز آنحضرت کی حفاظت کرنے لگے۔ رات کے وقت اپنی

تلوار کھینچے ہوتے جبکہ آنحضرت آرام میں ہوتے۔ پروانہ کے مانند اس شمع نبوت کے گرد گھومتے۔ رات کے شروع حصہ میں حضرت کو ایک جگہ سلاتے ایک گھڑی کے بعد اپنے عزیز ترین فرزند علی ابن ابی طالب کو ان کی جگہ لٹا دیتے اور حضرت کو دوسری جگہ سلاتے تا کہ اگر ابتدائے شب میں کسی نے حضرت کو دیکھا ہو اور ایذا پہنچانا چاہتا ہو تو حضرت کو کوئی ضرر نہ پہنچے بلکہ ان کی اولاد قربان ہو جائے اور امیر المومنین بھی ہر رات نہایت خوشی سے اپنی جان آنحضرت پر فدا کرتے۔ اسی طرح جناب ابو طالبؑ آنحضرت کی پاسبانی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قریش نے جناب ابو طالب کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دیں تا کہ ہم اس کو قتل کر دیں پھر ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنالیں گے۔ جناب ابو طالب نے ان کے جواب میں قصیدہ کہا جس میں آنحضرتؐ کی بہت زیادہ مدح وثنا کی ہے اور آنحضرت کی نبوت پر اپنے اعتقاد کو ظاہر کیا ہے اور یہ بیان کیا کہ جب تک میں زندہ ہوں آپ کی مدد ونصرت سے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ جب قریش نے یہ قصیدہ سنا تو ابو طالب کی طرف سے نا امید ہو گئے۔

کفار کے عہدنامہ کو دیمک کا کھاجانا اور ابو طالبؑ کا کفار کو اطلاع دینا

شعب ابی طالب میں 4 سال اور ایک روایت کے مطابق تین سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ہمراہیوں پر اسی تکلیف وشدت میں گذرے۔ اس کے بعد حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کے صحیفۂ ملعونہ پر دیمک مسلط کر دی جس نے سوائے خدا کے نام کو جو کچھ اس کاغذ میں تھا چاٹ ڈالا۔ جبرائیل نے اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو پہنچائی۔ حضرت نے ابو طالب سے کہا۔ حضرت ابو طالب نے یہ سن کر اپنے لباس پہنے اور مسجد الحرام کی جانب چلے۔

جب آپ مسجد میں داخل ہوئے وہاں اکابر قریش موجود تھے ان لوگوں نے حضرت ابو طالب کو دیکھ کر آپس میں کہا کہ ابو طالب محمدؐ کی حمایت سے عاجز آ گئے ہیں اور اب اسی لئے آئے ہیں کہ محمدؐ کو ہمارے سپرد کردیں ۔جب حضرت ابو طالب ان کے قریب پہنچے تو وہ لوگ تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے کہ ہم سمجھ گئے کہ آپ ہم سے اتحاد و صلح کرنے آئے ہیں اور اپنے بھتیجے کو اب ہمارے سپرد کردیں گے ۔ابو طالب نے فرمایا خدا کی قسم اس واسطے نہیں آیا ہوں لیکن میرے بھتیجے نے مجھے خبر دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس نے جھوٹ نہیں کہا ہے اس نے بتایا ہے کہ خداوند کریم نے تمہارے ملعونہ صحیفہ پر جس میں تم نے ہر طرح کے ظلم وستم کا عہد کیا ہے دیمک مسلط کردیا ہے جس نے نام خدا کے سوا جو کچھ اس میں تھا صاف کردیا اور کچھ نہیں چھوڑا ۔اس صحیفہ کو منگاؤ اور دیکھو ۔اگر اس کا بیان سچ ہو تو خدا سے ڈرو ۔اور ظلم و جور اور قطع رحم سے باز آ جاؤ ۔اور اگر اس کی یہ خبر غلط ثابت ہو تو میں اس کو تمہارے حوالے کردوں گا تم چاہے اس کو مار ڈالنا ،چاہے زندہ چھوڑ دینا انھوں نے کہا آپ نے ہمارے ساتھ انصاف کیا اور کسی کو بھیج کر وہ عہدنامہ منگوالیا اپنی مہریں بدستور موجود پاس جب اس کو کھولا اسی طرح پایا جیسے آنحضرت نے فرمایا تھا ۔قریش نے اپنے سروں کو جھکالیا ۔جناب ابو طالبؑ نے فرمایا اے قوم خدا سے ڈرو اور اس ظلم سے ہاتھ اٹھالو اور شعب میں واپس آ گئے ۔قریش کے کچھ لوگ جو پہلے سے نادم تھے جیسے معظم ابن عدی ،ابوالبختری ابن ہشام اور زہیر ابن امیہ اٹھے اور بولے کہ ہم اس ماہ کے عہد و پیمان سے بیزار ہیں قریش کے اکثر لوگ ان کے موافق ہو گئے اور عہد نامہ کو پھاڑ ڈالا ۔ابو جہل نے ہر چند چاہا کہ وہ باقی رہے مگر نہ بچا سکا ۔پھر بنی ہاشم شعب ابی طالب سے واپس آ کر اپنے اپنے مکانوں میں قیام پذیر ہوئے

شعب ابی طالب محصور ہونے کا واقعہ اتنا مشہور ہے کہ اس کے لئے کسی تاریخی ثبوت کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ۔لیکن شعب ابی طالب کے محاصرے کے بارے میں ہر کسی نے اپنے زاویہ نگاہ سے روشنی ڈالی ہے ۔

ہم بھی اس مقام پر شعب ابی طالب کے محاصرے کے بارے میں اس کے چند گوشوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

نمبر 1: یہ بائیکاٹ صرف بنی ہاشم اور اولاد عبدالمطلب کا بائیکاٹ تھا دوسرے مسلمانوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ لہذا بنی ہاشم کے سوا اور کوئی شعب ابی طالب میں محصور نہیں ہوا۔

نمبر 2: شعب ابی طالب میں صرف اور صرف بنی ہاشم محصور تھے دوسرے مسلمانوں کو اس لئے محصور ہونے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اول تو ان کا بائیکاٹ نہیں تھا دوسرے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی عام اجازت تھی لہذا جو بھی مسلمان ہوتا وہ کفار قریش کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کر جاتا تھا یا وہ کسی نہ کسی سردار قریش کی پناہ میں تھے جیسے حضرت عمر ابو جہل کی پناہ میں تھے۔ جیسا کہ محدث دہلوی کا بیان سابق میں گذر چکا ہے

3: بنی ہاشم یعنی اولاد عبدالمطلب کے ان افراد نے جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے اس وجہ سے یہ تکلیف جھیلنی گوارا کی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے کفار قریش کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ یعنی سوائے ابو لہب کے بنی ہاشم کے وہ افراد بھی جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قتل کے لئے کفار قریش کے اختیار میں دے دیں اور ان کی حفاظت سے ہاتھ اٹھالیں اور یہ نکتہ خاص طور پر ذہن میں رکھنے کے لائق ہے جو ہجرت مدینہ کے واقعہ میں کوئی حقیقتوں سے پردہ اٹھانے والا ہے۔ اور اس کا نظارہ ہمیں بیعت عقبہ ثانیہ اور ہجرت مدینہ کے وقت دیکھنے کو ملے گا۔

بنی ہاشم کا شعب ابی طالب سے باہر آنا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں بنی ہاشم کے شعب کے باہر آنے کا واقعہ اس طرح لکھا ہے

"ابو طالب حرم کعبہ میں آئے اور قریش کے ظلم کے خلاف اللہ تعالیٰ کے حضور میں مدد و نصرت کی دعا مانگی اور پھر شعب میں لوٹ آئے۔ اب قریش دو گروہوں میں بٹ چکے تھے ایک وہ جو نقض عہد نامہ پر مصر تھے دوسرے ابو جہل اور اس کے ساتھ جو مقاطعہ کے عہد نامہ کی پابندی کرنا چاہتے تھے آخر کار وہ جماعت جو نقض عہد نامہ پر مصر تھی ان پر غالب آ گئی۔ یہ لوگ اسلحہ سے آراستہ ہو کر شعب ابی طالب میں آئے اور بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو گھاٹی سے باہر لے آئے اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں حسب سابق مقیم ہو گئے۔ اور مخالف کچھ نہ کر سکے یہ واقعہ 10 نبوت کا ہے۔ مدارج النبوۃ ص 64,63

"عام الحزن" حضرت ابو طالبؑ اور ام المومنین حضرت خدیجہؑ کی وفات

شیخ عبد الحق محدث دہلوی مذکورہ عنوان کے تحت لکھتے ہیں

"اسی سال یعنی 10 نبوت میں حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا"

مدارج النبوت ص 65

پھر حضرت خدیجہؑ کے انتقال کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت ابو طالب کے انتقال کے تین روز بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کا انتقال ہو گیا ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے 25 سال رفاقت رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید قلق ہوا اور آپ نے اس سال کا نام غم کا سال "عام الحزن" رکھا۔ مدارج النبوۃ ص 68

اور شبلی صاحب سیرۃ النبی میں 10 نبوی حضرت خدیجہؑ اور حضرت ابو طالب کی وفات" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب شعب ابی طالب سے نکلے تھے اور چند روز قریش کے جور وظلم سے امان ملی تھی کہ ابو طالب اور حضرت خدیجہؑ کا انتقال ہوگیا۔

سیرۃالنبی جلد 1 ص 247

پھر اس سے اگلے صفحہ پر حضرت ابو طالب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے (جو اس وقت تک کافر تھے) کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا ابو طالب وہی کہہ رہے ہیں۔

سیرۃالنبی جلد 1 ص 248

بحوالہ سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر 146

حیرانی کی بات یہ ہے کہ ابو طالب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ طرز عمل اور آنحضرت کے ساتھ ان کی عقیدت اور ان کے اشعار اور بیانات خود اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت کو سچا نبی سمجھتے تھے اور ان کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے اگرچہ آنحضرت کی حفاظت کے نکتہ نظر سے کفار پر اس بات کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن ابن اسحٰق کی روایت سیرۃ ابن ہشام میں اور شبلی کا بیان سیرۃ النبی میں اور حضرت عباس کی گواہی سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابو طالبؑ نے وہ ایمان جو دل میں رکھتے تھے اس ایمان کا مرتے وقت اظہار کر دیا اور کلمہ طیبہ زبان پر جاری فرمایا۔

لیکن بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے گھڑی ہوئی حدیثوں مین سے ابو ہریرہ کی گھڑی ہوئی حدیث بیان کر کے منبروں پر بڑے طمطراق کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ ابو طالب نے کلمہ نہ پڑھا۔ حالانکہ ابو ہریرہ 6 ھ ہجری میں مدینہ آ کر مسلمان ہوا اور حضرت ابو طالب کے وقت وفات مسلمانوں میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا تعجب یہ ہے کہ ابو ہریرہ کی گھڑی ہوئی حدیث کا تو ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے لیکن حضرت عباس جو خود پیغمبرؐ کے چچا اور

حضرت ابو طالبؑ کے بھائی تھے ان کی گواہی قبول نہیں کرتے جو وقت وفات ان کے پاس موجود تھے اور پیغمبر سے کہہ رہے تھے کہ جو کلمہ تم نے پڑھنے کے لئے کہا تھا ابو طالب وہی کلمہ پڑھ رہے ہیں۔

بہرحال اس کے بعد شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرۃ النبی میں حضرت خدیجہؑ کی وفات کو دوٹوک الفاظ میں اس طرح لکھتے ہیں

"حضرت خدیجہؑ نے رمضان سنہ 10 نبوی میں وفات کی ان کی عمر 65 برس تھی۔

سیرۃ النبی جلد 1 ص 249

اور علامہ سید سلیمان ندوی اپنی کتاب سیرۃ عائشہ صدیقہ میں حضرت خدیجہؑ کی رحلت کا بیان اس طرح لکھتے ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلے بیوی حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں آپ کا سن شریف اس وقت پچیس برس کا تھا اور حضرت خدیجہ چالیس برس کی تھیں اس کے بعد وہ پچیس برس تک شرف صحبت سے ممتاز رہیں۔ رمضان سنہ 10 نبوت میں ہجرت سے تین برس پہلے انھوں نے وفات پائی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچاس کی تھی اور حضرت خدیجہ 65 برس کی تھیں۔ سیرۃ عائشہ صدیقہ۔ ص 24

اور تذکار صحابیات کا مولف اس طرح لکھتا ہے کہ:

"سنہ 10 بعثت میں یہ ظالمانہ محاصرہ ختم ہوا لیکن اس کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰ زیادہ دن زندہ نہ رہیں۔ رمضان المبارک میں (یا اس سے کچھ پہلے) ان کی طبیعت ناساز ہوئی حضور نے علاج معالجہ اور تسکین و تشفی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن موت کا کوئی علاج نہیں۔ 11 رمضان سنہ 10 نبوی کو انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور مکہ کے قبرستان حجون میں دفن ہوئیں اس وقت ان کی عمر تقریباً 65 برس کی تھی۔

تذکار صحابیات ص 38

یہ تمام حوالے اس لئے درج کئے گئے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ تمام سیرۃ نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ کا 10ھ بعثت نبوی میں شعب ابی طالب سے باہر آنے کے بعد رمضان کے مہینے میں 11 تاریخ کو انتقال ہوا۔

حضرت سودہ بنت زمعہؓ سے نکاح

تذ کار صحابیات کا مولف ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''حضرت سودہ کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی حضرت سکران بن عمرو سے ہوا''

تذ کار صحابیات ص-41

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں

''حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں حضرت سودہ اور حضرت سکران بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبش کی طرف ہجرت کر گئے کئی برس وہاں رہ کر مکہ واپس لوٹے جہاں چند دن بعد حضرت سکران نے وفات پائی اور حضرت سودہ بیوہ ہو گئی (تذ کار صحابیت ص 41)

اس کے بعد تذ کار صحابیات کے مولف نے آنخضرت کے ساتھ حضرت سودہ کی شادی کا واقعہ اس طرح لکھا ہے۔

''یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت خدیجہ الکبریٰ نے وفات پائی تھی بن ماں کی بچیوں کو دیکھ دیکھ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک افسردہ رہتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جان نثار صحابیہ حضرت خولہ بنت حکیم نے ایک دن بارگاہ نبوی میں عرض کی۔

یا رسول اللہ خدیجہؓ کی وفات کے بعد میں ہمیشہ آپ کو ملول دیکھتی ہوں

حضرت نے فرمایا: ہاں! گھر کا انتظام اور بچوں کی تربیت خدیجہ کے سپرد تھیں۔

خولہ نے عرض کی: تو پھر آپ کو ایک رفیق وغمگسار کی ضرورت ہے اگر اجازت ہو

تو آپ کے نکاح ثانی کے لئے سلسلہ جنبانی کروں۔

حضورؐ نے اسے منظور فرمالیا۔ حضرت خولہ اب حضرت سودہ کے پاس تشریف لے گئیں اوران سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بیان کی۔ حضرت سودہ نے بخوشی حرم بننے پر اظہار رضامندی کیا۔ ان کے والد زمعہ نے بھی حضور کا پیغام قبول کرلیا اور اپنی لخت جگر کا نکاح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے چار سو درھم پر خود پڑھادیا۔

تذکار صحابیات ص42

اس کے بعد تذکار صحابیات کا مولف لکھتا ہے:

"یہ مبارک نکاح رمضان 10 بعد بعثت میں ہوا۔ (تذکار صحابیات ص42)

مذکورہ واضح اور دوٹوک بیانات سے ثابت ہوا کہ:

نمبر1: حضرت خدیجہؑ کی رحلت ماہ رمضان 10 نبوی کی 11 تاریخ کو ہوئی

نمبر2: پیغمبر نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا۔

نمبر3: پیغمبرؐ بن ماں کی بچیوں کو دیکھ دیکھ کر افسردہ رہتے تھے۔

نمبر4: خولہ بنت حکیم نے پیغمبرؐ سے خدیجہ کی وفات کے بعد ان کے ملول رہنے کا ذکر کیا

نمبر5: حضور نے فرمایا: ہاں! گھر کا انتظام اور بچوں کی تربیت خدیجہ کے سپرد تھی

نمبر6: خولہ بنت حکیم نے ایک رفیق وغمگسار بیوی کی ضرورت کا ذکر کرکے آپ کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کرنے کو کہا

نمبر7: حضور کے منظور فرمانے پر حضرت سودہ سے رمضان 10 نبوی میں نکاح ہوگیا

حضرت سودہؓ سے حضورؐ کا نکاح عین ضرورت اور فطری تھا

دنیا کا کوئی معقول انسان اس بات کی تائید کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ پیغمبر گرامی اسلام جس نے پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر تک اپنی بھرپور جوانی ایک

ایسی عورت کے ساتھ گزاری ہو جس کی چالیس سال کی عمر میں حضور سے شادی ہوا ور جس نے 65 سال کی عمر میں وفات پائی ہو۔اس نے خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کے لیے اتنی شادیاں رچائی ہوں گی۔دوسری شادیوں کے بارے میں تو ہم اس کے مناسب مقام پر بحث کریں گے یہاں پر صرف حضرت سودہ سے شادی کے بارے میں عرض کرنا ہےاور وہ یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد 11 ماہ رمضان 10ھ نبوی میں ہوا۔ضروری تھا کہ بچیوں کی دیکھ بھال اور گھر کے انتظام کے علاوہ آپ خانگی امور کی طرف سے بے فکر ہوں۔تا کہ اطمینان کے ساتھ تبلیغ کرسکیں اور وہ اسی مہینےاور اسی سال یعنی ماہ رمضان 10ھ نبوی میں حضرت سودہ کے ساتھ نکاح کے ذریعہ پورا ہوگیا اور آپ تبلیغ اسلام کے لئے گھر کے امور کی طرف سے بے فکر ہوکر طائف کی طرف جانے کے قابل ہوگئے پس حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے بعد حضرت سودہ کے ساتھ حضور کا نکاح عین ضرورت اور فطری تھا اور کوئی بھی معقول انسان اس نکاح پر اعتراض نہیں کرسکتا۔اور نہ ہی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے والی بات قرار دے سکتا ہے۔

ایک من گھڑت داستان یا عجیب وغریب افسانہ

حضرت سودہ سے نکاح کے علاوہ مکہ میں رہتے ہوئے ایک اور نکاح کی ایسی داستان ہے جو ان من گھڑت داستانوں میں سے ایک ہے جو راجپال جیسے مصنف کو" رنگیلا رسول" لکھنے اور رشدی جیسے مصنف کو" شیطانی آیات" لکھنے اور مستشرقین یورپ کو پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کی توہین کرنے اور ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کے لئے مواد افراہم کرنے والی ہے اور وہ من گھڑت داستان حضرت عائشہ کی مکہ میں رہتے ہوئے عقد کی داستان ہے۔

مستشرقین یورپ کے اعتراضات کے جواب تو ہم آگے چل کر اپنے مناسب

مقام پر دیں گے یہاں پر حضرت عائشہ کے عقد کے بارے میں جو کچھ تاریخ، حدیث وسیرت کی کتابوں میں لکھا ہے اس میں سے کچھ یہاں پر تحقیقی نکتہ نظر سے غور کرنے کے لئے نقل کرتے ہیں۔

اگر چہ حضرت عائشہ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے ان کی تاریخ عقد میں اختلاف ہے لیکن اس کے باوجود بعض سیرۃ نگاروں کو اس بات پر اصرار ہے کہ حضرت عائشہ کا نکاح ہر حال میں آنحضرت کے ساتھ چھ سال کی عمر میں مکہ میں رہتے ہوئے ہی ہوا

اور اس داستان کا آغاز جو چھ سال میں مکہ میں عقد کرنے کو بیان کرنے والی روایات پر مشتمل ہے خواب میں حضرت عائشہ کی تصویر دیکھنے سے ہوتا ہے چنانچہ عبدالبیر مکی اپنی کتاب استیعاب میں لکھتے ہیں:

" و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد رای عائشہ رضی اللہ عنہا فی المنام فی سرقۃ من حریر " استیعاب ترجمہ عائشہ

"اور رسول اللہ نے عائشہ کو خواب میں حریر کے ایک کپڑے میں دیکھا"

اور تاریخ خمیس میں بھی یہ داستان اسی طرح بیان ہوئی ہے

" وروی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اری عائشہ فی المنام مرتین و ثلثا فی خرفہ من حریر یجیئی بھا الملک فیقول ھذا امراتک "

تاریخ خمیس در حال عائشہ

اور روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ کو دو تین مرتبہ خواب میں دیکھا ایک حریر کے کپڑے میں جو فرشتہ لایا تھا اور کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہے۔

اور حریر کے کپڑے میں حضرت عائشہ کی تصویر دیکھ کر پیغمبر اکرم صلعم کا کیا حال ہوا اسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مناھج میں اس حریر کے کپڑے والی روایت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''اور یہ بھی منقبت علم ہے کہ صدیقہ کے تیئں حضرت کو صدیقہ سے پہنچنے کے اول شب اور مشتاق ان کے جمال کا کیا۔ زلیخا نے ایک بار یوسف کے تیئں خواب میں دیکھا عاشق اور فریفتہ اس کی ہوئیں۔ یہاں جو سرور کائنات نے مکرر تین بار صورت صدیقہ کو اس لطافت سے دیکھی تو اظہار کمال شوق اور رغبت کے درمیان کیا حال ہوا۔

کتاب مناھج محدث دہلوی

اور اس سے آگے چل کر عبدالحق محدث دہلوی اپنی اسی کتاب مناہج میں اس طرح رقمطراز ہیں:

''اس کے تیئں بعض نعروں میں یاد کرتے اور فرماتے: ''واعروساہ''

مناھج ص 852

یعنی پیغمبر نعرے لگایا کرتے تھے۔ ''ہائے دلہن، ہائے دلہن''

جب ان باتوں کو دیکھ کر راجپال جیسے مصنف رنگیلا رسول لکھتے ہیں تو غصہ آتا ہے لیکن خود ان ہی باتوں کو جھوم جھوم کر فضیلت کے عنوان سے بیان کرتے ہیں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں اور اگر ہم جیسا یہ کہے کہ یہ روایات غلط ہیں اور من گھڑت ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ جیسا کہ ہم ان کی ممدوحہ کی شان گھٹا رہے ہیں

لیکن ہر صاحب عقل و فہم کے نزدیک چھ سات برس کی عمر کی یہ شادی جتنی اختلافی ہے اور غیر ثابت ہے اس سے کہیں زیادہ عجیب و غریب بھی ہے۔

جس نسبت کے قائم ہونے سے کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوتا نہ امور خانگی کی دیکھ بھال میں کوئی مدد مل سکتی تھی نہ کوئی دل بستگی ہو سکتی تھی نہ ضرورت فطری کے پورا ہونے کا کوئی امکان تھا، کیونکہ کسی تاریخ کسی تفسیر، کسی سیرت کی کتاب یا کسی حدیث کی کتاب میں ایک بھی روایت ایسی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ چھ برس کی یہ لڑکی رسماً ہی سہی شوہر کے گھر میں آ کر رہی ہو۔

پھر یہ بات تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلمہ ہے کہ پیغمبر کا خواب وحی ہوتا ہے۔
اگر پیغمبرؐ نے خواب میں کوئی ایسی بات دیکھی ہوتی۔ جس میں تصویر دکھا کر یہ کہا گیا ہو کہ یہ آپ کی بیوی ہے تو پھر پیغمبرؐ کو اپنی طرف سے خود ہی پیغام بھجوانا چاہیے تھا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے لیکن تمام تاریخوں، تمام حدیث کی کتابوں تمام تفسیروں اور تمام سیرۃ کی کتابوں میں ایک بھی روایت ایسی نہیں ہے بلکہ وہی خولہ بنت حکیم والی روایت جس میں اس نے آپ کو حضرت خدیجہ کی رحلت کے بعد ملول دیکھ کر دوسرا نکاح کر لینے کو کہا تھا اور آنحضرت کے منظور فرمانے کے بعد سلسلہ جنبانی کر کے حضرت سودہ بنت زمعہ کے ساتھ عقد کرایا تھا دوسرے راویوں نے اسی روایت میں جوڑ لگا کر یہ پیوند لگایا" آپ چاہیں تو بیوہ سے نکاح کریں اور چاہیں تو کنواری سے نکاح کریں" اور پھر یہ سیرت نگار نکاح کا حال جس طرح لکھتے ہیں اس میں حضرت عائشہ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ "انہیں پتہ بھی نہ چلا کہ ان کا نکاح ہو گیا ہے" جب ان کی ماں ام رومان نے ان پر باہر نکلنے پر پابندی لگائی اور انہیں بتایا تب انہیں پتہ چلا۔

صاحبان علم جانتے ہیں کہ کسی فقہ میں بھی اس طرح سے نکاح نہیں ہوتا۔ اگرچہ افسانے عام طور پر سارے ہی جھوٹے اور من گھڑت ہوتے ہیں مگر افسانہ نگار کا کمال یہ ہوتا ہے کہ واقعہ کو اس طرح لکھتے ہیں کہ اس پر سچ کا گمان ہوتا ہے۔ مگر اصحاب پیغمبر اور ازواج پیغمبر کی شان میں گھڑے جانے والے افسانوں میں بناوٹ صاف جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ ساری داستان ہی جھوٹی اور من گھڑت ہے اور پیغمبر کی حیثیت اور ان کی شخصیت کو گھٹانے اور ان کی توہین کرنے کے لئے بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے حضرت عائشہ صدیقہ کی فضیلت کا عنوان بنا کر گھڑی گئی ہے۔ اب ہم اس داستان کو یہیں پر چھوڑتے ہیں اور حضرت عائشہ کی شادی کے باقی حالات آگے چل کر ہجرت کے بعد حضرت عائشہ کی رخصتی کے ذیل میں بیان کریں گے۔

طائف میں دعوت اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سودہ سے نکاح کے بعد جب گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی طرف سے مطمئن ہو گئے تو قریش سے ناامید ہو کر مکہ معظمہ سے باہر وعظ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان تین منزل کا فاصلہ ہے آپ اس راستے میں تمام قبیلوں کو توحید کی منادی کرتے ہوئے پیادہ پا طائف پہنچے۔ طائف کے سردار بنو ثقیف قبیلہ کے تین بھائی تھے۔ حضور اقدس پہلے انہی کو ملے اور ان کو دعوت دی

انھوں نے طائف کے جوانوں اور جاہلوں کو بلا کر کہا کہ اس دیوانہ قریشی کو باہر نکال دیں تا کہ اس جگہ رات کو رہنے نہ پائے۔ ان کمینوں اوباشوں نے آپ کے پیچھے تالیاں بجانی شروع کیں اور آپ پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آنجناب کی پنڈلیاں زخمی ہو گئیں اور خون بہنے لگا۔ آپ طائف سے باہر نکلے اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا" اللھم اھد قومی انھم لا یعلمون "بار الہا میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ وہ میری شان نبوت کو نہیں جانتے۔

آپ طائف شہر سے باہر تشریف لائے۔ راستہ میں عداس نامی غلام سے ملاقات ہوئی جو آپ کی باتوں سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا۔

سوانح عمری حضرت رسول مقبول ص 111

بحوالہ تاریخ طبری فارسی جلد چہارم ص 386,385

قوم جن کا اسلام قبول کرنا

اسی رات کو چند جن گذرے اور وہ قرآن شریف سن کر مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم میں جا کر سب کو مسلمان کر دیا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ واپس تشریف

لائے اور معطم ابن عدی کی حمایت اور ہمسائیگی میں ٹھہرے اور طواف خانہ کعبہ کر کے حاجیوں کو دعوت اسلام فرمانے لگے۔ سوانح عمری حضرت رسول مقبول

بحوالہ تاریخ طبری فارسی جلد چہارم ص 383

10 نبوت کا حج

اس سال چھ آدمی مدینہ منورہ سے حج کو آئے جو خزرج کے قبیلہ سے تھے۔ مدینہ کے یہودی توریت سے جناب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات بیان کر کے اور جب بھی مشکل پڑتی آپ کے اسم مبارک پر ہاتھ رکھ کر برکت چاہتے۔ اللہ تعالی ان کو کامیاب کرتا جناب رسول خدا نے مقام عقبہ پر ان سے ملاقات کی اور ایمان اسلام پیش کیا۔ قرآن شریف سن کر وہ فریفتہ ہو گئے اور ایمان لے آئے جب اپنے وطن کو لوٹ کر گئے تو گھر گھر آپ کا چرچا ہونے لگا۔ سوانح عمری حضرت رسول مقبول ص 111

بحوالہ تاریخ طبری فارسی جلد 4 ص 387

11 نبوت بیعت عقبیٰ اولیٰ

دوسرے سال موسم حج میں عقبہ کے قریب بنو خزرج کے بارہ آدمی مشرف با سلام ہوئے ان بزرگواروں نے اسی امر پر آنحضرت صلعم سے بیعت کی کہ کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرینگے۔ چوری، زنا اور قتل اولاد نہ کریں گے۔ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گے۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ واپس جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے عم زاد بھائی حضرت مصعب ابن عمیر قاری قرآن شریف اور حضرت عبداللہ مکتوم کو تعلیم قرآن کے واسطے ان کے ہمراہ کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمر کے وعظ پر اسد بن حضیر اور سعد ابن معاذ سرداران قبائل مسلمان ہو گئے اور ان کی ترغیب پر بنی عبدالاشہل کا تمام قبیلہ ایک دن

میں مسلمان ہوگیا۔ تھوڑے دنوں میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں کوئی شخص عورت و مرد مسلمان نہ ہو۔

سوانح عمری حضرت رسول مقبولؐ ص 112

بحوالہ تاریخ ابن خلدون جلد 3 ص 40

تاریخ طبری فارسی جلد 4 ص 387

12 نبوت معراج شریف

27 ماہ رجب نبوت کے بارہویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج جسمانی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمانوں کی سیر کرائی اور عجائبات قدرت کاملہ دکھائیں تمام انبیا و مرسلین سے ملاقات کرائی۔ پانچ وقت کی نماز اور تیس روزے ماہ رمضان کے فرض ہوئے۔

اسی کو محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر نے اپنی کتاب حضرت ابو بکر صدیق میں لکھا ہے کہ "اسریٰ" کے واقعہ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق بھی ہجرت حبشہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے تھے۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں نقل ہوا۔

12 نبوت بیعت عقبہ ثانیہ

حضرت مصعب کی تعلیم کا اثر تمام انصار مدینہ میں یہ ہوا کہ 12 نبوت میں حضرت مصعب ایک سال مدینہ منورہ میں رہ کر 73 مرد اور 2 عورتوں کو لے کر مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ کو مدینہ منورہ کی دعوت دیں۔

سیرۃ ابن ہشام میں کعب ابن مالک سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ:

ہم تہتر (73) مرد اور 2 عورتیں ہمارے ساتھ تھیں پس ہم اس دوراہے پر جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ تشریف لائے

ساتھ آپ کے چچا عباس ابن عبدالمطلب بھی تھے وہ اس وقت اپنی قوم کے دین پر تھے مگر انہیں اپنے بھتیجے کے معاملہ میں موجود رہنے اور ان کے بارے میں پختہ ضمانت لینے کی خواہش تھی پھر جب بیٹھے تو پہلے جس نے گفتگو کی وہ عباس ابن عبدالمطلب تھے۔

ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 491,190

بیعت عقبہ ثانیہ میں رازداری کی انتہاء

مورخ شہیر ابن جریر طبری انصار مدینہ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ:

''وہ رات ہم نے اپنی قوم کے ساتھ اپنی قیام گاہ میں بسر کی۔ جب ایک ثلث رات گذر گئی ہم حسب قرار رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اپنی فرودگاہوں سے خفیہ طور پر دبے قدم نہایت خاموشی کے ساتھ ایک ایک کر کے نکلے۔ گھاٹی کے پاس والے درے میں جمع ہوئے ہم ستر آدمی تھے۔ ان میں دو عورتیں انہی کی بیویاں تھیں۔ ایک نسیبہ بنت کعب ام عمارہ یہ بنی قاؤن بنی النجار کی بیویوں میں سے تھی۔، دوسری اسما بنت عمرو بن عدی ابن مسلمہ کی بیویوں میں سے تھی یہ ام شیع ہے۔

ہم سب درہ میں جمع ہوکر رسول اللہ کا انتظار کرنے لگے۔ آپ تشریف لائے آپ کے ساتھ آپ کے چچا عباس ابن عبدالمطلب تھے۔ اگرچہ یہ اب تک اپنی قوم کے دین پر قائم تھے مگر وہ چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے کام میں مصروف ہوں اور ان کے لئے پوری طرح اطمینان واعتماد حاصل کریں۔ ترجمہ تاریخ طبری جلد اول ص 120

عباس ابن عبدالمطلب کا خزرج سے خطاب

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

سب سے پہلے عباس نے گفتگو شروع کی اور کہا

اے گروہ خزرج (عرب انصار کے اس قبیلہ کو جو چاہے خزرج ہوں یا اوس ایک ہی نام خزرج سے موسوم کرتے تھے) محمد ہمارے ہیں، تم بھی واقف ہو، ہم نے ان کو اپنے ان قوم والوں سے جو میرے مسلک پر ہیں بچایا ہے۔ اپنی قوم کی وجہ سے ان کی خاص عزت وقعت ہے۔ وہ اپنے وطن میں امن وحفاظت کے ساتھ ہیں۔ مگر اب وہ اس بات پر بالکل تل گئے ہیں کہ تمہارے یہاں جا رہیں۔ اور وہیں سکونت اختیار کرلیں اگر تم سمجھتے ہو کہ جس غرض سے تم نے ان کو دعوت دی ہے اسے پورا کرو گے اور ان کے مخالفین سے ان کی حفاظت کرو گے تو بیشک تم اس بار کو اٹھا لو۔ ورنہ اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہارے یہاں چلے جانے کے بعد تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے اور ان کی حمایت سے دستکش ہو جاؤ گے تو بہتر یہ ہے کہ اسی وقت ان کے حال پر چھوڑ دو کیوں کہ یہاں بھی اپنی قوم کی وجہ سے وہ محفوظ ہیں اور اپنے وطن میں بحفاظت واطمینان رہ رہے ہیں۔ ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 121

گراں بہا ذمہ داری

عباس ابن عبدالمطلب کے مذکورہ خطاب کو ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ میں "گراں بہا ذمہ داری" کے عنوان کے تحت اس طرح لکھا ہے کہ:

"انھوں نے کہا: اے گروہ خزرج (راوی نے کہا عرب انصار کے اس قبیلہ کو اسی نام سے پکارا کرتے تھے خواہ وہ بنی خزرج ہوں یا بنی اوس) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم میں جو حیثیت حاصل ہے وہ تم لوگ جانتے ہو ہم میں سے ان لوگوں نے جو ان سے متعلق ہماری رائے سے متفق ہیں اب تک ان کی حفاظت کی ہے یہ اپنی قوم میں عزت والے اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔ لیکن یہ اپنا وطن چھوڑ کر تمہاری طرف جانے اور تم سے مل کر رہنے کے سوا کسی دوسری بات کو مانتے ہی نہیں۔ اگر یہ سمجھتے ہو کہ تم انہیں جس جانب بلا رہے ہو وہاں ان کا حق پورا پورا ادا کرو گے اور مخالفوں سے بچاؤ گے تو جو بار اپنی خوشی سے لیتے ہو۔ لو۔ اگر انہیں

لے جانے کے بعد مخالفوں کے حوالے کردینے اوران کی مدد سے دستبردار ہوجانے کا خیال ہوتو اسی وقت دست کش ہوجاؤ۔ کہ یہ اپنی قوم اوراپنے شہر میں معزز ومحفوظ ہیں تو ہم نے ان سے کہا۔ آپ نے جو کچھ کہا ہم نے سن لیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ گفتگو فرمایئے۔ اپنی ذات اوراپنے پروردگار کے متعلق جواقرار ہم سے لینا پسند فرماتے ہیں لیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گفتگو کا آغاز فرمایا۔ قرآن کی تلاوت کی۔ اللہ کی جانب دعوت دی اوراسلام کی طرف رغبت دلائی پھر فرمایا

میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری ان تمام چیزوں سے حفاظت کروگے جن سے تم اپنی عورتوں اوربچوں کی حفاظت کرتے ہو۔

ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 491

بنوخزرج کی یقین دہانی

ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے کہا

"ہم سے جو تم نے کہا اسے سنا۔ اب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں بخدا آپ جو چاہیں اپنے لئے عہدوپیمان لے سکتے ہیں۔

رسول اللہ نے گفتگو شروع کی پھر قرآن پڑھ کر سنایا اللہ کی دعوت دی اوراسلام قبول کرنے کی ترغیب دی پھر فرمایا۔ میں اس شرط پر تم سے بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اس طرح حفاظت کروگے جس طرح تم اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہواس پر براء نے آپ کا ہاتھ پکڑا اورکہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو بجا طور پر نبی مبعوث فرمایا۔ ہم آپ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح کہ ہم اپنی آزادوں کی حفاظت کرتے ہیں اس شرط پر ہم نے رسول اللہ صلعم کی بیعت کی بخدا ہم اہل حرب اوراہل جماعت ہیں اوریہ

فخر ہم کو وراثت میں اپنے بزرگواران سے ملتا رہا ہے۔

ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 121

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد مبارک

ابن ہشام مذکورہ عنوان کے تحت لکھتے ہیں

''براء بن معرور نے آپ کا دست مبارک تھام لیا اور کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچائی کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے۔ ہمیں یہ شرطیں قبول ہیں۔ اور ضرور ہم ان تمام چیزوں سے آپ کی حفاظت کریں گے جن سے ہم اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسول ہم سے بیعت لے لیجئے۔ واللہ ہم سپاہی اور مسلح لوگ ہیں۔ جنگ تو ہمیں ہمارے بزرگوں کی میراث میں ملی ہے۔ ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 491

اس کے بعد ابن ہشام نے اس طرح لکھا ہے

''عباس بن عبادہ بن فضلہ نے کہا: اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ روانہ فرمایا ہے اگر آپ چاہیں تو منیٰ میں جو لوگ ہیں ان پر کل ہی ہم لوگ تلواریں لے کر حملہ کردیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" لم تومر بذالک والکن ارجعو الی رحالکم "

ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا اور فی الحال تم اپنی سواریوں کی جانب لوٹ جاؤ۔ آخر ہم اپنی آرام گاہوں کی جانب لوٹ گئے اور صبح تک سوتے رہے۔

ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 491

پیغمبر گرامی اسلام نے انصار مدینہ سے بیعت لینے کے بعد تمام مسلمانوں کو عام حکم دے دیا کہ وہ سب مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ ابن ہشام، ہجرت کے حکم کے

عنوان کے تحت لکھتے ہیں

تمام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم

''ابن اسحق نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے جنگ کی اجازت دے دی۔ انصار کے مذکورہ بالا قبیلوں نے اسلام کی اور آپ کے تبعین کی امداد پر بیعت کی اور مسلمان ان کے پاس جا کر پناہ گزین ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دے دیا کہ مہاجر اصحاب اور وہ مسلمان جو مکہ میں آپ کے ساتھ تھے مدینہ کی جانب نکلیں۔ وہاں ہجرت کر جائیں اور اپنے انصار بھائیوں سے جا ملیں فرمایا

" ان اللہ قد جعل لکم اخواناً و داراً تامنون بھا "

اللہ نے تمہارے لیے ایسے بھائی اور ایسا گھر فراہم کر دیا ہے کہ وہاں بے خوف رہ سکو'' ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 514-515

شب ہجرت تک بیعت عقبیٰ کا راز نہ کھلا

بیعت عقبہ ثانیہ کی کاروائی۔ جیسا کہ ہم نے گذشتہ اوراق میں ابن ہشام اور تاریخ طبری کے حوالے سے نقل کی ہے اتنی رازدارانہ طریقہ سے ہوئی کہ وہ شب ہجرت تک راز ہی رہی اور کسی پر نہ کھلی۔ اور اس رازداری کی انتہا یہ تھی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فرد کو۔ جو خود کو پیغمبر کی حفاظت کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ اعتماد میں لیا۔ لیکن مکہ کے مسلمانوں میں سے کسی کو بھی اس معاہدہ کے وقت ساتھ لینا مناسب نہ سمجھا اور یہ معاہدہ ایک تہائی رات گئے اس طرح سے ہوا کہ انصار مدینہ............. تاریخ طبری کے الفاظ ہیں'' اپنی فرودگاہوں سے، خفیہ طور پر، دبے قدم، نہایت خاموشی کے ساتھ، ایک ایک کر کے نکلے اور گھاٹی کے پاس والے درہ میں جمع ہو گئے۔

اور کیونکہ اس راز کا مسلمانوں کی بحفاظت ہجرت کے لئے راز رہنا انتہائی ضروری تھا لہذا یہ سب کے لئے راز ہی رہا۔

اگر چہ پیغمبر اکرم صلعم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا تھا لیکن مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ حکم ایسا ہی تھا جیسا کہ 5ھ نبوی میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم تھا۔ کیونکہ پیغمبر اکرم صلعم نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم بھی اس لئے دیا تھا کہ وہاں امن وامان سے رہنے کی توقع تھی اور مدینہ میں امن وامان سے رہنا حبشہ کی نسبت کہیں زیادہ یقینی تھا جو سیرۃ ابن ہشام میں درج پیغمبر کے ان الفاظ سے ظاہر ہے

" ان اللہ جعل لکم اخوانا و داراً تامنون بھا"

یقینی طور پر اللہ نے تمہارے لئے ایسے بھائی اور ایسا گھر فراہم کیا ہے کہ وہاں بے خوف رہ سکو"

لہذا سارے مسلمان یہی سمجھے تھے کہ پہلے کی طرح مسلمانوں کو حبشہ کی طرف بھیج کر خود مکہ میں ہی قیام رکھیں گے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اکثر سیرت نگار اور بہت سے مورخین یہی لکھتے ہیں کہ پیغمبر ہجرت سے پہلے ہجرت کے لئے خدا کی اجازت کا انتظار کرتے رہے حالانکہ یہ بات ناممکن ہے کہ پیغمبر اپنی ہجرت کے لئے تو اجازت کا انتظار کرتے رہے ہوں لیکن انصار سے مدینہ آنے کا عہد بلا اجازت کر لیا ہو۔

دراصل پیغمبر ہجرت کی اجازت کا انتظار نہیں کر رہے تھے بلکہ کسی پیشوا، کسی رہنما اور کسی لیڈر کے لئے انتہائی خودغرضی کی بات ہے یہ کہ وہ اپنے پیروکاروں کو مصیبت میں پھنسا ہوا چھوڑ کر چلا جائے اور پیغمبر پوری ذمہ داری کے ساتھ مسلمانوں کی ہجرت کی نگرانی کر رہے تھے آپ چاہتے تھے کہ تمام مسلمان بحفاظت تمام ایک ایک کر کے مدینہ چلے جائیں تو پھر میں جاؤ۔ اسی لئے پیغمبر کا حکم عام تھا کہ مسلمان سب کے سب مدینہ چلے

جائیں۔اس کے لئے کسی کو خاص طور پر اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی اور پیغمبر کا ارشاد کہ

" ان اللہ قد جعل لکم اخوانا و دار اً تامنون بھا "

یقیناً اللہ نے تمہارے ایسے بھائی اور ایسا گھر فراہم کر دیا ہے کہ وہاں بے خوف رہ سکو۔اس بات کی طرف اشارہ تھا اب مدینہ اسلام کا وطن ہوگا اور مدینے والے مہاجرین کو اپنے بھائیوں کی طرح رکھیں گے۔اسی لئے خدا اور پیغمبر نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بھی مسلمان مکہ میں رہے جیسا کہ ارشاد ہوا کہ:

" والذی آمنوا ولم یھاجروا مالک من ولایتھم من شیء حتیٰ یھاجروا " (الانفال۔72)

اور (اے میرے حبیب) جو لوگ ایمان تو لائے ہیں لیکن انھوں نے ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تم کو ان کی سرپرستی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

پس پیغمبرؐ ان کی سرپرستی اسی صورت میں کر سکتے تھے کہ وہ سب کے سب ہجرت کر جائیں۔

حبشہ کی ہجرت کی نسبت مسلمانوں کے لئے مدینہ کی طرف ہجرت میں ایک کشش بھی تھی مدینہ سرسبز و شاداب علاقہ تھا وہاں کے رہنے والوں کو مہاجرین کا بھائی قرار دیا گیا اور مدینہ منورہ کو دار یعنی گھر بالفاظ دیگر وطن کہا گیا تھا لہذا حبشہ کی نسبت مسلمانوں کے لئے مدینہ کی ہجرت میں ایک خاص کشش بھی موجود تھی پس پیغمبرؐ بڑی رازداری کے ساتھ مسلمانوں کی ہجرت کی نگرانی کرتے رہے۔

اس راز کی شب ہجرت تک راز رہنے کی ایک اور دلیل اور بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ راز کھل جاتا کہ پیغمبر نے انصار مدینہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو اپنا وطن بنانے کا عہد کر لیا ہے تو دارالندوہ میں پیش کی گئی تجویزوں میں سے ایک تجویز یہ نہ ہوتی کہ پیغمبرؐ کو جلاوطن کر دیا جائے اور انہیں مکہ سے نکال دیا جائے۔

اس سے بالفاظ واضح ثابت ہے کہ کفار تک یہ بات پہنچی ہی نہیں تھی کہ پیغمبر انصار مدینہ سے مدینہ جا کر سکونت اختیار کرنے کا عہد کر چکے ہیں جیسا کہ سیرۃ ابن ہشام کے مطابق حضرت عباس نے کہا کہ

''لیکن یہ اپنا وطن چھوڑ کر تمہاری طرف جانے اور تم سے مل کر رہنے کے سوا دوسری کسی بات کو مانتے ہی نہیں''۔

اور تاریخ طبری کے مطابق حضرت عباس نے یہ کہا کہ

''مگر اب وہ اس بات پر تل گئے ہیں کہ تمہارے یہاں جا رہیں''

اگر اس بات کا کفار کو پتہ چل جاتا تو نہ یہ تجویز پیش ہوتی کہ پیغمبر کو مکہ سے نکال دیا جائے۔ اور نہ وہ جواب دیا جاتا جو اس تجویز کا دیا گیا کہ

اگر پیغمبرؐ کو جلاوطن کر دیا گیا تو وہاں پر اپنی شریں بیانی کے ذریعہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر تم پر حملہ کر دیگا اور تمہیں مغلوب کر لے گا۔

بلکہ یہ کہا جاتا کہ پیغمبر تو خود ہی جانے کے لئے آمادہ ہیں لہذا نکالنے کی تجویز کیسی۔ ہمارے سر سے یہ مصیبت خود ہی ٹل جائیگی۔ لیکن دارالندوہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔

دارالندوہ میں پیغمبر کو جلاوطن کرنے کی تجویز پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ کفار قریش کو اس وقت تک اس بات کا علم نہ ہوا تھا کہ پیغمبرؐ نے مدینہ جانے کا حتمی ارادہ کر لیا ہے اور یقینی طور پر اگر دارالندوہ میں پیغمبرؐ کے قتل کرنے کی تجویز منظور نہ ہوئی ہوتی تو نہ پیغمبر ابھی مکہ سے جاتے اور نہ ہی خدا فوری طور پر نکل جانے کا حکم دیتا بلکہ پیغمبر اپنی پوری کوشش کے ساتھ تمام مسلمانوں کو مدینہ بھیج کر روانہ اور اہل مدینہ سے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کرتے۔

دارالندوہ میں قریش کا مشورہ

علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی میں لکھتے ہیں

''قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں۔ اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔اس بناپر انھوں نے دارالندوہ میں جو دارالشوریٰ تھا۔اجلاس عام کیا۔ہر قبیلہ کے روسا یعنی عقبہ،ابوسفیان،جبیرابن نصر ابن حارث بن ملکدہ،ابوالبختری ،ابن ھشام، زمعہ ابن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام،ابوجہل،بنیہ اور منبہ، امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ۔یہ سب شریک تھے لوگوں نے مختلف راہیں پیش کیں ایک نے کہا محمد کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔دوسرے نے کہا۔جلاوطن کر دینا کافی ہے۔ابوجہل نے کہاہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کردے۔اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائیگااورآل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کرسکیں گے

اس آخر رائے پر اتفاق ہوگیا اور جھٹ پٹے سے آکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کرلیا۔اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لئے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔ سیرۃ النبی جلد 1 ص 269

سیرۃ ابن ھشام میں دارالندوہ کی ان تجاویز کواور اس کے ساتھ شیخ نجدی کے جواب کو۔جو ابن ھشام کے نزدیک ابلیس تھااور ایک خوش شکل بوڑھے کی صورت میں ان میں شامل ہوا تھا۔ذرا تفصیل کے ساتھ لکھا ہے وہ لکھتا ہے

حبس کی تجویز

''راوی نے کہا سب نے مشورہ کیا،اور ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا، اسے لوہے(کی ہتکڑی اور بیڑیوں) میں جکڑ کر کہیں بند رکھواور اس کی موت کا انتظار کرو''

ترجمہ سیرۃ ابن ھشام جلد 1 ص 529

شیخ نجدی نے کہا نہیں واللہ تمہاری یہ رائے ٹھیک نہیں ۔اگر ہم نے اسے قید رکھا جس طرح تم کہہ رہے ہو تو اس کا حکم بند دروازے کے باہر اس کے ساتھیوں کی طرف جائیگا ۔قرین قیاس ہے کہ وہ تم پر حملہ کریں اسے تمہارے ہاتھوں سے چھین لے جائیں ۔اس کے ذریعہ سے وہ اپنی تعداد تمہارے مقابلہ میں بڑھائیں اور تمہاری حکومت پر غلبہ حاصل کرلیں یہ رائے تمہارے لئے ٹھیک نہیں کوئی اور تدبیر سوچو''

ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 529

اخراج کی تجویز

پھر انھوں نے مشورہ کیا اور ان میں سے ایک شخص نے کہا اسے اپنے پاس سے نکال دیں اور اپنی بستیوں میں سے جلاوطن کردیں'' ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 529

''شیخ نجدی نے کہا نہیں واللہ تمہاری یہ رائے بھی ٹھیک نہیں کیا تم اس کی شیرینی گفتار، خوبی کلام، اور لوگوں کے دلوں پر اس طرح کی پیش کردہ چیز کا غلبہ نہیں دیکھا ۔واللہ اگر تم نے ایسا کیا تو مجھے ڈر ہے وہ عرب کے جس قبیلے میں ٹھہرے گا اس پر اپنے کلام وگفتار سے ایسا غلبہ حاصل کرے گا کہ وہ اس کے پیرو ہو جائیں گے ۔پھر انہیں لے کر تم پر چڑھ آئیگا ان کے ذریعہ سے تمہیں پامال کرے گا کوئی اور رائے سوچو''۔

ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 530

ابوجہل کی رائے قتل کی تجویز

راوی نے کہا: ابوجہل بن ہشام نے کہا واللہ اس کے متعلق میری ایک رائے ہے میں نہیں سمجھتا کہ اب تک تم میں سے کسی نے اس کا خیال کیا ہو۔سب نے کہا اے ابوالحکم وہ کیا ہے ۔اس نے کہا ۔میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک جوان مرد، نوعمر، قوی

شریف النفس لے لیں ۔ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک تلوار بھی دے دیں ۔ یہ سب اس کے پاس پہنچیں ۔تلواروں سے ایک ساتھ اس طرح ماریں گویا کہ ایک ہی شخص کا وار ہے اور اس طرح قتل کر دیں پھر ہم اس سے چین پا سکیں گے ۔کیونکہ اس طرح اس کا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائیگا بنی عبد مناف اپنی قوم کے تمام افراد سے جنگ نہ کر سکیں گے ہم سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے ۔اور ہم انہیں خون بہا دے دیں گے ۔راوی نے کہا۔ شیخ نجدی بولا ۔بات تو بس یہی ہے جو اس شخص نے کہی ہے یہ ایسی رائے ہے کہ جس کے سوا اور کوئی رائے ٹھیک نہیں۔ ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 530

پیغمبرؐ کو اس مشورہ کی خبر کب اور کیسے ہوئی ؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ انصار مدینہ سے آنے کا وعدہ کر کے مسلمانوں کو مدینہ بھیجنے کی نگرانی کرتے رہے ۔ہوسکتا ہے کہ جس مسلمان کے پاس سواری نہ ہو اس کے لئے سواری کا انتظام کرتے ہوں ۔جس کے پاس زادراہ نہ ہو اس کے لئے زادراہ کا بندوبست کرتے ہوں۔ غرض اس وقت تک حسب روایات تقریباً 110 مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کرنے میں کامیاب ہوگئے ۔اور یقینی طور پر پیغمبر اکرم ایک ایک مسلمان کو مدینہ بھیج کر پھر مدینہ جانے کا قصد فرماتے ۔اور ان خود غرض لیڈروں کی طرح نہ کرتے جو اپنے پیروکاروں کو مصیبت میں گرفتار چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ پیغمبر اسی طرح اپنا فرض ادا کرنے میں مصروف تھے کہ ایک دن سر شام جبرائیل نازل ہوئے اور فوری طور پر مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔

امام بغوی اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ:

" فاتیٰ جبرائیل النبی صلعم فاخبرہ بذالک (الشوریٰ) المشرکین و ارہ ان لایبیت فی مضجعہ الذی کان فیہ، فاذن اللہ عنک ذالک الخروج الی المدینة فامر رسول اللہ صلعم علی ابن ابی

طالب ان ينام في مضجعه و قال ابو الشيخ بيزوی هذ افانه لن يخلف اليک منهم شئی تكرهه ثم خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخذ قبضة من تراب فاخذه الله ابصارهم عنه فجعل ينشر التراب على رئوسهم وهو ابقراء لنا جعلفا اعناقهم اغلالاً الى قوله فهم لا يبصرون "

اسوة الرسول جلد 2 ص 305

بحوالہ تفسیر معالم التنزیل امام بغوی

(یعنی جناب کفار قریش نے دار الندوہ میں وہ مشورہ کیا اور آنحضرتؐ کے قتل پر اتفاق کرلیا) تو جبرائیل نے مشرکین کے اس مشورہ کی پیغمبر اکرم صلعم کے پاس آ کر خبر دی۔ اور اللہ کی طرف سے یہ حکم پہنچایا کہ آج کی رات جہاں آپ سوتے ہیں وہاں نہ سوئے۔ کیونکہ خدا نے اسی وقت آپ کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا ہے پس اسی وقت آنحضرت صلعم نے جناب علی ابن ابی طالب کو حکم دیا کہ تم ہماری خوابگاہ میں سو رہو۔ اور ہماری چادر اوڑھ لو تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے باہر نکل آئے اور ایک مٹھی خاک ان لوگوں پر جو بیت الشرف کا محاصرہ کیے ہوئے تھے ڈال دی خدا نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا کہ وہ آپ کو تشریف لے جاتے ہوئے مطلق نہ دیکھ سکے اور آنحضرت صلعم آیہ وافی ھدایہ (انا جعلنا في اعنا قهم اغلالاً فهم لا يبصرون) تلاوت فرماتے ہوئے نکل گئے۔

ہجرت کے حکم اور تعمیل حکم میں کوئی وقفہ نہیں ہے

امام بغوی کی مذکورہ عبارت سے ثابت ہو گیا کہ پیغمبر صلعم کو جبرائیل نے مشرکین کے مشورہ کی خبر شب ہجرت پہنچائی تھی جو (فاخبره بذالک (الشوریٰ) المشركين و امره ان لا يبيت في مضجعه سے ظاہر ہے۔

اور جبرائیل نے یہ خبر پہنچانے اور خدا کی طرف سے اپنے بستر میں نہ سونے کا حکم دے کر یہ حکم سنایا کہ " فاذن الله عنک ذالک الخروج الی المدینه " پس مدینہ جانے کا حکم پیغمبر صلعم کو فوری طور پر ہو گیا ۔ اور پیغمبرؐ نے بھی اسی وقت فوری طور پر علیؑ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا جو " فامر رسول الله صلعم علی ابن ابی طالب ان ینام فی مضجعه " سے ظاہر ہے ۔

اور علیؑ کو بستر پر سلا کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے اور ایک مٹھی خاک ان لوگوں پر (جو بیت الشرف کا محاصرہ کئے ہوئے تھے) ڈال دی اور خدا نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ۔

اس ساری عبارت سے بالفاظ واضح ثابت ہے کہ جبرائیل کے خبر لانے سے ایک لمحہ پہلے بھی آپ کو اس کی خبر نہیں تھی اور ہجرت کے حکم اور ہجرت کے حکم کی تعمیل میں کوئی وقفہ نہیں تھا ۔ آپ کو دفعتاً ہجرت کا حکم آیا ۔ اور فوری طور پر مدینہ چلے جانے کا فرمان صادر ہوا اور آپ اسی وقت حضرت علی کو تمام ہدایت دے کر انہیں اپنی خواب گاہ پر سلا کر اور اپنی ردائے مبارک اوڑھا کر دولت سرا سے بقصد مدینہ غار ثور کی طرف تشریف لے گئے ۔ چشم زدن میں تو سب کچھ ہو گیا ، حکم بھی آ گیا اور فوری طور پر اس کی تعمیل بھی ہو گئی ۔

لیکن بنی امیہ کی حکومت کے ہوا خواہوں نے واقعہ ہجرت کے لیے جو جو داستانیں گھڑی ہیں ۔ وہ صرف ایک خاص مقصد اور غرض کے حصول کے لئے افسانہ سازیاں ہیں جنہیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے ۔ یہاں پر اہل سنت کے معروف عالم امام بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تائید میں دو ایک تاریخی حوالے پیش کرتے ہیں ۔

ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

" حضرت جبرائیل نے رسول اللہؐ سے آکر کہا کہ آپ آج رات اپنے اس بستر پر

جس پر آپ معمولاً استراحت فرماتے ہیں نہ سوئیں ۔ چنانچہ حسب قرارداد عشاء کے بعد کفار آپ کے دروازے پر جمع ہوئے اور تاک میں لگے کہ جب آپ سو جائیں وہ حملہ کر کے آپ کو قتل کر دیں ۔ رسول اللہ نے جب دیکھا کہ کفار آ گئے ہیں انھوں نے علی ابن ابی طالبؑ سے کہا کہ تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اور سو جاؤ تم کو ان کی طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچے گی ۔ رسول اللہ جب سوتے تھے تو وہ ہمیشہ اسی چادر کو اوڑھتے تھے ۔

ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 128

اور ابن ہشام نے اپنی تاریخ میں اس طرح لکھا ہے

"مذکورہ مشورہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل آئے اور کہا کہ آج رات کو آپ اس بستر پر آرام نہ کریں جس پر آپ روزانہ آرام فرماتے ہیں ۔

راوی نے کہا جب رات کا اندھیرا ہوا تو قریش کے منتخب نوجوان آپ کے دروازے پر جمع ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ آپ سو جائیں تو حملہ کریں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو ان کے مقامات پر ملاحظہ فرمایا تو علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ ۔ میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لو ۔ اور اسی چادر میں سو جاؤ ۔ ان کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ چیز تم کو پہنچ نہ سکے گی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی چادر اوڑھ کر آرام فرمایا کرتے تھے ۔ ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 530

حضرت ابو بکر شب ہجرت پیغمبرؐ کے ساتھ کیسے گئے؟

اس بارے میں حضرت ابو بکر شب ہجرت پیغمبر کے ساتھ کس طرح گئے ۔ تین قسم کی روایات ہیں اور تینوں ایک دوسرے کے خلاف ہیں ۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت گھر سے سیدھے حضرت ابو بکر کے گھر گئے اور وہاں سے تیار ہو کر غار ثور کی طرف گئے ۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر پیغمبر اکرم صلعم کو راستے میں ملے اور ان کی آہٹ سن

کر پیغمبرؐ یہ سمجھے کہ پیچھے کوئی دشمن آرہا ہے لہذا بھاگتے ہوئے آنحضرتؐ کا پاؤں زخمی ہوگیا اور تیسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر آنحضرت کے گھر پہنچے اور آواز دی یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ تو اندر سے حضرت علیؑ نے کہا کہ وہ تو غار ثور کی طرف چلے گئے ہیں تمہیں کچھ کام ہو تو وہاں چلے جاؤ۔ ہم مذکورہ تینوں قسم کی روایات نقل کرنے کے بعد قرآن کریم کی شہادت پیش کریں گے اور قرآن کی شہادت کو کوئی بھی شخص رد نہیں کر سکتا۔

شبلی صاحب بخاری کی روایت کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''یہ داستان نہایت پر اثر ہے۔ چنانچہ اس افسانے کی ابتداء کرنے سے پہلے تمہید کے طور پر لکھتے ہیں۔

''نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ میں پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔'' یہ داستان نہایت پر اثر ہے'' اور اسی وجہ سے امام بخاری نے بھی باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے، اور حضرت عائشہ کی زبانی لکھا ہے حضرت عائشہ اس وقت سات آٹھ برس کی تھیں۔ لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ صلعم کا اور حضرت ابو بکر کا بیان ہے۔ کہ انہیں سے سنا ہوگا۔ اور ابتدائے واقعہ میں خود بھی موجود تھیں۔ سیرۃ النبی جلد 1 ص 269

شبلی صاحب یہاں بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ اس وقت سات آٹھ برس کی کمسن بچی تھیں۔ لیکن وہ حسب عادت واقعہ کی تحقیق کی بجائے۔ اپنی عقیدت کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ یہ انھوں نے خود رسول اللہ سے سنا ہوگا یہاں بھی ''ہوگا'' پر انحصار ہے حالانکہ ہوگا میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واضعین حدیث میں سے کسی نے گھڑ کر حضرت عائشہ کی طرف منسوب کر دیا ہوگا۔ لہذا ہوگا یو بھی ہو سکتا ہے۔

شبلی صاحب کی بیان کردہ اس روایت کا ایک حصہ تو ہم گذشتہ اوراق میں ''دار الندوہ میں قریش کا مشورہ'' کے عنوان کے تحت لکھ آئے ہیں لہذا مکرر لکھنے کی ضرورت نہیں اور خود قرآن کا بیان اس پر شاہد ہے۔ لیکن اس روایت کے آخر میں اپنی طرف سے جو انھوں

نے یہ لکھا ہے کہ اہل عرب زنا مہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لئے خلاف واقعہ ہے کہ وہی اہل عرب صبح کے وقت اس زنانہ مکان کے اندر گھس گئے لہذا جو وجہ اندر نہ گھسنے کی اور باہر نکلنے کا انتظار کرنے کی لکھی ہے وہ صحیح نظر نہیں آتی ۔

اب صحیح بات کیا ہے وہ تو ہم آگے چل کر لکھیں گے یہاں پر ہم وہ داستان نقل کرتے ہیں جسے شبلی صاحب نہایت پر اثر بتلاتے ہیں آپ لکھتے ہیں:

''ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دوپہر کے وقت ابو بکر کے گھر گئے دستور کے مطابق دروازہ پر دستک دی ۔ اجازت کے بعد گھر تشریف لے گئے ۔ حضرت ابو بکر سے فرمایا کچھ مشورہ کرنا ہے ۔ سب کو ہٹا دو بولے یہاں آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں (اس وقت حضرت عائشہ سے شادی ہو چکی تھی) آپ نے فرمایا ۔ مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے حضرت ابو بکر نے نہایت بے تابی سے کہا ۔ میرا باپ آپ پر فدا ہو کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا ۔ ارشاد ہوا ، ہاں ۔

حضرت ابو بکر نے ہجرت کے لئے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں عرض کی ان میں سے ایک آپ پسند فرمائیں ۔ محسن عالمؐ کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا ۔ ارشاد ہوا اچھا مگر بہ قیمت ۔ حضرت ابو بکر نے مجبوراً قبول کیا ۔

سیرۃ النبی شبلی جلد 1 ص 270

اس پر اثر داستان کا ایک ایک فقرہ قابل غور ہے ۔ سب سے پہلے بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت نے ہجرت سے دو تین دن پہلے حضرت ابو بکر کے گھر جا کر کہا ''مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے'' ۔

اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ جب دو تین دن پہلے ہجرت کی اجازت ہوگئی تھی تو اب کس بات کا انتظار تھا ۔ اب جبکہ دو تین دن پہلے ہجرت کی اجازت ہوگئی تھی پھر کیوں نہ گئے ؟ ۔ کیا اب اس بات کا انتظار تھا کہ جب تک کفار قریش دار الندوہ میں جمع ہو کر میرے

قتل پر اتفاق نہ کرلیں نہ جاؤں گا۔ یقیناً دو تین دن بہت ہوتے ہیں۔ اگر پیغمبرؐ کو اجازت ہوگئی تھی تو انہیں ضرور چلے جانا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اور پیغمبر کی شان کے خلاف ہے یہ بات کہ اجازت کے بغیر نہ جائے جو ایک طرح سے خدا کا حکم تھا اور یہ بات قرآن کریم اور صحیح روایات کے خلاف ہے کیونکہ پیغمبر کو جبرائیل نے وقت کے وقت دار الندوہ میں مشرکین کے مشورہ کی اطلاع دی اور مدینہ چلے جانے کا حکم دیا جیسا کہ سابق میں بیان ہو چکا ہے۔

دراصل یہ بات تو ایک اس بات کو بیان کرنے کے لئے گھڑی گئی ہے کہ آنحضرت کی شادی حریر کے کپڑے پر حضرت عائشہ کی تصویر دکھا کر جس طرح بیان کی گئی ہے اس کا ذکر آجائے۔ دوسرا حضرت ابو بکر کے اب تک ہجرت نہ کرنے کو چھپانے کے لئے گھڑی گئی ہے اور بات یہ بتائی گئی ہے کہ آنحضرتؐ کے حکم عام کے باوجود حضرت ابو بکر نے آنحضرت سے پوچھا تھا کہ کیا مجھے بھی ہجرت کی اجازت ہے حالانکہ حکم عام کی موجودگی میں کسی کو اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی لہذا حضرت ابو بکر کے ہجرت نہ کرنے کو یہ کہہ کو جواز بخشا گیا کہ آنحضرت نے فرمایا تھا کہ تم میرے ساتھ چلنا لیکن حضرت ابو بکر کا ہجرت کی اجازت کی بات سن کر یہ کہنا کہ "کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا"۔ ارشاد ہوا ہاں ۔پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ پہلے نہ حضرت ابو بکر نے اجازت مانگی تھی اور نہ ہی آنحضرت نے انہیں یہ کہہ کر روکا تھا کہ تم میرے ساتھ چلنا اگر پہلے سے پیغمبر نے کہا ہوا ہوتا کہ تم میرے ساتھ چلنا تو تب حضرت ابو بکر کو بے تاب ہو کر پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی؟

دوسری بات اس میں قابل غور یہ ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا کہ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو۔ حالانکہ ساری روایت میں مشورہ کا کوئی ذکر نہیں ہوا کہ کیا مشورہ کیا۔ جب خدا نے ہجرت کی اجازت دے دی تو کیا اب حضرت ابو بکر سے پوچھنا تھا کہ بتاؤ میں جاؤں کہ نہ جاؤں۔ اور پھر سب کو ہٹا دو کہنے کے بعد یہ کہنا کہ یہاں آپ کے

حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اس روایت کو طبری اور ابن ہشام نے بھی نقل کیا ہے مگر انھوں نے یہ لکھا ہے کہ صرف میری بیٹیاں ہیں۔ بہرحال بیٹیاں کہا ہو یا حرم کہا ہو۔ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے کہ اگر یہ بات اختلافی ہے لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس وقت حضرت عائشہ کی حضورؐ کے ساتھ شادی ہوچکی تھی تو حضرت عائشہ کے ساتھ شادی سے سارے گھر کی عورتیں اور مرد آنحضرتؐ کے حرم کیسے بن گئے کیونکہ اس گھر میں حضرت عائشہ کے ساتھ ان کی ماں ام رومان اور حضرت عائشہ کا حقیقی بھائی عبدالرحمن بھی تھا جو فتح مکہ تک مسلمان نہ ہوا تھا اور جنگ بدر میں قریش کے ہمراہ پیغمبرؐ سے لڑنے آیا تھا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص 52)۔ اس کے علاوہ دوسری بیٹی اسما اور ان کا بھائی عبداللہ بن ابی بکر بھی تھا اور اسم کی ماں قتیلہ آخر وقت تک کافر رہی اور مسلمان نہ ہوئی اور حالت کفر میں مری (ملاحظہ ہو تذکار صحابیات ترجمہ اسماء)۔ اس کے علاوہ حضرت ابو بکر کا باپ ابو قحافہ بھی تھا جو کم از کم اس وقت تک کافر تھا وہ اسلام لایا یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ لیکن بعض روایات کے مطابق وہ فتح مکہ کے بعد ایمان لایا۔

ایسے بھرے پورے گھر میں یہ کہنا کہ یہاں آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں یا یہاں پر صرف میری بیٹیاں ہیں سراسر خلاف واقعہ ہے اور ایسے گھر میں جا کر ہجرت کا راز افشا کرنا جس کے نصف کے قریب افراد کافر ہوں پیغمبرؐ کے مرتبہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس وقت حضرت ابو بکر کے والد ابو قحافہ ایک بیوی قتیلہ اور ایک بیٹے عبدالرحمن کا کافر ہونا مسلمہ ہے۔

تیسری بات جو اس روایت کے من گھڑت ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے وہ اس روایت کا یہ فقرہ ہے کہ "ہجرت کے لئے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کیں تھیں۔

اس روایت کے گھڑنے والوں سے یہ ایسی فحش غلطی ہوئی کہ صاف نظر آتی ہے

کیونکہ چار مہینے پہلے تو ہجرت مدینہ کا سوال خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ 12ء نبوی کے ذوالحجہ کے مہینے میں عقبہ کے مقام پر یہ معاہدہ ہوا انصار مدینہ نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور مدینہ جانے کا مسلمانوں کو حکم عام ہوا جو آنحضرت کی ہجرت کی رات تک زیادہ سے زیادہ ڈھائی مہینے بنتے ہیں۔ لہذا چار مہینے پہلے ہجرت مدینہ کے لئے دو اونٹنیاں ببول کے پتے کھلا کھلا کر تیار کرنا صرف ''پراثر داستان ہی نہیں'' بلکہ قطعی طور پر ایک من گھڑت افسانہ ہے۔

بہر حال سیرۃ النبی شبلی، تاریخ طبری، سیرۃ ابن ہشام، مدارج النبوۃ اور جن جن سیرہ و تاریخ لکھنے والوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے ان میں یہی لکھا ہے کہ ''ہجرت کے لئے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں۔ اور یہ بات غلط ثابت ہوگئی اعداد و شمار کے حساب سے اور حقائق کے اعتبار سے اس کا جھوٹا، غلط اور من گھڑت ہونا اس سے آگے بیان ہوگا۔

چوتھی بات جو اس ''پراثر داستان'' یا من گھڑت افسانہ میں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر نے ان میں ایک اونٹنی آنحضرت کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے ہدیہ کے طور پر لینا قبول نہ کیا۔ وجہ یہ لکھی کہ محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہوسکتا تھا۔ ارشاد ہوا اچھا مگر بہ قیمت۔ حضرت ابو بکر نے مجبوراً قبول کیا۔

یہ بات بھی بالکل خلاف واقعہ اور قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ یا تو یہ کہا جائے کہ حضرت نے کبھی کسی سے کوئی ہدیہ قبول نہیں کیا۔ نہ حضرت ابو بکر سے نہ کسی اور سے۔ درآنحالیکہ حضرت ابو بکر کے احسانات کے اتنے افسانے بیان کیے جاتے ہیں کہ ان کے بوجھ سے آنحضرتؐ کو اٹھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ اور اگر آنحضرت نے کبھی بھی کسی سے بھی کوئی ہدیہ قبول کیا ہے اور یقیناً قبول کیا ہے تو پھر یہ بات صرف زیب داستان کرنے اور اس افسانے میں رنگ بھرنے کے لیے لئے ہے علاوہ ازیں اس روایت میں اونٹنی کی

پیش کش دو تین دن پہلے اپنے گھر پیغمبر کے آنے پر کی گئی ہے لیکن دوسری روایات میں غار پر عامر بن فہیرہ کے لانے پر پیش کش کی گئی لکھا ہے۔حالانکہ تفسیر درمنثور کی روایت اس افسانہ کو سرے سے غلط جھوٹا اور من گھڑت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے جس کا بیان آگے آئیگا۔

ایک اور بات اونٹنی کی قیمت خرید اور قیمت فروخت سے متعلق ہے۔سیرۃ النبی، تاریخ طبری اور سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں اس کی قیمت کھول کر نہیں لکھی گئی۔البتہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اس اونٹنی کی قیمت خرید اور پیغمبر کے ہاتھوں فروخت کرنے کی قیمت پوری وضاحت کے ساتھ لکھی ہے،وہ لکھتے ہیں

"ابو بکر را دو شتر بود کہ بہ چہار صد درهم در روایتے بہ ہشت صد درهم خریدہ و مدت چہار ماہ انرا علف دراہ فربہ ساختہ نگاہ داشتہ بود۔ دادہ دورا پیش آوردہ یکے را آنحضرت قبول فرمایند۔ فرمود قبول کردم الا بشرط ابتاع پس بہ نہصد درهم آن ناقہ را از ابو بکر خرید۔ واما آں کہ حکمت در خریدن ناقہ از ابو بکر صدیق باوجود نہایت صدق ادعائے اتحاد و سابقہ انفاق صدیق اموال کثیر را بر آنحضرت صلعم آن بود کہ نخواست کہ در راہ خدا استمداد و استعانت از کسے جوید۔ اسوۃ الرسول جلد 2 ص 309

بحوالہ مدارج النبوۃ جلد 2 ص 74

یعنی حضرت ابو بکر کے دو اونٹ تھے جن کو انھوں نے چار سو درہم پر اور بروایتے آٹھ سو درہم پر خریدا تھا۔اور چار مہینے تک چارہ وغیرہ کھلا کر خوب تیار کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا اس موقع پر دونوں کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تا کہ آپ ان میں سے ایک کو قبول کرلیں۔آپؐ نے فرمایا مجھے قبول ہے مگر قیمت کے ساتھ پس نوسو درہم پر

آنحضرت صلعم نے اس اونٹنی کو خرید لیا اور حضرت ابو بکر سے باوجود ان کی اس رسوخیت اور اعتماد اور سابقہ اتحاد و انفاق اموال وغیرہ کے بلا قیمت نہیں لیا۔ خرید لینے میں حکمت یہ تھی کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں کسی شخص کی مدد اور استقامت قبول کریں۔

مختلف تاریخوں اور سیرۃ کی کتابوں میں اس اونٹنی کے پیش کرنے کے بارے میں تضاد یہ ہے کہ کسی میں ہے کہ جب آپ حضرت ابو بکر کے گھر پہنچے تو اس وقت آپ کو اونٹنی پیش کی گئی۔ اور کسی میں ہے کہ غار میں تیسرے دن عامر بن فُہیرہ دو اونٹنیاں لے کر آیا اس وقت ان میں سے ایک اونٹنی پیش کی اور پھر جب آنحضرت نے بہ قیمت لینی قبول کی تو اس کی چارگنی قیمت وصول کی یعنی دو سو درہم کی اونٹنی کے چار گنے سے بھی زیادہ دام نو سو درہم وصول کیے۔ شاید ایسی مجبوری کی حالت میں کوئی بڑے سے بڑا بلیک مارکیٹر بھی اتنی زیادہ قیمت وصول نہ کرتا ہو۔ اس جھوٹے افسانے میں رنگ بھرنے والوں نے اس بات کا بھی خیال نہ کیا کہ اس سے حضرت ابو بکر کی بھی بدنامی ہوگی یا تو ہدیہ کے طور پر دے رہے تھے یا چار گنا سے بھی زیادہ وصول کیے اگر پیغمبر قیمتاً ہی لینا چاہتے تھے تو آپ کہہ سکتے تھے کہ یا حضرت میں نے یہ اونٹنی دو سو درہم میں خریدی ہے اگر آپ قیمت دینا ہی چاہتے ہیں تو میری قیمت خرید دو سو درہم ہی دے دیجئے۔ پیغمبر نے قیمتاً لینے کو کہا تھا بلیک مارکیٹ میں چار گنا قیمت وصول کرنے کو تو نہیں کہا تھا۔

رہ گیا اس سے پہلے آنحضرت پر انفاق مال تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ کے تمام اموال کے مالک بن چکے تھے اور اکیلی حضرت خدیجہؑ کا مال عرب کے تمام تاجروں کے مال کے برابر چلتا تھا۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے اور پیغمبر اس کی وجہ سے بالکل مستغنی ہو چکے تھے اور قرآن کریم کی آیت ''ووجدک عائلاً فاغنی'' والضحیٰ اس پر شاہد ہے لہذا سابق میں پیغمبر پر کسی کا انفاق کرنا

پیغمبر کے سر پر مفت کے احسانوں کا بوجھ لادتا ہے۔

شبلی صاحب کی بخاری سے نقل کردہ یہ پر اثر داستان اس کے آگے اس طرح بڑھتی ہے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عائشہ اس وقت کم سن تھیں ان کی بڑی بہن جو عبداللہ ابن زبیر کی ماں تھیں سفر کا سامان کیا۔ دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا۔ نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا یہ وہ شرف تھا جس کی بناء پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے'' (سیرۃ النبی شبلی جلد 1 ص 271)

شبلی صاحب کے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے گھر سے شب ہجرت حضرت ابو بکر کے گھر آئے اور وہاں سے کھانے وغیرہ کا بندوبست کر کے آگے غار کی طرف روانہ ہوئے لیکن اسی صفحہ پر آگے چل کر یہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر خود آنحضرت کے گھر پہنچے اور دو تین دن پہلے جو پیغمبر نے ملاقات کی تھی اس میں یہ طے پا گیا تھا۔ چنانچہ وہ اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''حضرت ابو بکر سے قرارداد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے''

ذات النطاقین کے لقب کی روایت طبری اور ابن ہشام اور تاریخ و سیرۃ کی کتابوں میں کئی طرح سے لکھی ہے۔

کسی میں ہے کہ گھر سے چلتے وقت حضرت اسماء نے دو تین دن کا کھانا تیار کر کے دیا اور ناشتہ دان کو کمر کے پٹکے سے باندھا۔ کسی میں ہے کہ حضرت اسماء روزانہ غار میں کھانا پہنچایا کرتی تھیں۔ تیسرے دن چلتے وقت جب اونٹ کے بارے کجاوے میں ناشتہ دان باندھنے لگیں تو کمر کا پٹکا پھاڑ کر باندھا۔

کسی میں ہے گھر پر ہی رسول اللہ نے ذات النطاقین کا لقب دیا۔ کسی میں ہے کہ ناشتہ دان کجاوے پر حضرت ابو بکر کے حکم سے باندھا تو انھوں نے یہ لقب دیا۔ کسی میں ہے

کہ لوگوں نے یہ لقب دیا۔ کسی میں ہے کہ عامر بن فہیرہ اپنی بکریاں شام کو لے کر آتا تھا اور ابو بکر اور آنحضرت ان کا دودھ پی لیتے تھے اور بکری ذبح کر کے اسی کا گوشت کھا لیتے تھے مگر یہ بات کسی روایت میں نہیں ملی کہ گوشت کچا کھاتے تھے یا بھون کر کھاتے تھے۔ کیونکہ کسی روایت میں گوشت کے بھوننے اور اس کو پکانے اور گلانے کا ذکر نہیں ملتا۔ کیونکہ غار میں اس کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا دانستہ اس کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ لیکن لکھا یہ ہے کہ تین دن تک یہ غذا تھی۔ اب یا یہ بات غلط یا حضرت اسما کا دو تین دن کا کھانا پکا کر دینا غلط، یا حضرت اسما کا غار میں کھانا پہنچانا غلط۔

اصل حقیقت اور اصل بات کو چھپانے کے لئے کتنے کتنے جھوٹ بولنے پڑے ہیں اور معاویہ اور بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے اس اصل حقیقت کو چھپانے کے لئے ہر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جھوٹ گھڑنے پر لگا ہوا تھا۔

ایک روایات جو اس روایات میں مغالطہ دینے کے لئے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ ان (حضرت عائشہ) کی بڑی بہن جو حضرت عبداللہ بن زبیر کی ماں تھیں۔ یہ درست ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر حضرت عبداللہ بن زبیر کی ماں تھیں۔ لیکن ہجرت کے وقت وہ ان کی ماں نہیں تھیں۔ بلکہ تمام تاریخوں اور سیرۃ کی کتابوں اور خود شبلی صاحب کی سیرۃ النبی کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیر ہجرت کے بعد پیدا ہوئے تھے۔

بہر حال اس کے بعد شبلی صاحب اس پر اثر داستان کو اسی طرح آگے بڑھاتے ہیں:

کفار نے جب آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے کعبہ کو دیکھا اور فرمایا کہ مکہ تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔ حضرت ابو بکر سے پہلے قرارداد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے۔ یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے۔ حضرت ابو بکر کے بیٹے عبداللہ جو نوخیز جوان

تھے شب کو غار میں سوتے۔ صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے۔ حضرت ابو بکر کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا اور آپ اور حضرت ابو بکر ان کا دودھ پی لیتے۔ تین دن تک صرف یہی غذا تھی۔ لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو حضرت اسماء گھر سے کھانا غار میں پہنچا آتی تھیں۔ اسی طرح تین راتیں غار میں گذر گئیں۔

سیرۃ النبی شبلی جلد 1 ص 271

بحوالہ بخاری باب الہجرت

بخاری نے پہلے تو یہ کہا کہ پیغمبر ہجرت کی رات حضرت ابو بکر کے گھر آئے اور اسماء نے دو تین دن کا کھانا تیار کر کے دیا۔ اور ناشتہ دان کو کجاوے کے ساتھ اپنا طاق پھاڑ کر باندھا اور آنحضرت نے انہیں ذات النطاقین کا لقب دیا۔

لیکن اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ دو تین دن پہلے جو آنحضرت گھر تشریف لائے تھے اسی دن حضرت ابو بکر سے قرارداد ہو چکی تھی اور حضرت ابو بکر حسب قرارداد پیغمبر کے گھر پہنچے اور دونوں صاحب پیغمبرؐ کے گھر سے ہی جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہو گئے۔

سیرۃ النبی جلد 1 ص 271

حالانکہ شب ہجرت فوری طور پر حکم آیا اور خود پیغمبر کو بھی علم نہیں تھا کہ میں نے آج کی رات ہجرت کرنی ہے۔

علاوہ ازیں پیغمبر نے جس معجزانہ شان کے ساتھ ہجرت کی وہ ہم امام بغوی کی تفسیر معالم التنزیل سے گذشتہ اوراق میں نقل کر آئے کہ ایک مٹھی خاک آپ نے کفار کی طرف پھینکی اور وہ سب کے سب اندھے ہو گئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالکل نہ دیکھ سکے۔ لیکن شبلی صاحب کو پیغمبر کی یہ معجزانہ شان کھلتی ہے لہذا اس کو لکھنا گوارا نہ کیا اور یہ لکھا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے۔

کیا کوئی یہ سوچ بھی سکتا ہے کہ وہ لوگ جو پیغمبرؐ کو قتل کرنے کے لئے ان کا گھر گھیرے ہوئے تھے اور یہ پروگرام بنائے ہوئے تھے کہ بعض کے قول کے مطابق پیغمبرؐ سو جائیں تو انہیں قتل کر دیں اور بعض کے قول کے مطابق جن میں شبلی صاحب بھی شامل ہیں پیغمبر باہر نکلیں تو وہ انہیں قتل کریں۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی سو سکتے ہیں۔ یقینی طور پر یہ پیغمبر کا معجزہ تھا کہ ایک مٹھی خاک ان کی طرف پھینکنے سے وہ سب کے سب اندھے ہو گئے اور کچھ نہ دیکھ سکے اور پیغمبر صاف بچ کر نکل گئے۔

اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر کا جس طرح سے غار میں جا کر سونا اور صبح کو کفار کے پاس پہنچ جانا لکھا ہے کہ یہ پتا چلائیں کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہیں ناقابل فہم بات ہے۔ لازمی طور پر اس بات کا پتہ گھر بیٹھے نہیں لگ سکتا تھا جب تک کفار کے ساتھ گھل مل کر نہ بیٹھا جائے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ کفار قریش یہ جانتے ہوئے بھی کہ عبداللہ کا باپ یعنی حضرت ابوبکر بھی پیغمبر کے ساتھ گئے ہیں انہیں کھلے دل سے کیسے برداشت کرتے رہے۔ یہ تو صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کفار قریش ابھی تک انہیں کافر ہی سمجھتے ہوں اور ان کے نزدیک یہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے جیسا کہ مسلمہ طور پر ان کا بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر اور ان کا دادا ابی قحافہ اور ان کی ماں قتیلہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے۔ یہ ساری داستان اور من گھڑت افسانہ صرف اصل حقیقت کو چھپانے کے لئے گھڑا گیا ہے حالانکہ حضرت ابوبکر کے گھر والوں کو پیغمبرؐ کی ہجرت کے کافی دنوں تک یہ پتہ ہی نہ چلا کہ ابوبکر کہاں چلے گئے۔ عبداللہ ابن اریقط جب آنحضرت کو چھوڑ کر کافی عرصہ بعد مکہ آیا تو اس نے بتایا اور اس کے بتانے پر انہیں پتہ چلا اور اس کا بیان آگے چل کر آئیگا۔

بہر حال اس کے بعد شبلی صاحب اس پر اثر داستان کا باقی حصہ یوں تحریر فرماتے ہیں

''صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے جناب امیر تھے، ظالموں نے ان کو پکڑا اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا

پھر آنحضرت کی تلاش میں نکلے ۔ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانے تک آ گئے ۔آہٹ پا کر حضرت ابو بکر غمزدہ ہوئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی اب دشمن اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے ۔آپؐ نے فرمایا ''لاتحزن ان اللہ معنا''گھبراؤنہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔ سیرۃ النبی شبلی جلد 1 ص 271

بحوالہ بخاری بابت المناقب المہاجرین

شبلی صاحب کی اس روایت میں ایک ہی صفحہ پر صریح تضاد ہے پہلے لکھا کہ پیغمبر حضرت ابو بکر کے گھر گئے اور حضرت اسما بنت ابو بکر نے دو تین دن کے کھانے کا انتظام کیا اور ناشتہ دان کو اپنے نطاق سے پھاڑ کر کجاوے سے باندھا۔

اور اسی صفحہ کے بعد والے حصہ میں یہ لکھا دو تین دن پہلے جب پیغمبرؐ حضرت ابو بکر کے گھر گئے تو اسی دن یہ طے پا گیا تھا جیسا کہ انھوں نے لکھا۔حضرت ابو بکر سے پہلے قرار داد ہو چکی تھی دونوں صاحب جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے ۔

اسی صفحہ کے مطابق حضرت ابو بکر پیغمبر کے گھر آئے اور پیغمبر کے گھر سے ہی اکٹھے گئے ۔لیکن پیغمبر آج کی رات کے لئے حضرت ابو بکر سے وقت کا تعین کیسے کر سکتے تھے جبکہ خود پیغمبر کو یہ علم نہیں تھا کہ ان کے خلاف کیا مشورہ ہوا ہے اور خدا کی طرف سے فوری حکم آیا کسی کو بتلانے کا موقع ہی نہیں تھا اور نہ ہی آج کی رات کے لئے قرار داد کی کوئی صورت بن سکتی تھی ۔اور یہ بات کہ دشمنوں کے سر پر پہنچ جانے پر خوفزدہ ہونا چاہئے تھا،یا غمزدہ خاص طور پر قابل غور ہے جسے ہم آگے چل کر کسی مناسب مقام پر بیان کریں گے اور لاتحزن کا ترجمہ گھبراؤ نہیں بھی درست نہیں ہے۔

البتہ یہاں پر عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہجرت کی یہ داستان جس طرح سے انھوں نے بیان کی ہے اُن کے نزدیک چاہے کیسی ہی پر لطف یا پر اثر کیوں نہ ہو ۔بالکل واقعہ کے خلاف مصلحت کے برعکس اور مناسبت وقت کے بالکل منافی ہے اور قرآن اور

دوسری صحیح روایات ان کو رد کرتی ہیں۔

ابن حجر عسقلانی کے نزدیک حضرت ابو بکر کیسے ساتھ ہوئے؟

ابن حجر عسقلانی شارح بخاری اپنی کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں

" والابن عباس حديث آخر لعله امس بالمراد اخرجه احمد والحاكم من طريق عمر بن ميمون عنه قال كان المشركون يرمون علياً و هم يظنون انه النبي صلعم فجائو ابو بكر فقال يا رسول الله صلعم فقال له علي انه انطلق بيئر ميمون فادركه قال فانطل ابو بكر در خله معه انصار. الحديث واصله في الترمذي والنسائي" اسوۃ الرسول جلد 2 ص 302

بحوالہ فتح الباری شرح صحیح بخاری ابن حجر عسقلانی

ابن عباس کی دوسری روایت زیادہ مناسب واقعہ ہے اس مقام سے، جس کو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے عمر ابن میموں سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتماب صلعم کے تشریف لے جانے کے بعد مشرکین حضرت علی پر پتھر برسا رہے تھے یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ لیٹے ہوئے ہیں کہ اتنے میں حضرت ابو بکر آئے اور جناب امیر کو آنحضرت سمجھ کر کہا کہ یا رسول اللہ تو حضرت علی نے فرمایا۔ رسول اللہ صلعم بیئر میمون کی طرف تشریف لے گئے ہیں تم بھی جا کر مل جاؤ ابو بکر ادھر روانہ ہوئے اور حضرت کے ساتھ داخل غار ہوئے۔ الحدیث اور اصل اس کی ترمذی اور نسائی میں ہے۔

اگرچہ شبلی صاحب نے سیرۃ النبی کے صفحہ 270 کے آغاز میں یہ تو لکھا ہے کہ ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو پہر کے وقت ابو بکر کے گھر گئے اور انہیں بتلایا کہ انھیں ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے۔ اور حضرت ابو بکر نے بیتاب ہو کر پوچھا کیا مجھے بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا ارشاد ہوا ہاں۔

لیکن سیرۃ النبی جلد اول میں ص 271 پر بخاری کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں کہ

''حضرت عائشہ اس وقت کم سن تھیں ان کی بڑی بہن جو حضرت عبداللہ بن زبیر کی ماں تھیں سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا۔ نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا یہ وہ شرف تھا جس کی بناء پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ سیرۃ النبی جلد 1 ص 271

بخاری کے حوالہ سے شبلی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر ہجرت کر کے گھر سے سیدھے ابو بکر کے گھر آئے اور وہاں سے دو تین دن کے کھانے کا بندوبست کر کے جسے اسماء بنت ابو بکر نے تیار کیا تھا غار ثور کی طرف گئے۔

لیکن اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ دو تین دن پہلے جو پیغمبر حضرت ابو بکر کے گھر آئے تھے اسی دن یہ بات طے ہوئی تھی چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت ابو بکر سے پہلے قرارداد ہو چکی تھی دونوں صاحب جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہو گئے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 271

اس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر پیغمبر کے ساتھ پیغمبر کے گھر سے ہی اکٹھے روانہ ہوئے۔

لیکن ابن حجر عسقلانی نے حضرت ابو بکر کا پیغمبر کے گھر پہنچنا آنحضرت صلعم کے ہجرت کر کے بیئر میمون کی طرف چلے جانے کے بعد لکھا ہے۔ حالانکہ آپ بیئر میمون نہیں بلکہ جبل ثور کے غار کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ لیکن راستہ میں کہاں ملے یہ نہیں لکھا صرف اتنا لکھا کہ پیغمبرؐ کے ساتھ ہی غار میں داخل ہوئے۔

ابن مردویہ اور ابو نعیم کے نزدیک حضرت ابو بکر کیسے ساتھ ہوئے؟

امام سیوطی اپنی معروف تفسیر در منثور میں ابن مردویہ اور حافظ ابو نعیم کی سند کے

ساتھ ابن عباس سے اس طرح نقل کرتے ہیں "اخرج ابن مردویہ وابونعیم فی دلائل النبوۃ عن ابن عباس قال لما خرج رسول الله من البیت لحق بغار ثورقال واتبعه ابو بکر فلما سمع رسول الله من خلفه خال ان یکون الطب فلما رای ذالک ابو بکر تخشع فلما سمع ذالک رسول الله عرفه فقام له حتی تبعته فاتباع الغار ذالک"

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 303

بحوالہ تفسیر درمنثور جلد 3 ص 241

یعنی ابن مردویہ اور ابن نعیم نے دلائل النبوت میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلعم شب کو مکان سے باہر نکلے اور قریب غار پہنچے تو آپ کے پیچھے ابو بکر بھی روانہ ہو گئے۔ حضرت نے جب ان کی آہٹ سنی تو ڈر گئے کہ کہیں کوئی پکڑنے والا نہ ہو۔ ابو بکر نے کھنکھارا تو حضرت نے آواز سے پہچانا اور کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ دونوں وہاں سے ساتھ ہو گئے اور پھر اسی طرح غار تک پہنچے۔

طبری کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابو بکر کیسے ساتھ ہوئے؟

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

ان ابا بکر اتی علیاً فسئله، من نبی الله فاخبروه انه لحق بالغار من ثور و قال وان کان لکه فیه حاجة فالحقه فخرج ابو بکر مسرعا فلحق نبی الله فی الطریق جمیع.... رسول الله جرس ابی بکر فی ظلمة الیل فخشیت من المشرکین فاسرع رسول الله المضی فالقطحع قبال نعله

فخلق ابهامه مجر فکثره مها و اسرع السعی ۔ فخاف ابو بکر ان یشق علی رسول اللہ فیوضع صوتہ و تکلم فعرتہ رسول اللہ صلعم فقام اتاہ فانطلقاو رجل رسول اللہ لستن دما حتیٰ انتھےٰ الی الغار الصبح "

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 304

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 طبع مصر ص 244

یعنی حضرت ابو بکر حضرت علی کے پاس آئے اور حضرت رسول صلعم کا حال دریافت کیا حضرت علی نے کہا حضرت غار ثور کی طرف تشریف لے گئے ہیں اگر تم کو کچھ کام ہو تو جا کر ان سے مل لو۔ حضرت ابو بکر بڑی تیزی کے ساتھ ادھر چلے۔ حضرت کو ان کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی تو انکو آپؐ نے کوئی پیچھا کرنے والا مشرک سمجھا۔ اور اس وجہ سے آپ دوڑ کر چلنے لگے یہاں تک کہ نعلین مبارک کے آگے والا فیتہ ٹوٹ گیا اور حضرت کا انگوٹھا شگافتہ ہو گیا جس سے بہت سا خون بہا مگر بایں ہمہ آپ دوڑتے جاتے تھے۔ تب ابو بکر کو خوف ہوا کہ حضرت کو اس سے بھی زیادہ تکلیف و صدمہ پہنچے تو ابو بکر نے اپنی آواز بلند کی۔ آنحضرت صلعم ان کو پہچان کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ابو بکر بھی آ گئے اور ساتھ ساتھ چلے اور رسول اللہ صلعم کے پاؤں سے خون جاری تھا یہاں تک کہ صبح ہونے تک غار تک پہنچے۔

نفیس اکیڈمی کی اردو ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول میں یہ عبارت صفحہ 130 پر نقل ہوئی ہے۔

بہر حال ان تمام روایات سے بات واضح طور پر ثابت ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر حضرت ابو بکر کے گھر نہیں گئے۔ نہ دو تین دن پہلے نہ شب ہجرت بلکہ خود حضرت ابو بکر شب ہجرت پیغمبر کے گھر آئے۔ اس فرق کے ساتھ کہ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری اور جلال الدین سیوطی کی تفسیر درالمنثور اور ابن جریر طبری کی تاریخ طبری کے مطابق تو جس وقت

حضرت ابو بکر پیغمبرؐ کے گھر آئے آنحضرت گھر سے جا چکے تھے اور حضرت علیؑ کے بتلانے پر پیچھے گئے اور غار ثور کے قریب جا کر ملے لیکن شبلی کی سیرۃ النبی کی صفحہ 271 کی روایت کے مطابق جوانھوں نے صحیح بخاری کے حوالے سے لکھی ہے حضرت ابو بکر جس وقت پیغمبرؐ کے گھر آئے اس وقت پیغمبر گھر پر موجود تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ حضرت ابو بکر ایک ساتھ اپنے گھر سے ہی اکٹھے غار کی طرف روانہ ہوئے۔

ہم نے ہجرت کے واقعہ کو بیان کرنے والی تقریباً تمام روایتیں نقل کر دی ہیں ان میں کھانا دینے، اونٹوں کی پیش کش اور قیمت سے قبول کرنے، اور حضرت اسماء کے کھانا پہنچانے اور عامر بن فہیرہ کا بکریوں کو لے جا کر دودھ پر گزارا کرنے والی ساری روایتیں ہجرت کے سلسلہ میں حضرت علیؑ کی شاندار خدمات کو چھپانے اور ان کے مقابلہ میں حضرت ابو بکر کو لانے کے لئے معاویہ اور بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے گھڑی گئی روایتوں میں سے ہے اور چونکہ گھڑی ہوئی بات اصل بات جیسی تو نہیں ہو سکتی لہذا اصل بات اصل ہی ہوتی ہے اور صاف نظر آتی ہے۔

طبری جس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی روایات کو نقل کر دیتا ہے اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس نے جہاں شبلی والی روایت کو نقل کیا ہے وہاں ایک روایت بھی نقل کی ہے، ان دونوں قسم کی روایات کا موازنہ کر کے ایک منصف مزاج قاری یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان میں سے کونسی بات صحیح اور مبنی بر حقیقت ہے طبری کی یہ روایت ہم اگلے عنوان کے تحت نقل کر رہے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ حضرت علیؑ کو مفصل ہدایت دے کر گئے تھے

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ پیغمبر نے ہجرت سے پہلے یہ ہدایات دیں:

" وارسل الی الطعام، واستاجر لی دلیلاً یدلنی بطریق المدینة

واشـرلي راجلة ، ثم مضى رسول الله صلم و اعمى الله ابصار الذين كانوا بر صدونه عنه و خرج عليهم رسول الله صلعم ۔

اسوۃ الرسول جلد 2 ص 312

بحوالہ طبری جلد 2 ص 1244 مطبوعہ مصر

جب آنحضرت صلعم جانب غار روانہ ہوئے تو حضرت علی مرتضیٰ سے ارشاد فرمایا کہ ہم کو کھانا بھیجا کرنا، اور ایک راہنما کو اجرت پر مقرر کرنا جو مجھ کو مدینہ کی راہ پر لے چلے اور ایک سواری ہمارے لئے خرید لینا یہ کہہ کر آپ مدینہ روانہ ہوئے اور خدا نے ان کافروں کو جو آپ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اندھا کر دیا اور رسول اللہ صاف ان کے سامنے سے نکل گئے

مذکورہ روایت تاریخ طبری کے اردو ترجمہ شائع کردہ نفیس اکیڈمی مترجمہ محمد ابراہیم ایم اے ندوی کے حصہ اول میں صفحہ نمبر 129 پر درج ہے۔

ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آنحضرتؐ حضرت علیؑ کو صرف اپنی جان کا فدیہ بنا کر اور اپنے بستر پر سلا کر نہیں جا سکتے تھے، بلکہ آپ اس راز دار قدرت اور فدیہ رسالت کو اپنی اور اس کی حفاظت کا یقین دلا کر اور اپنے متعلق تمام امور یعنی امانتوں کا ادا کرنا، مکہ والوں کے مالوں کا واپس کرنا، اہل حرم اور پردگیان عصمت کی حفاظت، پیغمبر کے لئے زاد راہ کا انتظام، سواریوں کا اہتمام، غار میں قیام کے دوران کھانے کا بھیجنا۔ غرض جملہ سامان و ضرورت کی فراہمی و درستی کا انتظام سپرد فرما کر گئے تھے۔

حضرت علیؑ نے پیغمبر اکرمؐ کی ہدایت کے مطابق تمام انتظام کئے

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر درالمنثور میں لکھتے ہیں:

" فمكث هو و ابو بكر في الغار ثلثة ايام يختلف اليهم بالطعام عامر بن فهيره و علي بجهزهم فاشتروا ثلاثة با غير من اهل البحرين و استاجر لهم دليلا فلما كان بعض اليل من الليلة الثالثه ، اتاهم علي بالابل و المليل و ركب رسول الله وركب ابو بكر اخرى فتوجهوا نحو المدينة "

اسوة الرسول جلد 2 ص 312

بحوالہ تفسیر درالمنثور جلد 3 ص 240 مطبوعہ مصر

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر تین روز تک غار میں ٹھہرے رہے اور عامر بن فہیرہ ان کے لئے کھانا لاتا تھا۔ اور حضرت علی اس کھانے کا انتظام کرتے تھے پس آپ (حضرت علیؑ) نے تین اونٹ بحرین کے اونٹوں میں سے خریدے۔ اور ایک رہنما کو اجرت پر کیا جب تیسری رات کا کچھ حصہ گذر گیا تو حضرت علیؑ اونٹ اور راہبر کو ساتھ لائے ایک اونٹ پر رسول اللہ صلعم سوار ہوئے اور دوسرے اونٹ پر ابو بکر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اور سوانح عمری، رسول مقبول میں درالمنثور کی مذکور روایت تاریخ اسلام جلد دوم ص 67 پر طبری کے حوالے سے اور تفسیر روح المعانی علامہ شہاب الدین بغدادی جلد 3 ص 307 کے حوالے سے نقل ہوئی ہے اور عبداللہ بن اریقط ایک راز دار رہبر کا حضرت علیؑ کی اجرت پر مقرر کیا جانا۔ مروج الذھب، تاریخ خمیس دیار بکری ص 365 اور تاریخ

الاسلام جلد 2 ص 67 طبع دہلی سے بیان ہوا ہے۔

اصل بات اصل ہی ہوتی ہے اور جھوٹ گھڑی ہوئی بات چاہے جتنی ملمع کاری سے تیار کی جائے پھر بھی جھوٹ ہی ہوتی ہے۔ تفسیر درالمنثور کی یہ روایت کتنی حقیقت ہے اس کا ایک ایک لفظ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ سچ یہی ہے۔ اس روایت سے واقعہ ہجرت کے ان تمام طومار موضوعات کا پورا انکشاف ہوگیا جو حقیقتاً عہد معاویہ کے موضوعات ہیں۔ جو معاویہ کے فرمان شاہی اور سلطنت کے حکم کے ذریعہ تیار و مرتب کیے گئے تھے اور جن کی ترتیب و تدوین میں خزانوں کے خزانے لٹائے گئے تھے ان موضوعات اور من گھڑت روایات کا مقصد حضرت علیؑ کی شاندار خدمات کا استیصال یا کم سے کم ان سے ملتے جلتے فضائل کا بیان کرنا فرمان شاہی کے ذریعہ ہر راوی کا فرض اولین تھا (دیکھو کتاب الاحداث امام ابوالحسن مدائنی)

درالمنثور کی اس روایت نے بتا دیا کہ نہ آنحضرت ابو بکر کے گھر دو تین دن پہلے گئے۔ نہ ان سے کوئی مشورہ ہوا نہ کوئی قرارداد ہوئی۔ نہ اسما نے کھانا دیا نہ کمر بند پھاڑا، نہ روزانہ اسماء نے اس غار تک کھانا پہنچایا۔ نہ اونٹنیوں کی پیش کش ہوئی نہ چار مہینے پہلے حضرت ابو بکر نے دو اونٹ اس مقصد سے خریدے نہ آنحضرت کو بلیک میں نو سو درہم میں بیچا۔ یہ سب باتیں اس جھوٹے افسانے میں رنگ بھرنے کے لئے ہیں۔

اب رہ گئی دوسری بات کہ حضرت ابو بکر آنحضرت کے گھر رات کے وقت کیوں گئے۔ اور کس وقت گئے اور انھوں نے یا نبی اللہ کہہ کر یا رسول اللہ کہہ کر پکارا یا نہیں۔ اور حضرت علیؑ نے یہ کہا یا نہیں کہ آنحضرت تو غار ثور چلے گئے ہیں تمہیں اگر کوئی کام ہو تو وہاں چلے جاؤ، انتہائی عمیق نظر سے غور کرنے کے لائق بات ہے۔ کیونکہ یہ بات سراسر خلاف عقل ہے کہ کفار نے پیغمبرؐ کے گھر کو گھیرا ہوا ہو اور کوئی شخص آ کر با آواز بلند یا رسول کہہ کر پکارے اور اندر سے کہا جائے کہ وہ تو غار ثور چلے گئے ہیں تم بھی وہاں چلے جاؤ۔ اور کفار پھر بھی پیغمبرؐ

کے گھر کو گھیرے رہیں ۔جبکہ شبلی کی سیرۃ النبی کی جلد اول کے صفحہ 271 کی بخاری کے حوالے سے روایت یہ کہتی ہے کہ حضرت ابو بکر جس وقت پیغمبرؐ کے گھر پہنچے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت گھر میں ہی تھے اور دونوں اکٹھے ہی گھر سے غار کی طرف گئے ۔اس بات پر غور کرنے کے لئے ہمیں تین باتوں کی تحقیق کرنا ہوگی ۔

نمبر 1: کیا پیغمبر صلعم کا 28 صفر کی شب کو ہجرت کرنے کا پہلے سے پروگرام تھا؟

نمبر 2: کفار نے آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کس وقت کیا؟

نمبر 3: کفار کا پیغمبر کو قتل کرنے کے لئے کس وقت کا پروگرام تھا؟

نمبر 1: کیا پیغمبر صلعم کا 28 صفر کی شب کو ہجرت کرنے کا پہلے سے پروگرام تھا؟

ہم سابقہ اوراق میں پیغمبرؐ کو اس مشورہ کی خبر کب اور کیسے ہوئی ؟ کے عنوان کے تحت یہ ثابت کر آئے ہیں کہ خود پیغمبر اکرم صلعم کو کفار قریش کے دارالندوہ میں کسی قسم کے مشورہ کی کوئی خبر نہیں تھی ۔سر شام جبرائیل امین وحی لے کر نازل ہوئے اور انہیں کفار قریش کے مشورہ سے قتل کے بارے میں آگاہ کیا اور خدا کا یہ حکم پہنچایا کہ آج کی رات آپ اپنے بستر میں نہ سوئیں اور مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں ۔امام بغوی کے تفسیر معالم التنزیل میں الفاظ اس طرح ہیں:

"فاتیٰ جبرائیل النبی صلعم فاخبره بذالک (الشوریٰ) المشرکین وامره ان لا یبیت فی مضجعه الذی کان فیه . فاذن الله عنک ذالک الخروج الی المدینة " اسوۃ الرسول جلد 2 ص 305

بحوالہ تفسیر معالم التنزیل امام بغوی

(یعنی جب کفار قریش نے دارالندوہ میں وہ مشورہ کیا اور آنحضرت کے قتل پر اتفاق کرلیا) تو جرائیل نے مشرکین کے اس مشورہ کی پیغمبر اکرمؐ کے پاس آکر خبر دی اور اللہ کی طرف سے یہ حکم پہنچایا کہ آج کی رات جہاں آپ سوتے ہیں نہ سوئیے کیونکہ خدا نے ابھی اسی وقت آپ کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اکرم صلعم کو جرائیل کی طرف سے کفار قریش کے مشورہ کی خبر دینے سے پہلے اس مشورہ کا کوئی علم نہیں تھا اور آج کی رات ہجرت کرنے کا کوئی پروگرام بھی نہیں تھا۔ آپ فوری طور پر خدا کے حکم سے ہجرت کرنے پر آمادہ ہوئے۔ اور نہ صرف پیغمبرؐ کو اس مشورہ کا کوئی علم نہیں تھا بلکہ بنی ہاشم کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ دارالندوہ محمد ﷺ کے قتل کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ دارالندوہ کا یہ فیصلہ اتنا خفیہ اور اتنا پوشیدہ تھا کہ پیغمبر کو بھی خدا نے جرائیل کے ذریعہ وحی پہنچا کر آگاہ کیا۔ اگر بنی ہاشم کو اس فیصلہ کی اطلاع ہو جاتی تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

قارئین کو بیعت عقبہ کے وقت حضرت عباس ابن عبدالمطلب کے اس خطاب پر غور کرنا چاہئے جو انھوں نے بنوخزرج سے کیا تھا آپ کے کچھ الفاظ اس طرح ہیں:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم میں جو حیثیت حاصل ہے وہ تم لوگ جانتے ہو۔ ہم میں سے ان لوگوں نے جو ان سے متعلق ہماری رائے سے متفق ہیں اب تک ان کی حفاظت کی ہے یہ اپنی قوم میں عزت والے اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔

اس کے بعد حضرت عباس نے پیغمبر کے ارادے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ''اگر یہ سمجھتے ہو کہ تم انہیں جس جانب بلا رہے ہو وہاں ان کا حق پورا پورا ادا کرو گے اور ان مخالفوں سے بچاؤ گے تو جو بار اپنی خوشی سے سر لیتے ہو۔ لو۔ اگر انہیں لے جانے کے بعد مخالفوں کے حوالے کر دینے اور ان کی مدد سے دست بردار ہو جانے کا خیال ہو تو اسی وقت دست کش ہو جاؤ کہ یہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں معزز و محفوظ ہیں'' ترجمہ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 491

پورا خطبہ سابقہ صفحات میں سیرۃ ابن ہشام اور تاریخ طبری کے حوالے سے لکھا

جا چکا ہے۔

بنی ہاشم جنہوں نے محمد ﷺ کی حفاظت کرتے تین سال شعب ابی طالب میں گذارے اگر انہیں دارالندوہ کے اس مشورہ کا علم ہو جاتا تو کیا نقشہ کچھ اور ہی نہ ہوتا کفار قریش کے پہنچنے سے پہلے بنی ہاشم کے جوان تلواریں لہراتے ہوئے محمدؐ کی حفاظت کے لئے پیغمبر اکرم ﷺ کے گھر پر موجود ہوتے اور پھر کسی میں جرأت نہ ہوتی کہ پیغمبر کے گھر کا محاصرہ کرے۔ پیغمبرؐ کو تو وحی کے ذریعہ سے علم ہو گیا لیکن بنو ہاشم کے پاس تو وحی نہیں آتی تھی لہذا وہ اس بات سے بے خبر رہے اور جب پیغمبر وحی کے آنے سے پہلے اس بات سے بے خبر تھے بنو ہاشم اس مشورہ سے بے خبر تھے تو حضرت ابو بکر کو کیسے اس مشورہ کا علم ہو سکتا تھا اور وہ حکم جو وحی کے ذریعہ پیغمبرؐ تک پہنچا تھا اس سے حضرت ابو بکر کیسے آگاہ ہو سکتے تھے۔ لہذا حتماً و یقیناً شب ہجرت حضرت ابو بکر کا آنحضرت صلعم کے گھر آنا ہجرت کے ارادے سے نہیں تھا کیونکہ خود پیغمبرؐ کا وحی کے آنے سے پہلے آج کی رات ہجرت کرنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اب ہم دوسرے سوال پر غور کرتے ہیں

نمبر 2: کفار نے آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کس وقت کیا؟

شبلی صاحب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں

"اور جھٹ پٹے سے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا"۔ سیرۃ النبی جلد 1 ص 269

اور ابن جریر طبری لکھتے ہیں

حسب قرارداد عشاء کے بعد کفار آپ کے دروازے پر جمع ہوئے۔

اردو ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 628

اورابن ہشام نے اس طرح لکھا ہے

''جب رات کا اندھیرا ہوا تو قریش کے منتخب جوان آپ کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 530

غرضیکہ تاریخ وسیرت کی تمام مستند کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ کفار قریش نے سر شام سے ہی یا کچھ اندھیرا ہونے پر پیغمبر اکرم کے گھر کو گھیر لیا تھا۔اور جیسا کہ طبری جلد اول صفحہ 128 کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے پیغمبر نے کفار قریش کے دیکھنے کے بعد ہی حضرت علیؑ سے یہ کہا تھا کہ تم میرے بستر پر سو جاؤ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر کے گھر کو گھیرنے کے بعد کفار کا پروگرام کیا تھا۔یعنی پیغمبرؐ کو کب قتل کردیں اور کس طرح قتل کردیں۔اس بات کی تحقیق ہم اس سے اگلے عنوان کے تحت پیش کرتے ہیں۔

کفار کا پیغمبر کو قتل کرنے کا کس وقت کا پروگرام تھا؟

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

''اور تاک میں لگے کہ جب آپ سو جائیں وہ حملہ کر کے آپ کو ختم کردیں۔

اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد اول ص 128

اورابن ہشام نے اس طرح لکھا ہے کہ:

''اور انتظار کرنے لگے کہ آپ سو جائیں تو حملہ کریں''

سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 530

یقیناً پہلے مرحلہ میں یہی پروگرام تھا تاکہ جتنا جلد ممکن ہو سکے اس کام کو سرانجام دے دیا جائے۔اور سب سیرۃ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ جس وقت کفار قریش نے آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کیا تو آپ نے ان کو دیکھ کر حضرت علیؑ سے سبز حضرمی چادر اوڑھ کر

سو جانے کے لئے کہہ دیا۔ اور حضرت علیؑ تمام رات حضور کی سبز حضرمی چادر اوڑھے ہوئے سوتے رہے اور تمام تاریخیں اور سیرۃ کی کتابیں جنہوں نے اس واقعہ کو لکھا ہے واشگاف الفاظ میں بیان کیا ہے کہ کفار حضرت علیؑ کو سوتا ہوا دیکھ کر یہ سمجھتے رہے کہ یہ خود آنحضرتؐ سو رہے ہیں۔ تو اب غور طلب بات یہ ہے کہ جب ان کا پروگرام یہ تھا کہ پیغمبر سو جائیں تو ان کو ختم کر دیں۔ انھوں نے یہ جان لینے کے باوجود کہ یہ پیغمبرؐ سو رہے ہیں ان پر حملہ کیوں نہ کیا؟ اس کا بیان ہم اس سے اگلے عنوان کے تحت کرتے ہیں۔

کفار نے پروگرام کے مطابق آنحضرتؐ کو سوتا دیکھ کر حملہ کیوں نہ کیا؟

سیرت امیر المومنین میں اس طرح سے لکھا ہے:

"جب رات ہوئی اور قریش مشورہ کے مطابق جمع ہوئے تا کہ حضرت کے گھر میں داخل ہوں۔ ابولہب نے کہا رات کو گھر میں جانے نہ دوں گا۔ کیونکہ اس میں بچے اور عورتیں بھی ہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی گزند پہنچے۔ رات بھر محمد کی نگرانی کرو صبح کو ہم گھر میں داخل ہوں گے۔" سیرۃ امیر المومنین مفتی جعفر حسین

اور تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابو جہل کی تجویز کے مطابق تمام قبائل کو محمد کے قتل میں شریک کیا گیا تھا اور بنی ہاشم میں سے ابولہب ان کے ساتھ تھا جو آنحضرت کا بدترین دشمن تھا اور یہ بات بالکل فطری اور عقل میں آنے والی ہے کہ ابولہب کو محمدؐ کے ساتھ تو دشمنی ضرور تھی مگر عورتوں اور بچوں کے ساتھ اسے کوئی دشمنی نہ تھی۔ لہذا وہ اکڑ گیا اور اس نے کہا "رات کو گھر میں جانے نہ دوں گا کیونکہ اس میں عورتیں اور بچے بھی ہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی گزند پہنچے پس کفار حضرت علی کو سوتا ہوا دیکھ کر انہیں پیغمبر سمجھتے رہنے کے باوجود اندر

داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔ اور جب بنی ہاشم کی ایک ہی فرد نے جو محمدؐ کو قتل کرنے میں ان کے ساتھ متفق تھا انہیں رات کے وقت آنحضرت کے گھر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ تو صبح ہونے تک تو بنی ہاشم کو پتہ چل جانے کا قوی امکان تھا۔ اور اسی وجہ سے قید کرنے کی تجویز نامنظور ہوئی تھی کہ جب محمد کے قبیلہ والوں کو اس کا پتہ چلے گا تو وہ اسے چھڑا کر لے جائیں گے۔ اب بھی صبح تک انتظار کرنے میں یہ خطرہ تھا کہ اگر بنی ہاشم کو پتہ چل گیا تو وہ مقابلہ میں آجائیں گے اور میدان کارزار گرم ہو جائیگا۔ لہذا انھوں نے صبح تک انتظار کرنا بھی خلاف مصلحت سمجھا۔ لہذا اب اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی تھی کہ محمد صلعم کو کسی ایسے آدمی کے ذریعہ باہر نکالا جائے جس کے کفار قریش کے ساتھ بھی اچھے تعلقات ہوں اور وہ مسلمان بھی ہو گیا ہو۔ اور اس کے اس سارے معاملہ کا کوئی علم بھی نہ ہو اور جب محمدؐ اس کے بلانے پر گھر سے باہر نکلیں تو سب مل کر ان کو قتل کر دیں۔

شبلی صاحب نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں ابولہب کی اسی بات کی ترجمانی کرتے ہوئے یوں لکھا ہے

''اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لئے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے''

لیکن شبلی صاحب کی یہ بات سراسر خلاف واقعہ ہے کیونکہ وہ اہل عرب صبح کے وقت اسی زنانہ مکان کے اندر گھس گئے لہذا بات وہی صحیح ہے کہ ابولہب کے اکڑ جانے کی وجہ سے اندر داخل ہونے کا پروگرام رات کے وقت دھرے کا دھرا رہ گیا البتہ شبلی نے ابولہب نے جو کچھ کیا تھا اس کی ترجمانی کی ہے۔

پس اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ پیغمبرؐ کو کسی کے ذریعہ باہر بلایا جائے اور جب وہ باہر نکلیں تو سب کے سب وار کر کے ان کو قتل کر دیں۔

اگر ہجرت کے بارے میں نازل شدہ آیات کا صحیح صحیح طور پر۔ یہ بات ذہن میں

رکھے بغیر کہ یہ حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں ہے۔ترجمہ کیا جائے تو پھر قرآنی آیات اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔لہذا ہم بھی اس بات کا خیال دل سے نکال کرکہ یہ کس کی شان میں ہے ان آیات کا صحیح صحیح ترجمہ اور مطلب ومفہوم بیان کریں گے۔

ہجرت کے واقعہ کی حکایت کرنے والی آیات

مذکورہ عنوان پر کچھ لکھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کفار کو اب انتظار کس بناء پر تھا کہ پیغمبر گھر سے باہر نکلیں گے۔سوائے اس صورت کہ کوئی شخص ان کو باہر سے آواز دے کر بلائے۔اور کوئی شخص پیغمبرؐ کو اس صورت میں نہیں بلا سکتا تھا کہ کفار نے آنحضرت کے گھر کو گھیرا ہوا تھا سوائے اس صورت کے کہ وہ کفار ہی کا بھیجا ہوا ہو۔اب دیکھئے کہ قرآن ہجرت پیغمبرؐ کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

قرآن کریم میں آنحضرت کی ہجرت کی حکایت کرنے والی دو آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت دو باتوں کی حکایت کرتی ہے۔

نمبر 1: کفار قریش کے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کرنے اور تجاویز کی حکایت کرتی ہے جو وہاں پیش ہوئیں۔

نمبر 2: پیغمبرؐ کے گھر کا محاصرہ کرنے کے بعد اس تدبیر کی حکایت کرتی ہے کہ پیغمبرؐ کو قتل کرنے کی کیا تدبیر کی جائے۔

اور وہ آیت حسب ذیل ہے

”واذیمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون و یمکر اللہ واللہ خیر الماکرین“ الانفال۔30

اے رسول اس وقت کو یاد کرو جب کفار تمہارے بارے میں پرفریب تدبیریں کررہے تھے کہ تمہیں قید کردیں یا تم کو قتل کردیں۔یا تمہیں گھر سے نکال باہر کریں (اور اپنے

وطن سے جلاوطن کردیں) وہ تو (اپنی تجویز قتل پر عمل درآمد کے لئے) تدبیریں کررہے تھے اور خدا ان کے خلاف تدبیر کررہا تھا اور خدا سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

اس آیت کے پہلے حصہ میں جن تین تجاویز کے پیش کئے جانے کو بیان کیا گیا ہے حدیث و تاریخ و سیرت و تفسیر کی تمام کتابوں میں بھی یہی تینوں تجاویز بیان کی گئی ہیں۔ جن سے دو تجاویز نامنظور ہوگئیں۔ اور تیسری تجویز یعنی پیغمبر اکرم ﷺ کے قتل کی تجویز پر سب کا اتفاق ہوگیا۔

جب قتل کرنے کا پروگرام روبہ عمل آنے لگا تو پہلی تدبیر یہ قرار پائی کہ پیغمبرؐ سو جائیں تو قتل کریں۔ مگر اس تدبیر پر عمل درآمد اس وجہ سے نہ ہوسکا کہ ابولہب اکڑ گیا اور اس نے کہا کہ "اب رات کو اندر داخل نہ ہونے دوں گا۔ کیونکہ اندر عورتیں اور بچے بھی ہیں"

اس کے بعد کفار نے جو تدبیر سوچی اس کے بارے میں قدرت کہہ رہی ہے کہ

" و یمکرون و یمکر اللہ واللہ خیر الماکرین (الانفال۔30)

وہ تو اپنی (تجویز قتل پر عمل درآمد کے لئے) تدبیر کررہے تھے اور خدا ان کی تدبیر کے خلاف تدبیر کررہا تھا۔

اس آیت میں خدا نے جہاں کفار کے لئے مکر کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں اپنے لئے بھی یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ اور مکر کا لفظ انسانوں کی طرف سے کسی کا برا چاہنے کی تدبیر کے لئے آتا ہے اور اس کے مقابلہ میں خدا کا مکر اس برا چاہنے والے کی تدبیر کو الٹ دینا ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے ہم نمونہ کے طور پر قرآن کریم سے ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے ایک اور مقام پر کفار کے حضرت عیسیٰؑ کے خلاف قتل کے منصوبے کو اور اپنی تدبیر کو اسی لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یعنی یہودیوں نے حضرت عیسےٰؑ کو قتل کے لئے پکڑنے کے واسطے جو تدبیر کی تھی اسے بھی مکر ہی کہا ہے اور خدا نے اس کے

مقابلہ میں جو تدبیر کی اسے بھی مکر ہی کہا۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

”و مکروا و مکر الله والله خیر الماکرین ۔ اذ قال یاعیسیٰ انی متوفیک ، و رافعک الی و مطهرک من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامة“ (آلِ عمران۔ 54-55)

اور وہ یہودی ایک چال چلے اور اللہ نے (اس کے مقابل میں) اپنی تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے (اور ایسی چالوں کو ناکارہ بنانے والا ہے)۔

جس وقت خدا نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تمہاری مدت پوری کرنے والا ہوں اور تم کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تم کو کافروں کے میل جول کی خرابی سے پاک کرنے والا ہوں اور جن لوگوں نے تمہاری پیروی کی ان کو انکار کرنے والوں پر قیامت تک فوقیت دینے والا ہوں۔

اور خدا کی اس تدبیر کا بیان قرآن میں بھی محفوظ ہے اور انجیل میں بھی محفوظ ہے۔

قرآن کریم نے تو اجمالی طور پر بیان کیا ہے کہ ”ولکن شبه لهم“ (النسا۔ 157) یعنی جو شخص حضرت عیسیٰ کو پکڑوانے آیا تھا خدا نے اس کو حضرت عیسیٰ کے مشابہ بنا دیا۔ اور حضرت عیسیٰ کی بجائے خود اسی کو پکڑوا دیا اور یہ شخص خود حضرت عیسیٰ کا حواری یعنی صحابی تھا۔

اور انجیل برنباس میں اس واقعہ کو فصل نمبر 211 سے لے کر فصل نمبر 217 تک بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ خود حضرت عیسیٰ کے ایک حواری یعنی صحابی نے جس کا نام یہودا لکھا ہے کاہنوں کے سردار سے تیس روپے لے کر حضرت عیسیٰ کو پکڑوانے کا عہد کیا اور ہیرودس کے سپاہیوں کے آگے آگے چل کر اس کمرے میں داخل ہو گیا جس میں حضرت عیسیٰ اپنے بارہ حواریوں میں باقی کے گیارہ حواریوں کے ساتھ موجود تھے خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو اوپر اٹھا لیا اور یہودا کو حضرت عیسیٰ کے مشابہ بنا دیا جسے ہیرودس

کے سپاہی پکڑ کر لے گئے اور یہودا کو عیسیٰ سمجھ کر پھانسی دینے کے بعد وہ سوچنے لگے کہ یہودا جسے ہم ساتھ لے گئے تھے وہ کہاں گیا۔ اگر یہ عیسیٰ ہے تو پھر یہودا کہاں گیا اور اگر یہ یہودا ہے تو پھر عیسیٰ کہاں گئے؟۔

یہ خلاصہ انجیل برناس فصل نمبر 211 سے فصل نمبر 217 تک کا۔ اور یہی وہ مکر ہے جو خدا نے کیا کہ خود پکڑوانے کے لئے آنے والے کو پکڑوا دیا۔ "و مکروا و مکر الله والله خیر الماکرین"

اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہجرت کے وقت بھی قدرت وہی الفاظ استعمال کر رہی ہے۔ "و یمکرون و یمکر الله والله خیر الماکرین" وہ تو اپنی (تجویز قتل پر عمل درآمد کے لئے) تدبیریں کر رہے تھے اور خدا ان کے خلاف تدبیر کر رہا تھا اور خدا سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

حضرت عیسیٰ کے قتل کے لئے ان کے مخالفوں کا مکر یہ تھا کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ کے ماننے والوں میں سے ہی ایک کو حضرت عیسیٰ کے پکڑوانے کے لئے استعمال کیا

پس یہاں بھی اگر کفار قریش نے یہی مکر کیا ہو کہ پیغمبر کو باہر نکالنے کے لئے ان کے کسی ماننے والے کو ہی استعمال کیا ہو تو کوئی بعید نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کفار پیغمبرؐ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے ہوں اور کوئی شخص آزادانہ طور پر ان کے محاصرے کو توڑ کر ان کے سامنے کھڑے ہو کر آنحضرت کے گھر کے دروازہ پر "یا نبی اللہ" یا "یا رسول اللہ" کہہ کر آواز دے سوائے اس صورت کے وہ آدمی خود کفار کا بھیجا ہوا ہو۔ تاکہ وہ پیغمبرؐ کو کسی طرح سے باہر لے آئے تو پیغمبر کو باہر نکلتے ہی قتل کر دیا جائے۔

البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس آدمی کو یہ علم ہی نہ ہو کہ یہ کیوں بلا رہے ہیں لہذا اسی وجہ سے کفار کے کہنے پر بلانے کی صورت میں حضرت عیسیٰ کے حواری والا معاملہ نہ ہوا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اس بلانے والے کو اپنے ساتھ ہی لے گئے تاکہ راز ہجرت فاش نہ ہو۔

اور تاریخیں اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت ابو بکر کے گھر والوں کو ہجرت کے بعد بھی کافی عرصہ تک اس بات کا پتہ نہ چلا کہ حضرت ابو بکر کہاں گئے ۔ جب عبداللہ ابن ارقط مدینہ کا راستہ بتانے والا راہبر کافی عرصہ کے بعد مدینہ سے مکہ آیا تو اس نے حضرت ابو بکر کے گھر والوں کو بتلایا کہ حضرت ابو بکر کو آنحضرت ساتھ لے گئے ہیں اور میں انہیں مدینہ چھوڑ کر آیا ہوں اور اس کا بیان آگے چل کر ہوگا ۔

اس واقعہ ہجرت کی حکایت کرنے والی دوسری آیت اس بات کو کھول کر بیان کر رہی ہے کہ پیغمبر کو آواز دینے والا آدمی کفار ہی کا بھیجا ہوا تھا ۔ اور وہ واقعہ ہجرت کی حکایت کرنے والی دوسری آیت اس طرح ہیں ۔

" الا تنصروه فقد نصره الله اذ اخرجه الذين كفروا ثاني اثنين اذ هما في الغار ، اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا ، فانزل الله سكينته ، عليه و ايده بجنوده لم تروها ، جعل كلمة الذين كفروا لسفلىٰ و كلمة الله هي العلياء والله عزيز حكيم " (التوبہ ۔ 40)

اگر تم اس (رسول) کی مدد نہیں کرو گے (تو کچھ پرواہ نہیں ہے خدا اس کا مددگار ہے) اللہ نے تو اس کی ایسے وقت میں مدد کی تھی جب کہ ان لوگوں نے جو کافر تھے اسے ایسی حالت میں نکالا تھا کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا (اور اس وقت بھی مدد کی تھی) جب وہ دونوں غار میں تھے (اور اس وقت بھی مدد کی) جبکہ ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ حزن و ملال نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے ۔ پس اللہ نے اپنے رسول پر تسکین نازل فرمائی ۔ اور ایسے لشکروں کے ساتھ اپنے رسول کی مدد کی جس کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو اس نے نیچا کر دکھایا اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے ۔

یہ آیت ہجرت کے موقع کے ایسے تین مقامات کی نشاندہی کر رہی ہے جو انتہائی خطرناک مقام تھے جن میں پیغمبرؐ کی جان کو انتہائی خطرہ تھا ۔ اور اگر خدا مدد نہ کرتا تو پیغمبرؐ

کے بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی ۔ان مقامات میں سے قرآن نے ہر مقام کو لفظ ''اذ'' سے شروع کیا ہے اور علامہ سلیمان ندوی کی سیرت عائشہ صدیقہ میں بیان کے مطابق ''قرآن کریم کے اسلوب بیان سے واقفیت رکھنے والے حضرات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ قرآن جب لفظ ''اذ'' سے کوئی بات شروع کرتا ہے تو وہ ایک نئی بات ہوتی ہے اور لفظ ''اذ'' کے ذریعہ اس نئی بات کے وقت کا تعین کیا جاتا ہے چنانچہ وہ تین مقامات خطر جن کو قرآن نے لفظ ''اذ'' کے ساتھ شروع کیا ہے یہ ہیں۔

نمبر 1: ''اذ اخرجه الذین کفروا ثانی اثنین ''

نمبر 2: ''اذهما فی الغار''

نمبر 3: اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا ''

اب ہم تینوں مقامات خطر کی جن میں پیغمبرؐ کی جان کو سخت خطرہ تھا اور ایسی حالت میں پیغمبرؐ کے قتل ہونے سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی علیحدہ علیحدہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

ان مقامات خطر میں سے پہلا مقام خطر ہے

''اذ اخرجه الذین کفروا ثانی اثنین ''

اس فقرہ میں لفظ اذ کے ذریعہ اس وقت کو بیان کیا گیا ہے جب خدا نے پیغمبر کی قتل ہونے سے جان بچائی اور وہ مقام خطر وہ تھا جب کافروں نے آنحضرت کو نکالا دو میں کا دوسرا۔

اس فقرے میں اخرجہ فعل متعدی مفعول کی ضمیر کے ساتھ ہے ۔اور اس کا فاعل ''الذین کفروا '' ہے ۔یعنی کافروں نے نکالا۔اور یہ ذوالحال ہے اور اس کا حال ثانی اثنین ہے یعنی اس حال میں نکالا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ خدا نے یہ کیوں کہا کہ کافروں نے نکالا ؟ حالانکہ بظاہر

پیغمبر کے گھر سے نکلنے کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں۔

نمبر 1: خدا نے حکم دیا تھا اور جبرائیل کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا تھا کہ آج کی رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور خدا کا حکم یہ ہے کہ آپ مدینہ چلے جائیں۔ تو اس صورت میں خدا کے حکم سے نکلنے کی وجہ سے خدا کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ "اذ اخرجه ربه من بيته ثاني اثنين"

یعنی جب خدا نے اس کو اس کے گھر سے اس حالت میں نکالا کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا

جیسا کہ جنگ بدر کے موقع پر خدا کے حکم سے نکلنے کو خدا نے

"اخرجک ربک من بيتک بالحق" کہا تھا

یعنی جس طرح تمہارے پروردگار نے بالکل ٹھیک کہا ہے گھر سے (جنگ بدر کے دن نکالا تھا۔

یعنی پیغمبر خدا کے حکم سے نکلنے کو خدا نے یہ کہا ہے کہ یہ میں نے حکم دے کر نکالا تھا (اخرجک ربک)

لیکن خدا کے حکم سے نکلنے کی صورت میں خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔ جس نے نکالا تھا وہ تو پیغمبرؐ کی حفاظت کرنے والا تھا۔ مگر خدا کہہ رہا ہے کہ اس کو کافروں نے نکالا۔ کافروں کے نکالنے کو صرف دو طرح سے سمجھا جا سکتا ہے

نمبر 1: چونکہ ابولہب اکڑ گیا تھا کہ اب رات کے وقت اندر جانے نہ دوں گا اور صبح تک انتظار خلاف مصلحت تھا۔ لہذا پیغمبرؐ کو قتل کرنے کے لئے کسی کو بلانے کے لیے بھیجا ہے جسے ثانی اثنین کہا ہے۔ اس کے سوا کافروں کی طرف سے پیغمبر کو نکالنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

نمبر 2: دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ پیغمبر کافروں کی طرف سے ارادہ قتل سے بچنے کے لئے نکلے تھے لہذا اس وجہ سے یہ کہا گیا ہو کہ کافروں نے نکالا۔

لیکن یہی صورت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درپیش تھی جب فرعون کے درباریوں

کی طرف سے قتل کیے جانے کے خوف سے مصر سے باہر نکلے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

وجاء رجل من اقصا المدینة یسعیٰ قال یموسیٰ ان الملاء یاتمرون بک لیقتلوک فاخرج انی لک من الناصحین (القصص۔20)

یعنی ایک شخص شہر کے اس کنارے سے دوڑتا ہوا آیا (اور موسیٰ سے کہنے لگا) اے موسیٰ یہ یقین جانو کہ شہر کے بڑے بڑے آدمی تمہارے بارے میں مشورہ کررہے ہیں کہ تم کو قتل کردیں تو تم شہر سے نکل جاؤ میں تم سے خیر خواہانہ کہتا ہوں۔

لہذا یقیناً وحتماً موسیٰ اس نصیحت کرنے والے کی خبر سن کو قتل کیے جانے کے خوف سے شہر سے نکلے تھے اس صورت میں بھی چونکہ موسیٰ سرداران فرعون کی طرف سے قتل کا پروگرام بنانے کی وجہ سے نکلے تھے لہذا خدا کو قرآن میں، اخرجه الذین کفروا ۔کہنا چاہیے تھا۔یعنی کافرین نے موسیٰ کو شہر سے نکالا۔مگر خدا نے باوجود اس کے کہ موسیٰ فرعون کے اہل دربار کی طرف سے قتل کیے جانے کے خوف سے نکلے تھے اخرجہ الذین کفروا نہیں کہا بلکہ فرمایا۔ ”فخرج منها خائفاً یترقب قال رب نجنی من القوم الظالمین“ (القصص۔71)

یعنی (پس موسیٰ) وہاں سے امید وبیم کی حالت میں نکل کھڑے ہوئے اور بارگاہ خدا میں عرض کی پروردگار مجھے ظالم لوگوں کے ہاتھ سے نجات دے۔

پس اگر خدا اپنے حکم سے نکلنے کی وجہ سے کہتا تو یوں کہتا اذ اخرجه ربه من بیته ثانی اثنین

جب خدا نے اپنے حبیب کو اس کے گھر سے اس حالت میں نکالا کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا اور اگر قتل کیے جانے کے خوف سے نکلنے کو بیان کرتا تو حضرت موسیٰ کی طرح نکلنے والی بات کہتا اور یوں کہتا” اذ خرج من بیته ثانی اثنین“

جب وہ (کفار کی طرف سے قتل کیے جانے کے خوف سے) اپنے گھر سے اس

حال میں نکلا کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا قرآن کریم دنیا کی فصیح ترین اور بلیغ ترین آسمانی کتاب ہے اور یہ خدا کا کلام ہے اور خدا بہتر جانتا ہے کہ خرج یعنی نکلنا کہاں بولا جاتا ہے اور اخرج کہاں بولا جاتا ہے لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خدا نے اس فصاحت و بلاغت کو یہاں پر استعمال نہیں کیا۔ یقیناً یہ مقام خطر اسی وجہ سے تھا کہ اب کافروں کی تدبیر یہ تھی کہ ابولہب کے اکڑ جانے کے بعد کسی طرح صبح ہونے سے پہلے پہلے کسی کو پیغمبر کے پاس بھیج کر باہر بلوایا جائے اور جب وہ باہر نکلیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ لہذا دنیا کا کوئی بھی عربی دان مسلمان آیات قرآنی کی روشنی میں یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ پیغمبرؐ کو کافروں نے نکالا تھا سوائے اس صورت کے پیغمبر ان کے بھیجے ہوئے آدمی کے آواز دینے پر باہر آئے ہوں۔

اور لفظ ''اذ'' کے بعد ''ثـانـی اثنین'' تک خطرے کا صرف ایک مقام کا بیان ہے۔ یعنی دوسرے آدمی کے ساتھ دو میں کا دوسرا بنا کر نکالنا قدرت کی نظر میں انتہائی خطرناک تھا اور پیغمبر کے بچ نکلنے کی کوئی صورت ہی نہ تھی کافر بالکل الرٹ تھے اس دوسرے آدمی کے آواز دینے پر پیغمبر کے باہر نکلتے ہی سب ٹوٹ پڑتے اور پیغمبر کو قتل کر ڈالتے لہذا خدا نے اپنے رسول کی یہ مدد کی کہ کافروں کو اندھا کر دیا اور اس دوسرے آدمی کو پیغمبرؐ کی گرفت میں دے دیا اور پیغمبرؐ نہیں اپنے گھر سے نکلتے ہوئے اس دوسرے آدمی کو اپنے ساتھ لے گئے تا کہ پیچھے رہ جانے کی صورت میں ہجرت کا راز فاش نہ ہو جائے۔

نمبر 2: دوسرا مقام خطر ہے ''اذھـمـا فـی الـغـار'' جب وہ دونوں غار میں تھے۔ یہ دوسرا مقام خطر تھا۔ کفار پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے غار کے دھانے پر پہنچ گئے تھے۔ کفار نے عرب کے مشہور کھوجی ابو کرز کی اس سلسلہ میں خدمات حاصل کی تھیں ہمارے یہاں بھی کھوج لگانے والے بڑے بڑے ماہر کھوجی ہوتے ہیں اور نشان پا کو اپنے آخر مقام تک پہنچا کر دم لیتے ہیں لیکن جنہوں نے غار ثور کا محل وقوع دیکھا ہے اس ابو کرز کی مہارت کا لوہا مانے بغیر چارہ نہیں ہے اس مقام تک نقش پا کو لے جانا اسی کا کام ہے لیکن غار پر پہنچ کر اس

نے صاف کہہ دیا کہ اب اس سے آگے نقش پا نہیں جاتے۔اور غار کے اوپر مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈوں کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ اس کے اندر نہیں گئے۔کیونکہ اگر وہ اس غار کے اندر جاتے تو یہ جالا بھی ٹوٹ جاتا اور یہ انڈے بھی گر کر پھوٹ جاتے لہذا یا تو وہ آسمان پر چلے گئے ہیں یا زمین میں سما گئے ہیں ۔پس وہ سب کے سب مایوس ہو کر واپس لوٹ گئے

اگر غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا نہ تنا ہوتا اور کبوتری نے انڈے نہ دیئے ہوتے تو غار کے دہانے تک کفار کے پہنچ جانے کی صورت میں پیغمبر کے قتل میں کیا رکاوٹ تھی ؟ شاید یہ مکڑی اور وہ کبوتری بھی خدا کے اس لشکر میں تھی جس کے ذریعہ خدا نے اپنے پیغمبر کی مدد کی جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ:

"**وایدہ بجنود لم تروھا**" یعنی خدا نے اپنے پیغمبرؐ کی ایسے لشکروں کے ذریعہ مدد کی جس کو تم نے دیکھا تک نہیں ۔پس غار کے اندر ان دونوں کی موجودگی اور کفار کا غار کے دہانے تک پہنچ جانا بڑا ہی خطرناک تھا اگر کبوتری نے انڈے نہ دیئے ہوتے اور مکڑی نے جالا نہ تنا ہوتا تو کفار غار کے اندر داخل ہو جاتے اور پیغمبرؐ کو پکڑ کر قتل کر ڈالتے پس ان دونوں کی غار میں موجودگی کی حالت میں کفار کا غار کے دہانے تک پہنچ جانا انتہائی خطرناک تھا لہذا خدا نے اس حالت میں بھی ایسے لشکروں سے مدد کی جسے کسی نے نہیں دیکھا۔

نمبر 3: تیسرا مقام خطر ہے "**اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا**"

جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ حزن و ملال نہ کر یا افسوس نہ کر یا غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔

پہلے کے دو مقام خطر بالکل ظاہر تھے ۔لیکن یہ تیسرا مقام خطر ایسا ہے جسے وحی نے قرآن میں کھولا ہے۔ورنہ کسی کو کیا پتہ چلتا کہ پیغمبر اپنے ساتھی سے کیا فرما رہے تھے؟ اور کیوں فرما رہے تھے؟ اور دونوں باتوں کا ایک ہی بات میں جواب ہے اور وہ بات ہے

''لاتحزن ''حزن وملال نہ کر۔غم نہ کر افسوس نہ کر۔اس ایک جواب میں کیا فرمایا؟اس کا جواب بھی آ گیا اور کیوں فرمایا اس کا جواب بھی مل گیا۔حالانکہ یہ تو مقام خطر تھا کافروں سے ڈرنا چاہیے تھا خوف کھانا چاہیے تھا۔لہذا پیغمبرؐ کو کہنا چاہیے تھا'' لا تخف' ڈرو نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا کہ جب مدین حضرت شعیبؑ کے پاس پہنچے اور فرعون کے پیچھا کرنے کا قصہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا' قال لا تخف نجوت من القوم الظالمین ''القصص 25۔یعنی حضرت شعیب نے فرمایا کہ ڈرو نہیں تم نے ظالم قوم سے نجات پالی ہے۔لہذا اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر ڈرے نہیں تھے اسی لئے وحی الٰہی نے بھی لاتخف نہیں کہا اور پیغمبرؐ نے بھی ان کی حالت کو دیکھ کر لاتخف نہیں کہا بلکہ لا تحزن کہا یعنی افسوس نہ کر، رنج نہ کر، اور یہ کہے بغیر ظاہر ہے کہ رنج اور افسوس ہوتا ہے گذری ہوئی بات پر، آنے والی بات کے لئے خوف ہوتا ہے پس حضرت ابو بکر کسی گزری ہوئی بات پر افسوس کر رہے ہیں کہ میں اپنے مقصد میں ناکام ہو گیا۔جس کے لئے مجھے بھیجا گیا تھا وہ پورا نہ ہوا۔اسی لئے فرمایا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔لیکن یہ بات پیغمبر کو کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟تو اس کا سبب روایات میں یہ آیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے غار کے اندر زور زور سے رونا شروع کر دیا ان کے عقیدت مند یہ کہتے ہیں کہ غار میں کوئی سوراخ تھے جو سانپوں کے بل تھے حضرت ابو بکر نے سارے سوراخ تو بند کر دیئے صرف ایک سوراخ باقی رہ گیا تھا۔لہذا حضرت ابو بکر نے اس سوراخ کو اپنی ایڑی رکھ کر بند کر دیا تو سانپ نے ان کے پاؤں میں کاٹ لیا لہذا انھوں نے درد سے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا اب غار کے اندر حضرت ابو بکر کے چیخ چیخ کے رونے کا سبب سانپ کا کاٹنا ان کے عقیدت مندوں کو کہاں سے معلوم ہوا۔پیغمبر تو جو غار میں ان کے پاس موجود تھے یہ فرما رہے تھے کہ لاتحزن ان اللہ معنا رنج اور افسوس نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

بہر حال خدا یہ فرما رہا ہے کہ یہ تیسرا مقام خطر تھا کہ پیغمبرؐ کا ساتھی رو رہا تھا اور

حضورا سے لاتحزن ان اللہ معنا کہہ رہے تھے اور کفار غار کے دہانے پر کھڑے تھے۔ کیا اس سے زیادہ خطرے کی اور کوئی بات ہو سکتی ہے کہ کفار غار کے دہانے پر کھڑے ہوں اور اندر سے کوئی چیخ چیخ کر رونا شروع کر دے مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈوں نے تو کفار کو اس طرف سے غافل کر دیا تھا مگر رونے کی آواز سن کر غار کے اندر کسی کے موجود ہونے سے آگاہ ہونے میں کیا چیز رکاوٹ بن سکتی تھی چونکہ غار کے اس ساتھی کو چاہے سانپ نے کاٹا ہو یا کسی اور وجہ سے رویا ہو غار پر کھڑے کفار کو پتہ چلنے کے لئے کافی تھا اور یہ بات خدا نے وحی کے ذریعہ بتلائی کہ غار کے اس ساتھی کا اس طرح سے رونا بھی اور پیغمبر کا "**لا تحزن**" کہنا بھی کفار کی اطلاع کے لئے کافی تھا اور قدرت نے اس موقع پر بھی اپنے پیغمبرؐ کی مدد کی اور چیخ چیخ کر رونے والے اس ساتھی کی آواز کو غار سے باہر نہ نکلنے دینے کے لئے خدا نے کیا انتظام کیا ہے "**وایدہ بجنود لم تروھا**" ہمارے پیغمبر کے ساتھی نے تو غار میں بھی پکڑوا دینے کے لئے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ لیکن خدا نے اپنے پیغمبرؐ کی ایسے لشکروں سے مدد کی جسے تم نے نہیں دیکھا اور پیغمبرؐ کے ساتھی کی چیخ چیخ کر رونے کی آواز کو اور پیغمبرؐ کے "**لا تحزن**" کہنے کی آواز کو غار سے باہر نہ نکلنے دیا اور غار کو ایسا ساؤنڈ پروف بنا دیا کہ اس سے کوئی بھی آواز باہر نہ نکل سکے۔ لغت میں **الحزن** کے معنی زمین کی سختی کے ہیں نیز غم کی وجہ سے جو بے قراری سی طبیعت کے اندر پیدا ہوتی ہے اسے بھی حزن کہا جاتا ہے۔ **حَزَنَ**۔ غمگین ہونا۔ قرآن میں ہے: **لکیلا تحزنوا علیٰ ما فاتکم (3-153)** تا کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس سے اندوہناک نہ ہو۔

ولا تحزنوا (30-139) اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اور **لا تحزن (9-40)** کہ غم نہ کر (**مفردات راغب ص 239**)

پس قرآن اور لغت کے لحاظ سے جو چیز ہاتھ سے نکل گئی اس پر غم کرنے کے لئے آتا ہے۔

اور خوف کے معنی میں قرائن وشواہد سے کسی آنے والے خطرہ کا اندیشہ کرنا ہے خوف کی ضد امن آتی ہے اور یہ امور دینوی اور اخروی دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے قرآن ہے ''و یرجون رحمته و یخافون عذابه" ۔57-17

اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں

(مفردات راغب323)

غرض قرآن اور لغت دونوں یہ کہتے ہیں کہ قرائن وشواہد سے اگر کسی آنے والے خطرہ کا اندیشہ ہو تو وہاں لفظ خوف بولا جاتا ہے لہذا اگر حضرت ابو بکر پکڑے جانے کے خوف سے روتے تو پیغمبر لاتخف ۔خوف نہ کر۔ ڈر نہ، فرماتے لیکن پیغمبرؐ نے فرمایا 'لاتحزن' جو چیز تیرے ہاتھ سے نکل گئی اس پر اندوہناک اور غمگین نہ ہو کیونکہ پیغمبر کو تو معلوم تھا کہ یہ کس لئے دردولت پر تشریف لائے تھے اور وہ چیز ان کے ہاتھ سے نکل گئی ہے اور خود پکڑے گئے ہیں لہذا وہ اب اس لیے رو رہے تھے کہ اسی طرح سے ان کو اس مشن میں کامیابی ہو جائے اور یہاں پیغمبرؐ کا یہ کہنا کہ ان اللہ معنا یہ معنی دیتا ہے کہ جس کے ساتھ اللہ ہو اس کو کون پکڑ سکتا ہے۔ اور پیغمبر صلعم نے جو کچھ فرمایا تھا وہ حدیث نہیں ہے کہ اس میں طرح طرح کی بحث کی جائے بلکہ یہ وحی کے ذریعہ نازل ہونے کے بعد قران ہے اور خدا نے قرآن میں نازل فرما کر اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ پیغمبرؐ نے جو فرمایا تھا حقیقت وہی ہے اسی لئے اس آیت کے آغاز میں ہی فرما دیا تھا کہ ''اذا اخرجه الذین کفروا ثانی اثنین "

دو میں کا دوسرا بنا کر میرے حبیب کو کافروں نے نکالا تھا اس آیت کے آخری حصہ میں تو اس بات کو اور بھی صاف کر دیا یعنی صرف اکیلے رسول پر سکینہ اور تسلی نازل فرمائی ۔جیسا کہ ارشاد ہوا۔ وانزل اللـه سکینته علیه و ایده بجنود لم تروها ۔یعنی اللہ نے اس حالت میں (اپنے پیغمبرؐ پر) تسلی نازل کی اور اس کی ایسے لشکروں کے ساتھ مدد کی جس کو تم نے نہیں دیکھا۔

خدا نے دوسرے مقامات پر جہاں بھی پیغمبر کے ساتھ مومنین ہوتے تھے اور تسلی دینے کی ضرورت ہوتی تھی تو پیغمبرؐ کے ساتھ مومنین پر بھی اپنی تسلی علیحدہ طور پر نازل فرمانے کا بیان کیا ہے۔ مثلاً جنگ حنین میں جب مسلمانوں کا تمام لشکر راہ فرار اختیار کر گیا اور صرف پیغمبر اور چند گنے چنے چار پانچ آدمی پیغمبرؐ کے ساتھ رہ گئے اور ثابت قدم رہے تو خدا نے پیغمبر کے ساتھ ان مومنین پر بھی تسلی نازل فرمائی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

ثم انزل الله سكينته على رسوله و على المومنين و انزل جنودا لم تروها" (التوبہ۔26)

پھر (جب حنین کے دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے تو) اللہ نے اپنی سکینہ، اپنی تسکین اپنے رسول پر نازل کی اور مومنین پر نازل کی اور ایسے لشکر میدان میں اتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔

لیکن یہاں غار میں صرف دو میں سے ایک اکیلے رسول پر اپنی تسلی نازل کی اور ایسے لشکر سے اس کی مدد کی جو دکھائی نہیں دیتا تھا مگر دوسرے ساتھی کو تسلی سے چھوڑ دیا

اگر پیغمبر کا یہ ساتھی کوئی پر خلوص مومن ہوتا تو آیت یوں اترتی۔ **وانزل الله سكينته على رسول وعلى صاحبه** یا یوں نازل ہوتی کہ **وا انزل سكينته عليهما**

اور پھر آیت کے آخری حصہ میں کہتا ہے۔ "**و جعل كلمة الذين كفرو السفلىٰ**" اور خدا نے کافروں کی بات کو نیچا کر دکھایا۔ یعنی دوسرے آدمی کے ذریعہ پیغمبرؐ کو باہر نکال کر قتل کرنے کے منصوبے کو ناکام بنا دیا اور اللہ کی بات ہی در رہی۔ یعنی تمام تدبیریں کرنے کے باوجود پیغمبر صلعم کا بال بیکا نہ کر سکے سورۂ توبہ کی آیت نمبر 40 سراسر دوسرے آدمی کی مذمت میں ہے جسے کفار نے پیغمبرؐ کو باہر نکالنے کے۔ لئے استعمال کیا اور پیغمبرؐ نے اسے اپنی گرفت میں لے کر ساتھ ہی غار میں لے گئے تا کہ راز ہجرت فاش نہ ہو جائے۔

قران نے کسی کا نام نہیں لیا لہذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کون تھا لیکن جو بھی تھا یہ آیت اس کی مذمت میں ہے لیکن چونکہ اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ وہ ثانی اثنین حضرت ابو بکر تھے اور یار غار وہی تھے لہذا وہ یہودیوں کی طرح و یحرفون الکلم عن مواضعه کے مطابق خالص مذمت کرنے والی آیت کو حضرت ابو بکر کی مدح میں نازل شدہ قصیدہ کے عنوان سے بیان کرتے ہیں ۔لیکن اگر کوئی یہ تصور کئے بغیر کہ یہ آیت حضرت ابو بکر کی شان میں نہیں ہے اس کے معنی میں غور کریگا تو وہ اس آیت کو اس دوسرے ساتھی کی شان میں کھلی ہوئی مذمت سمجھے بغیر نہیں رہ سکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب ہم (طبری اردو ترجمہ حصہ اول ص 86) کی اس روایت پر غور کرتے ہیں کہ

''حضرت ابو بکر سے پہلے ایک جماعت کثیر ایمان لے آئی تھی اور (طبری اردو ترجمہ حصہ اول ص 86) ہی کی سعد بن وقاص والی روایت پر غور کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر سے پہلے پچاس سے بھی زیادہ لوگ ایمان لے آئے تھے اور جب ہم (سیرۃ النبی شبلی جلد 1 ص 234) کی اس روایت پر غور کرتے ہیں :ابو بکر جاہ و اقتدار میں دیگر روسائے قریش سے کم نہ تھے لیکن آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے اور اس بناء پر ایک بار ہجرت کے لیے آمادہ ہوئے اور جب ہم (سیرۃ عائشہ صدیقہ مولفہ سلیمان ندوی ۔19) کی اس روایت پر غور کرتے ہیں جو بخاری کے حوالہ سے لکھی گئی ہے کہ حضرت ابو بکر نے بھی حبش کی طرف ہجرت کرنی چاہی تھی اور برک الغمار تک جو مکہ سے پانچ روز کی مسافت پر ایک منزل ہے پہنچ چکے تھے اتفاق سے ابن الدغنا می ایک شخص کہیں سے آ رہا تھا اس نے یہ دیکھ کر کہ ابو بکر بھی اب وطن چھوڑ رہے ہیں قریش کی بدقسمتی پر اس کو افسوس ہوا اور نہایت اصرار سے اپنی پناہ میں مکہ واپس لایا ۔اور جب ہم (سیرۃ ابو بکر صدیق ص 49-50) کی اس روایت پر غور کرتے ہیں کہ ابو بکر بھی ہجرت کے ارادے سے حبشہ کی جانب روانہ ہوئے تھے راستہ میں

مکہ کا سردار ابن دغنہ انھیں ملا جب اسے ان کے ارادے کا علم ہوا تو وہ بولا ''آپ ہجرت نہ کریں۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں نہایت صادق القول ہیں اور مظلوموں کا دکھ درد دور کرتے ہیں۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں آپ واپس مکہ چلئے۔ چنانچہ وہ مکہ واپس آ گئے اور جب ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی (مدارج النبوۃ ص 57) کی اس روایت پر غور کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ ہجرت بیعت عقبیٰ (اولیٰ) کے بعد مدینہ کی ہجرت سے پہلے ہوئی جب آپ نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہا:

''ہم اس شہر میں جس کو چھوڑ کر ابو بکر چلے جائیں کس طرح رہیں گے''

ان تمام روایات پر غور کرنے سے خصوصاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوۃ والی روایت سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر بیعت عقبیٰ اولیٰ کے بعد یا کچھ ہی پہلے ایمان لائے تھے۔ لیکن ایمان لانے کے باوجود انہیں کفار قریش کی طرف سے کوئی خطرہ یا تکلیف نہیں تھی۔ بلکہ کفار قریش کے ساتھ ان کے اتنے اچھے اور خوشگوار تعلقات تھے کہ کفار قریش حضرت ابو بکر کے مکہ سے چلے جانے کی صورت میں مکہ میں رہنا بے لطف۔ بے مزہ اور نا خوشگوار تصور کرتے تھے۔ اور حضرت ابو بکر کے مکہ سے چلے جانے کو قریش کی بدقسمتی سمجھتے ہوئے افسوس کا اظہار کرتے تھے۔

ان حالات میں اگر ہجرت مدینہ کے وقت کفار قریش نے انہیں اپنے پروگرام سے اندھیرے میں رکھتے ہوئے پیغمبر کو باہر نکلوانے کے لئے استعمال کر لیا ہو تو کوئی بعید نہیں ہے اور اس صورت میں قرآن کی آیت ''واذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین'' کا صحیح معنی و مطلب ٹھیک صادق آئیگا اور کسی تاویل یا معنی میں تحریف کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ کیونکہ صحیح روایات کے علاوہ خود قرآن کریم سے جس سے بڑھ کر اور کوئی شہادت نہیں ہے، پیغمبر کے اس ساتھی کا پیغمبر کے گھر سے ہی ایک ساتھ اکٹھے نکلنا ثابت ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ کو روانگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیم ربیع الاول 13 نبوی کو غار ثور سے نکل کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ بات گذشتہ اوراق میں ثابت کی جاچکی ہے کہ غار ثور میں رہتے ہوئے کھانا پہنچانے کا انتظام بھی حضرت علیؑ نے کیا۔ بحرین کے اونٹوں میں سے تین اونٹ خرید کر اونٹوں کا انتظام بھی حضرت علی نے کیا اور راستہ بتانے والے کو اجرت پر مقرر کرنے کا انتظام بھی حضرت علی نے کیا اور اونٹوں اور راہبر کو ساتھ لے کر خود غار ثور پر پہنچا کر آئے۔

مدینہ کے راستہ میں جو خاص واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ ابو جہل نے آپ کی گرفتاری کے واسطے ایک سو سرخ اونٹوں کا انعام مقرر کیا تھا۔ آنحضرت مدینہ کے راستہ پر چلے جارہے تھے کہ سراقہ بن مالک نے ان کا پیچھا کیا۔ آپ نے سراقہ کے لئے بددعا کی اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے کہا میں جانتا ہوں کہ تم نے میرے لئے بددعا کی ہے اب تم دعا کر کے مجھے چھڑاؤ میں یہ ذمہ لیتا ہوں کہ جو تمہاری تلاش میں آئیگا میں اس کو واپس کردوں گا آپ نے دعا کی اس نے اس بلا سے نجات پائی۔ پھر سراقہ نے یہ کام شروع کیا کہ جب اسے کوئی کافر ملتا تو وہ اس سے یہ کہتا کہ ادھر جانے کی ضرورت نہیں ہے میں دیکھ آیا ہوں اور اس کو پھیر دیتا۔ سراقہ نے جو اقرار کیا تھا اس کو پورا کردیا۔

سوانح عمر رسول مقبول ص 118

بحوالہ صحیح بخاری مترجم کتاب المناقب۔ پ 15 ص 64-65

قبا میں نزول اجلال

قبا مدینہ کے نزدیک ایک بستی کا نام ہے آنحضرتؐ نے مکہ سے روانہ ہونے کے بعد اسی محلہ میں قیام فرمایا۔ مورخ شہیر ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ

''رسول اللہ صلعم بنی عمرو بن عوف کے عزیز کلثوم بن ہدم کے پاس جوان کے خاندان بنی عبید سے تھے فروکش ہوئے۔ (اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد اول ص 136)

اور سوانح عمر حضرت رسول مقبول کے مصنف نے یہ لکھا ہے کہ:

''یہاں آپ کئی راتوں تک بنی عمر بن عوف کے محلّہ میں رہے اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی جو تقویٰ اور پرہیز گاری پر بنائی گئی اور وہیں نماز پڑھتے رہے۔

سوانح عمر رسول مقبول ص 120

بحوالہ تیسر الباری ترجمہ صحیح بخاری کتاب المناقب

پ 15 ص 66

اور ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں کہ جب آپ (قبا میں) منزل سعد بن خثیمہ میں پہنچے تو لوگوں نے عرض کی کہ مدینہ کو چلئے تو آپ نے فرمایا

" ما انا مدخلها حتیٰ یقدم ابن عمی و بنتی یعنی علیاً و فاطمہ رضی اللہ عنہا'' فصول المہمہ ابن صباغ مالکی

یعنی میں مدینہ میں داخل نہیں ہوں گا جب تک میرا ابن عم، میرا چچازاد بھائی اور میری بیٹی یعنی علیؑ اور فاطمہؑ رضی اللہ عنھما نہیں آجاتے۔

حضرت علی علیہ السلام کی ہجرت اور مدینہ کو روانگی

مورخ شہیر ابن جریر طبری (حضرت علی کی مدینہ کو روانگی) کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

علی ابن ابی طالب تین شبانہ روز مکہ میں ٹھہرے رہے اور جب انھوں نے لوگوں کی وہ تمام امانتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے پاس رکھوائی گئی تھیں ان کے مالکوں کو واپس کر دیں وہ رسول اللہ صلعم کے پاس چلے آئے اور آپ ہی کے ساتھ کلثوم بن ہدم کے

یہاں ٹھہرے۔ اردو ترجمہ تاریخ طبری حصہ اول ص 136

''جناب امیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکے سے چلے تھے وہ بھی آ گئے اور یہیں قبا میں ٹھہرے'' (سیرۃ النبی جلد اول ص 275)

اور زرقانی نے شرح مواھب الدنیہ میں قبا میں حضرت علیؑ کے ورود اور آپ کے پیدل سفر کا حال یوں لکھتے ہیں

" و کان علی یسیر باللیل و یختفی بالنھار و قد نقبت ما ہ فمسھا النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وقسلم و دعا لہ بالشفاء فیر ئتا فی الحال و اما اشتکا ھما بعد الیوم قط'' اسوۃ الرسول ص 322

بحوالہ زرقانی شرح مواھب الدنیہ ص 424

یعنی حضرت علیؑ رات کو چلتے تھے اور دن کو چھپے رہتے۔ جب حاضر خدمت ہوئے تو پیادہ پا چلنے کی وجہ سے آپ کے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے تھے آنحضرتؐ نے آپ کا یہ حال مشاہدہ فرما کر آپ کے پاؤں کو اپنے دست مبارک سے مس کیا اور خدا سے شفا کی دعا کی۔ آپ کے پاؤں بالکل اچھے ہو گئے اور پھر آپ کو مطلق شکایت نہیں ہوئی۔

ہم ابن صباغ مالکی کی کتاب فصول المہمہ سے نقل کر آئے ہیں کہ آنحضرت نے قبا میں قیام کے دوران لوگوں کے اس اصرار پر کہ آپ مدینہ چلئے یہ فرمایا کہ:

''میں مدینہ میں داخل نہ ہوں گا جب تک میرا ابن عم اور میری بیٹی یعنی علی اور فاطمہ رضی اللہ عنھما نہیں آ جاتے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ حضرت علیؑ کو یہ ہدایت دے کر گئے تھے کہ تم قریش کی امانتیں واپس کر کے اور مخدرات کو ساتھ لے کر مدینہ آ جانا۔ چنانچہ مناھج النبوۃ ص 141 پر اور ارجح المطالب باب 4 ص 471 پر تاریخ حبیب السیر جلد اول جزو سوم ص 25 پر اور معارج النبوۃ رکت چہارم ص 17 پر یہ بات تفصیل کے ساتھ لکھی ہے کہ

حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کے اہل وعیال اور اپنی والدہ گرامی کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تھے اور مقام قبا پر رسول اللہ سے ملنے کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

پس روایات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ جب تک حضرت علی اپنی والدہ اور دوسری مخدرات کے ساتھ مقام قبا پر پیغمبر اکرم سے نہیں آ ملے۔ اس وقت تک پیغمبر اکرمؐ مدینہ میں داخل نہیں ہوئے اور حضرت علی کے پہنچنے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ مدینہ میں داخل ہوئے اور حضرت علی کے پہنچنے کے بعد پیغمبر اکرم صلعم نے مدینہ میں حضرت علیؑ اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ کلثوم بن ہدم کے یہاں قیام فرمایا۔

مدینہ میں حضرت ابوبکر کی سکونت اور نئی شادی

محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر اپنی کتاب (سیرۃ ابوبکر صدیق) میں لکھتے ہیں:

"مدینہ میں ان کا قیام شہر کے نواح میں مقام سخ پر خارجہ بن زید کے ہاں تھا جو قبیلہ خزرج کی شاخ بنو حارث سے تعلق رکھتے تھے۔ جب رسول اللہ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کا سلسلہ قائم کر دیا تو ابوبکر اور خارجہ کو بھائی بھائی بنا دیا۔

سیرۃ حضرت ابوبکر صدیق محمد حسین ہیکل ص 55

اس روایت سے اور دوسری تمام روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر نے مدینہ میں شروع دن سے مدینہ کے نواح میں مقام سخ پر قیام کیا تھا جو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھا اور پیغمبر اکرم صلعم کی وفات تک مستقل طور پر وہیں مقیم رہے۔ اور جس وقت پیغمبر اکرم صلعم نے وفات پائی اس وقت بھی وہ اپنی نئی بیوی حبیبہ کے پاس سخ میں ہی تھے اور روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ پیغمبرؐ تو اپنے ابن عم یعنی حضرت علی اور اپنی بیٹی فاطمہ کا انتظار فرماتے رہے اور قبا کے مقام پر ہی ان کے آنے تک مقیم رہے اور آنحضرتؐ انصار

مدینہ کے شدید اصرار کے باوجود مدینہ میں داخل نہیں ہوئے ۔لیکن حضرت ابو بکر پیغمبر کو قبا میں تنہا چھوڑ کر انصار مدینہ کے ساتھ چلے گئے ۔اور مدینہ کے نواح پر واقع خارجہ بن زید کے گھر میں قیام پذیر ہوئے ۔مابعد جب پیغمبر نے انصار اور مہاجرین میں مواخات اور بھائی چارہ قائم کیا تو پیغمبر اکرم صلعم نے حضرت ابو بکر کو خارجہ بن زید کا ہی بھائی بنا دیا۔

محمد حسین ہیکل وزیر معارف حکومت مصر اپنی کتاب حضرت ابو بکر صدیق میں لکھتے ہیں کہ:

''خارجہ کے ساتھ ان کے تعلقات اس حد تک بڑھ گئے کہ انھوں نے اپنی بیٹی حبیبہ کو ان کے عقد میں دیدیا''۔ سیرۃ ابو بکر صدیق از محمد حسین ہیکل ص 55

حضرت ابو بکر کے اہل و عیال کی مکہ سے ہجرت

مورخ شہیر ابن جریر طبری اپنی معروف تاریخ طبری میں لکھتے ہیں ''عبداللہ بن اریقط نے مکہ جا کر جب عبداللہ بن ابی بکر کو ان کے باپ کا پتہ اور مقام بتا دیا وہ اپنے باپ کے بیوی بچوں کو لے کر ان کے پاس آنے کے لئے مکہ سے چلے ۔طلحہ بن عبداللہ بھی ساتھ ہوئے اس قافلہ میں ام رومان ، عائشہ اور عبداللہ بن ابی بکر کی ماں بھی ساتھ تھیں یہ مدینہ پہنچ گئے۔ تاریخ طبری اردو ترجمہ حصہ اول ص 147

اور مورخ شہیر ابن خلدون اپنی معروف تاریخ ابن خلدون میں حضرت عائشہ کی مدینہ آمد کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''عبداللہ ابن اریقط جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق کے ہمراہ بغرض رہبری گئے تھے مدینہ سے واپس ہو کر مکہ واپس آ کر ان دونوں بزرگواروں کی بخیریت مدینہ پہنچ جانے کی عبداللہ بن ابی بکر کو اطلاع دی اس خبر کے بعد عبداللہ بن ابی بکر معہ اپنی بہن عائشہ اور ان کی ماں ام رومان اور طلحہ بن عبداللہ کے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ

پہنچے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین عائشہ سے عقد کیا''

تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص 72

یہاں پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت عائشہ اوران کے بھائی عبدالرحمن ام رومان کی اولاد تھے اورعبداللہ بن ابی بکراورحضرت اسماء بنت ابی بکر کی ماں کا نام قتیلہ تھا جوایمان نہ لائی تھی اورآخر تک کافر رہی۔چونکہ ہجرت کے بعد کافرہ عورتوں کا نکاح مسلمان مردوں کے ساتھ فسخ ہوگیا تھالہذااسی لئے رویات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے قتیلہ کوطلاق دے دی تھی لہذاطبری کا یہ کہنا کہ عبداللہ بن ابی بکر کی ماں بھی ساتھ تھیں صحیح نہیں ہوسکتاہاں ام رومان جوحضرت عائشہ کی ماں تھی وہ عبداللہ بن ابی بکر کی بھی سوتیلی ماں تھی اوران کا نام پہلے آچکا تھالہذاحضرت عبداللہ بن ابی بکر کی ماں کا ذکرغیر ضروری تھاالبتہ ابن خلدون نے جوکچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے کہ اس قافلہ میں عبداللہ بن ابی بکر۔حضرت عائشہ۔ام رومان اورحضرت طلحہ بن عبداللہ شامل تھے۔لیکن سیر الصحابہ کے مصنف نے حضرت طلحہ کے بارے میں ایک اورروایت لکھی ہے وہ ''حضرت طلحہ کی ہجرت'' کے عنوان کے تحت اس طرح لکھتے ہیں

حضرت طلحہ کی ہجرت

''حضرت طلحہ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اوراپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے چنانچہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے ساتھ مدینہ تشریف لے جارہے تھے اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے۔راہ میں ملاقات ہوئی۔انھوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کئے اورعرض کی اہل مدینہ نہایت بےچینی اوراضطراب کے ساتھ انتظار کررہے ہیں۔غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اورحضرت طلحہ نے

مکہ پہنچ کر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابو بکر کے اہل وعیال کو لے کر مدینہ پہنچے۔ سیر الصحابہ جلد دوم مہاجرین حصہ اول

بحوالہ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص 154

ان دونوں روایتوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے تاریخ طبری اور تاریخ ابن خلدون کی روایت یہ کہتی ہے کہ عبداللہ بن اریقط نے جب مدینہ سے ان دونوں بزرگواروں کے خیریت سے مدینہ پہنچانے کی اطلاع دی اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر کو حضرت ابو بکر کا اتہ پتہ بتلایا تو تب وہ خود اور ام رومان اور حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف ہجرت کے لئے روانہ ہوئے۔

اور سیر الصحابہ کی روایت یہ کہتی ہے کہ حضرت ابو بکر کے گھر والوں کو کچھ پتہ نہیں تھا طلحہ بن عبداللہ شام سے مال تجارت لاتے ہوئے آنحضرت سے ملے اور پھر مکہ معظمہ آکر سامان تجارت کے بیچنے میں مصروف ہوئے اور سامان تجارت بیچنے سے فارغ ہو کر مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا تو وہ ام رومان، حضرت عائشہ اور عبداللہ بن ابی بکر کو اپنے ہمراہ مدینہ لے گئے۔

اب ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات صحیح۔ آیا یہ بات صحیح ہے کہ عبداللہ بن اریقط نے مدینہ سے آکر حضرت ابو بکر کا اتا پتا بتا دیا تو حضرت عبداللہ بن بکر، حضرت عائشہ اور ان کی ماں ام رومان اور طلحہ بن عبداللہ کو ساتھ لے گئے۔ یا یہ بات صحیح ہے کہ طلحہ بن عبداللہ مال تجارت کی فروخت سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ جاتے ان تینوں کو ہمراہ لے گئے ظاہری طور پر ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ طلحہ کا معاملہ خاصا قابل غور ہے۔ پیغمبرؐ کا حکم تھا کہ سب مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ کفار مسلمانوں پر جو سختیاں کر رہے تھے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ عمار یاسر کے ماں اور باپ کو اتنا مارا کہ شہید ہی کر ڈالا۔ خود عمار یاسر سے نامناسب الفاظ ادا کرا کر چھوڑا اور وہ روتے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

طلحہ نے آنحضرت اور حضرت ابو بکر کے ہجرت کرتے ہوئے دیکھ کر بھی مدینہ کا رخ نہ کیا اور اپنا مال تجارت لے کر مکہ پہنچے اس مال تجارت کو فروخت کر کے کتنے مہینے میں فارغ ہوئے کوئی شہادت نہیں ہے کوئی شخص بے اطمینانی کی حالت میں دکان کھول کر نہیں بیٹھ سکتا۔ اگر حضرت طلحہ کو کفار قریش سے کسی قسم کا خوف ہوتا تو راستے سے ہی آنحضرت اور حضرت ابو بکر کے ساتھ مدینہ کی طرف چل پڑتے اور اپنا مال تجارت مکہ کی بجائے مدینہ لے جا کر بیچ لیتے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنی تمیم کے افراد کو کفار قریش سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ بڑے اطمینان سے اپنی کاروبار میں مشغول تھے اور مطمئن طور پر زندگی بسر کر رہے تھے اور در اصل انھوں نے ہجرت کی ہی نہیں تھی اور اپنے کاروبار میں مصروف رہتے پیغمبرؐ کے حکم سے ہجرت نہ کرنے کو پوشیدہ رکھنے کے لئے شام سے واپسی پر آنحضرت سے ملاقات کا افسانہ گھڑا اور کچھ شامی کپڑے بھی ہدیہ کے طور پر پیش کئے۔ اس پیغمبر کو، جس کے لئے یہ بات گھڑی تھی کہ پیغمبر نے اونٹنی ہدیہ کے طور پر لینی قبول نہ کی لیکن طلحہ سے کپڑے ہدیہ کے طور پر قبول کر لیے۔

اصل حقیقت یہی ہے کہ حضرت طلحہ بن عبد اللہ خود حضرت ابو بکر کے رشتہ دار تھے اور قبیلہ بنی تمیم سے تھے اور حضرت ابو بکر اچانک اس طرح غائب ہوئے کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلا جب عبد اللہ بن اریقط نے جو رہبر کی حیثیت سے مدینہ گیا تھا واپس آیا تو اس نے حضرت عبد اللہ بن ابو بکر کو ان دونوں بزرگواروں کے خیریت کے ساتھ پہنچ آنے کی اطلاع دی اور حضرت عبد اللہ بن ابی بکر کو حضرت ابی بکر کا اتہ پتہ بتلایا تب عبد اللہ بن ابی بکر صرف ان لوگوں کو جو حضرت ابو بکر کے خاندان میں اس وقت تک مسلمان ہو چکے تھے اپنے ساتھ لے گئے ان میں حضرت ام رومان تھیں، حضرت عائشہ تھیں وہ خود تھے اور طلحہ تھے۔ باقی حضرت ابو بکر کا باپ ابو قحافہ اور حضرت عبد اللہ بن ابی بکر کی ماں قتیلہ اور حضرت عائشہ کا برادر حقیقی عبد الرحمن بن ابی بکر ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے۔ لہذا وہ مکے میں ہی مقیم رہے

حضرت ابو بکر کے اہل وعیال کا مدینہ میں قیام اور سکونت

اس بارے میں کہ حضرت ابو بکر کے اہل وعیال نے مدینہ میں کہاں قیام کیا۔
محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر اپنی کتاب حضرت ابو بکر صدیق میں اس طرح لکھتے ہیں۔

"ابو بکر کے اہل وعیال ان کے ساتھ مقام سنخ میں خارجہ بن زید کے ہاں نہ ٹھہرے تھے۔ بلکہ ام رومان ان کی بیٹی عائشہ اور ابو بکر کے تمام لڑکے مدینہ میں حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے قریب مقیم تھے۔ ابو بکر سنخ سے روزانہ وہاں آیا کرتے تھے البتہ ان کا مستقل قیام اپنی نئی بیوی کے ساتھ سنخ میں تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق از محمد حسین ہیکل ص 55

ہیکل صاحب سے اس بیان میں یا تو سہو ہوا ہے یا عقیدہ کے طور پر یہ خیال کیا کہ حضرت ابو بکر کا سارا خاندان مسلمان ہو گیا ہو گا یہ لکھنا کہ "ابو بکر کے تمام لڑکے مدینہ میں ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کے قریب مقیم تھے"۔ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکر کے صرف دو بیٹے تھے ایک کا نام عبداللہ تھا جو حضرت اسما بنت ابو بکر کا بھائی اور قتیلہ کا بیٹا تھا دوسرا بیٹا عبدالرحمن ابن بی بکر تھا جو حضرت عائشہ بن ابی بکر کا بھائی اور ام رومان کا بیٹا تھا ان میں سے عبدالرحمن اس وقت تک ایمان ہی نہ لایا تھا اور وہ جنگ بدر میں کفار کے ساتھ ہو کر پیغمبر اسلام اور مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آیا تھا (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفائص 52)۔

البتہ ان کا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے کہ ام رومان اپنی بیٹی کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کے قریب ٹھہری تھیں چونکہ جب انہیں مدینہ آنے کے بعد معلوم ہوا کہ ابو بکر نے دوسری شادی کر لی ہے لہذا انھوں نے ابو بکر کے پاس مقام سنخ پر جانا گوارا نہ کیا اور مدینہ میں ہی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کے قریب ہی ٹھہر گئیں۔

حضرت عائشہ کے عقد اور رخصتی کا بیان تحقیق کی نظر سے

حضرت عائشہ کے پیغمبر سے عقد کے بارے میں اتنے اختلافات ہیں کہ ان روایات کے ڈھیر میں سے یہ معلوم کرنا انتہائی مشکل کام ہے کہ ان میں سے صحیح روایت کونسی ہے۔ اور غلط اور جھوٹی کونسی۔

ہم حضرت عائشہ کے عقد کے بارے میں مستند کتابوں سے چند اقتباسات ذیل میں نقل کرتے ہیں:

علامہ سید سلیمان ندوی سیرۃ عائشہ صدیقہ میں لکھتے ''حضرت عائشہ کی ازدواج کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ علامہ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کا نکاح سن ہجرت سے دو برس پہلے اور کہا جاتا ہے کہ تین برس پہلے اور یہ بھی کہا گیا ہے، ڈیڑھ برس پہلے ہوا تھا۔ سیرۃ عائشہ صدیقہ ص 27

علامہ سید سلیمان ندوی اس کے بعد لکھتے ہیں

''بعض اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین برس بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عائشہ سے نکاح کیا تھا اور بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ جس سال حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا اسی سال حضرت عائشہ کا نکاح ہوا''

سیرۃ عائشہ صدیق ص 27

اس کے بعد کوئی فیصلہ کرنے کی مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ

''اس اختلاف کے موقع پر خود حضرت عائشہ کا قول معتبر ہوسکتا ہے۔ لیکن لطف یہ ہے کہ بخاری اور مسند میں خود ان سے دو روایتیں ہیں ایک میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین برس بعد نکاح ہوا اور دوسری میں ہے کہ اسی سال کا یہ واقعہ ہے۔

سیرۃ عائشہ صدیقہ ص 28

اب ہم وہ روایات نقل کرتے ہیں جو مذکورہ تمام روایات کو جھٹلاتی ہیں

نمبر 1: ڈاکٹر طہٰ حسین مصری اپنی کتاب الشیخان میں حضرت عائشہ کی بہن حضرت اسماء کے غار میں کھانا پہنچانے کے واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ کا عقد مدینہ میں ہوا۔ ہم ان کی کتاب کے اردو ترجمہ حضرت ابو بکر صدیق سے ان کی عبارت نقل کرتے ہیں جو اس طرح ہے

"ایک موقع پر حضرت اسماء نے ناشتہ کا سامان اپنی کمر کی پیٹی کی دو دھجیاں بنا کر باندھ لیا تھا اسی مناسبت سے آنحضرت نے آپ کو ذات النطاقین کا لقب دیا نطاق یونی طوق کمر یا کمر بند۔ بعد میں یہی اسماء آنحضرت کی اہل بیت اور قرابت داروں میں بھی ہو گئیں کیونکہ رسالتماب نے آپ کی چھوٹی سوتیلی بہن ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے مدینہ میں عقد فرمایا" (حضرت ابو بکر صدیق ترجمہ الشیخان طہٰ حسین جلد 1 باب 13 ص 106)

مذکورہ بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ کے ساتھ آنحضرت کا عقد ہجرت کے بعد ہوا اور مدینہ آنے کے بعد ہوا

نمبر 2 اور محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر اپنی کتاب "الفاروق عمر" میں حضرت حفصہ سے حضور کے نکاح کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اسی کے ضمن میں حضرت عائشہ سے عقد کی مماثلت کو بیان کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں۔

"حضرت حفصہ بنت عمر خنیس بن حذافہ کی بیوی تھیں جو سابقون الاولون میں سے تھے واقعہ بدر سے چند مہینے پہلے خنیس نے حضرت حفصہ کو چھوڑ دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ جس طرح اس سے پہلے حضرت عائشہ بنت ابی بکر سے کیا تھا۔ حضرت عمر فاروق اعظم ص۔ 78

اس روایت میں ہیکل صاحب نے واضح الفاظ میں لکھا کہ حضرت عائشہ کا نکاح ہجرت کے بعد مدینہ آکر ہوا وہ اس نکاح کے بارے میں ایک بات مزید لکھتے ہیں کہ ''جس طرح حفصہ کا نکاح اسی طرح حضرت عائشہ کا نکاح ہوا۔حضرت حفصہ کا نکاح خنیس کے طلاق دینے بعد مطلقہ سے ہوا اور حضرت عائشہ کا نکاح مسلمان عورت کا کافر سے نکاح فسخ ہونے کا حکم نازل ہونے کے بعد ہوا یعنی اب وہ جبیر ابن معطم کی بیوی نہ رہیں تھیں

نمبر 3: اور مورخ شہیر ابن خلدون کا بیان ان کی تاریخ ابن خلدون سے سابقہ صفحات میں حضرت عائشہ کی ہجرت کے بیان میں نقل کر آئے ہیں جس میں انھوں نے واضح طور پر لکھا کہ عبداللہ بن ابی بکر معہ اپنی بہن عائشہ اور ان کی ماں ام رومان اور طلحہ بن عبداللہ کے مکہ سے ہجرت کر کے مدینے پہنچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ کے ساتھ عقد کیا'' تاریخ ابن خلدون جلد 1 صفحہ 72

جب ہم تمام روایات کا پورے غور کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں تو کچھ ایسے حقائق سامنے آتے ہیں جن سے اصل حقیقت اور صحیح بات تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اگر ان سیرۃ نگاروں کے خیال میں کسی بات سے اصحاب پیغمبر کی انہیں کچھ سبکی محسوس ہوتی ہو تو فوراً ایسی بات بناتے ہیں کہ اس سے پیغمبرؐ کی توہین ہوتی ہو تو بے شک ہوتی رہی لیکن اصحاب پیغمبر کی ان کے خیال میں جو سبکی ہو رہی ہے وہ نہ ہونے پائے۔یا معاویہ اور بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے اصحاب کی شان میں جو حدیثیں گھڑی گئی تھیں ان کو قبول کرتے وقت قطعاً یہ نہیں دیکھتے کہ کہیں اس سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین اور ہتک تو نہیں ہو رہی چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی سیرۃ عائشہ صدیقہ میں:

''عائشہ صدیقہ کی رخصتی، کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

''حضرت عائشہ کو صحت ہوئی تو حضرت ابو بکر نے آکر عرض کی یا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اب آپ اپنی بیوی کو اپنے گھر کیوں نہیں بلوا لیتے ۔آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لئے روپے نہیں ہیں ۔گذارش کی کہ میری دولت قبول ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ اور ایک سو درہم یعنی سو روپے حضرت ابو بکر سے قرض لے کر حضرت عائشہ کے پاس بھجوا دیئے (سیرۃ عائشہ صدیقہ ص 31)

(بحوالہ طبقات ابن سعد ص 43)

اور تذکار صحابیات کا مصنف رخصتی کا حال اس طور پر لکھتا ہے کہ

"جب صحت بحال ہوئی تو صدیق اکبر نے حضور سے عرض کیا یا رسول اللہ ۔ عائشہ کو اب رخصت کیوں نہیں کرا لیتے ۔فرمایا فی الحال میرے پاس مہر نہیں ہے ۔صدیق اکبر نے اپنے پاس سے پانچ سو درہم حضور کی خدمت میں بطور قرض حسنہ پیش کئے جو آپ نے قبول فرمائے اور وہی حضرت عائشہ کے پاس بھیج کر انہیں شوال سنہ 1 (یا بروایت دیگر 2 ھ میں رخصت کرا لیا ۔اس وقت حضرت عائشہ کی عمر 9 سال کی تھی بعض سیرۃ نگار اس طرح لکھتے ہیں کہ رخصت کے وقت حضرت عائشہ کی عمر سترہ برس کے لگ بھگ تھی ۔

تذکرہ صحابیات ص 49

رخصتی کے سلسلہ میں مذکورہ سیرۃ نگاروں نے جو باتیں بیان کی ہیں ان میں سے حسب ذیل باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں:

۱۔ اس زمانے میں نکاح کس طرح ہوتا تھا؟ اور مہر کب ادا کیا جاتا تھا؟

۲۔ کیا واقعاً پیغمبرؐ اتنے فقیر ہو گئے تھے کہ مہر ادا کرنے کو بھی ان کے پاس روپے نہیں تھے؟

۳۔ کیا واقعاً حضرت ابو بکر اس وقت اتنے امیر تھے کہ پیغمبر کو مہر کی رقم قرض دیتے؟

۴۔ کیا سیرۃ نگاروں کی یہ بات صحیح ہو سکتی ہے کہ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر سترہ 17 سال تھی؟

اب ہم مذکورہ سوالات پر علیحدہ علیحدہ غور کرتے ہیں

پہلے سوال کے لئے خود حضرت عائشہ کا بیان کافی ہے۔ آپ زمانہ جاہلیت کے نکاحوں کی چار اقسام کا بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ:

''زمانہ کفر میں نکاح چار طرح کے ہوتے تھے۔ ایک تو وہ نکاح ہے جو آج ہوتا ہے کہ کوئی دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا بہن کے نکاح کا پیغام دیتا۔ مہر ادا کرتا اور نکاح کرتا ہے''۔ تلخیص الصحاح جلد ششم ص-145

اس کے بعد آپ زمانہ جاہلیت کے باقی کے تینوں طریقوں کا بیان کرنے کے بعد فرماتی ہیں کہ:

جب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیغمبر ہوئے تو کفر کے زمانے کے سب نکاح موقوف کر دیئے مگر جو نکاح اس وقت لوگ کرتے ہیں قائم رہا۔ بخاری اور ابو داؤد اس کے راوی ہیں۔ تلخیص الصحاح جلد ششم ص 145

مذکورہ روایت تلخیص الصحاح میں بخاری اور ابو داؤد سے نقل کی گئی ہے حضرت عائشہ کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ اس زمانے میں نکاح کے لئے مہر پہلے ادا کیا جاتا تھا اور نکاح بعد میں ہوتا تھا تو یقینی طور پر پیغمبر مہر ادا کئے بغیر نکاح نہیں کر سکتے تھے مکہ میں آپ کے پاس اس وقت روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی۔ علاوہ ازیں پیغمبر نے جتنے بھی نکاح کئے وہ مہر ادا کئے بغیر نہیں کئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود اپنی دختر حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا نکاح مہر لئے بغیر نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت علیؑ کے پاس اس وقت دینے کے لئے کچھ نہ تھا۔ لہذا ان کی زرہ بکوا کر مہر وصول کیا۔ کیا ان حالات میں کوئی تصور کر سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر کی بیٹی حضرت عائشہ سے نکاح مفت میں پڑھوا لیا ہوگا؟ مکہ میں مہر کا ادا نہ کرنا جب کہ آپ مرفہ الحال تھے اس بات کا ثبوت ہے کہ آنحضرت کا مکہ میں رہتے ہوئے قطعاً نکاح

نہیں ہوا۔ مکہ میں نکاح کی داستان گھڑنے والے بہت دور کی کوڑی نکال کر لائے ہیں اور ایسی داستان عشق کا رشتہ حضرت ابو بکر کی خلافت کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور اسی مقصد کے لئے یہ داستان گھڑی گئی ہے پس آنحضرت کا حضرت عائشہ بنت ابو بکر کے ساتھ مکہ میں رہتے ہوئے ہرگز ہرگز نکاح نہیں ہوا بلکہ یقینی طور پر محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر کا بیان ان کی کتاب حضرت عمر فاروق اعظم ص 78 میں اور طہ حسین مصری کا بیان ان کی کتاب حضرت ابو بکر صدیق جلد 1 باب 13 ص 106 میں اور مورخ شہیر ابن خلدون کا بیان ان کی تاریخ ابن خلدون حصہ اول صفحہ 72 میں بالکل صحیح اور درست ہے کہ حضرت عائشہ کا عقد مدینہ آنے کے بعد ہوا اور مکہ والی تمام روایات بالکل غلط ہیں جھوٹا پروپیگنڈہ ہے اور بنی امیہ کا ایک تیر سے دو شکار کرنے کے مترادف ہیں جن میں پہلا شکار خود پیغمبر گرامی اسلام کی ذات والاصفات ہے جن کی ان روایات میں ایسی تصویر کشی کی گئی ہے جن سے رنگیلا رسول ہی لکھا جا سکتا ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ کیا واقعاً پیغمبر کے پاس اب مدینہ میں مہر ادا کرنے کے لئے روپے نہیں تھے تو اس بات کی تحقیق دوسرے سوال کے جواب میں پیش کی جا رہی ہے۔

نمبر 2: دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا واقعاً پیغمبر مدینہ میں اتنے فقیر ہو گئے تھے کہ مہر ادا کرنے کو بھی روپے نہ تھے۔

حالانکہ قرآن مجید میں آیا ہے" ووجدک عائلاً فاغنیٰ " (والضحیٰ)

اے میرے حبیب تم تنگ دست تھے ہم نے تمہیں (خدیجہ کی دولت کا مالک بنا کر) غنی کر دیا۔

کوئی شخص یہ گمان نہ کرے یہ غنی کرنا اسلامی جنگوں میں مال غنیمت کا خمس ملنے کی بناء پر تھا کیونکہ سورۃ والضحیٰ پہلی سورہ ہے جس میں پیغمبر کو فامہ بنعمۃ ربک فحدث کے ذریعہ اپنی نبوت کا اظہار کرنے کا حکم ملا ہے پس حتماً اس سورہ میں ووجدک عائلاً

فاغنیٰ سے مراد حضرت خدیجہؑ کے مال سے غنی اور مرفہ الحال کرنے کا بیان ہوا ہے۔

اور سورۃ والضحیٰ کی اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ ملکۃ التجار تھیں ان کی تجارت کے قافلے کا مال تمام تاجروں کے مال کے برابر ہوتا تھا اور جب سے پیغمبر اکرمؐ نے خدیجہؑ کے ساتھ تجارت میں شرکت کی تھی تو ہر دفعہ دگنا منافع ہوتا تھا۔ لہذا خدیجہ کے مال سے تجارت کی مشارکت سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کافی دولت حاصل ہوئی اور خود حضرت خدیجہؑ کی دولت بھی نکاح کے بعد آپ ہی کے پاس آگئی اور مکہ سے ہجرت کے وقت جو کچھ آپ اپنے ساتھ لے جاسکتے تھے وہ حتماً ان تین اونٹوں پر لاد کر لے گئے تھے جو حضرت علیؑ نے بحرین کے اونٹوں میں سے خرید کر رات کے پچھلے حصے میں پہنچائے تھے ان اونٹوں پر پیغمبر کی زیر تحویل درہم و دینار لے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

پھر پیغمبرؐ کے جانے کے بعد تیسرے دن حضرت علی اپنی والدہ اور پیغمبر کے اہل و عیال کو ساتھ لے جا کر جتنا قیمتی سامان اٹھایا جاسکتا تھا ہمراہ لے کر مدینہ روانہ ہوئے تھے اور مقام قبا پر۔ جہاں پیغمبر آپ کا اور اپنی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا انتظار کررہے تھے۔ جا ملے۔ گویا پیغمبر کے پاس مکہ میں جو مال و دولت تھی اس کے مدینہ پہنچ جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی سوائے جائیداد غیر منقولہ کے وہ اونٹوں پر لادی نہیں جاسکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کی سواری ابوایوب انصاری کے گھر کے قریب سے گذری اور آنحضرت کا ناقہ دو یتیموں کی زمین میں آکر بیٹھ گیا اور یہاں مسجد بنی تجویز ہوئی تو حضرت نے انصار کے اصرار شدید اور درخواست کے باوجود بغیر قیمت کے زمین نہ لی بلکہ اس زمین کی قیمت ادا کی۔ ابن صباغ مالکی اپنی کتاب فصول المہمہ میں لکھتے ہیں

"اشتراہ رسول اللہ بعشرۃ دینا"

"یعنی رسول اللہ نے دس دینار میں وہ زمین خریدی"

یہ دینار پیغمبر کے پاس کہاں سے آئے تھے؟ یہی دولت تھی جو کچھ تو حضرت علی نے ان اونٹوں پر لاد کر پہنچائی تھی جو حضرت علی نے بحرین کے اونٹوں میں سے خرید کر پہنچائے تھے اور کچھ دولت وہ تھی جو حضرت علیؑ خود اونٹوں پر لاد کر ہمراہ لے گئے۔ اور حضرت علیؑ پیغمبر کے جانے کے بعد تیسرے دن اپنی والدہ اور پیغمبر کے اہل وعیال کو ساتھ لے کر جتنا قیمتی سامان اٹھایا جاسکتا تھا ہمراہ لے کر مدینہ روانہ ہوئے تھے اور مقام قبا جہاں پر پیغمبر اکرم صلعم ان کا اور اپنی بیٹی کا انتظار کر رہے تھے جا ملے۔ گویا پیغمبر کے پاس مکہ میں جو مال و دولت تھی اس کے مدینہ پہنچ جانے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی سواری ابو ایوب انصار کے گھر کے قریب سے گذری اور آنحضرت کا ناقہ دو یتیموں کی زمین کے پاس آکر بیٹھ گیا اور یہاں مسجد بنی تجویز ہوئی تو آنحضرت نے بغیر قیمت کے زمین لینی قبول نہ کی اور اس زمین کے دام ادا کئے جیسا کہ ابن صباغ مالکی کی کتاب فصول المہمہ کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ رسول اللہ نے دس دینار میں وہ زمین خریدی۔ لہذا حتماً و یقیناً حضرت علیؑ اپنے ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی وہ دولت لائے تھے تو زمین کی قیمت کے طور پر ادا کئے۔ لہذا پیغمبر کے بارے میں یہ کہنا کہ میرے پاس مہر دینے کے لئے روپے نہیں ہیں۔ سراسر پیغمبرؐ کی توہین کے لئے گھڑی ہوئی بات ہے اور مفت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو حضرت ابو بکر کے مالی فائدے کے بوجھ تلے دبانے کی بات ہے البتہ دوسرے مہاجرین، انصار کے گھروں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک ایک انصاری نے ایک ایک مہاجر کو اپنے یہاں رکھا ہوا تھا اور وہی ان کی کفالت کرتے تھے۔ لیکن انصار نے جب پیغمبرؐ کی اپنے مال سے مدد کرنی چاہی اور تبلیغ رسالت کے ہدیہ میں اجرت کے طور پر کچھ دینا چاہا تو قرآن نے ان کو ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا کہ:

قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ

میں تم سے اپنی رسالت کی ادائیگی کا کوئی اجر نہیں چاہتا۔ سوائے اس کے میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔ پس پیغمبر پر یہ تہمت لگانا کہ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس مہر دینے کے لئے روپے نہیں ہیں سراسر من گھڑت داستان ہے اور جھوٹا افسانہ ہے۔ جو اس حقیقت کو چھپانے کے لئے گھڑا گیا ہے کہ پیغمبر سے حضرت عائشہ کا نکاح مدینہ میں ہوا تھا۔ اور مسلمان عورت کا کافر پر حرام ہو جانے کے بعد حضرت ابو بکر کی درخواست پر حضرت اسماء کے نکاح کے بعد ہوا تھا۔

اب ہم تیسرے سوال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا واقعاً حضرت ابو بکر اس وقت اتنے امیر تھے کہ پیغمبرؐ کو مہر کی رقم قرض دیتے۔

اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے بہت سے واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں

نمبر 1: سابق میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو بکر قرآن کی رو سے بھی اور بخاری کی روایت کی رو سے بھی باہر کے باہر پیغمبر کے گھر سے ہی سیدھے غار میں پہنچے اور غار سے حضرت علیؑ کے مہیا کردہ اونٹ پر سوار ہو کر عبداللہ بن اریقط کی رہنمائی میں مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، ان کے پاس مدینہ سے چلتے وقت ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی اور جھوٹے افسانوں اور من گھڑت داستانوں کا سابقہ اوراق میں اچھی طرح سے پول کھل چکا ہے۔

نمبر 2: حضرت ابو بکر خود خارجہ بن زید کے گھر ان کے دست نگر تھے اور ان کی امداد پر گذر بسر کر رہے تھے۔

نمبر 3۔ کافی عرصہ کے بعد جب ان کی بیوی ام رومان اور ان کی بیٹی حضرت عائشہ اور ان کا بیٹا عبداللہ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو وہ مدینہ میں حضرت ابو ایوب انصاری کے محلّہ میں ٹھہر گئے اور حضرت ابو بکر کے دوسری شادی کر لینے کی وجہ سے ان کے پاس جانا انھوں

نے گوارا نہ کیا نہ بیوی نے نہ بیٹی نے اور نہ ہی بیٹے نے ۔لہذا اگر وہ کچھ اپنے ہمراہ لائے بھی ہوں گے تو وہ ان ہی کے قبضہ و تصرف میں ہوگا۔

نمبر 4: مہاجرین کی حالت بیان کرنے والی ایک وہ روایت ہے جو تذکار صحابیات کے مصنف نے خود حضرت اسماء بنت ابی بکر کے نکاح کے بارے میں لکھی ہے وہ لکھتا ہے کہ:

"صحیح بخاری میں خود حضرت اسما سے روایت ہے ۔زبیر نے مجھ سے نکاح کیا۔ اس وقت نہ تو ان کے پاس زمین تھی نہ غلام نہ کچھ اور سوائے ایک اونٹ اور ایک گھوڑے کے ۔میں ان کے گھوڑے کو دانہ کھلاتی تھی پانی بھرتی تھی ، ڈول کھینچتی تھی ، آٹا گوندھتی تھی ۔انصار کی چند عورتیں جو میری ہمسایہ تھیں روٹی پکا دیتی تھیں ۔ تذکار صحابیات ص 191

یہ حالت تھی حضرت زبیر کی جو آزادانہ طور پر ہجرت کر کے آئے تھے اور حضرت ابو بکر تو باہر سے باہر آئے تھے انہیں تو گھر مڑ کر جانے کا موقع ہی نہ ملا۔

نمبر 5: ان تمام باتوں کے علاوہ تاریخ خمیس کے الفاظ مہاجرین کی ناداری خصوصاً حضرت ابو بکر کے فقر پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہیں ۔تاریخ خمیس میں ہے

" فقسم اموال بني نصير علي المهاجرين حسب ما اقتضته المصلحة فعين لابي بكر و عمر و عبدالرحمٰن ضياعاً معروفة و من الانصار اعطىٰ سهيل بن حنيف و ابا دجانه شئيا لفقرهما و حاجتهما .

تاریخ خمیس

یعنی آپ نے بنی نضیر کے اموال کو اقتضائے مصلحت کے مطابق تقسیم کیا۔ابو بکر۔ عمر ۔عبدالرحمٰن بن عوف، صہیب اور ابی سلمہ کو معروف زمینیں دیں اور انصار میں سے سہیل ابن حنیف اور ابو دجانہ انصاری کو ان کے فقر اور احتیاج کے لحاظ سے کچھ عطا کیا۔

اس آخری عبارت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف سہیل اور ابو دجانہ کو فقر اور احتیاج کی بنیاد پر عطا کیا گیا اور باقی لوگوں کو دولتمند ، مالدار اور فارغ البال ہونے کے

باوجود عطا کیا گیا۔ بلکہ صورت معاملہ یہ تھی کہ مہاجرین کو عطا کرنا ان کے فقر وافلاس کی وجہ سے ہی تھا کیونکہ وہ لوگ اپنے گھربار اور روزگار چھوڑ کر آئے تھے اور دوسری جگہ نہ کپڑے کی دوکانیں بغیر پیسے کے ہوسکتی تھیں نہ فوراً جم سکتی تھیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف مہاجرین کو عطا فرمایا اور انصار میں سے صرف دو افراد یعنی سہیل ابن حنیف اور ابو دجانہ انصاری کا استثنا کیا کہ وہ بھی ان کے فقر واحتیاج کی وجہ سے تھا۔ لہذا وہ تمام روایتیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر کے پاس ہجرت کے وقت اتنے درہم تھے بالکل غلط، جھوٹ اور بے بنیاد ہیں جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی مذکورہ حقائق کی موجودگی میں ایسا ممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً مہاجرین میں سے بھی صرف ان کو دیتے جو مفلس تھے جو فقیر تھے اہل زر کو اور مالدار لوگوں کو نہ دیتے۔

"کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم"۔ (الحشر)

"تا کہ دولت تمہارے اغنیاء کے درمیان میں گھومتی نہ رہے"

اگر فی الحقیقت ان کی حالت بہتر ہوتی تو یہ واقعات نہ ہوتے کہ ایک ایک انصاری ایک ایک مہاجر کا زمانہ دراز تک کفیل رہا۔ وہ جس کے پاس پیسہ ہوتا اس کے پیسہ کو بھی لوگ جانتے اور دوسروں کی روٹی پر پڑا رہنا خود اسے گوارا نہ ہوتا۔ بشرطیکہ اس میں غیرت ہوتی۔

البتہ ایک اور طبقہ ایسا ہے جن کے لئے قرآن نے فقر اور تنگدستی کی شرط عائد نہیں کی۔ اس طبقہ کو قرآن کی اصطلاح میں "المولفة قلوبهم" کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے خدا کو ایک مان لیا مگر اس بات کی معرفت ان کے دل میں نہیں آئی کہ محمد اس کے رسول ہیں۔ پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے لوگوں کی تالیف قلوب کے لئے انہیں بھی ایسے موقعوں پر بڑھ چڑھ کر عطا فرمایا کرتے تھے۔ تا کہ وہ رسول کے دل سے قائل ہوجائیں اور ان کے دل میں پیغمبرؐ کی معرفت ہوجائے۔ اور مذکورہ سیرۃ نگاران حضرات کو

شاید اس قسم میں سے سمجھنے کے لئے تیار نہ ہوں لہذا اس بات کے ماننے میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ یہ مہاجرین اس وقت تک بے گھر، بے در، مفلس، فقیر اور تنگدست تھے اور انصار مدینہ کے دست نگر تھے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بنی نضیر کو جنگ احد کے بعد 3 ہجری میں جلاوطن کیا گیا جو یہود کا مدینہ میں سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ سورۃ حشر میں ان کی جلاوطنی کا حال تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے جو اپنا سارا مال و دولت زمینیں اور باغات مکانات و محلات چھوڑ کر جلا وطن ہوئے تھے اور چونکہ یہ سارا مال و منال مسلمانوں کے لڑے بغیر حاصل ہوا تھا لہذا وہ حکم خدا کے مطابق پیغمبرؐ کا خالصہ تھا لیکن پیغمبرؐ نے اس میں سے از خود فقرائے مہاجرین و انصار کو عطا کیا۔ لہذا اگر پیغمبرؐ کے کرنے سے مہاجرین کے پاس کچھ دولت پہنچی تھی تو پیغمبر تو خود اس سارے مال و منال زمینوں اور باغات، مکانات و محلات کے مالک تھے۔ اگر یہ مہاجرین اصحاب پیغمبر کی پیغمبر کے عطا کرنے سے کچھ حالت سنبھل گئی تھی تو پیغمبر تو ان سے زیادہ مرفہ الحال تھے۔ لہذا ان کی طرف سے نسبت دے کر یہ کہنا کہ میرے پاس مہر دینے کے لئے نہیں ہے صریح کذب بیانی اور جھوٹی بات ہے دوسرے بنی نضیر کے مال سے کچھ حاصل ہونا بھی 3 ھ کا واقعہ ہے۔ جبکہ آنحضرت کی حضرت عائشہ کے ساتھ عقد یا رخصتی کے بارے میں 1 ھ بیان کیا گیا ہے اور بعض نے 2 ھ لکھا ہے اور 1 ھ بیان میں حضرت ابوبکر کو مذکورہ دولت نہیں ملی تھی۔

نمبر 4: چوتھا سوال یہ ہے کہ کیا جدید سیرۃ نگاروں کی یہ تحقیق صحیح ہو سکتی ہے کہ مدینہ میں نکاح کے وقت حضرت عائشہ کی عمر سترہ (17) برس تھی۔

لیکن علامہ سید سلیمان ندوی نے اس بات پر اصرار کیا ہے کہ حتماً نکاح بھی حضرت عائشہ کا مکہ میں ہوا اور نکاح کے وقت حضرت عائشہ چھ برس کی تھیں

ان کا یہ اصرار صرف ان روایات کی بناء پر ہے جن میں ریشم کے کپڑے میں

حضرت عائشہ کی تصویر دکھانے اور آنحضرتؐ کے عاشق ہو جانے کو بیان کیا گیا ہے ورنہ حضرت عائشہ کی ولادت کے بارے میں خود انھوں نے یہ لکھا ہے کہ:

''حضرت ام رومان کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی سے ہوا تھا۔عبداللہ کے انتقال کے بعد وہ حضرت ابو بکر کے عقد میں آئیں ان سے حضرت ابو بکر کی دو اولادیں ہوئی۔ عبدالرحمن اور حضرت عائشہ۔حضرت عائشہ کی ولادت کی تاریخ سے تاریخ و سیرۃ کی عام کتابیں خاموش ہیں۔ سیرۃ عائشہ صدیقہ سلمان ندوی ص 21

جب خود ان کے نزدیک تاریخ و سیرۃ کی عام کتابیں حضرت عائشہ کی ولادت کی تاریخ سے خاموش ہیں تو پھر انہیں کہاں سے یہ پتہ چلا کہ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر چھ سال کی تھی۔صرف ریشم کے کپڑے میں تصویر دکھانے اور حضرت کے ان پر عاشق ہو جانے والی روایت میں یہ کہا گیا ہے۔اور ایسی ہی روایتوں سے ہی رنگیلا رسول لکھی گئی ہے۔اور یہ سب روایتیں معاویہ اور بنی امیہ کے حکمرانوں نے عظمت ناموس رسالت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے گھڑوائی ہیں اور حضرت ابو بکر کی بیٹی حضرت عائشہ کے نام کو اپنے اس غلط مطلب کے لئے استعمال کیا ہے تاکہ مسلمان حضرت ابو بکر کی عقیدت میں ان کی اس خرافات کو ہضم کر جائیں۔

ایک بات جس کی کسی سیرۃ نگار نے تردید نہیں کی ہے وہ حضرت عائشہ کی جبیر ابن معطم سے منگنی کی بات ہے جو ان سیرۃ نگاروں کے نزدیک انھوں نے یہ منگنی اس لئے توڑی کہ حضرت ابو بکر اور ان کا خاندان مسلمان ہو گیا ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ جب کہا جاتا ہے کہ پیغمبر کے ساتھ نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا اور ہجرت سے تین سال پہلے یعنی 10 نبوی میں ہوا۔

(سیرۃ عائشہ صدیقہ سلمان ندوی ص 21)

اور پیغمبرؐ کے ساتھ نکاح جبیر ابن معطم سے منگنی ٹوٹنے کے بعد ہوا تو اس سے یہ

لازم آتا ہے کہ جبیر ابن معطم سے منگنی یا نکاح چھ سال سے بھی کم عمر میں ہوئی تھی ۔

لہذا اب غور طلب بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے لئے تو یہ بات بنائی جاسکتی ہے کہ آپ کا دل بہلانے کے لئے چھ برس کی عمر میں حضرت عائشہ کا نکاح ہوا۔لیکن جبیر ابن معطم کے ساتھ چھ برس سے بھی کم عمر میں منگنی یا نکاح کس بناء پر کی تھی ۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہ اور عبدالرحمن بہن بھائی تھے ۔اور حضرت عائشہ عبدالرحمن ابن ابی بکر کی چھوٹی بہن تھیں جو عبدالرحمٰن سے عمر میں کچھ ہی چھوٹی تھیں اور عبدالرحمن جنگ بدر میں کفار کے ساتھ ہو کر لڑنے آیا تھا لہذا لازماً اس وقت اس کی عمر 24-25 سال سے کم نہیں ہو سکتی ۔اور تذکار صحابیات ص 184 کے مطابق حضرت ابو بکر کی پہلی بیوی قتیلہ سے پیدا ہونے والی بیٹی اسما بنت ابو بکر کی عمر بوقت ہجرت 27 سال تھی اور عبداللہ ان سے بڑا تھا۔لہذا جدید سیرۃ نگاروں کی یہ تحقیق بالکل صحیح ہو سکتی ہے کہ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر 17 سال کی تھی ۔اور اس طرح جبیر ابن معطم سے منگنی یا نکاح جو کچھ بھی تھا وہ بھی خلاف عقل محسوس نہیں ہوتا۔

اور ڈاکٹر طہٰ حسین مصری کی کتاب حضرت ابو بکر صدیق جلد 1 باب 13 ص 106 کے مطابق اور محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر کی کتاب حضرت عمر فاروق اعظم کے ص 78 کے مطابق اور ابن خلدون کی تاریخ ابن خلدون کے ص 72 کے مطابق حضرت عائشہ کے عقد کا مدینہ آنے کے بعد ہونا بھی عین قرین عقل ہے کیونکہ مدینہ آنے کے بعد مسلمان عورت کا مشرکوں کے ساتھ نکاح حرام ہو چکا تھا اور جو نکاح ہوئے تھے وہ فسخ ہو گئے تھے لہذا آنحضرت نے حضرت ابو بکر کی پریشانی کو دور کرنے کے لئے حضرت ابو بکر کی درخواست پر حضرت عائشہ سے مدینہ میں اپنے پاس سے پانچ سو درھم مہر ادا

کر کے عقد فرمایا۔

اس کے علاوہ تمام روایات خود ساختہ حکایات، جھوٹے افسانے اور من گھڑت داستانیں ہیں جو بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے توہین رسالت کے لئے گھڑی گئی ہیں اور راجپال جیسے لوگوں کو مواد فراہم کرنے والی ہیں۔ کیا کوئی تصور کر سکتا ہے کہ آنحضرت کی شادی حضرت عائشہ سے مکہ میں ہوئی اور تین سال تک مکہ میں رخصت کر کے نہ لائیں اور مدینہ آنے کے بعد بھی ان کی طرف توجہ نہ فرمائیں۔ حضرت ابو بکر اپنی نئی بیوی کے پاس رہیں اور حضرت عائشہ اپنی ماں کے پاس بے سہارا رہیں اور آنحضرت کو ذرا بھی خیال نہ آئے کہ میری بیوی ایک سال یا دو سال سے مدینہ آئی ہوئی ہے اس کا نان ونفقہ میرے ذمہ ہے میں اسے گھر لے آؤں خود تو کہنے سے رہے تھے جب حضرت ابو بکر نے کہا کہ آپ اپنی بیوی کو بلا کیوں نہیں لیتے؟ تو بڑی بے رخی سے کہا کہ میرے پاس مہر دینے کے لئے روپے نہیں ہیں افسانہ نگاری کرنیوالے عموماً جھوٹے افسانے گھڑتے ہیں مگر ایسے سلیقے سے کہ ان پر سچ کا گمان ہوتا ہے مگر آنحضرتؐ کے بارے میں بنی امیہ کے من گھڑت افسانے ایسے پھوا پے سے گھڑے گئے ہیں کہ ان میں سچ کا دور دور تک نشان دکھائی نہیں دیتا اور جھوٹ صاف جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت عائشہ سے نکاح کرنے کی جو صحیح صورت ہو سکتی ہے وہ ہم نے اپنی مذکورہ تحقیق میں پیش کر دی ہے جس سے نہ تو پیغمبر کی توہین ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے راجپال جیسے مصنفین کو رنگیلا رسول جیسی کتاب لکھنے میں مواد فراہم ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں حضرت ابو بکر یا حضرت عائشہ کی شان میں کچھ فرق آتا ہے۔

اب ہم حضرت عائشہ کے عقد اور رخصتی کے بیان کو یہیں پر ختم کرتے ہیں اور ہجرت پیغمبرؐ کے بعد کے مشہور واقعات کو سن وار احاطہ تحریر میں لاتے ہیں۔

1 ھجر کے واقعات

مسجد نبوی کی تعمیر

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ مدینہ میں نزول اجلال فرمانے کے بعد سات ماہ تک ابو ایوب انصاری کے مکان پر قیام پذیر رہے اس عرصہ میں نہ نماز کے لئے کوئی جگہ مخصوص تھی اور نہ رہائش کے لئے کوئی مستقل منزل تھی۔ آپ نے گھر کی تعمیر کے ساتھ مسجد کی تعمیر بھی ضروری سمجھی اور ابو ایوب انصاری کے مکان سے متصل ایک افتادہ زمین جس میں مویشی بندھے رہتے تھے تعمیر مسجد کے لئے منتخب فرمائی۔

یہ زمین جناب عبدالمطلب کے ننھیال بنی نجار کی تھی۔ آنحضرت نے ان سے بہ قیمت خریدنا چاہی مگر انھوں نے قیمت لینے سے انکار کردیا۔ اور زمین کی پیش کش کرتے ہوئے کہا کہ ہم قیمت کے بجائے ثواب اخروی چاہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اسے قیمت ادا کیے بغیر لینا گوارا نہ کیا لیکن چونکہ وہ زمین بنی نجار کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی جن کے نام سہل اور سہیل تھے اور اسعد ابن زرارہ کی زیر تربیت تھے لہذا آنحضرت نے اسعد کے ذریعہ وہ زمین بہ قیمت خرید لی۔ سیرۃ امیر المومنین ص 181-182

یہ وہ حقیقت ہے جسے تمام مورخین اور سیرۃ نگاروں نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ ابن صباغ مالکی اپنی کتاب فصول المہمہ میں لکھتے ہیں کہ

"اشتراه رسول الله بعشرة دینار"

"پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ زمین دس دینار میں خرید فرمائی"

فصول المہمہ ابن صباغ مالکی

مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت دو عظیم پیش گوئیاں

مسجد نبوی کی تعمیر میں تمام اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے حصہ لیا۔ خود پیغمبر اکرم اپنے اصحاب کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر لانے میں مصروف تھے کہ آپ نے دیکھا کہ عمار یاسرؓ گرد میں اٹے ہوئے ہیں اور دو دو پتھر اٹھا کر لا رہے ہیں۔ حضور انور نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا:

" ویح عمار یقتله الفئة الباغیة ۔ عمار یدعوهم الی الله و یدعوه الی النار " بخاری شریف مترجم پ 11 ص 48

ہائے عمار کو باغی لوگ قتل کریں گے۔ عمار ان کو اللہ کی طرف بلائے گا اور وہ عمار کو دوزخ کی طرف بلائیں گے۔

یہ پیش گوئی دیکھنے میں ایک نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں یہ پیش گوئی دو عظیم پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔

نمبر 1: حضرت عمار یاسرؓ کے قتل کی پیش گوئی

نمبر 2: عمارؓ کو قتل کرنے والوں کے بارے میں ان کے باغی ہونے کی پیش گوئی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی یہ دونوں پیشین گوئیاں من وعن پوری ہوئیں اور عمار یاسر جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمرکاب معاویہ کی فوج سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کا یہ ارشاد اکثر صحابہ نے سنا تھا لہذا عمار کی شہادت سے شامیوں کے ذہنوں میں انتشار پیدا ہوگیا۔ اور ان کا باغی ہونا بے نقاب ہوگیا کیونکہ ان میں سے ایک طبقہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا یہ ارشاد سن رکھا تھا " **تقتله الفئة الباغیة الناکیة عن الطریق و ان آخر رزقه ضیاع من لبن** " سیرۃ امیر المومنین ص 658 بحوالہ تاریخ کامل ج 3 ص 157

یعنی انہیں ایک باغی گروہ قتل کردیگا جو سیدھی راہ سے منحرف ہوگا اور اس کا آخری رزق دودھ ہوگا جس میں پانی ملا ہوا ہو۔ اور اسلئے جب آپ کے غلام راشد نے دودھ میں پانی ملا کر پیش کیا آپ نے اس میں سے کچھ پیا اور کہا

" صدق الله و رسوله اليوم القى الاحبة محمداً و حزبه قال رسول الله ان آخر رزقي من الدنيا ضحة لبن" سیرۃ امیر المومنین ص 657

بحوالہ تاریخ ابو الفدا ءج 1 ص 176

اللہ اور اس کے رسول کی ہر بات سچ ہے میں آج اپنے دوستوں سے ملاقات کروں گا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ اور ان کے گروہ سے رسول اللہ فرما گئے تھے کہ اس دنیا میں میرا آخری رزق پانی ملا ہوا دودھ ہوگا۔

عمار یاسر کی شہادت پر عمرو بن عاص کے بیٹے عبد اللہ کے دل میں بھی کھٹک پیدا ہوئی اور اس نے اپنے باپ عمرو سے کہا کہ آج ہم نے اس شخص کو قتل کیا جس کے چہرے سے پیغمبر اکرمؐ نے اپنے ہاتھ سے گرد جھاڑتے ہوئے فرمایا تھا:

" ويحک يابن سمية الناس ينقلون لبنة لبنة و انت تنقل لبتين رغبة في الاخر وانت معه ذالک تقتلک الفئة الباغية"

سیرۃ امیر المومنین ص 658

بحوالہ تاریخ کامل ج 3 ص 158

یعنی اے سمیہ کے بیٹے (عمار) لوگ تو ایک ایک اینٹ اٹھا رہے ہیں اور تم اجرو ثواب کی خاطر دو دو اینٹیں اٹھاتے ہو تمہیں ایک باغی گروہ قتل کریگا۔

ابن عاص نے معاویہ سے کہا کہ تم نے سنا کہ عبد اللہ کیا کہتا ہے۔ معاویہ نے عبد اللہ اور دوسرے عوام کی پریشان ذہنی پر قابو پانے کے لئے فوراً کہا

" انحن قتلناه انما قتله من جاء به" تاریخ کامل ج 3 ص 158

کیا ہم نے اسے قتل کیا ہے؟ قتل تو اس نے کیا ہے جو انہیں اپنے ساتھ لے کر آیا تھا حضرت علیؑ نے یہ پر فریب تاویل سنی تو فرمایا کہ پھر تو حمزہؓ کے قاتل رسول اللہ ہوئے جو انہیں میدان احد میں لے کر آئے تھے۔

بہر حال یہ وہ تاریخی حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ہندو پاکستان کے معروف مورخ و سیرۃ نگار علامہ شبلی نعمانی نے اسے سیرۃ النبی جلد 3 کے باب "اخبار غیب یا پیشین گوئی" کے عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ ان اخبار غیب اور پیشین گوئیوں میں سے ایک عنوان ہے۔ "حضرت عمار شہید ہوں گے" اور انھوں نے صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ "افسوس تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کر دے گا"

سیرۃ النبی شبلی ج 3 ص 160 بحوالہ صحیح مسلم کتاب الفتن

اس کے بعد علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

"یہ پیش گوئی متعدد صحابہ سے منقول ہے کہ حضرت عمارؓ حضرت علی کی معیت میں امیر معاویہ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے جنگ صفین میں شہید ہوئے"۔

سیرۃ النبی شبلی ج 3 ص 160

معاویہ کی فوج میں سینکڑوں کی تعداد میں اصحاب پیغمبر بھی تھے انھوں نے ہی عمار یاسر کی شہادت پر یہ محسوس کیا کہ وہ باغی گروہ تو ہم ثابت ہوئے۔ اگر حضرت علی علیہ السلام معاویہ کی تاویل میں کچھ بھی نہ فرماتے تب بھی ایک عام سمجھ بوجھ رکھنے والا آدمی جس کے پاس ذرا سی بھی عقل ہو معاویہ کی اس تاویل کے فریب میں نہیں آ سکتا مگر تعجب ہے اصحاب پیغمبر پر کہ وہ معاویہ کی اس تاویل پر کیسے مطمئن ہو گئے؟ اور بدستور حضرت علیؑ کے ساتھ بر سر پیکار رہے اس کے لئے ہی تو معاویہ کے حکم سے یہ حدیث گھڑی گئی تھی کہ

" اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم "

"میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے

ہدایت پا جاؤ گے"

اور اس غلط جھوٹی، من گھڑت حدیث کا سہارا لے کر دوسروں سے زبردستی منوایا جاتا ہے کہ ہر صحابی کی پیروی ہدایت ہے۔ لا واللہ ایسے اصحاب پیغمبر ہرگز ہرگز پیروی کے لائق نہیں ہو سکتے۔ یقینی طور پر صرف اور صرف وہی اصحاب پیغمبر لائق پیروی ہو سکتے ہیں جنہوں نے سرچشمہ ہدایت سے منہ نہیں موڑا۔

مسجد نبوی اور واقعہ سد ابواب

مسجد نبوی کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک واقعہ سد ابواب کا ہے۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت اس کی ایک سمت میں ازواج کے لئے دو حجرے بھی تعمیر کئے گئے تھے جن میں حسب ضرورت بعد میں اضافہ ہوتا رہا۔ انہیں حجروں کے وسط میں علی ابن ابی طالب علیہما السلام کا گھر تعمیر کیا گیا تھا اور مکہ سے آنے والے دوسرے مہاجرین نے بھی مسجد کی دوسری سمتوں میں گھر بنا لئے تھے۔

ان گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے اس لئے مسجد ہی کی طرف سے ان کی آمد و رفت تھی اور لوگ جس حالت میں ہوتے ادھر سے آتے جاتے اور اسی سے گذر گاہ کا کام لیتے رہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے اسے مسجد کی تقدیس کے منافی سمجھتے ہوئے حکم دیا کہ مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔ صرف حضرت علیؑ کو اجازت دی کہ وہ اپنے گھر کا دروازہ مسجد کی طرف کھلا رکھیں اور ادھر سے ہی آیا جایا کریں ترمذی نے اس بارے میں اس طرح سے روایت کی ہے۔

" ان النبی امر لسبد الابواب الا باب علی " سیرۃ امیر المومنین ص 182 بحوالہ صحیح ترمذی ج2 ص 214

یعنی (پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ) نے حکم دیا کہ علی کے دروازے کے علاوہ تمام دروازے بند کر دیئے جائیں''

یہ حکم بعض طبیعتوں پر شاق گذرا۔ کچھ پیشانیوں پر بل پڑے، کچھ زبانیں کھلیں اور آپس میں چہ مگوئیاں ہونے لگی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو صحابہ کی اس ناگواری کا علم ہوا تو آپ نے انہیں جمع کر کے فرمایا:

" ما انا سددت ابوابکم ولا فتحت باب علیؑ و لکن الله سد ابوابکم او فتح باب علی "

سیرۃ امیر المومنین ص 182

بحوالہ خصائص نسائی ص 37

''یعنی میں نے تمہارے دروازوں کو بند نہیں کیا ہے اور نہ میں نے علیؑ کے دروازے کو کھلا رہنے دیا۔ بلکہ اللہ نے تمہارے دروازوں کو بند کیا ہے اور علیؑ کے دروازے کو کھلا رہنے دیا ہے۔

آنحضرت کے بعض عزیزوں نے بھی چاہا کہ ان کے گھر کے دروازے کھلے رہیں چنانچہ انھوں نے شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے علیؑ کو اجازت دے دی ہے اور ہمیں منع کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا:

" ما انا اخرجتکم و اسکینته ولکن الله اخرجکم و اسکنته"

سیرۃ امیر المومنین ص 182

بحوالہ مستدرک حاکم ج 3 ص 117

اور حضرت عمر ابن الخطاب بھی اسے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی امتیازی خصوصیات میں شمار کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے

" لقد اعطیٰ علی ابن ابیطالب ثلاثه خصال لان تکون له خصله منه، احب الی من ان اعطی حمر النعم ۔ قیل و ماهن یا امیر المومنین قال

تزوجه فاطمه بنت رسول الله ۔وسکناه المسجد معه رسول الله یحل فیه مایحل له، والرایة یوم خیبر" سیرۃ امیرالمومنین ص183

بحوالہ مستدرک حاکم جلد 3 ص 125

یعنی علی ابن ابی طالبؑ کو تین ایسی خصلتیں حاصل تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتی تو وہ مجھے سرخ بالوں اونٹوں والے اونٹوں سے زیادہ پسند ہوتی ۔ پوچھا گیا ۔اے امیرالمومنین وہ خصلتیں کیا ہیں؟ کہا ایک تو یہ کہ فاطمہ بنت رسول اللہ ان کے عقد میں آئیں ۔دوسرے یہ کہ انہیں رسول اللہ کے ساتھ مسجد میں رہائش پذیر ہونے کا شرف حاصل ہوا اور جو امور رسول اللہ کے لئے اس میں جائز تھے وہ ان کے لئے بھی جائز قرار پائے اور تیسرے یہ کہ انھیں خیبر کے دن علم دیا گیا"

ابراہیم حموینی نے فرائد السمطین میں تحریر کیا ہے کہ حدیث فتح باب کو تقریباً تیس صحابہ نے روایت کیا ہے اور اسے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کی منقبت خاصہ قرار دیا ہے

مگر جیسا کہ ابوالحسن مدائنی نے اپنی کتاب الاحداث میں لکھا ہے کہ معاویہ نے سنۃ العام کے بعد حکم عام صادر کیا کہ کوئی روایت اور کوئی حدیث ایسی باقی نہ رہے جو پیغمبرؐ نے علی ابن ابی طالب کی فضیلت میں بیان کی مگر ویسی ہی اور اس سے ملتی جلتی حدیث اصحاب کی شان میں گھڑ کر میرے روبرو پیش کی جائے ۔

چنانچہ معاویہ کے محکمہ حدیث سازی نے اس مشہور حدیث کے مقابلہ میں یہ حدیث گھڑی:

" لا تبقین فی المسجد خوخة الا خوخه ابی بکر "

ابوبکر کی کھڑکی (یا روشندان) کےعلاوہ اور کوئی کھڑکی (یا روشندان) باقی نہ رہے

اور بعض روایات میں "خوخة" کی بجائے "باب" یعنی دروازہ بھی آیا ہے۔

یہ غلط جھوٹی اور من گھڑت حدیث اہل سنت کی صحاح میں لکھی ہوئی ہے اور

ہمارے برادران بزرگ وجد میں آکر خوب جھوم جھوم کر حضرت ابو بکر کی شان میں اس حدیث کو بیان کرتے ہیں:

حالانکہ مسلمہ طور پر حضرت ابو بکر کا مکان مسجد نبوی سے متصل ہونا تو رہا ایک طرف مدینہ شہر میں بھی نہ تھا۔ وہ شروع دن سے مدینہ سے باہر محلہ سخ میں رہائش پذیر تھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی رحلت تک وہیں رہائش پذیر رہے۔ پیغمبر کی علالت کے زمانے میں وہیں سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو دیکھنے کے لیے آجایا کرتے تھے اور پھر واپس وہیں چلے جاتے تھے۔ جیسا کہ مورخ شہیر ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر پیغمبرؐ کی وفات کے دن مدینہ آئے اور پیغمبر کی حالت دیکھی کہ:

" قد افاق من وجعه فرجع ابو بکر الی اهله بالسنخ "

آنحضرتؐ کو درد سے افاقہ ہوگیا ہے تو وہ اپنے گھر والوں کے پاس سخ چلے گئے

سیرۃ امیر المومنین ص 184

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 440

اور محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر نے اپنی کتاب سیرۃ ابو بکر صدیق میں اس طرح لکھا ہے کہ:

"مدینہ میں ان کا قیام شہر کے نواح میں مقام سخ پر خارجہ بن زید کے ہاں تھا جو خزرج کی شاخ بنو حارث سے تعلق رکھتے تھے۔ (سیرۃ ابو بکر صدیق محمد حسین ہیکل ص 55)

محلہ سخ میں جو مدینہ سے باہر نواح میں واقعہ تھا حضرت ابو بکر کا قیام ایسی تاریخی حقیقت ہے جس پر تمام مورخین اور سیرہ نگاروں کا اتفاق ہے لہذا حضرت ابو بکر کا گھر مسجد نبوی سے ملحق تھا ہی نہیں کہ اس کا روشن دان یا کھڑکی یا دروازہ بند کیا جاتا یا کھلا رکھا جاتا۔

یہ حدیث معاویہ کے اس حکم کے عین مطابق گھڑی گئی ہے جسے ابوالحسن مدائنی نے اپنی کتاب الاحداث میں نقل کیا ہے۔ اور مدائنی کی کتاب الاحداث سے ابن ابی الحدید

معتزلی نے اپنی معروف کتاب شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے اور وہ حکم یہ ہے کہ تمہیں جو روایت بھی علی ابن ابی طالبؑ کی شان میں ملے بالکل اس سے ملتی جلتی شیخین یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی شان میں وضع کر کے میرے سامنے پیش کریں۔

یہ واضعین حدیث حدیثیں گھڑتے وقت بالکل آنکھیں بند کر کے گھڑا کرتے تھے انہیں تو معاویہ کے دربار سے انعام کی ضرورت تھی۔ ان کی بلا سے کہ جب کوئی شخص یہ دیکھے گا کہ حضرت ابو بکر کا مدینہ میں گھر تھا ہی نہیں تو وہ اس حدیث کے بارے میں کیا کہے گا۔

یقیناً اگر ایسا ہوتا تو حضرت عمر اسے فاطمہ زہراؑ بنت رسول اللہؐ کے حضرت علیؑ کے ساتھ نکاح اور خیبر میں علیؑ کو علم کے عطا کرنے کی طرح حضرت علیؑ کے خصوصیات اور امتیازات میں سے قرار نہ دیتے اگر کسی میں کوئی فضیلت کی بات ہو تو اسے کسی بھی صاحب عقل کو ماننے سے انکار نہیں ہو سکتا، لیکن جھوٹی، من گھڑت اور وضعی حدیثوں کے ذریعہ کسی کی بیان کردہ فضیلت کو کوئی بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ البتہ عقیدت اندھی ہوتی ہے لہٰذا ان کے عقیدتمند انہیں وضعی من گھڑت اور جھوٹی حدیث کو بھی منبر سے جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ نصف النہار پر چمکتے ہوئے سورج کی طرح واضح طور پر جن کے نزدیک اس حدیث کا جھوٹا، وضعی اور من گھڑت ہونا ثابت ہے وہ ان سے بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ بھی ان کی طرح آنکھیں بند کر کے جھوم جھوم کر حضرت ابو بکر کی اس فضیلت کو بیان کیا کریں اور وہ بھی انہی کی طرح اس فضیلت کو حضرت ابو بکر میں تسلیم کریں۔

مسجد نبوی میں اذان کی ابتداء

شریعت اسلامی میں عبادات کو انتہائی اہم مقام حاصل ہے اور عبادات میں نماز سب سے افضل ترین عبادت ہے اور نماز سے پہلے وضو کرنا نماز کا مقدمہ ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

صحیح اسلامی عقیدہ کے مطابق شارع علیہ السلام بھی خود اپنی طرف سے کسی عبادت کا طریقہ معین نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا وضو کر کے نماز پڑھنے کا طریقہ خود خدا نے بذریعہ وحی اپنے پیغمبرؐ کو تعلیم فرمایا۔ اور جبرائیل کے ذریعہ اس کی عملی صورت پیش کر کے دکھائی اور تاریخ وسیرت اور حدیث وتفسیر کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ نماز اگرچہ بعد میں واجب ہوئی اور وضو کا طریقہ بھی قرآن میں بیان ہوا لیکن پیغمبر اکرم ﷺ نماز کے واجب ہونے سے پہلے ہی خانہ کعبہ کے صحن میں، پہاڑ کی وادیوں اور غاروں کے اندر نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ نماز پیغمبر وضو کے بغیر نہیں پڑھتے تھے اور یہ وضو بھی اور نماز بھی خدا نے جبرائیل کے ذریعہ سکھائی تھی جس کا بیان ہم ابن جریر طبری کی تاریخ سے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب مدارج النبوۃ سے سابقہ اوراق میں نقل کر آئے ہیں۔

مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے جس طرح زکوۃ، روزہ، نماز عیدین، نماز جمعہ اور صدقہ فطرہ وغیرہ کا کوئی وجود نہیں تھا اسی طرح نماز پنجگانہ کے لئے نماز جماعت کا بھی کوئی وجود نہیں تھا۔ دوسرے فرائض اور ارکان شریعت کی طرح نماز جماعت کا آغاز بھی مدینہ میں آ کر ہی ہوا۔

صحیح اسلامی روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب پیغمبرؐ معراج پر تشریف لے گئے تو نماز جماعت کے لئے خدا نے جبرائیل کے ذریعہ اذان دلوا کر وضو اور نماز کی طرح پیغمبر اکرم کو خود اذان کی تعلیم دے دی تھی اور اذاں میں حی علی الصلوۃ۔ حی علی الصلوۃ۔ نماز کے لئے آؤ نماز کے لئے آؤ۔ کے الفاظ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا نے خود شب معراج نماز جماعت کے لئے مسلمانوں کو بلانے کا طریقہ سکھلا دیا تھا۔ لیکن چونکہ مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے نہ نماز جماعت کرائی جا سکتی تھی اور نہ ہی نماز جماعت کے لئے مسلمانوں کو ندا دی جا سکتی تھی مگر مدینہ آنے کے بعد جب امن وامان نصیب ہوا تو دوسرے ارکان شریعت کی طرح نماز جماعت کا بھی آغاز ہو گیا۔ اور پیغمبر اکرمؐ نے اسی اذان کے ذریعہ جو شب

معراج جبرائیل سے سنی تھی مسلمانوں کو نماز کے لئے بلانے کا حکم دیا۔

مسلمہ طور پر عبادات یا ارکان شریعت میں سے کسی رکن کے لئے پیغمبرؐ کو عوام سے مشورہ کرنے کی ہرگز ہرگز کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن بنی امیہ کی حکومت چونکہ ہر حال میں بنی ہاشم میں ہونے والے نبی کے نام کو دفن کرنے پر تلی ہوئی تھی اور اس مقصد کے لئے اس نے اصحاب پیغمبر کی فضیلت کے عنوان سے حدیثیں گھڑنے کو اپنا شعار بنا لیا تھا تا کہ لوگ اصحاب پیغمبر کی فضیلت کے نام سے ان کی گھڑی ہوئی حدیثوں کو بیان کرتے رہیں اور ان کے ہضم کرنے میں آسانی ہو جائے اور اسی ضمن میں پیغمبر گرامی اسلام کی ذات والا صفات اور پیغمبرؐ کی شخصیت اور حیثیت کو جتنا گرایا جا سکے گرایا جائے۔ ہم اذان کے سلسلہ میں دونوں قسم کی روایتیں تحریر کیے دیتے ہیں وہ روایتیں بھی جن میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ اذان جبرائیل نے شب معراج نماز جماعت سے پہلے دی تھی اور وہ روایتیں بھی جو دوسرے طریقہ سے بیان ہوئی ہیں پھر جس کا دل چاہے پیغمبرؐ کی شان کو سمجھے اور جس کا دل چاہے بنی امیہ کے حکمرانوں کی پیروی میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرتا رہے۔ چونکہ معراج میں جبرائیل کے اذان دینے سے متعلق روایتیں اہل سنت کے یہاں بہت ہیں لہذا ان میں سے ہم چند یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

شب معراج جبرائیل نے نماز جماعت کے لئے اذان دی

نمبر 1: طبرانی نے سالم ابن عبداللہ کے طریق سے روایت کی ہے کہ جب رسول خداؐ کو معراج ہوئی تو پروردگار عالم نے بذریعہ جبرائیل طریقہ اذان تعلیم فرمایا۔

نمبر 2: ابن مردویہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ رسالتماب فرماتے ہیں کہ جب مجھے معراج ہوئی تو جبرائیل نے اذان کہی۔ تو ملائکہ کو گمان ہوا کہ وہی نماز پڑھائیں گے اس کے بعد انھوں نے مجھے نماز کے واسطے آگے بڑھایا پس میں نے نماز پڑھی۔

نمبر 3: مسند بزار میں حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ اپنے رسول کو اذان تعلیم کرے تو جبرائیل ایک جانور جسے براق کہتے ہیں لے کر تشریف لائے۔ اور جناب رسول خدا اس پر سوار ہوئے اس کے بعد وہی صورت اذان جبرائیل کی بیان ہوئی۔

نمبر 4 مسند حرث ابن ابی اسامہ میں یہ روایت ہے کہ: اول جس شخص نے اذان کہی وہ حضرت جبرائیل تھے آسمان دنیا پر۔ مطابق نقل کتاب الفرق ص 83

مذکورہ روایات وہ ہیں جو برادران اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

علمائے امامیہ کے یہاں بھی اذان جبرائیل کے ذریعہ ہی تعلیم کرنے کی روایت ہے ان کے یہاں کی روایت بھی بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے

نمبر 5: جبرائیل نے اذان واقامت خدمت رسالتمآبؐ میں حاضر ہو کر کہی۔ جناب امیر اس وقت موجود تھے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تم نے یاد کر لی۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا بلالؓ کو بلا کر تعلیم کر دو جناب امیر نے بلال کو بلا کر طریقہ اذان واقامت تعلیم فرمایا۔

(مطابق نقل کتاب الفرق۔ص 85)

اسی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ میں آنے کے بعد بھی اذان کا طریقہ جبرائیل نے ہی نازل ہو کر تعلیم فرمایا۔ بہرطور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ شب معراج بھی یہ اذان جبرائیل نے دی ہو اور مدینہ آنے کے بعد بھی نماز جماعت کے لئے اذان دینے کا طریقہ بطور تعلیم دوبارہ دہرایا ہو۔

یہ تمام روایات عین مطابق عقل ہیں۔ اذان نماز کا آغاز کرنے کے لئے ایک اہم شرعی رکن ہے۔ اور خدا کی تعلیم سے ہی اس کا اجرا ہونا چاہیے تھا۔ اور زرقانی کے نزدیک بھی صرف وہی عمل مشروع ہو سکتا ہے جس کا سرچشمہ وحی ہو۔

لیکن یہاں بھی بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے احادیث گھڑنے والوں نے اصحاب پیغمبر کی فضیلت کے پردے میں پیغمبر گرامی اسلامؐ کی ذات، ان کی شخصیت اور

حیثیت کو گرانے کی کوشش کی گئی ہے نمونہ کے طور پر چند کتابوں کے اقتباسات یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

اذان کی ابتداء کے نام سے پیغمبرؐ کی توہین کے لئے گھڑی جانے والی روایات

علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں:

''یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔اس لئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرتؐ کی تجویز تھی۔بہر حال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمر آنکلے اور انھوں نے کہا ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ نے اسی وقت بلال کو اذان کا حکم دیا۔

الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 82

مذکورہ روایت درج کرنے کے بعد علامہ شبلی اپنی رائے یوں پیش کرتے ہیں۔

''یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ ہے اور اسلام کا شعار ہے۔ حضرت عمر کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہوسکتی ہے کہ یہ شعار انہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔ الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 ص 82

اگر چہ پیغمبر ایک خاص فکری قوت اور ملکوتی حیثیت کا مالک ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ خود اپنی طرف سے طریقہ عبادت یا ارکان شریعت نہیں بنا سکتا۔جب تک کہ خداوند تعالیٰ وحی کے ذریعہ سے اس کی تعلیم نہ دے۔لہذا کسی نبی کو عبادات یا ارکان شریعت کے بنانے کے لئے ہرگز ہرگز لوگوں سے مشورہ کرنے یا رائے لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

لیکن یہاں بھی ان کی ذات ان کی شخصیت اور حیثیت کو گرانے کے لئے بنی امیہ کے حکمرانوں کی وہی حکمت عملی روبہ عمل میں آئی اور حضرت عمر کا نام اس خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا گیا کہ ان کے مداح دیوانے ہو جائیں اور اس کے پردے میں چھپی ہوئی پیغمبرؐ کی توہین انہیں نظر ہی نہ آئے۔

اس روایت کو علامہ شبلی نے بخاری کتاب الاذان سے نقل کرنا لکھا ہے اور روایت کے ضمن میں ابن ہشام کا بھی حوالہ دیا ہے۔

مشکواۃ المصابیح فصل ثالث ص 57 مطبوعہ ذیل میں بھی عبداللہ بن زید بن عبدربہ سے یہی روایت کی گئی ہے کہ رسول خدا نے ناقوس بجانے کا حکم دیا تھا۔

اور محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر نے اپنی کتاب ''حضرت عمر فاروق اعظم میں اس طور پر لکھا ہے:

''مدینہ کی زندگی میں مسلمان نماز کے لئے خودبخود جمع ہو جاتے تھے اعلان کا کوئی ذریعہ نہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی فکر تھی۔ پہلے خیال آیا بگل کے ذریعہ اعلان سنایا جائے۔ لیکن یہ یہودیوں کا طریقہ تھا اس لئے آپ نے پسند نہ فرمایا اور حکم دیا کہ عیسائیوں کی طرح ناقوس بجا کر نماز کا اعلان کیا جائے۔ (حضرت عمر فاروق اعظم ص 74)

بنی امیہ کے حکمرانوں نے بنی ہاشم میں ہونے والے نبی سے دشمنی نکالنے کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ان کا نام نامی دفن کرنے کے لئے توہین آمیز روایات اصحاب کی فضیلت کے نام سے اسطرح وضع کرائی گئیں ہیں کہ عوام الناس اصحاب کی فضیلت کے نام سے پیغمبر کی اس توہین کو ہضم کر جائیں۔ اور اس طرف قطعی طور پر متوجہ نہ ہوں کہ یہ بات اس صحابی کی فضیلت میں نہیں بلکہ اسلام پر فاتحہ پڑھنے اور پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کی توہین کرنے اور ان کی شخصیت کو گرانے کے لئے گھڑی گئی ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے مداح خود اس بات کو اپنی کتابوں میں بڑے فخر کے ساتھ لکھتے ہیں اور منبروں

پر جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں اور پیغمبرؐ کی توہین کی طرف ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتے ۔یہ حضرات جب تک حالت کفر میں رہے اسلام کا اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کا کچھ نہ بگاڑ سکے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ اب وہ اسلام اور پیغمبر گرامی اسلامؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو انھوں نے حکمت اسی میں دیکھی کہ اب یہ کام اسلام میں داخل ہو کر انجام دیا جائے ۔

بہر حال اذان رکن شریعت ہے اور یہ کسی مشورہ سے جاری نہیں ہوا بلکہ خود خدا نے بذریعہ وحی جبرائیل کو بھیج کر پیغمبرؐ کو تعلیم فرمائی اور انھوں نے بلال کو موذن مقرر کیا۔

نماز جمعہ کی ابتداء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے سب سے پہلے جو جمعہ منعقد کیا وہ وہ تھا کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ مدینہ میں داخل ہوئے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے پیر، منگل ،بدھ اور جمعرات کے دن قبا میں قیام فرمایا اور جمعہ کے دن مدینہ میں آئے اور مسجد بنی سالم میں نماز جمعہ ادا فرمائی ۔اور مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد مسجد نبوی میں نماز جمعہ پڑھائی جانے لگی ۔اور خداوند تعالیٰ نے ایک سورہ اسی روز کی مناسبت سے سورہ جمعہ کے نام سے نازل فرمایا۔

اس سورہ میں ہر چیز کا خدا کی تسبیح کرنا۔پیغمبر کی مکہ والوں میں بعثت ۔اور ان کے سامنے خدا کی نازل کردہ آیتوں کی تلاوت کرنے ، ان کا تزکیہ نفس کرنے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کا بیان کرنے کے بعد یہودیوں کی مثال دے کر ان کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے جمعہ کے دن کا لائحہ عمل یوں بیان کیا ہے

یا ایها الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله و ذروا البیع ، ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون . فاذا قضیت الصلوٰة فانتشروا فی الارض وابتغو من فضل الله واذکر الله کثیرا لعلکم تفلحون . (جمعہ 9-10)

اے ایمان والوں! جب کہ تم کو جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لئے پکارا جائے تو خدا کی یاد کی طرف دوڑ پڑا کرو اور لین دین اور تمام کاروبار چھوڑ دو۔ اگر تم علم رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل کے خواستگار رہو۔ اور اللہ کو زیادہ یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

ان دونوں آیات میں وہ لائحہ عمل بیان کیا گیا ہے جو جمعہ کے دن سب مسلمانوں کو کرنا چاہیے۔ اس کے بعد خداوند تعالی سورہ جمعہ کی گیارہویں آیت میں جو اسی سورہ کی آخری آیت ہے اس وقت کے مسلمانوں کی حالت کا نقشہ۔ جو سب کے سب اصحاب پیغمبر تھے۔ یوں کھینچتا ہے کہ:

واذا راوا تجارۃ و لھواً ن النفضوا الیھا و ترکوک قائماً. قل ما عنداللہ خیر من الھو و من التجارۃ واللہ خیر الرازقین (جمعہ۔11)

اور (ان مسلمانوں کی۔ جو سب کے سب اصحاب پیغمبر تھے حالت یہ ہے کہ) جب انھوں نے تجارت یا کھیل کود اور لہو ولعب کی کوئی بات دیکھی تو وہ اس کی طرف دوڑ پڑے اور وہ تمھیں نماز کے حالت قیام میں کھڑا ہوا چھوڑ کر چلے گئے (اے پیغمبرؐ) تم یہ کہہ دو کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس لہو ولعب کھیل کود اور تجارت وسوداگری سے بہت بہتر ہے اور اللہ سب رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے

تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ خود مدینہ میں مسجد نبوی کا ہے۔ جس نماز جمعہ کی امامت خود پیغمبر اکرمؐ فرما رہے تھے اور نمازی سب کے سب بزرگ صحابہ تھے۔

جیسا کہ جلال الدین سیوطی نے اپنی معروف تفسیر درمنثور جلد سادس میں سورہ جمعہ کی تفسیر میں واضح طور پر لکھا ہے کہ

" فخرج عامۃ الناس الی دحیہ ینتظرون الی تجارتۃ و الی الھو و ترکوا رسول اللہ قائماً لیس معہ کبیرا احد " تفسیر درمنثور جلد 6 ص 221

یعنی رسول اللہ کو چھوڑ کر تمام لوگ دحیہ کی تجارت اور لہوولعب کے لئے نکل گئے حضرت اس وقت نماز میں کھڑے تھے اور آپ کے ساتھ بزرگ صحابہ میں سے کوئی نہیں بچا۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ دحیہ شام سے تجارت کا مال لے کر جب مدینہ پہنچا تو اس نے مسجد نبوی کے سامنے اپنا مال تجارت بیچنے کے لئے باجے اور تاشے بجا کر ایڈور ٹائزمنٹ کے لئے کھیل تماشہ شروع کر دیا۔ تو مسلمان جو سب کے سب بزرگ صحابہ تھے اور اس وقت مسجد نبوی میں مصروف نماز تھے پیغمبر کو نماز میں کھڑا ہوا چھوڑ کر اس تجارت یا کھیل تماشا کی طرف دوڑ گئے۔ اور صرف بارہ آدمی پیغمبرؐ کے ساتھ رہے۔ آج کے دور میں اگر کوئی معمولی پڑھا لکھا ملا بھی امامت کرا رہا ہو اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے بھی نرے جاہل ہوں تو وہ بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید کی اس محکم آیت کی موجودگی میں بنی امیہ کے ہوا خواہ چیخ چیخ کر یہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم"

"میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ کیا دنیا کا کوئی معمولی سی عقل رکھنے والا آدمی بھی اصحاب پیغمبرؐ کے اس فعل کو لائق پیروی قرار دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

البتہ خداوند تعالی کا اس آیت کو قرآن میں نازل کر دینا عین ہدایت ہے۔ کیونکہ معاویہ کے حکم سے حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت میں بیان کردہ پیغمبرؐ کی ہر حدیث کے مقابلہ میں اصحاب پیغمبر کی شان میں حدیثیں گھڑی گئیں لہذا خدا نے اس کا خود اہتمام فرمایا اور اصحاب پیغمبر کے ایسے ایسے افعال سے قرآن کو بھر دیا جن کی موجودگی میں کوئی بھی عقلمند انسان اور آخرت کا طالب معاویہ کے حکم سے گھڑی ہوئی حدیثوں سے دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ اور خدا نے اپنے نازل کردہ قرآن کی حفاظت کا خود ذمہ لیا تاکہ اصحاب پیغمبر کی یہ کارگذاریاں محفوظ رہیں۔

ان احادیث میں جو معاویہ کے حکم سے گھڑی گئیں عظمت ناموس رسالت کو بھی پارہ پارہ کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایسے اشخاص کی پیروی کو ہدایت قرار دیا۔

بہر حال یہ تو تھا مال دنیا اور لہو لعب کا مقابلہ میں ان کی نماز کی قدر اور پیغمبر کے دل میں عظمت کا حال۔ اب آگے چل کر پتہ چلے گا کہ جو اصحاب مال دنیا کی خاطر نماز میں پیغمبرؐ کو چھوڑ کر چلے گئے انھوں نے جنگوں میں بھی پیغمبرؐ کو تنہا چھوڑ جانے سے دریغ نہیں کیا۔

2ھ ہجری کے واقعات عہد نبوی کے غزوات

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت کے بعد سے تقریباً تیرہ برس تک مشرکین مکہ کے مظالم سہتے رہے اور اب مدینہ میں آنے کے بعد بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت آئے اور کشت وخون کی گرم بازاری ہو۔ مگر قریش کی شرپسندی اور فتنہ انگیزی نے جب مسلمانوں کو سکون واطمینان سے نہ رہنے دیا اور جنگ ان کے سروں پر مسلط کر ہی دی تو اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ قریش کے جارحانہ حملوں کے خلاف مدافعانہ اقدام اٹھایا جائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس وقت تک جنگ کا نام نہیں لیا اور نہ کسی سے لڑنے بھڑنے کی اجازت دی جب تک کفار قریش اور یہود نے آپ کو جنگ کے لئے مجبور نہیں کر دیا۔ اور خداوند تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" ان للذین اخرجوا بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر. الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله " (الحج۔39-40)

" وہ مسلمان جو اپنے شہر مکہ میں صرف یہ کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے ناحق نکالے گئے (اور اس کے سوا اور کوئی بات نہیں تھی، نہ انھوں نے کسی کا خون کیا تھا نہ انھوں نے کوئی ڈاکہ ڈالا تھا) ان سے کافر لوگ برسرپیکار ہو گئے ہیں اور ان پر ظلم ہو رہا ہے لہذا ان کو بھی لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے"

کفار کی یہ جنگ کسی انتقام یا کشور کشائی کے لئے بھی نہیں تھی بلکہ انھوں نے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ جب تک اسلام کو مٹا نہ دیں یا مسلمانوں کو کفر کی طرف پلٹا نہ دیں وہ ہمیشہ لڑتے ہی رہیں گے۔ چنانچہ قرآن ان کی جنگوں کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتا ہے

" ولا یزالون یقاتلونکم حتیٰ یردوکم عن دینکم ان استطاعوا "

(البقرہ۔217)

یہ کفار ہمیشہ ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پلٹا دیں۔

بیشک اسلام امن وسلامتی کا محافظ اور صلح و آشتی کا پیغامبر ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دشمن کی زیادتیوں، چیرہ دستیوں اور شر انگیزیوں کو دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہا جائے اور انہیں من مانی کاروائیاں کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی جائے۔ اللہ نے مظلوم اور ستم رسیدہ لوگوں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ دشمن کی بڑھتی ہوئی ستیزہ کاریوں کے انسداد اور اپنی جان ومال کے تحفظ کے لئے امکانی حد تک جدوجہد کریں اور جس جماعت سے جینے اور سانس لینے کا حق ہی چھین لیا جائے اور اسے تباہی اور ہلاکت کے گڑھے میں دھکیلنے کا فیصلہ کرلیا جائے تو اس کے لئے جنگ کے سوا اور چارہ کار ہی کیا رہ جاتا ہے اسی لئے خداوند تعالیٰ نے یہ حکم دیا:

" وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لاتعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین "

(البقرہ-190)

اور اللہ کی راہ میں تم بھی ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن کافروں کی طرف سے جنگ مسلط کردینے کے باوجود اگر کافر صلح پر آمادہ ہوجائیں تو پھر اسلام اپنی صلح پسندی کی وجہ سے جنگ کو جاری رکھنا ضروری نہیں سمجھتا چنانچہ اس بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ

" وان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی الله انه هو السمیع العلیم "

(الانفال ۔61)

اور اگر کافر صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ کر۔ بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اسلام تو دین ومذہب کی تبلیغ کے لئے بھی جبر اور زبردستی کا قائل نہیں ہے اس کا واضح حکم یہ ہے کہ:

" لا اکراہ فی الدین ، قد تبین الرشد من الغی " البقرہ ۔256

دین کے معاملہ میں کوئی جبر و کراہ اور زبردستی نہیں ہے ہدایت اور نیکی ظاہر ہو گئی ہے اور ضلالت و گمراہی سے الگ پہچانی جاتی۔ اب جس کا دل چاہے حریت و آزادی اور اپنے ارادہ واختیار کے ساتھ اسلام کی ہدایت کو اختیار کرے۔

پس اسلام ہر کافر کے ساتھ خواہ مخواہ بھڑ جانے اور اس سے بلا وجہ ٹکرانے کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی ملک گیری اور کشور کشائی کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ دوسرے کافروں کے لئے اسلام کا واضح حکم یہ ہے کہ:

" لا ینھاکم الله من الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرؤھم و تقسطوا الیھم ان الله یحب المقسطین "

(الممتحنہ ۔8)

جو لوگ کافروں میں سے دین پر تم سے نہیں لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے انھوں نے نکالا۔ ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

" انما ینھاکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم من

دیاکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون "۔ (الممتحنہ۔9)

اللہ تو تم کو ان لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جو دین پر تم سے لڑے ۔انھوں نے تم سے مذہبی جنگ کی ۔اور انھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ۔اور تمہارے نکالنے پر دشمن کی مدد کی اور جو ایسے لوگوں سے دوستی رکھے وہ گنہگار ہیں۔

قرآن کریم کے اس واضح حکم سے ثابت ہوگیا کہ اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے ۔اسلام ہے ہی "مسلم" سے مشتق ۔جس کے معنی صلح کے ہیں ۔اس نام سے ہی ظاہر ہے کہ اسلام بنیادی طور پر خونریزی کا مخالف ہے ۔حرب وپیکار کا دشمن ہے اور تمام عالم کیلئے امن وسلامتی کا پیغام ہے اور اس میں رنگ ونسل اور قوم ووطن کے تعصب اور عقائد کے اختلاف کی بناء پر فوج کشی وصف آرائی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی ملک گیری و کشور کشائی کو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے دور کا واسطہ ہے ۔

اسلام نے صرف ناگزیر حالات میں جنگ کی اجازت دی ہے لیکن جنگ چھڑ جانے کی صورت میں بھی اپاہجوں ،مزدوروں ،امن پسندوں ،عورتوں ،بوڑھوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھانے اور اندھادھند خون بہانے سے منع کرتا ہے:

چنانچہ ابی داؤد اور صحیح بخاری کے روایت ہے کہ

"اللہ کی راہ میں اللہ کے نام کے ساتھ جو اللہ تعالی کو نہ مانے اس سے لڑو لیکن اپنا قول وقرار نہ توڑیو اور مال غنیمت میں چوری نہ **کیجیو** اور ناک اور کان نہ کاٹیو اور لڑکے کو نہ ماریو ۔نہ عورتوں کو مارو نہ بڈھے ضعیف مردوں کو جو لڑائی کے قابل نہیں"

سنن ابی داؤد باب فی دماء المشرکین ص 637

صحیح بخاری مترجم پ 12 ص 24

اور ایک روایت کے مطابق شہرت ،نام آوری ،اور شجاعت و بہادری کے اظہار یا

مال غنیمت کے لئے اور ملک و دنیا کے لئے لڑنے کو اسلامی جہاد تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابی داؤد میں آیا ہے کہ

ایک شخص نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ایک شخص لڑتا ہے اپنے ذکر اور شہرت کے واسطے، اور ایک شخص اپنی تعریف اور نام آوری کے واسطے لڑتا ہے اور ایک شخص غنیمت ہاتھ لگنے کے واسطے اور ایک شخص بہادری اور شجاعت کے واسطے لڑتا ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ عزوجل کی راہ میں لڑتا ہے اس کو جہاد کا ثواب ہے اور جو ملک اور دنیا کے لئے لڑتا ہے وہ جہاد نہیں ہے"

سوانح عمری رسول مقبول ص 134

بحوالہ ابو داؤد ص 603

ابی داؤد کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صرف اللہ عزوجل کی راہ میں لڑنا جہاد کا ثواب رکھتا ہے اسی لئے قرآن میں ہر جگہ یجاھدون فی سبیل اللہ یا یقاتلون فی سبیل اللہ فرمایا ہے۔ اور پیغمبر اکرمؐ نے بھی جہاد کے ثواب کو اللہ عزوجل کی راہ میں لڑنے تک محدود رکھا ہے۔ اور اپنے ذکر و شہرت اور تعریف و نام آوری، غنیمت کے حاصل کرنے اور اپنی بہادری اور شجاعت کی داد حاصل کرنے کے لئے لڑنے کو اور ملک و دنیا کے لئے لڑنے کو جہاد تسلیم نہیں کیا ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ جنگ میں شرکت کرنے والے اکثر اصحاب مذکور مقاصد کے لئے شرکت کرتے تھے اور اس کی کچھ تفصیل آگے چل کر آئیگی۔

بہر حال اسلام نے جہاں صرف اللہ کی راہ میں لڑنے کو جہاد کہا ہے وہاں اسلام نے مفتوحین اور قیدیوں کے ساتھ بھی بہتر سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور ان سے فدیہ لے کر انہیں ممنون احسان کر کے چھوڑ دینے کی تعلیم دی ہے۔ جیسا کہ سورہ محمدؐ کی آیت نمبر 4 میں بیان ہوا ہے۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پیغمبر اسلام کے بعد جو مسلمان برسر اقتدار آئے انھوں نے کشور کشائی اور ملک گیری کے لئے بھی جارحانہ جنگیں لڑی ہیں۔ جن میں اخلاقی حدود اور جہاد اسلامی کی شرائط و آداب کا پاس ولحاظ نہیں رکھا گیا اور انہیں قطعی طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ اور ان حکومتوں کے طرفداروں اور درباری علماء نے قہر و غلبہ کو حق معیار قرار دے کر اس قسم کی جنگوں کو بھی جہاد اسلامی کا نام دے دیا۔ اور اسی بات کو دیکھ کر دشمنان اسلام کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ان حکمرانوں نے ملک گیری اور کشور کشائی کے لئے اسلام کی صلح جوئی اور امن پسندی کو بھی داغدار کر دیا۔

قرآن کریم میں جس قدر آیات جہاد کے متعلق وارد ہوئی ہیں وہ انہیں مواقع کے لئے ہیں جہاں دشمن اسلام کی آواز کو قوت و طاقت سے دبانے اور مسلمانوں کی جمیعت کو کچلنے کے لئے لشکر کشی کرتا تھا۔ اسلام کی طرف سے نہ تو جارحانہ اقدام کی اجازت ہے اور نہ زبردستی اپنے عقائد ٹھونسنے کی اس تمہیدی بیان کے بعد عہد رسالت کے چند مشہور غزوات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

جنگ بدر کے اسباب

قریش مسلمانان مکہ کے خلاف اور در پئے آزار تو تھے ہی ہجرت کے بعد انصار مدینہ بھی ان کے عتاب کی زد میں آگئے۔ کیونکہ انھوں نے پیغمبرؐ کو اپنے ہاں پناہ دے کر نہ صرف ان کی حمایت و حفاظت کا ذمہ لے لیا تھا۔ بلکہ اسلام کی روز افزوں ترقی کا سامان بھی کر دیا تھا۔

قریش جس دین کو اپنے ہاں پھلتا پھولتا نہ دیکھ سکتے تھے وہ یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ اسے کہیں اور ترقی عروج اور فروغ حاصل ہو اور مسلمان ان کی گرفت سے نکل کر آزادی کے ساتھ سانس لے سکیں۔ لہذا انھوں نے یہ تہیہ کر لیا کہ وہ اس دین کو پھلنے پھولنے

نہ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا نہ دیں یا انہیں اسلام سے دستبردار ہونے پر مجبور نہ کر دیں۔ سورہ البقرہ کی آیت نمبر 217 قریش کے ان ارادوں کی صحیح صحیح تصویر کشی کرتی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے۔

"ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا"

(البقرہ۔ 217)

یہ کفار تو ہمیشہ ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاںتک کہ ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں

ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ لے کر شام گیا ہوا تھا جس میں تمام قریش کا سامان تجارت شامل تھا کیونکہ مدینہ قریش کے قافلوں کی گذرگاہ تھا لہذا اسے واپسی پر مدینہ کی طرف سے گذرنا تھا۔

ابوسفیان نے حفظ ماتقدم کے طور پر شام سے پلٹتے ہوئے اہل مکہ کو ضمضم ابن عمرو غفاری کے ذریعہ یہ غلط اور شرانگیز پیغام بھیجا کہ مسلمان دھاوا بول کر مال تجارت لوٹنا چاہتے لہذا تم جنگی ہتھیاروں کے ساتھ نکل کھڑے ہو۔

ابوسفیان نے یہ قیاس کیا کہ چونکہ اس قافلہ میں تمام قریش مکہ کا مال تجارت شامل ہے لہذا وہ اس پر دھاوا بول کر لوٹنے کے ارادہ کی خبر سن کر مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پس و پیش نہیں کریں گے اور اس طرح اس کی عداوت کی آگ کو بجھانے میں کامیابی ہو سکے گی۔ قریش مکہ تو پہلے ہی جنگ کے لئے آمادہ تھے لہذا وہ یہ اشتعال انگیز خبر سن کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے لیکن جب قریش کا لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بدر کے قریب پہنچا تو انہیں معلوم ہوا کہ ابوسفیان تو ساحل سمندر کے راستہ مکہ پہنچ چکا ہے یہ اطلاع ملنے پر قریش کے چند آدمیوں نے کہا کہ ابوسفیان کا قافلہ تو مکہ پہنچ چکا ہے لہذا اب تمہیں جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں مگر ابوجہل جنگ سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ ہوا۔

مسلمانوں کی طرف سے جنگ کی تیاری کا حال

مدینہ میں یہ خبر تو عام ہو چکی تھی کہ ابوسفیان کا قافلہ اونٹوں پر سامان لاد کر ادھر سے گذرے گا مگر اس کے ساتھ ہی یہ خبریں بھی پہنچ رہیں تھیں کہ قریش کا لشکر پورے سازو سامان کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔

اس موقع پر مدینہ کا دفاع لازم تھا لہذا وحی الٰہی حرکت میں آئی اور خداوند تعالیٰ نے قتال و جہاد کو مسلمانوں پر واجب قرار دے دیا جیسا کہ ارشاد ہوا:

" کتب علیکم القتال و ھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئاً و ھو خیر الکم و عسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شرلکم و اللہ یعلم و انتم لا تعلمون" البقرۃ۔216

تم پر جہاد و قتال واجب کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ تم کو ناگوار ہے۔اور قریب ہے کہ ایک چیز تم کو ناگوار ہو اور وہ تمہارے لئے اچھی ہو اور قریب ہے کہ ایک چیز تم کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے بری ہو چونکہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کو حکم قتال ملا تو کم از کم ان میں سے کچھ مسلمانوں کو یہ حکم قتال ضرور ناگوار گذرا۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ کفار کے لشکر کے ساتھ جنگ ہو۔بلکہ ان کی پسند اور محبوب چیز اور تھی۔مگر جو چیز ان مسلمانوں کو پسند اور محبوب تھی وہ خدا اور اس کے رسول کو پسند نہیں تھی۔اور جو خدا اور اس کا رسول چاہتے تھے وہ ان مسلمانوں پر گراں اور ناگوار گذر رہا تھا۔

جہاد کی فرضیت اور قتال کا حکم سننے کے بعد کچھ مسلمانوں کی جو حالت تھی اس کا ایک اور نقشہ سورہ محمدؐ کی آیت نمبر 20 میں اس طرح کھینچا گیا ہے۔

" ویقول الذین آمنو الولا انزلت سورۃ فاذا انزلت سورۃ

محکمۃ و ذکر فیھا القتال رایت الذین فی قلوبھم مرض ینظرون الیک نظر المغشی من موت فاولیٰ لھم" سورہ محمد۔20

اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں یہ کہتے ہیں کہ جہاد کے بارے میں کوئی سورۃ کیوں نازل نہیں کی گئی پھر جس وقت صاف صاف سورہ اتاری گئی اور اس میں قتال کا ذکر کیا گیا تو تم نے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے دیکھ لیا کہ وہ تمہاری طرف اس نظر سے دیکھتے ہیں جس سے وہ دیکھا کرتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو ان کے لئے خرابی ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ابھی تک وہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے تھے جنہیں منافقین کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ تو جنگ بدر میں کامیابی سے مرعوب ہو کر ظاہری طور پر داخل اسلام ہوئے تھے اور وہ لوگ جنہیں خدا نے فی قلوبھم مرض کہا ہے یہ ہی لوگ ہیں جو ابتداء سے ہی خلوص دل کے ساتھ ایمان نہیں لائے تھے۔ بلکہ ان کے دل میں اسلام قبول کرنے کا مقصد کچھ اور تھا۔ بہر حال قرآن کی گواہی سے بڑھ کر اور کس کی گواہی ہو سکتی ہے قرآن گواہی دیتا کہ جنگ بدر میں شریک ہونے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کے دلوں میں روگ تھا۔ فی قلوبھم مرض۔ (سورہ محمد۔ 20)

بہر حال خداوند تعالیٰ نے جہاد و قتال کے واجب قرار دینے کے ساتھ ہی مسلمانوں کیلئے ایک واضح دستور العمل بھی دیا اور ارشاد فرمایا:

"فاذا لقیتم الذین کفرو فضرب الرقاب حتیٰ اذا اثخنیتموھم فشد الوشاق فاما مناً بعد و اما فداء حتیٰ تضع الحرب اوزارھا (سورہ محمد۔4)

پس جب تمہاری کفار سے مڈ بھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑاؤ۔ یہاںتک کہ جب تم ان کو خوب قتل کر چکو تو کس کس کے مشکیں باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو احسان کرنا ہے یا فدیہ لے لینا ہے جب تک لڑائی اپنے ہتھیار نہ ڈالے۔

اس آیت نے مسلمانوں کو میدان جنگ میں جم کر لڑنے اور کافروں کی لڑتے ہوئے گردنیں اڑانے اور میدان جنگ میں ان کا خوب خون بہانے کا حکم دیا ہے اور جب جنگ ہتھیار ڈال دے تو کفار کو قیدی بنا لو ان کی کس کس کر مشکیں باندھ لو۔ اور پھر چاہے انہیں احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کر دو۔ یعنی قیدیوں کو احسان کر کے چھوڑ دینے یا فدیہ لے کر آزاد کر دینے کا حکم خدا نے پہلے ہی دے دیا۔ اور یہ بات خاص طور پر ذہن میں رکھنے والی ہے۔ تا کہ بعد میں جو باتیں گھڑی گئیں ہیں ان کے بارے میں صحیح صحیح فیصلہ کیا جا سکے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک غلط الزام

تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورہ محمد کی مذکورہ آیات جنگ بدر سے پہلے نازل ہوئیں اور جنگ کے بارے میں ہدایت یقیناً وحتماً جنگ سے پہلے ہی دی جانی چاہئیں۔ اور سورہ انفال کی آیت نمبر 5 تا 7 جو آگے چل کر تحریر کی جائینگی۔ اس بات پر شاہد ہیں کہ پیغمبر خدا کی طرف سے حکم جہاد کے ملنے کے بعد خدا کے حکم سے اپنے گھر سے نکلے تھے اور پیغمبر کے اپنے گھر سے نکلنے کو خدا نے اپنے حکم سے نکلنا کہا ہے۔ مگر بعض مورخین نے بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے گھڑی ہوئی روایات پر اعتماد کر کے یہ لکھ ڈالا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے کے ارادے سے نکلے تھے۔ چنانچہ علامہ شبلی بھی اس الزام کو رد کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:

"عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم کا مدینے سے نکلنا صرف قافلہ کو لوٹنے کی غرض سے تھا۔ لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی۔ اس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں:

"کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقاً من المومنین

لکارھون ۔ یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت ۔ وھم ینظرون واذا یعدکم اللہ احدا لطائفتین انھا لکم و تودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم " (الانفال ۔5 تا7)

جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر (مدینہ) سے سچائی پر نکالا ۔اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہوگئی ۔کویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جبکہ خدا دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا ہے اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے ۔

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ

۱۔ جب آنحضرت نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جانا ہے

۲۔ مدینہ سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غیر ذات الشوکۃ یعنی ابوسفیان کا کاروان تجارت اور دوسرا قریش کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لئے سروسامان کے ساتھ نکل چکا تھا۔

اسکے علاوہ ابوسفیان کے قافلہ میں 40 آدمی تھے اور آنحضرت صلعم مدینہ سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے ۔تین سو آدمی 40 آدمیوں کے مقابلہ میں کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے ۔اس لئے اگر آنحضرت قافلہ کو لوٹنے کے لئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں نہ فرماتا کہ مسلمان ان کے مقابلہ کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔ (الفاروق شبلی ص 84-85)

یہ وہ بات ہے جس پر شبلی صاحب نے صحیح صحیح محاکمہ کیا ہے لیکن ان کی نظر شاید بخاری کی اس روایت پر نہیں پڑی جس میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ ابوسفیان

کے قافلے کو لوٹنے کے ارادے سے نکلے تھے ۔اگر وہ بخاری کی یہ روایت دیکھ لیتے تو پھر شاید وہ یہ محاکمہ نہ کرتے ۔بخاری کی روایت یہ ہے کہ:

انما خرج رسول الله یرید عبر قریش حتی جمع الله بینهم و بین عدوهم علی غبر میعاد" صحیح بخاری جلد 3 ص 3

یعنی رسول اللہ تو قریش کے تجارتی قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے مگر اللہ تعالی نے ناگہانی طور پر ان کا اور ان کے دشمنوں کا سامنا کر دیا۔

سورہ الانفال کی آیت نمبر 5 تا 7 نے جنگ بدر میں شرکت کرنے والے کچھ اصحاب کے کردار سے اچھی طرح پردہ اٹھایا ہے۔سورۃ محمد کی آیت نمبر 20 نے تو صرف دو باتوں کی نشاندہی کی تھی جو آیت کے آخری حصہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ:

ا۔ رایت الذین فی قلوبهم ۔یعنی جن کے دلوں میں روگ تھا۔

۲۔ ینتظرون الیک نظر المغشی من الموت فاولیٰ لهم

وہ تمہاری طرف اس طرح سے دیکھتے ہیں جس طرح سے وہ دیکھا کرتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو ان کے لئے خرابی ہے۔

مگر سورہ انفال کی آیات 5 تا 7 کئی باتوں کی وضاحت کر رہی ہے جو اس طرح ہے

نمبر 1: پیغمبر اکرم تو خدا کے حکم سے اپنے گھر سے قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے ہی نکلے تھے ۔یہ بات: کما اخرجک ربک من بیتک بالحق سے ثابت ہے

نمبر 2: مگر بہت سے اصحاب پیغمبر کے دل میں یہی خیال تھا کہ ہم ابو سفیان کے قافلہ کو لوٹنے کے لئے جا رہے ہیں یہ بات تودون الی غیر ذات الشوکة لکم سے ثابت ہے۔

نمبر 3: جب پیغمبر نے اپنے اصحاب کو یہ بتلایا کہ ہم کفار مکہ سے جنگ کرنے کے لئے جا رہے ہیں تو کچھ اصحاب پیغمبرؐ کو یہ بات بری لگی اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا یہ بات: ان

فریقاًعن المومنین لکارھون سے ثابت ہے۔

نمبر 4: اور یہ اصحاب پیغمبر نہ صرف کفار قریش سے جنگ کے لئے جانے پر ناخوش اور ناراض تھے بلکہ اس بات سے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ پیغمبر کفار قریش سے جنگ کے لئے جارہے ہیں انھوں نے پیغمبرؐ کے ساتھ ہی جھگڑا شروع کر دیا۔ یہ بات "یجادلونک فی الحق بعد ماتبین" سے ثابت ہے

نمبر 5: اور قرآن یہ کہتا ہے کہ ان اصحاب پیغمبر کی حالت یہ تھی جیسا کہ ان کو موت کے منہ میں ہانک کر لے جایا جارہا ہے۔

خداوند تعالی نے تمام حقائق کو ان آیات میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ لیکن بنی امیہ کے حکمرانوں کی روش یہ رہی ہے کہ ایسی روایات وضع کرائی جائیں جن سے اصحاب پیغمبر تو بچ جائیں اور ان کے تمام عیوب، غلطیاں اور کوتاہیاں پیغمبر کی گردن میں ڈال دی جائیں۔ لہذا جو بات اصحاب پیغمبر چاہتے تھے اسے پیغمبرؐ کا چاہنا بتا دیا۔ اس طرح صحابہ کی تو حفاظت کی اور ناموس پیغمبر کو پارہ پارہ کر دیا۔

قریش سے لڑنے کو ناپسند کس نے کیا؟

علامہ شبلی نے اس بات کو تو بجا طور پر رد کیا ہے کہ:

"پیغمبر گھر سے قریش کا قافلہ لوٹنے کو نکلے تھے"

مگر اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ وہ کون سے اصحاب تھے جو قریش کے ساتھ لڑنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سچی بات ظاہر ہو جانے پر پیغمبرؐ سے ہی جھگڑنے لگ گئے

سیرت امیر المومنین میں اس بارے میں اسطرح لکھا:

"چونکہ یہ کفر و اسلام کے درمیان پہلا معرکہ تھا مسلمان اسلحہ جنگ کے لحاظ سے کمزور اور کفار کی متوقع تعداد کے مقابلہ میں کم تھے اس لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ضروری خیال کیا کہ انصار و مہاجرین کا عندیہ معلوم کریں کہ وہ کہاں تک عزم و ثبات کے ساتھ دشمن کا دفاع کر سکتے ہیں ۔ چنانچہ آنحضرت کے استفسار پر لوگوں نے مختلف جوابات دیئے کچھ ہمت شکن تھے اور کچھ ہمت افزاء۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے جواب پر آنحضرت نے منہ پھیر لیا ۔ مقداد ابن اسود نے پیغمبر کے چہرے پر تکدر کے آثار دیکھے تو کہا کہ یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا ''اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون '' تم جاؤ اور تمہارا خدا اور تم ہی دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں ۔ اس ذات گرامی کی قسم جس نے آپ کو خلعت رسالت پہنایا ہے ہم آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رہ کر لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح و نصرت عطا کرے ۔ اس جواب سے پیغمبر کا تکدر جاتا رہا اور آپ نے مقداد کے حق میں دعائے خیر فرمائی ۔ پھر انصار کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ سعد ابن معاذ انصاری نے بڑی گرم جوشی سے کہا کہ یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور اطاعت کا عہد و پیمان کیا ہے لہذا ہم آپ کے ساتھ ہیں اگر آپ سمندر میں پھاندیں گے تو ہم آپ کے ساتھ پھاندیں گے اور کوئی چیز ہماری راہ میں حائل نہ ہوگی ۔ آپ اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوں ہم میں کی ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گی ۔ پیغمبر اس جواب پر انتہائی خوش ہوئے اور فرمایا:

''واللہ الکافی انظر الیٰ مصارع القوم'' سیرۃ امیر المومنین ص 193

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 140

یعنی خدا کی قسم اب میں دشمن کے گر کر مرنے کی جگہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

سیرت امیر المومنین میں صحیح مسلم کے حوالے سے جو کچھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے بارے میں لکھا ہے وہ عقل میں آنے والی بات ہے ان دونوں کے کفار قریش کے

ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے دونوں سرداران قریش کی پناہ میں تھے ایک ابن الدغنہ کی پناہ میں رہا۔ دوسرا اپنے ماموں ابو جہل کی پناہ میں رہا۔ حضرت ابو بکر کے تعلقات کفار قریش کے ساتھ اتنے اچھے تھے کہ 11 نبوی میں ایمان لانے کے بعد جب انھوں نے ہجرت کی غرض سے حبشہ کی طرف روانگی اختیار کی تو کفار قریش کو اس بات پر بہت افسوس ہوا اور یہ کہا کہ ہم اس شہر میں کس طرح رہیں گے جہاں سے ابو بکر ہجرت کر کے چلے جائیں (دیکھو مدارج النبوۃ کو حوالہ سابقہ صفحات میں)

لہذا یہ دونوں ایک تو اپنے محسنوں کے ساتھ لڑنا مناسب نہیں سمجھتے تھے، کچھ شرم بھی تو آتی ہوگی اور ان کی طاقت وقوت کا رعب بھی ان کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہوگا لہذا ان کا قرآن نے صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ "بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہوگئی گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں" لیکن ہمیں اس بات کی جستجو ہوئی کہ کہیں صحیح مسلم کا حوالہ درست نہ ہو چنانچہ ہم نے صحیح مسلم کا مطالعہ کیا تو ہمیں یہ بات صحیح مسلم میں "باب بدر کی لڑائی کا بیان" میں لکھی ہوئی مل گئی چونکہ عربی عبارت طویل ہے لہذا ہم صحیح مسلم معہ شرح نودی ترجمہ علامہ وحید الزمان کتاب الجہاد والسیر نشر کردہ خالد احسان پبلشرز لاہور جلد 5 کے صفحہ 55-56 سے انکا اردو ترجمہ سالم نقل کر رہے ہیں جو اس طرح سے ہے

باب بدر کی لڑائی کا بیان

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کیا۔ جب آپ کو ابو سفیان کے آنے کی خبر پہنچی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی۔ آپ نے جواب نہ دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی جب بھی آپ مخاطب نہ ہوئے۔ آخر سعد بن عبادہ انصار کے رئیس اٹھے اور انھوں نے کہا آپ ہم سے

پوچھتے ہیں۔ یارسول اللہ قسم خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آپ ہم کو حکم کریں کہ ہم گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دیں تو ہم ضرور ڈال دیں۔ اور اگر آپ حکم کریں کہ ہم گھوڑوں کو بھگاویں برک الغمار تک (جو ایک مقام ہے بہت دور مکہ سے پرے) البتہ ہم ضرور بھگاویں (یعنی ہر طرح آپ کے حکم کے تابع ہیں گو ہم نے آپ سے یہ عہد نہ کیا ہو۔ آفرین ہے انصار کی جانثاری پر) تب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا اور وہ چلے۔ یہاں تک کہ بدر میں اترے۔ وہاں قریش کے پانی پلانے والے ملے ان میں ایک کالا غلام بھی تھا بنی حجاج کا۔ صحابہ نے اس کو پکڑا اور اس سے ابوسفیان اور ابوسفیان کے ساتھیوں کا حال پوچھنے لگے۔ وہ کہتا تھا میں ابوسفیان کا حال نہیں جانتا۔ البتہ ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ اور امیہ بن خلف تو موجود ہیں جب وہ کہتا تو پھر اس کو مارتے جب وہ یہ کہتا کہ اچھا اچھا میں ابوسفیان کا حال بتاتا ہوں تو اس کو چھوڑ دیتے پھر اسے پوچھتے۔ وہ یہی کہتا میں ابوسفیان کا حال نہیں جانتا۔ البتہ ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ اور امیہ بن خلف تو لوگوں میں موجود ہیں۔ پھر اس کو مارتے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ کھڑے ہوئے۔ جب آپ نے یہ دیکھا تو نماز سے فارغ ہوئے اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب وہ تم سے سچ بولتا ہے تو تم اس کو مارتے ہو اور جب جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو (یہ ایک معجزہ ہوا آپ کا) پھر آپ نے فرمایا۔ یہ فلاں کافر کے مرنے کی جگہ ہے اور ہاتھ زمین پر رکھا اس جگہ (اور یہ فلاح کے گرنے کی جگہ ہے) راوی نے کہا پھر جہاں آپ نے ہاتھ رکھا تھا اس سے ذرا بھی فرق نہ ہوا اور ہر ایک کافر اسی جگہ گرا یہ دوسرا معجزہ ہوا۔ شرح مسلم معہ شرح نووی ترجمہ علامہ وحیدالزمان

کتاب الجہاد والسیر جلد پنجم ص 55-56

علامہ وحیدالزمان نے اپنے ترجمہ میں جو یہ لکھا ہے کہ:

"حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی آپ نے جواب نہ دیا"

یہ روایت کے الفاظ۔ فتکلم ابو بکر فاعرض عنہ کا ترجمہ کیا ہے

"فتکلم" کا ترجمہ گفتگو کی تو ٹھیک ہے لیکن وہ ایسی باتیں تھیں جنہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند کیا اور اظہار ناراضگی کے طور پر منہ پھیر لیا۔ بہرحال سیرت امیر المومنین میں صحیح مسلم کا جو حوالہ دیا گیا ہے اس کی تصدیق ہوگئی۔

بہرحال پیغمبر اکرم تین سو تیرہ آدمیوں کی ایک مختصر جمعیت کے ساتھ جن میں شبلی کی الفاروق کے مطابق 83 مہاجر اور باقی انصار تھے 8 رمضان سے 2 ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ الفاروق شبلی ص-85

جنگ بدر میں تائید غیبی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلنے سے لے کر جنگ کے خاتمہ تک یہ جنگ خداوند تعالی کی زیر کمان اور اس کی ہدایات اور احکامات کے ماتحت لڑی گئی جس میں گھر سے روانہ ہونا بھی خدا کے حکم سے تھا جیسا کہ ارشاد ہوا

"کما اخرجک ربک من بیتک بالحق" الانفال-5

"جیسا کہ تیرے رب نے تیرے گھر سے تجھ کو حق کے ساتھ نکالا"

پھر جب مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا لشکر بدر کے مقام پر پہنچا تو خداوند تعالی نے مسلمانوں کے سکون و اطمینان کے لئے ان پر نیند طاری کردی۔ لیکن نیند کی حالت میں جہاں سکون و اطمینان ملا وہاں شیطان نے بھی اپنا جلوہ دکھایا اور بہت سے مسلمان محتلم ہوگئے جبکہ وہاں پر طہارت اور نہانے کے لئے پانی بھی نہیں تھا۔

علاوہ ازیں کفار نے پہلے سے سخت زمین کو منتخب کر کے قیام کیا ہوا تھا لہذا مسلمانوں کو با امر مجبوری ریتلے بالو کے میدان میں قیام کرنا پڑا تھا۔ جس میں پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے جس کی وجہ سے جم کر لڑنا دشوار تھا لہذا خداوند تعالی نے اپنی غیبی امداد کے

ذریعہ مسلمانوں کی مدد کی جیسا کہ ارشاد ہوا:

" اذ یغشیکم النعاس امنة و ینزل علیکم من السماء ماء لیطهرکم و یذهب عنکم رجز الشیطان و یربط علی قلوبکم و یثبت به الاقدام

(الانفال ۔11)

"اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے اپنی طرف سے اطمینان دینے کے لئے تم پر نیند کو غالب کر دیا تھا۔ اور تم پر آسمان پر سے پانی برسایا تھا تا کہ اسے تمہیں پاک و پاکیزہ کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی کو رفع کر دے) اور پانی سے بالو ریت بھی جم جائے) اور تمہارے قدم کو (اچھی طرح سے) جمائے ہے۔

یہ بات مسلمات تاریخیہ سے ہے کہ اس جنگ میں مسلمان تعداد میں بہت کم تھے لہذا اپنے مقابلہ میں تین گنا سے بھی زیادہ لشکر کو دیکھ کر ہمت ہار جانے کا قوی امکان تھا۔ لیکن یہاں بھی خداوند تعالیٰ نے ایک عجیب طریقہ سے حوصلہ قائم رکھنے کی حکمت عملی اختیار کی جیسا کہ ارشاد ہوا:

" واذ یریکموهم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلاً و یقللکم فی اعینهم لیقضی الله امراً کان مفعولا و الی الله ترجع الامور " (الانفال ۔44)

اور اس وقت کو یاد کرو جب تم لوگوں نے کفار کے ساتھ مڈبھیڑ کی تو خدا نے تمہاری آنکھوں میں کفار کو بہت کم کر کے دکھلایا اور ان کی آنکھوں میں تم کو تھوڑا کر دیا تا کہ خدا کو جو کچھ کرنا منظور تھا وہ پورا ہو جائے اور کل باتوں کا دارومدار تو خدا پر ہی ہے۔

جنگ کی ابتداء

بہر حال بدر کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور دشمن کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ۔ اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید قریش کی صفوں میں سے نکل کر مبارز طلب

ہوئے اور مسلمانوں کے لشکر سے عوف ابن حارث۔ معوذ ابن حارث اور عبداللہ بن رواحہ مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا ہم انصار مدینہ ہیں۔ عتبہ نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا کہ تم ہمارے ہم رتبہ نہیں ہو۔ تم واپس جاؤ اور آنحضرتؐ سے مخاطب ہو کر کہا ''اے محمدؐ ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر لوگوں کو بھیجیے جو ہماری قوم میں سے ہوں یہ تینوں انصاری اپنی صفوں میں واپس آگئے اور آنحضرت نے اپنے عزیزوں عبیدہ ابن حارثؓ۔ حمزہ ابن عبدالمطلبؓ اور علی ابن ابی طالبؑ کو بھیجا۔ ان کے پہنچتے ہی انفرادی جنگ کا آغاز ہو گیا اور حضرت عبیدہ۔ حضرت حمزہ اور حضرت علیؑ نے ان تینوں سرداران قریش کو موت کے گھاٹ اتار دیا مگر چونکہ اس جنگ میں حضرت عبیدہ ابن حارث شدید زخمی ہو چکے تھے لہذا وہ ان زخموں سے جانبر نہ ہو سکے اور میدان جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا جنگ بدر میں یہ اسلام کے پہلے شہید ہیں۔

اس کے بعد کفار کی طرف سے جو بھی آیا وہ حضرت علیؑ کی تلوار شر ربار سے زندہ بچ کر نہ گیا۔ کفار کی نامی گرامی شخصیتوں کے قتل ہو جانے سے دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور اکیلے دو کیلے لڑنے کے لئے میدان میں آنے سے جی چرانے لگے۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ اس طرح ایک ایک کر کے میدان میں نکلتے رہے تو کوئی بھی شیر خدا کی تلوار سے زندہ بچ کر نہ پلٹے گا اور ایک ایک کر کے سب موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ لہذا انھوں نے یکبارگی حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

پیغمبرؐ کی بارگاہ خداوندی میں دعا اور جنگ کا حال

یہ وہ موقع تھا کہ جب دشمن کی بڑھتی ہوئی یلغار کو دیکھ کر پیغمبرؐ نے بارگاہ احدیت میں دست بدعا ہو کر عرض کیا:

" اللھم ان تھلک ھذا العصابة من اھل الاسلام لا تعبد فی

الارض اللھم انجزلی ماوعدتنی" سیرۃ امیر المومنین ص 199

بحوالہ تاریخ کامل جلد 2 ص 87

"بارالھا اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ پروردگارا اپنے وعدہ فتح ونصرت کو پورا کر"

اس دعا کے بعد پیغمبر نے نیند کی ایک جھپکی لی اور آنکھیں کھول کر فرمایا: خدا کا شکر ہے اس نے میری دعا قبول فرمالی اور ہماری امداد کے لئے فرشتے بھیج دیئے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے "اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین" (الانفال۔9)

جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کی (اور کہا) میں ایک ہزار فرشتوں سے جو پے در پے آئیں گے تمہاری مدد کروں گا۔

ادھر تو کفار قریش نے یکبارگی حملہ کر کے جنگ مغلوبہ کا آغاز کر دیا اور ادھر خالص خدا کی کمان میں جنگ ہونے لگی اور حکم خداوندی سے فرشتے میدان جنگ میں کود پڑے جیسا کہ ارشاد ہوا:

" اذ یوحی ربک الی الملائکۃ انی معکم فثبتوا الذین آمنوا ، سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب ، فاضربوا فوق الاعناق واضربوا ھم کل بنان" (الانفال۔12)

"اے رسول اس وقت کو یاد کرو جب تمہارا پروردگار فرشتوں سے فرما رہا تھا یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو میں جلد کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا لہذا تم ان کفار کی گردن پر مارو اور ان کی پور پور کو مضروب کر دو"

مسلمان کفار کے لشکر کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھ کر تلواریں چلاتے صفوں کو چیرتے اور دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور جیسا کہ خداوند تعالٰی نے فرمایا

ہے ۔کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا تو ان کے پاؤں رکنے لگے ۔اس موقع پر شیطان سراقہ کی صورت میں آگے بڑھا اور کفار کی ڈھارس بندھا کر انہیں آگے بڑھنے پر تیار کیا لیکن جب اس نے جبرائیل و میکائل کے ساتھ فرشتوں کا لشکر دیکھا تو کافروں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

" واذاذین لهم الشیطان اعمالهم و قال لاغالب لکم الیوم من الناس و انی جارلکم ، فلما ترات الفئتن نکص علیٰ عقبیه و قال انی بری منکم ۔ انی اری مالا ترون انی اخاف الله والله شدید العقاب

(الانفال ۔48)

''اور جب شیطان نے ان کی کارستانیوں کا عمدہ کر دکھایا اور ان سے کہا کہ آج لوگوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو تم پر غالب آسکے اور میں تمہارے ساتھ رہوں گا ۔پھر جب دونوں لشکر مقابل ہوئے تو الٹے پاؤں بھاگ نکلا اور کہنے لگا کہ میں تم سے بالکل الگ ہوں میں وہ چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تمہیں دکھائی نہیں دیتی ۔میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور خدا بہت سخت عذاب دینے والا ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ جنگ بدر کے دن شیطان سراقہ بن حارث کی شکل میں آیا اور لوگوں کو لڑائی پر ابھارنے لگا اور کہا کہ آگے بڑھو میں تمہارے ساتھ ہوں مگر یکا یک فرشتوں کا لشکر دیکھ کر بھاگا ۔جب یہ لوگ مکہ آئے تو انھوں نے سراقہ کی مذمت کی اس نے قسم کھائی کہ میں تمہارے ساتھ نہ تھا اور لوگوں نے بھی کہا کہ وہ مکہ سے باہر نہیں گیا مگر ان کو یقین نہ آیا جب وہ مسلمان ہو گئے تب انھیں معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا۔

آخر الامر حضرت علیؑ اور حضرت حمزہؓ کے پرزور حملوں سے کافروں کے قدم ڈگمگا گئے اور اس طرح تتر بتر ہوئے جس طرح شیر کے حملہ آور ہونے سے بھیڑیں تتر بتر ہوتی ہیں ۔ابن سعد کہتے ہیں:

" رايت عليا يوم بدر يمحم كما يحمحم الفرس ويقول الشعر فما رجع خضب سيفه دما"

سیرۃ امیر المومنین ص 199

بحوالہ کنز العمال جلد 5 ص 270

"یعنی بدر کے دن علی کولڑتے ہوئے دیکھا ان کے منہ سے گھوڑنے کے ہنہنانے کی سی آواز نکل رہی تھی اور برابر رجز پڑھتے جارہے تھے اور جب پلٹے تو ان کی تلوار خون سے رنگین تھی۔

جنگ آخری مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی کفار کا زور ٹوٹ چکا تھا ابو جہل اور دوسرے نامی گرامی سرداران قریش قتل ہو چکے تھے جب دشمن شکست کی آخری منزل پر پہنچ گیا اور اپنے مال واسباب کو چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو مسلمانوں نے بھی جنگ سے ہاتھ روک لیا اور ان کے ساتھ لڑتے ہوئے قتل کرنے کی بجائے انہیں پکڑ پکڑ کر گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

سعد ابن معاذ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان کفار کے ساتھ لڑتے ہوئے انہیں تہ تیغ کرنے کی بجائے زندہ گرفتار کر رہے ہیں تو وہ مسلمانوں کی اس حرکت پر پیچ و تاب کھانے لگے اور پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں عرض کی

" يارسول الله اول وقعة اوقعها الله بالمشركين كان الاشخان احب الي من استقباء الرجال"

سیرۃ امیر المومنین ص 200

بحوالہ تاریخ کامل جلد 2 ص 88

"یارسول اللہؐ یہ پہلا معرکہ تھا جس میں اللہ نے مشرکوں کو شکست دلائی ہے ان لوگوں کو گرفتار کرنے کی بجائے انہیں اچھی طرح کچل دینا مجھے زیادہ پسند تھا"

سعد ابن معاذ کی اس بات سے ثابت ہے کہ ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی تھی کچھ لوگ لڑ رہے تھے اور کچھ اپنا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے کہ مسلمانوں نے جنگ سے ہاتھ روک کر مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا اور انہیں پکڑ پکڑ کر قیدی بنانا شروع کر دیا۔

بہر حال اس جنگ میں 70 کفار مارے گئے جن میں سے نصف یعنی 35 صرف حضرت علی کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔

مال غنیمت کی تقسیم کا بیان

جنگ سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت نے حکم دیا کہ مال غنیمت ایک جگہ پر جمع کردیا جائے۔لیکن یہ حکم بعض طبیعتوں پر گراں گذرا۔کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ دستورعرب کے مطابق جو جس نے لوٹا ہے وہ اسی کے پاس رہے مگر پیغمبرؐ نے اس کی اجازت نہ دی اور آپ نے مال غنیمت تمام شرکاء جنگ میں مساوی تقسیم کردیا۔

اسیران جنگ کی رہائی کا بیان

مدینہ پہنچنے کے بعد پیغمبر اکرم نے اسیران بدر کو مختلف لوگوں کے گھر ٹھہرایا اور ان کے حسن سلوک کی ہدایت فرمائی چنانچہ جب تک وہ مسلمانوں کی تحویل میں رہے ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جاتا رہا جس کا ان اسیروں نے خود بھی اعتراف کیا اور پھر ان قیدیوں میں سے جو صاحب حیثیت تھے ان سے فدیہ لے کر آزاد کردیا گیا اور جو مالی حیثیت سے کمزور تھے اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان سے یہ طے کیا کہ وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں اور اس کے عوض انھیں رہا کردیا جائیگا۔چنانچہ وہ طےشدہ معاہدہ پورا کرنے پر آزاد کردیئے گئے لیکن جو بالکل نادار تھے اور پڑھنا لکھنا بھی نہیں جانتے تھے انہیں ویسے ہی احسان کر کے آزاد کردیا گیا۔اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل سورہ محمدؐ کی آیت نمبر 4 کے عین مطابق تھا جسے ہم سابقہ اوراق میں نقل کرچکے ہیں اس کا ترجمہ موقع کی مناسبت سے یہاں پر بھی لکھتے ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"جب تک کافروں سے لڑ رہے ہوتو ان کی خوب گردنیں مارو یہانتک کہ جب

خوب خون بہا چکو اور انہیں زخموں سے چور چور کر دو تو ان کی مشکیں کس لو (اور انہیں قیدی بنالو) پھر ان پر احسان کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دو یا معاوضہ (فدیہ) لے کر رہا کر دو یہاں تک کہ دشمن جنگ کے ہتھیار رکھ دے۔ (سورہ محمدؐ۔4)

کیا اسیران جنگ کے بارے میں کسی سے رائے لینے کی ضرورت تھی

جنگ بدر سے پہلے ہی اسیران جنگ کے بارے میں واضح آیت نازل ہو چکی تھی اور واضح حکم آ چکا تھا یعنی اسیران جنگ کے ساتھ جو سلوک ہونا چاہیے تھا اس کا قدرت نے پہلے ہی فیصلہ دے دیا تھا کہ انہیں یا تو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا احسان کر کے آزاد کر دیا جائے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے عین حکم خدا کے مطابق عمل کیا۔ لہذا اس سلسلے میں نہ تو کسی سے رائے لینے کی ضرورت تھی اور نہ ہی حکم خدا کے مطابق عمل کرنے سے کسی عتاب اور عذاب کا سوال پیدا ہوتا تھا مگر یہاں بھی حضرت عمر کی رائے کو پیغمبر کی رائے پر فوقت دکھانے کے لئے ایک روایت گھڑی گئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

حضرت عمر نے ان کے قتل کی رائے دی تھی اور حضرت ابو بکر نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی اور پیغمبر نے حضرت ابو بکر کی رائے کو پسند کر کے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ مگر خدا نے فدیہ لینے کو پسند نہ کیا اور حضرت عمر کی رائے قتل کو پسند فرمایا علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں اس بات کو طبری کے صفحہ 1355 کے حوالے سے "قیدیوں کے معاملہ میں حضرت عمر کی رائے" کے عنوان کے تحت اس طرح نقل کیا ہے:

قیدیوں کے معاملہ میں حضرت عمر کی رائے: اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ نے تمام صحابہ سے رائے لی اور لوگوں نے

مختلف رائے دی۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں اس لئے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملہ میں رشتہ وقرابت کو دخل نہیں ان سب کو قتل کر دینا چاہیے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کر دے علی عقیل کی گردن ماریں۔ حمزہ عباس کا سر اڑا دیں اور فلاح شخص جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کر دوں۔ الفاروق شبلی دوسرا مدنی ایڈیشن 1970 صفحہ 87

بحوالہ تاریخ طبری صفحہ 1355

اس بارے میں نہ صرف حضرت عمر کی رائے کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی رائے پر فوقیت دی گئی بلکہ انہیں ایک الہامی شخصیت ثابت کرنے کی بھی کوشش کی گئی جیسا کہ محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر نے اپنی کتاب حضرت عمر فاروق اعظم میں لکھا ہے کہ:

''مسلمانوں نے اس جنگ میں دشمن کے ستر آدمی گرفتار کیے جن میں بیشتر قریش کے سردار اور اعیان واکابر تھے ان قیدیوں کے متعلق مسلمانوں میں سب سے زیادہ مخالفانہ روش حضرت عمر کی تھی اور وہ ان سب کو قتل کر دینا چاہتے تھے..........

اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ کیا اور بات فدیہ قبول کر لینے پر ختم ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا لیکن اس کے فوراً بعد وحی آئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" ما كان لبني ان يكون له اسرىٰ حتي يثخن في الارض تريدون عرض الدنيا والله يريد الا خرة والله عزيز حكيم "

نبی کو یہ مناسب نہ تھا کہ ان کے پاس قیدی رہیں جب تک ملک میں خوب قتل نہ کریں تم لوگ دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے

اس طرح اسیران بدر کے سلسلہ میں حضرت عمر کی رائے نے الہامی شخصیت

ہونے کا ثبوت فراہم کردیا جیسا کہ اس سے پہلے اذان کے مسئلہ میں بھی ظاہر ہوچکا تھا اس سے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور مسلمانوں کی نگاہ میں حضرت عمر کی حیثیت بلند اور ان کی رائے وقیع ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق اعظم از محمد حسین ہیکل ص 77

یعنی ان حضرات کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صاحب وحی اور صاحب کتاب و نبوت ورسالت تو الہامی شخصیت نہیں تھے ہاں حضرت عمر الہامی شخصیت تھے۔

پیغمبرؐ نے جو رائے قائم کی وہ تو ایسی تھی کہ قدرت کو عذاب کی تہدید کرنی پڑی اور قدرت کی نظر میں حضرت عمر کی رائے درست اور صحیح تھی۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر عظمت ناموس رسالت کو پارہ پارہ کیا جاسکتا ہے۔

یہاں بھی اصحاب کے عیوب کو پیغمبرؐ کی گردن میں ڈال دیا گیا حالانکہ سورۃ الانفال کی آیت نمبر 68 میں عتاب کا رخ ان اصحاب کی طرف ہے جنہوں نے جنگ سے ہاتھ روک کر اور میدان جنگ میں خونریزی کے ذریعہ دشمن کا صفایا کرنے کی بجائے دنیا کے لالچ میں انہیں گرفتار کرنا شروع کردیا۔ چنانچہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ: **ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض** جب تک خوب اچھی طرح سے میدان جنگ میں خونریزی نہ کرلیں کسی کو گرفتار نہ کریں۔ اور اس بات کو آیت کے دوسرے حصہ میں واضح طور پر بیان کیا ہے کہ: "**تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرہ** تم لوگ دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے"۔ اس روایت کے گھڑنے کا واضح مقصد یہ ہے کہ آیت کے تہدیدی لہجے کا رخ اصحاب پیغمبر کی بجائے پیغمبر کی طرف مڑ جائے کہ انھوں نے غلطی کی اور فدیہ لینے پر رضامند ہوگئے۔ جس پر قدرت نے اپنا عذاب دکھایا اور تنبیہ کے لئے آیت نازل فرمائی۔

حالانکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم نے میدان جنگ میں لڑنے سے ہاتھ کیوں روکا اور میدان جنگ میں لڑتے ہوئے دشمن کا اچھی طرح خون کیوں نہ بہایا۔

اگر چہ یہ روایت قطعی طور پر وضع اور گھڑی ہوئی ہے اور حضرت عمر کی فرضی فضیلت کے اظہار کے لئے گھڑی گئی ہے اور حضرت عمر کے مداح اس بات کو حضرت عمر کی بہت بڑی فضیلت سمجھتے ہیں۔

لیکن قیدیوں کو قتل کر دینے کی رائے کو دنیا کا کوئی بھی شریف اور عقلمند انسان پسند نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر کی اس رائے میں معلوم نہیں انہیں کیسے فضیلت نظر آئی۔ قیدیوں کو قتل کرنے کا نہ تو قرآن میں کوئی حکم ہے نہ ہی کسی حدیث میں اور نہ ہی کسی مہذب قوم میں یہ قانون ہے کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور نہ ہی اسلام کا یہ شعار ہے۔

دراصل آیت کا عتاب اس بناء پر نہیں تھا کہ ان سے فدیہ لینے کی بجائے انہیں قتل کیوں نہ کر دیا گیا بلکہ وجہ عتاب یہ تھی کہ دنیا کے لالچ میں، میدان جنگ میں پوری طرح خونریزی سے پہلے انہیں اسیر کیوں کیا گیا۔ اور اب جبکہ انہیں اسیر کر کے مدینہ لایا جا چکا تھا تو سورہ محمد کی آیت نمبر 4 کی رو سے ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینا عین منشائے الٰہی اور حکم خداوندی کے مطابق تھا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے جنگ کے آغاز سے پہلے ہی دستور العمل دے دیا تھا اور اسیروں کے لئے بھی واضح حکم آگیا تھا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا تھا تو یہ بات کیوں گھڑی گئی کہ حضرت عمر نے قیدیوں کو قتل کا فتویٰ دیا تھا یا قتل کی رائے دی تھی جبکہ خدا کے حکم کے ہوتے ہوئے کسی کی رائے لینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ عقل یہ کہتی ہے کہ خدا کے حکم کی موجودگی میں نہ تو پیغمبر کو کسی سے رائے لینے کی ضرورت تھی اور نہ ہی کسی نے اس سلسلہ میں کوئی رائے دی بلکہ خدا نے سورہ محمدؐ کی آیت نمبر 4 میں جو حکم دیا تھا پیغمبرؐ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ مگر چونکہ اس جنگ سے پہلے روانگی کے وقت خدا نے ان اصحاب کے کردار کو اجاگر کیا تھا کہ وہ کفار قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے جانا پسند نہیں کرتے تھے اور یہ بات معلوم ہو جانے

کے بعد کہ پیغمبر کفار قریش سے لڑنے جارہے ہیں پیغمبر سے ہی جھگڑنے لگ گئے تھے اور جب بادل نخواستہ ساتھ جانا پڑ گیا تو وہ یہ سمجھ رہے تھے جیسا کہ موت کے منہ میں جارہے ہیں اور وہ آنحضرتؐ کو اس طرح سے دیکھ رہے تھے جیسا کہ وہ دیکھا کرتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ یہ سب باتیں سورہ الانفال کی مذکورہ آیات میں بیان ہوئی ہیں جن کا بیان سابق میں گذر چکا ہے۔لہذا ان باتوں سے غافل کرنے کے لئے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی قیدیوں کے بارے میں رائے کو گھڑ کر ان کے مداحوں نے پیش کیا تا کہ ان کو اس جھوٹے من گھڑت افسانے کے ذریعے الہامی شخصیت بنایا جائے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مورد عتاب قرار دیں اور اسطرح حضرت عمر کو الہامی شخصیت بنا کر عظمت ناموس رسالت کو پارہ پارہ کریں۔ حالانکہ قرآن میں عتاب کا رخ ان اصحاب کی طرف تھا جو میدان جنگ میں لڑتے ہوئے خون بہانے کی بجائے مال غنیمت کے لوٹنے اور کفار قریش کو پکڑ پکڑ کر قیدی بنانے میں مصروف ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ مال و زر کی ہوس عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اسلام کے بعد بھی اس دیرینہ ذہنیت میں تبدیلی نہ ہوئی تھی ۔ چنانچہ ابتدا میں قریش کے لشکر سے بھڑنے کی بجائے ابو سفیان کے کاروان کی جستجو میں رہے اور جنگ کے خاتمے پر اپنے سمیٹے ہوئے مال پر اپنا حق جتانے بیٹھ گئے۔لوٹنے والے کہتے ہیں یہ ہماری ملکیت ہے اور لڑنے والے کہتے تھے یہ ہماری وجہ سے ملا ہے اس لئے ہم اس کے حقدار ہیں اور اسی دولت کے لالچ میں آ کر کفار کا استیصال کرنے سے پہلے انہیں پکڑ پکڑ کر قیدی بنانے لگے علامہ شبلی نے عربوں کے اس شغف کو بیان کرنے کے لئے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں ایک عنوان یہی ''مال غنیمت کی محبت'' تحریر کیا ہے چنانچہ وہ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

مال غنیمت کی محبت

''سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مال غنیمت کے ساتھ لوگوں کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیوں کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا۔اس کو اصلاح میں نہایت تدریج سے کام لینا پڑا۔ جاہلیت میں تو غنیمت محبوب ترین چیز تھی۔تعجب یہ جو اسلام میں بھی ایک مدت تک اس کو ثواب کی چیز سمجھتے تھے۔ابو داؤد میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

رجل يريد الجهاد في سبيل الله و هو يبغي عرضاً من عرض الدنيا فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا اجر له فاعظم ذالک الناس و قالوا الرجل عد لرسول الله صلى الله عليه وسل فلعلک لم تفهمه''

(ابو داؤد بابت فیمن یغزو یلتمس الدنیا)

ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے آپ نے فرمایا اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔یہ امر لوگوں کو بہت عجیب معلوم ہوا اور لوگوں نے اس شخص سے کہا پھر جا کر پوچھا غالباً تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مطلب نہیں سمجھا۔بار بار لوگ دوبارہ دریافت کرنے کے لئے بھیجتے تھے اور ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرتؐ نے ایسا فرمایا ہوگا بالآخر جب آپ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا کہ ''لا اجر لہ'' کہ اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا تب لوگوں کو یقین آیا (سیرۃ النبی جلد 1 ص 613)

اس کے بعد علامہ شبلی نے ایک واقعہ اپنے مذکورہ بیان کے ثبوت میں تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ان میں سے ایک صاحب صف سے آگے نکل گئے قبیلہ والے روتے ہوئے،

انھوں نے کہا لا الہ الا اللہ کہو تو بچ جاؤ گے۔ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور حملہ سے بچ گئے۔ اس پر ساتھیوں نے ان کو ملامت کی کہ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کردیا۔ ابو داؤد میں صحابی کا قول ان لفظ میں مذکور ہے:

" فلامنی اصحابی و قالوا احرمتنا الغنیمة "

(ابو داؤد باب مایقول اذا اصبح کتاب الادب)

مجھ کو میرے ساتھیوں نے ملامت کی کہ تم نے ہمیں غنیمت سے محروم کردیا۔

سیرۃ النبی جلد 1 ص 614

اس واقعہ کو لکھنے بعد شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"قرآن مجید میں غنیمت کی نسبت متاع دینوی کا لفظ آتا تھا، اور اس کی طرف انہماک اور روارفتگی پر ملامت کی جاتی تھی جنگ احد میں جب اس بناء پر شکست ہوئی کہ کچھ لوگ کفار کا مقابلہ چھوڑ کر غنیمت میں مصروف ہوگئے تو یہ آیت اتری۔

" منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرة " (آل عمران)

تم میں کچھ دنیا کے طلبگار تھے اور کچھ آخرت کے"

جنگ بدر میں لوگوں نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنا شروع کردی (یا) بقول بعض مفسرین فدیہ کی خواہش سے لوگوں کو گرفتار کیا تو یہ آیت اتری:

" تریدون عرض الدنیا و اللہ یرید الاخرة " (انفال)

"تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا ہے۔

(سیرۃ النبی جلد 1 ص 615)

جنگ بدر اسلام کی سب سے پہلی جنگ تھی کہا جاسکتا تھا کہ ابھی شروع شروع کی بات تھی ہوسکتا ہے آخر میں عربوں کی اس حالت کی اصلاح ہوگئی ہو۔ لیکن شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ عربوں کی یہ عادت آخر تک نہ بدلی۔ جنگ حنین اسلام کی تقریباً سب سے بڑی جنگ

تھی اس کے بارے میں شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''باوجودان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوہ حنین جو 8ھ میں واقع ہوا تھا اس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوگئے۔ صحیح بخاری میں غزوہ حنین کے ذکر میں ہے:

" فاقبل المسلمون علی الغنائم واستقبلونا بالسهام (صحیح بخاری)

''تو مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں پر رکھ لیا۔

(سیرۃ النبی جلد 1 ص 615)

کفار قریش کی لاشوں کا چاہ بدر میں پھکوانا

جس وقت جنگ اپنے اختتام کو پہنچی تو کفار کے ستر (70) لاشے میدان میں بکھرے پڑے تھے۔ آنحضرت نے ان لاشوں کو چاہ بدر میں پھکوا دیا اور انہیں مخاطب کر کے کہا: ''میں نے اپنے پروردگار کے وعدے کو سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا ہے''

کچھ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ آپ مردوں سے باتیں کرتے ہیں۔ کیا مردے بھی سنا کرتے ہیں۔ فرمایا:

" ما انتم باسمع لما اقول منهم ولکنهم لا یستطیعون ان یجیبونی "

(تاریخ کامل جلد 2 ص 190)

''وہ تم سے زیادہ میری بات سنتے ہیں مگر جواب دینے سے عاجز ہیں''

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے حضرت عمر تھے۔

سوانح عمر رسول مقبول ص 139

بحوالہ صحیح بخاری مترجم کتاب المغازی ب 12 ص 12

جنگ بدر میں پیغمبر اکرمؐ پر خیانت کی بدظنی کرنا

عربوں کو مال غنیمت سے اتنی محبت تھی کہ بدر کے مال غنیمت میں سے ایک سرخ چادر چرالی۔اور جب اس کا کوئی سراغ نہ ملا تو انھوں نے خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ الزام جڑ دیا کہ پیغمبرؐ نے وہ سرخ چادر اڑائی ہے یہاں تک کہ خود خدا کو قرآن میں پیغمبرؐ کی صفائی دینی پڑی اور ارشاد فرمایا:

" وما كان لنبي ان يغل و من يغلل يات بما غل يوم القيامة "

(آل عمران۔161)

"کسی نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا تو جو چیز خیانت کی ہے قیامت کے دن وہی چیز (بعینہ خدا کے سامنے) لانا ہوگا۔

تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے کہ:

" نزل لما فقدت قطيعة صمراء يوم بدر فقال بعض الناس لعل البني صلعم اخذها و ما كان النبي ان يغل يخون في الغنيمة فلا تظنون به ذالک " (تفسیر جلالین در تفسیر آیہ مذکور)

"جب چادر سرخ بدر کے دن گم ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا غالباً نبی نے لے لی ہوگی تب یہ آیت نازل ہوئی 'وما کان لبني ان يغل "یعنی نبی کبھی خیانت نہیں کرتا غنیمت وغیرہ میں تم اس پر بدظنی نہ کرو۔

جنگ بدر کے تعلق سے ہی شان رسالت میں ایک اور توہین

خداوند تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

" فقاتل في سبيل الله لا تكلف الا نفسک و حرمن المومنين

عسیٰ اللہ ان یکف باس الذین کفروا واللہ اشد باساً و اشد تنکیلاً

(النسا۔84)

(اے میرے حبیب) تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ (ہماری طرف سے) یہ ذمہ داری صرف تمہارے ہی اوپر ڈالی گئی ہے اور تم ایمانداروں کو جہاد کے لئے ترغیب دو انہیں بلاؤ۔ جہاد کے لئے دعوت دو۔ قریب ہے کہ اللہ کافروں کو جنگ کرنے سے روک دے گا اور اللہ لڑائی میں بھی بڑا سخت ہے اور سزا دینے میں بھی بڑا سخت ہے۔

اگر مسلمانوں پر جہاد کو فرض کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:

"کتب علیکم القتال" "تم پر جہاد واجب کر دیا گیا ہے

لیکن جہاد کی ذمہ داری صرف خدا کی طرف پیغمبر پر ڈالی گئی۔" لا تکلف الا نفسک "یہ صرف تمہاری ذمہ داری ہے اور مومنین کو دعوت دینا اور ترغیب دینا۔ وحرض المومنین

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت اجتماعی کاموں میں مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے تھے جب مسجد نبوی تعمیر ہونے لگی تو پیغمبر اکرم سب کے ساتھ اینٹیں یا پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے جب احزاب میں جنگ خندق کھودنے کا پروگرام بنا تو سب کے سب خندق کھودنے میں مصروف رہے اور جہاد و قتال کے لئے تو خدا نے مکلف آنحضرت کی ذات ہی کو بنایا تھا

" لا تکلف الا نفسک "لہذا پیغمبر خود لشکر کی صف بندی کرتے تھے میمنہ و میسرہ ترتیب دیتے تھے موقع و محل کے مطابق جنگ کے احکام صادر کرتے تھے اور جنگ بدر میں تو دشمن کے قتل ہو ہو کر گرنے کے مقامات کی نشاندہی کی اور ایک ماہر آزمودہ کار سپہ سالار کی طرح فوج کی کمان کی ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

" روی رسول اللہ فی اثر المشرکین یوم بدر مصلتا السیف یتلو

هذه الایة ۔ سیهزم الجمع و یولون الابر "   تاریخ طبری جلد 2 ص 172

بدر کے دن پیغمبر اکرم تلوار علم کئے مشرکوں کا پیچھا کرتے دیکھے گئے اور یہ آیت پڑھتے جاتے عنقریب لشکر شکست کھائیگا۔ اور پیٹھ پھرا کر چل دے گا۔

تاریخ طبری میں ہی امیر المومنین کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ " لما ان کان یوم بدر و حضر الناس اتقینا برسول الله فکان من اشد الناس باساً و ما کان منا احد اقرب الی العدو منه "   تاریخ طبری جلد 2 ص 135

جب بدر کا دن آیا اور لوگ حاضر ہوئے تو ہم رسول اللہ کے دامن میں پناہ لیتے تھے آپ کا دبدبہ سب لوگوں سے زیادہ تھا اور ہم سب کی نسبت دشمن سے زیادہ قریب تھے۔

لیکن چونکہ وہ اصحاب جو جنگ کا نام سن کر ناراض ہو گئے تھے اور قریش کے ساتھ لڑنے کی خبر سن کر پیغمبر سے ہی جھگڑنے لگ گئے تھے جن حالت یہ ہو گئی تھی کہ جیسا کہ موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہوں یا جیسا کہ اس کی حالت ہو جس پر موت کی غشی طاری ہو یہ اصحاب بندھے جڑے ساتھ تو چلے گئے لیکن چونکہ بنی امیہ کے حکمرانوں کے حکم سے روایت سازی کو بدر کے دن ان کا کوئی کارنمایاں نظر نہ آیا لہذا بدر میں ایک چھپر کی روایت گھڑی گئی جس میں پیغمبر قیام کریں اور یہ اصحاب ان کے ساتھ رہیں۔

ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ طبری میں اور ابن اثیر نے اپنی تاریخ کامل میں اور دوسرے مورخین واقعات بدر کے سلسلہ میں یہ روایت درج کی ہے کہ " جب پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وادی بدر میں وارد ہوئے تو سعد ابن معاذ نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم کھجور کی شاخوں کا ایک چھپر ڈالے دیتے ہیں آپ اس میں قیام فرمائیں اس چھپر کے قریب آپ کی سواری موجود رہے گی اگر ہم دشمن پر غالب آئے تو بہتر اور اگر ہمیں شکست سے دوچار ہوتے دیکھیں تو آپ سواری پر بیٹھ کر مدینہ واپس چلے جائیں "

اس روایت کی نہ تو واقعات بدر سے تائید ہوتی ہے اور نہ سیرت رسول سے ساز

گار ہے اول تو یہ بات نا قابل فہم ہے کہ کھجور کی اتنی شاخیں کہاں سے لائی گئیں جن سے چھپر تعمیر ہوا جبکہ بدر کے دن آس پاس کھجور کے درخت تھے ہی نہیں جیسا کہ ابن ابی الحدید نے اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

لاعجب من امر العريش من ابن كان لهم و معهم من سعف النخل يا يبنون عريشاً وليس تلك الارض بدر ارض نخل"

سیرت امیر المومنین ص 194-195

بحوالہ شرح ابن ابی الحد جلد 3 ص 330

مجھے عریش (چھپر) کے معاملہ میں بڑی حیرت ہے کہ کھجور کی اتنی شاخیں جن سے چھپر بنایا گیا کہاں سے مہیا کی گئیں جب کہ بدر کی سرزمین پر کھجور کے درخت ہوتے ہی نہ تھے یہ عریش یا چھپر اس لیے بنوایا گیا تا کہ وہ اصحاب پیغمبر جنہوں نے اس جنگ میں عملی حصہ نہیں لیا انہیں عریش کے اندر پیغمبرؐ کے ساتھ بٹھایا جا سکے۔

کیا کوئی گمان کرسکتا ہے کہ وہ پیغمبر جس نے کفار کے مرمر کے گرنے کے مقامات کی نشاندہی کی جسے وحی نے کامیابی اور فتح و کامرانی کی بشارت دی وہ چھپر کا گوشہ منتخب کر کے شکست کی صورت میں راہ فرار اختیار کرنے کے لئے مطمئن ہو کر بیٹھا ہو گا جب خدا نے قتال و جہاد کے لئے مکلف صرف انہیں کی ذات کو بنایا تھا۔ اور وہ کسی خوف و خطر کے بغیر دشمن کی صفوں سے قریب تر تھا۔ اور بھاگنے والوں کو جنگ سے پہلے ہی آیات خداوندی سنا کر عذاب کی وعید سنا چکا تھا وہ خود چھپر کے نیچے شکست کی صورت میں بھاگنے کے لئے تیار ہو کر بیٹھا ہو گا۔

اصحاب پیغمبر کی کوتاہیوں اور لغزشوں کو چھپانے کے لیے کیا کیا جتن کیے گئے؟ اور ناموس پیغمبر کو کس طرح سے تار تار کیا گیا؟ اس کا پردہ انہیں کی آنکھوں سے ہٹتا ہے جو غیر جانبدارانہ طور پر تحقیق کرتے ہیں۔

اس مقام پر ایک واقعہ کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ علامہ شبلی کی کتاب الفاروق نثر میں لکھا ہوا حضرت عمر کی شان میں ایک قصیدہ ہے اس کتاب میں انھوں نے بڑی محنت کے ساتھ حضرت عمر کی ہر کوتاہی کو کمال بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کی ہر لغزش پر پیغمبر کو قصوروار ٹھہرایا اور ان کی ہر برائی کو بنا سنوا کر اچھائی کی صورت میں پیش کیا۔ پاکستان کے تعلیمی بورڈ نے میٹرک کے اردو کے نصاب میں شخصیات کے بارے میں حضرت عمر کے حالات زندگی شبلی صاحب کی الفاروق سے اخذ کر کے شامل نصاب کردیا۔ اگرچہ شبلی صاحب نے اس بات کو بھی بڑا بنا سنوا کر اچھی سی تصویر بنا کر پیش کیا تھا مگر وہ برائی جو اس میں موجود تھی اس سے خطرہ تھا کہ طلبہ کے ذہن کی صاف پلیٹ پر کوئی غلط اثر نہ پڑے لہذا (ایم ایم اے) متحدہ مجلس عمل نے آسمان سر پہ اٹھالیا اور بیچاری وفاقی وزیر تعلیم محترمہ زبیدہ جلال کا ناطقہ بند کردیا اور ناک میں دم کردیا ان کو امریکی ایجنٹ قرار دیا اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہا اور بالآخر وہ بیان میٹرک کے اردو کے نصاب سے خارج کردیا گیا۔

نذیر ناجی صاحب نے اخبار جنگ میں بڑے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مولانا حضرات تحریک پاکستان کے سخت مخالف تھے مگر انھوں نے غلبہ کر کے نصاب کی کتابوں سے ان باتوں کو نکلوا دیا ہے جن میں ان کے پاکستان مخالف بیانات کا ذکر تھا۔

شاید نذیر ناجی صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ ان مولانا صاحبان نے یہ بات صرف آج ہی نہیں کی بلکہ چودہ سو سال سے ان کا یہی کام رہا ہے۔

اب ہم جنگ بدر کے حالات کو مختصر کر کے یہیں پر ختم کرتے ہیں اور 3 ھ کے واقعات میں سے جنگ احد کا حال بیان کرتے ہیں۔

3 ھ کے واقعات جنگ احد کا بیان

یہ جنگ کئی لحاظ سے قابل غور ہے جسے ہم مختلف عنوانات کے تحت تحریر کرتے ہیں

جنگ کے اسباب

جنگ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے اور ستر ہی اسیر بنائے گئے اور باقی ہزیمت اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

قریش کے دلوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑی ہوئی تھی اور سینوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی اور اسی خیال سے کہ کہیں جوش انتقال سرنہ پڑ جائے مقتولین بدر پر رونے سے منع کر رکھا تھا۔

ابوسفیان جو قیادت وسرداری کے خواب دیکھ رہا تھا اسے ابوجہل اور دوسرے سرکردہ افراد کے مارے جانے سے آگے آنے کا موقع مل گیا اس نے عوام کے جذبات کو متاثر کرنے کے لئے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک سر میں تیل نہیں ڈالوں گا جب تک قریش کے کشتوں کا بدلہ نہیں لے لوں گا۔

قریش کے سرکردہ افراد نے گذشتہ سال کا تجارت کا مشترکہ منافع جو پچاس ہذار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹوں کی شکل میں تھا اور ابھی تک شرکاء میں تقسیم نہیں ہوا تھا جنگی مصارف کے لئے مخصوص کردیا۔ تاکہ مالی اعتبار سے مضبوط ہوکر مسلمانوں سے جنگ لڑی جائے۔

بھرپور تیاری کے ساتھ حملہ کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ تباہ کن جنگ لڑنے کے لئے قریش نے اہل تہامہ اور بنی کنانہ کے سات سو آدمیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور جب ان کے لشکر کی تعداد بڑھتے بڑھتے تین ہزار تک پہنچ گئی تو یہ لشکر ابوسفیان کی قیادت میں مکہ سے نکل کھڑا ہوا۔

جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو ابوسفیان کے لشکر کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ نے مدینہ سے باہر دو آدمیوں کو بھیجا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ یہ خبر کہاں تک درست ہے

انھوں نے پلٹ کر بتایا کہ قریش کا لشکر مار دھاڑ کرتا ہوا اطراف مدینہ میں پہنچ چکا ہے۔

تاریخ خمیس جلد 1 صفحہ 431 کے مطابق قریش کے لشکر نے ابو سفیان کی قیادت میں بڑے ساز و سامان کے ساتھ بروز بدھ 12 شوال 3ھ کو مدینہ کے شمال کی طرف احد کے دامن "وادی عتیق" میں پڑاؤ ڈالا۔

دفاع کے سلسلہ میں اختلاف

مسلمانوں کو دشمن کے سر پر پہنچ جانے کی خبر ہوئی تو ان میں مدینہ کے دفاع کے سلسلہ میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نہ نکلیں بلکہ مرد تو گلیوں میں دشمن کے ساتھ دست بدست جنگ کریں اور عورتیں بچے اور بوڑھے چھتوں سے سنگ باری کر کے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیں اس نظریہ کو پیش کرنے اور اس کی حمایت میں عبد اللہ ابن ابی اور جماعت منافقین پیش پیش تھی۔ لیکن پیغمبر نے دوسرے نظریہ کو اختیار کیا۔ آپ گھر میں تشریف لے گئے زرہ پہنی، شمشیر حمائل کی۔ سپر پشت پر ڈالی کمان کاندھے پر لٹکائی اور نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے گھر سے برآمد ہوئے۔

خود پیغمبر کی رائے کیا تھی

سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں نظریوں میں سے کون سا نظریہ صحیح تھا اور مصالح عامہ کے موافق تھا۔

اس میں شک نہیں کہ مدینہ میں رہ کر گلیوں میں دست بدست لڑنا اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا چھتوں سے سنگ باری کرنا یقینی طور پر مصلحت کے سراسر خلاف اور کامل طور پر خطرناک تھا کیونکہ اولاً چونکہ مسلمانوں نے بدر میں نمایاں کامیابی حاصل کی تھی اور اب شکست خوردہ دشمن تازہ دم فوج کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ ان حالات میں اگر

مسلمان مدینہ کے اندر گھروں میں بیٹھے رہتے اور مدینہ کے دفاع کے لئے عورتوں سے مدد کے طالب ہوتے تو وہ دھاک جو وہ جنگ بدر میں بٹھا چکے تھے اس پر پانی پھر جاتا۔ لہذا مدینہ کے اندر رہ کر لڑنا مصلحت کے سراسر خلاف تھا۔

ثانیا: مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کرنا انتہائی خطرناک بھی تھا۔ کیونکہ عین ممکن تھا کہ مدینہ کے گھروں سے کچھ گھر دشمن کے لئے جائے امن اور پناہ گاہ بن جاتے اور کچھ بعید نہیں تھا کہ منافقین جنگ کی گرماگرمی میں دشمن کے شہر پر مسلط ہونے کا کوئی وسیلہ فراہم کر دیتے اور وہ شہر کے حساس نقاط پر مسلط ہو کر مسلمانوں کو تباہ کن اور نا قابل تلافی نقصان پہنچا دیتے۔

چونکہ مصالح عمومی اور حالات کی نزاکت کو پیغمبرؐ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں جان سکتا تھا لہذا اس تحلیل و تجزیہ کا تقاضا یہ ہے کہ دفاع کے بارے میں پیغمبر کا نکتۂ نظر بھی مدینہ سے باہر میدان میں نکل کر لڑنے کا ہی ہو۔ اور چونکہ پیغمبرؐ اس بات کو سب سے بہتر جانتے تھے کہ مصالح عامہ کیا ہے اور حالات کا تقاضا کیا ہے لہذا وہ چند جوانوں کے اصرار پر مصالح عامہ اور حالات کی نزاکت کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

یہاں بھی ناموس رسالت کی توہین

جس طرح اذان کے بارے میں پیغمبرؐ پر یہ تہمت لگائی گئی کہ وہ نمازیوں کو بلانے کے لئے ناقوس بجوانا چاہتے تھے اور اس طرح ناموس رسالت کو جنگ بدر میں پارہ پارہ کیا یہ الزام لگا کر وہ ابوسفیان کے قافلے کو لوٹنے کے لئے نکلے تھے۔ یا پیغمبرؐ شکست کی صورت میں بھاگنے کا انتظام کر کے چھپر تلے بیٹھ گئے تھے یا پیغمبر نے مال غنیمت میں سے سرخ چادر چرائی تھی اس طرح جنگ احد میں بھی اس مقام پر بنی امیہ کے پروردہ راویوں نے پیغمبر کی توہین کا پہلو ہی پیش نظر رکھا۔ چنانچہ مورخین نے عام طور پر یہ لکھ دیا ہے کہ پیغمبر اکرم بھی مدینہ میں محصور رہ کر ہی جنگ لڑنا چاہتے تھے مگر رائے عامہ سے متاثر ہو کر مدینہ سے باہر نکل

کھڑے ہوئے تھے ۔جیسا کہ شبلی صاحب نے لکھا ہے

''آنحضرتؐ کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے ۔لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر آنحضرت مجبور ہوکر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے

(الفاروق ۔ص 89)

لیکن حلبی نے اپنی کتاب سیرت حلبی میں لکھا ہے کہ:

''مدینہ میں رہ کر شہر کا دفاع کرنا مہاجرین وانصار میں سے بزرگ صحابہ کا نظریہ تھا''

منشور جاوید قرآن جلد 4 ص 41

بحوالہ سیرۃ حلبی جلد 2 ص 231

اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ہمراہ اس بہانہ سے واپس آگیا کہ جب اس کا مشورہ ہی نہیں مانا گیا تو وہ آدمیوں کو کھلے میدان میں مروانا نہیں چاہتا۔

بہرحال ایسی باتوں پر اعتماد کرنا ،پیغمبر اکرمؐ کی عدم معرفت کی دلیل ہے اور آنحضرتؐ کی شان کے خلاف ہے ۔رسول گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام حکمرانوں کی طرح نہیں تھے جو عوامی نظریات کی خاطر حقیقی مصالح کو نظر انداز کردیں اور مصلحت کے خلاف باتوں کو درست سمجھ لیں۔

اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ پیغمبر کی رائے یہی تھی کہ مدینہ میں رہ کر لڑا جائے تو اس پر عملدرآمد کرنے میں کیا رکاوٹ تھی جب کہ سیرۃ حلبی کے مطابق مہاجرین وانصار میں سے بزرگ صحابہ کا نظریہ یہی تھا ۔اور اگر اس نظریہ پر عملدرآمد کیا جاتا تو کم از کم عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ راستہ سے ہی جدا ہوکر واپس نہ آتا ۔اور انصار کے دو قبیلہ کو بھی آپس میں نہ الجھتے جس کا بیان آگے چل کر ہوگا۔

لشکر اسلام کی میدان احد کی طرف روانگی

آنحضرت نے ابن مکتوم کی مدینہ میں منتظم ونگران مقرر کیا اور 14 شوال 3ھ کو نماز جمعہ کے بعد ایک ہزار کی جمیعت کے ساتھ مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور ایک قریب کے راستہ سے کوہ احد کی جانب روانہ ہو گئے۔ جہاں قریش کا لشکر 12 شوال سے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا ابھی پیغمبرؐ نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت لشکر اسلام سے کٹ کر مدینہ واپس آ گیا اور عذر یہ تراشا کہ چونکہ میری رائے پر عمل نہیں کیا گیا کہ اندرون شہر رہ کر جنگ لڑی جائے لہذا میں حدود شہر سے باہر نکل کر اپنے ساتھیوں کی جانیں خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

حضرت جابر کے والد حضرت عبداللہ انصاری نے جو عبداللہ ابن ابی کی طرح قبیلہ خزرج کے سردار تھے اسے بہت سمجھایا کہ وہ لشکر اسلام سے جدا نہ ہو لیکن وہ نہ مانا اور اس نے کہا "مجھے معلوم ہے کہ جنگ نہیں ہوگی۔ لیکن اگر جنگ چھڑ گئی تو ہم بھی تمہارے ساتھ آملیں گے۔ قرآن منافقین کے ساتھ جابر کے باپ عبداللہ انصاری کی گفتگو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسطرح کہتا ہے:

" و قیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا ، قالوا لو نعلم قتالاً لا تبعنا کم ھم للکفر یو مئیذ اقرب منھم للایمان یقولون بافواھم ما لیس فی قلوبھم واللہ اعلم بما کنتم یکتمون " (آل عمران۔167)

"ان منافقین سے کہا گیا کہ آؤ راہ خدا میں جہاد کرو یا (کم از کم ہمارے ساتھ رہ کر) دفاع ہی کرو، تو انھوں نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہوا کہ جنگ چھڑ گئی ہے تو ہم بھی تمہارے ساتھ آملیں گے۔ وہ اس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے وہ زبان سے جو کچھ کہتے تھے وہ ان کے دل میں نہیں تھا۔ اور خدا ان کی اس بات سے آگاہ ہے جو وہ

دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔

عبداللہ ابن ابی کی واپسی کا لشکر اسلام پر اثر

عبداللہ ابن ابی کی واپسی پر لشکر اسلام میں ایک خطرناک اختلاف پیدا ہوگیا۔اور قبیلہ اوس کا ایک گروہ بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج کا ایک گروہ بنی سلمہ آپس میں الجھ پڑے۔پہلے ایک گروہ نے کہا کہ ہمیں پہلے اس دشمن داخل سے جنگ کرنی پڑے گی اس پر دوسرا گروہ عبداللہ بن ابی کا ہم قبیلہ ہونے کی وجہ سے اس کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا اور کسی لشکر کے لئے اختلاف وافتراق اور پھوٹ سے بڑھ کر خطرناک اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔اور وہ بھی اس وقت میں جبکہ دشمن ان کے گھروں کی دیواروں کے نزدیک پہنچا ہوا تھا قرآن مجید اس بارے میں اس طرح کہتا ہے

" فمالكم في المنافقين فئتين والله اركسهم بما كسبوا . اتريدون ان تهدوا من اضل الله و من يضلل الله فلن تجد له سبيلا " (النساء۔88)

"تمہیں کیا ہوگیا کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے ہو حالانکہ خدا نے ان کے افکار کو ان کے اعمال کی وجہ سے الٹ دیا ہے، کیا تم یہ ارادہ رکھتے ہو کہ خدا نے جس سے توفیق اور ہدایت سلب کرلی ہے تم اسے راہ ہدایت پر لے آؤ گے؟ اور خدا جس سے توفیق ھدایت سلب کرلے تم ہرگز اس کے لئے راستہ نہ پاؤ گے۔

میدان جنگ میں لشکر کی ترتیب اور صف بندی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ نے اپنے سات سو لشکریوں کے ساتھ دامن کوہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور دوسرے دن 15 شوال کو دونوں طرف کی فوجوں نے اپنے اپنے مورچے

سنبھال لئے۔

فوج کی قلت اور سامان جنگ کی کمی کی وجہ سے ضرورت تھی اس بات کی کہ لشکر اسلام کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ دشمن کو ہر سمت سے حملہ کرنے کا موقع نہ ملے۔ آنحضرت نے ایک قدرتی رکاوٹ یعنی کوہ احد کو اپنے پس پشت رکھا اور مدینہ کو سامنے کے رخ پر لیکن بائیں جانب کوہ احد کے وسط میں ایک درہ تھا جس کی وجہ سے اس بات کا احتمال تھا کہ کہیں دشمن چکر کاٹ کر اس درہ کے ذریعہ لشکر اسلام کے پیچھے سے حملہ نہ کردے لہذ آنحضرت نے پچاس کمانداروں کا ایک دستہ عبداللہ بن جبیر کی زیر نگرانی کھڑا کر دیا اور اسے تاکید کی کہ خواہ ہمیں فتح ہو یا شکست، جب تک حکم نہ دیا جائے کسی حالت اور کسی صورت میں اپنا مورچہ نہ چھوڑے۔ بخاری میں آیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا:

"اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمیں اچک اچک کر لے جا رہے ہیں تو پھر بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا جب تک کہ میں تمہیں اجازت نہ دوں۔ اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے تو بھی تم اس مقام پر جمے رہنا جب تک کہ تمہیں میرا حکم نہ پہنچے۔

منشور جاوید قرآن جلد 4 ص 51

بحوالہ تاریخ خمیس جلد 1 ص 433 وصحیح بخاری

کوہ احد کے درہ میں تیر اندازوں کو کھڑا کرنے کے بعد آپ نے اپنے بقیہ لشکر کی صف بندی کی میمنہ پر سعد ابن عبادہ انصاری کو مقرر کیا اور میسرہ پر اسید بن حضیر انصاری کو مقرر کر کے رایت جنگ حضرت علیؑ کو سپرد فرمایا۔

آغاز جنگ

جب دونوں طرف کی فوجیں صف بندی کر کے کیل کانٹے سے لیس ہوگئیں تو فوج مخالف کی طرف سے ہند اور دوسری عورتوں نے آگے بڑھ کر اپنے لشکریوں میں جوش

پیدا کرنے کے لئے جنگی ترانے شروع کردیئے اس ترانے کے ختم ہوتے ہی طبل جنگ بجنے لگا اور دست بدست لڑائی کا آغاز ہوگیا۔ قریش کا علمبردار طلحہ ابن عثمان ہتھیار سجا کر بڑے کروفر کے ساتھ میدان میں آیا اور طنز آمیز لہجہ میں کہنے لگا مسلمانوں تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مارا جائے تو وہ جنت میں جاتا ہے اور ہم میں سے کوئی مارا جائے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہوتا ہے لہٰذا تم میں سے جو جنت میں جانا چاہتا ہے یا مجھے دوزخ میں بھیجنے کا خواہش مند ہو وہ میدان میں آئے اور مجھ سے لڑے۔

ادھر سے حضرت علیؑ تلوار لہراتے ہوئے اور رجز پڑھتے ہوئے اس کے مقابلہ کے لیے نکلے اور دونوں شمشیر بکف آپس میں بھڑ گئے اور حضرت علیؑ کی شمشیر شرربار کے ایک ہی وار نے اس کا کام تمام کردیا۔

طلحہ کے مارے جانے سے مشرکین کے حوصلے پست ہوگئے اور عام بے دلی سی پیدا ہوگئی اور ایک ایک کر کے میدان میں نکلنے کی جرات نہ ہوسکی۔ اور انھوں نے ایک دم حملہ بول دیا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر ان کے ریلے کو روکا۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرائیں۔ اور گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ ابو دجانہ انصاری حضرت حمزہ اور حضرت علیؑ نے حملوں پر حملے کئے اور دشمنوں کی صفوں میں تہلکہ مچادیا۔

حضرت علیؑ نے دونوں صفوں کے درمیان علم کو فضا میں لہراتے ہوئے حملوں پر حملے کیے جارہے تھے اور لشکر قریش میں سے جو بھی علم ہاتھ میں لیتا اسے تہ تیغ کر کے پرچم کفر کو سرنگوں کردیتے یہاں تک کہ آپ نے آٹھ (8) علمبرداروں کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتارا اور اس طرح تمام پرچم برداروں کا خاتمہ کردیا، ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

" کان الذین قتل اصحاب اللواء علی " سیرہ امیر المومنین ص ۔210

تاریخ کامل ابن اثیر جلد 2 ص 107

یعنی جس نے تمام علمبرداران لشکر کو قتل کیا وہ علیؑ تھے۔

لشکر کفر کا فرار اور مسلمانوں کا غنیمت لوٹنے میں مصروف ہونا

علمبرداران لشکر کے قتل سے قریش کا دم خم جاتا رہا اور مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے یہاں تک کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور دشمن شکست کھا کر میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ مسلمانوں نے جب کفار کو دوڑتے اور میدان خالی کرتے دیکھا تو ان پر حرص وطمع غالب آ گئی اور دشمن کی طرف سے غافل ہو کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ درہ کوہ کے محافظوں نے جب مال غنیمت لٹتے دیکھا تو ان کے منہ میں بھی پانی بھر آیا۔ عبداللہ ابن جبیر نے انہیں پیغمبرؐ کا حکم یاد دلایا۔ اور درہ کوہ خالی چھوڑ کر جانے سے منع کیا مگر دس یا اس سے بھی کم آدمیوں کے علاوہ کسی نے بھی ان کی بات نہ سنی اور مال غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے مورخ شہیر ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

" جعلوا يقولون الغنيمة الغنيمة . فقال عبدالله مهلا اما علمتم ما عهد اليكم رسول الله صلى الله عليه وسلم فابوا فانطلقوا ''

سیرۃ امیر المومنین طبری جلد 2 ص 211

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 193

یعنی ان لوگوں نے غنیمت غنیمت پکارنا شروع کر دیا عبداللہ نے کہا ٹھہرو۔ کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد نہیں ہے مگر انھوں نے ٹھہرنے سے انکار کر دیا اور مال غنیمت لوٹنے کے لئے چل دیئے۔

خالد ابن ولید کا عقب سے حملہ

کمانداروں کی اس بے صبری اور نا عاقبت اندیشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالد ابن ولید اور عکرمہ ابن ابی جہل نے درہ کوہ کو خالی پا کر دو سو کی جمعیت کے ساتھ عقب سے حملہ کر دیا۔

عبداللہ ابن جبیر نے اپنے دو چار ساتھیوں کے ساتھ بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا مگر چند آدمی اس یلغار کو روک نہیں سکتے تھے ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے۔

خالد کے اس کامیاب حملہ کو دیکھ کر بھاگنے والے بھی پلٹ آئے۔ کفار نے اپنی بکھری ہوئی طاقت کو از سر نو جمع کیا اور مسلمانوں کے منتشر لشکر پر حملہ کر دیا مسلمان حملہ سے بے خبر مال غنیمت سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے کہ ایک طرف سے پسپا ہونے والی فوج اور دوسری طرف سے خالد کے دستے نے گھیرا ڈال دیا اور تلواریں لے کر ان پر ٹوٹ پڑے۔

اس دو طرفہ یلغار سے مسلمان حواس باختہ ہو گئے جنگ کا نقشہ پلٹ گیا جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی کچھ مسلمان شہید ہو گئے کچھ زخمی ہوئے اور کچھ حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جب عام بھگدڑ مچی تو پیغمبر اسلام میری نظروں سے اوجھل ہو گئے میں نے مقتولین کی لاشوں میں دیکھا بھالا مگر کہیں نظر نہ آئے۔ میں نے دل میں کہا کہ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ آپ میدان چھوڑ کر چلے جائیں اور جہاد راہ خدا سے منہ موڑ لیں۔ میں نے تلوار کے نیام کو توڑ ڈالا اور دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑا۔ جب کفار کا پرا چھٹا تو میں نے دیکھا کہ پیغمبر اکرم میدان میں ثابت قدم کھڑے ہیں۔

غرض اس ہنگامہ دار و گیر میں حضرت علیؑ نے ایک لمحہ کے لئے بھی میدان چھوڑنا گوارا نہ کیا اور جان سے بے نیاز ہو کر دشمن پر حملے کرتے رہے اور تیر و تلوار کے وار سہتے رہے اور انہیں درہم و برہم کرتے رہے اور پورے ثبات قدم کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیغمبرؐ کے سینہ سپر رہے۔ ابن سعد لکھتے ہیں:

" وکان علی ممن ثبت مع رسول اللہ یوم احد حین انھزم الناس و بایعہ علی الموت "

سیرۃ امیر المومنین ص 212

بحوالہ طبقات ابن سعد جلد 3 ص 23

یعنی احد کے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو علیؑ رسول اللہ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور آپ نے موت پر پیغمبرؐ کی بیعت کی تھی۔

پچاس سواروں کا پیغمبر پر حملہ

اسی اثناء میں پچاس سواروں کا ایک دستہ آنحضرت صلعم پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑھا۔ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ دشمن حملہ کے لئے بڑھ رہا ہے اسے آگے بڑھ کر روکو۔ حضرت علی نے شیرانہ حملہ کر کے انہیں منتشر کر دیا۔ پھر دوسری طرف سے مشرکین نے پیغمبر پر حملہ کرنا چاہا۔ آنحضرت نے فرمایا اے علی اب انہیں روکو۔ حضرت علیؑ نے انہیں بھی تتر بتر کر دیا۔ غرض جدھر سے ہجوم بڑھتا۔ ادھر علی آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے۔ اور دشمن کے پرے توڑ کر رکھ دیتے۔ اس موقع کا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اس طرح سے بیان کیا ہے کہ:

"چوں مسلمانان روئے بہ ہزیمت آورد حضرت رسول را تنہا گذاشتند۔ حضرت در غضب آمد و عرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشت۔ درآں حال نظر کرد علی را کہ بر پہلوائے او ایستادہ است۔ فرمود چوں است کہ تو بہ برادران خود ملحق نہ گشتی۔ علی گفت أأکفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ۔ آیا کافر شوم بعد از ایمان بدرستی کہ مرا تبو اقتداء است فرمود یا علی مرا ازیں جمع نگاہدار و حق خدمت و نصرت بجا آر کہ وقت نصرت است"

مدارج النبوۃ جلد 2 ص 653

یعنی جب مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو وہ آنحضرت کو اکیلا چھوڑ کر چلتے بنے آنحضرت غضبناک ہوئے اور پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگا اس حالت میں دیکھا کہ علی آپ کے پہلو میں کھڑے ہیں آپ نے فرمایا کہ تم بھی دوسروں کے ساتھ کیوں نہ بھاگے۔ علیؑ نے فرمایا۔ اَ اکفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ کیا میں بھی ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا بہ تحقیق میں تو آپ کا پیرو ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علی مجھے اس گروہ سے بچاؤ اور خدمت و نصرت کا حق ادا کرو کہ یہ مدد کا وقت ہے۔

مشرکین کا پیغمبر پر ہجوم

حضرت علی میدان جنگ میں مصروف پیکار تھے کہ کچھ مشرکین نے پیغمبرؐ پر ہجوم کیا عبداللہ ابن شہاب نے آپؐ کی پیشانی اقدس پر ضرب لگائی۔ عتبہ ابن ابی وقاص نے یکے بعد دیگرے چار پتھر پھینکے جس سے آپ کے چار دانت شہید ہوگئے۔ ابن قمیہ نے قریب آ کر تلوار کی ضرب لگائی جس سے خود کی کڑیاں پیشانی میں گڑ گئیں۔ اور چہرہ مبارک خون سے رنگین ہوگیا ان حملہ آوروں میں سے عبداللہ ابن حمید کو ابو دجانہ انصار نے تہ تیغ کیا قبیلہ انصار کے چند آدمیوں نے پیغمبر پر حملہ ہوتے دیکھا تو وہ آگے بڑھ کر حائل ہوئے انصار کو دیکھ کر کفار پیچھے ہٹنے لگے۔ اور تھوڑے فاصلہ پر تیر برسانے شروع کیے۔ ابو دجانہ انصاری تیروں کی بوچھاڑ میں پیغمبرؐ کے سینہ سپر بن گئے اور آنحضرت پر جھک کر اپنی پیٹھ پر تیر کھاتے رہے پیغمبر کے قریب ہی مصعب ابن عمیر دشمنوں کے حملوں کو روکنے میں مصروف تھے کہ ابن قمیہ نے حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا چنانچہ اس نے اپنی صفوں کے قریب پہنچ کر فخریہ لہجے میں کہا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) کو قتل کر دیا ہے یہ کہتے ہی لوگوں نے شور مچا دیا کہ "الا ان محمداً قد قتل" محمد قتل کر دیے گئے۔

اکثر اصحاب پیغمبر کا فرار

جنگ احد میں مسلمانوں میں سے کچھ تو خالد ابن ولید کے حملہ کے بعد ہی منتشر ہو چکے تھے جو باقی رہ گئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی خبر شہادت سن کر ان کی ہمت بھی جواب دے گئی اور ایک عام بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ لوگ تو احد پہاڑ پر چڑھ گئے اور کچھ لوگوں نے مدینہ میں پہنچ کر دم لیا مورخ شہیر ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

"تفرق عنه اصحابه و دخل بعضهم المدينة و انطلق بعضهم فوق الجبل "الى الصخرة فقاموا عليها وجعل رسول الله يدعوا الناس الى عباد الله، الى عباد الله " سیرۃ امیر المومنین ص 214

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 201

آنحضرت کے اصحاب آپ کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ ان میں سے کچھ تو مدینہ پہنچ گئے اور کچھ پہاڑ کے اوپر ایک چٹان پر چڑھ گئے اور اس پر ڈیرے ڈال دیئے پیغمبر خدا انھیں پکارتے رہے۔ اے بندگان خدا میرے پاس آؤ۔ اے اللہ کے بندوں میرے پاس آؤ۔

یہ بات صرف طبری ہی نے نہیں لکھی بلکہ قرآن مجید میں بھی پہاڑوں پر چڑھنے والوں کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے اور قرآن طبری کے بیان کی اس طرح تصدیق کرتا ہے

" واذ تصعدون ولا تلوون على احد و الرسول يدعوكم في اخراكم " (آل عمران ۔153)

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تم پہاڑ پر چڑھے چلے جا رہے تھے اور تم کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول تم کو پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے پکار رہے تھے۔

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں طبری کے حوالے سے ایک واقعہ اس طرح لکھا ہے۔

''علامہ طبری نے بسند متصل جس کے رواۃ حمید ابن سلمہ۔ محمد ابن اسحٰق۔ قاسم ابن عبدالرحمٰن بن رافع ہیں روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انس بن نضرؓ نے حضرت عمر اور طلحہ اور چند مہاجرین و انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے جو شہادت پائی۔ انس بولے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے تم بھی انہیں کی طرح لڑ کر مر جاؤ۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی''۔ الفاروق شبلی ص 91

بحوالہ تاریخ طبری ص 14,4

اس کے بعد علامہ شبلی خود حضرت عمر کی زبانی لکھتے ہیں کہ ''قاضی ابو یوسف نے خود حضرت عمر کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گذرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ پر کیا گذری۔ میں نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انس نے کہا کہ رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے۔ خدا تو زندہ ہے۔ یہ کہ کر تلوار میان سے کھینچ لی او راس قدر لڑے کہ شہادت پائی۔ الفاروق شبلی ص 91

بحوالہ کتاب الخراج ابو یوسف ص 25

انتہائی حیرانگی اور تعجب کی بات ہے یہ کہ حضرت عمر نے جنگ احد میں تو آنحضرتؐ کی شہادت کا یقین کر لیا حالانکہ آپ زندہ تھے لیکن یہی حضرت عمر پیغمبر کی عین وفات کے وقت تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے کہ جو کوئی یہ کہے گا کہ پیغمبرؐ نے وفات پائی میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حالانکہ آنحضرتؐ وفات پا چکے تھے اور آپ کا جسد عنصری آپ کے سامنے پڑا تھا۔ ایک غیر جانبدار مبصر و محقق جو ذرا بھی عقل سے کام لے گا اسے حضرت عمر کی اس بات کا مطلب سمجھنے میں دشواری نہیں ہو سکتی۔

بہر حال طبری نے کوہ احد کی چٹان پر بیٹھنے والوں میں حضرت عمر اور طلحہ بن عبداللہ کا خصوصیت سے نام لیا ہے۔ اور ان کی باہمی گفتگو بھی درج کی ہے جس سے ان کے

خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے جن میں غلطاں و پیچاں تھے وہ لکھتے ہیں کہ

" قال بعض اصحاب الصخرة لیت لنا رسولاً الیٰ عبداللہ بن ابی فیاخذ لنا امنة بن ابی سفیان یا قوم ان محمد قد قتل فارجعوا الی قومکم قبل ان یاتوکم فیقتلوکم" سیرۃ امیر المومنین ص 215

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 201

''چٹان پر بیٹھنے والوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ کاش ہمیں کوئی قاصد مل جاتا جسے ہم عبداللہ بن ابی کے پاس بھیجتے جو ہمارے لئے ابو سفیان سے امان کی درخواست کرتا۔ اے لوگوں محمدؐ تو قتل ہو گئے اب اپنی قوم (قریش) کی طرف واپس چلو قبل اس کے کہ وہ آئیں اور ہمیں قتل کر دیں۔

اگرچہ طبری نے یہ کہنے والے کا نام نہیں لکھا مگر محمد کے قتل کے بعد اپنی قوم کی طرف واپس چلنے کے الفاظ سے ثابت ہے کہ یہ کہنے والے قوم قریش سے تھے۔

قرآن مجید میں ان ہی لوگوں کے بارے میں یوں ارشاد ہوا ہے

" ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ۔ ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئاً ، سیجزی الله الشاکرین" (آل عمران-144)

محمد ہر حال میں رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ پس اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ اور جو اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جائیگا۔ وہ خدا کا کچھ نہ بگاڑیگا۔ اور عنقریب خدا شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ جس وقت حضرت عمر تلوار گھما گھما کر یہ کہہ رہے تھے کہ جو کوئی یہ کہے گا کہ محمدؐ نے وفات پائی میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ تو اس وقت حضرت ابو بکر نے آ کر یہی آیت ان کے سامنے پڑھی تھی۔ اور کتنے تعجب کی بات ہے یہ کہ جب حضرت عمر

نے حضرت ابوبکر کی زبان سے یہ آیت سنی تو حیرت واستعجاب کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"او انھا فی کتاب اللہ ۔ ماشعرت انھان کتاب اللہ ثم قال یا ایھاالناس ھذا ابو بکر ذوا سبقیة فی المسلمین ، فبایعوہ ، فبایعوہ "

سیرۃ امیر المومنین ص 360

بحوالہ البدایہ والنھایہ جلد 5 ص 242

یعنی کیا یہ آیت قرآن مجید میں ہے؟ مجھے تو یہ علم ہی نہ تھا کہ یہ قرآن کی آیت ہے (پھر کہا) اے لوگوں یہ ابوبکر ہیں جنہیں مسلمانوں میں سبقت حاصل ہے ان کی بیعت کرو، ان کی بیعت کرو۔

حضرت عمر کی کوئی بھی بات تعجب اور حیرانگی سے خالی نہیں ہے۔ آیا حضرت عمر کی اس بات پر زیادہ تعجب کیا جائے کہ کیا یہ آیت قرآن مجید میں ہے؟ مجھے تو یہ علم ہی نہ تھا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ یا اس بات پر زیادہ تعجب کیا جائے کہ حضرت ابوبکر سے مذکورہ آیت سنتے ہی یہ کہنا شروع کر دیا کہ ان کی بیعت کرلو۔ ان کی بیعت کرلو۔

جو شخص اپنے دین کی خیر اور اپنی عاقبت کی بھلائی چاہے گا وہ حضرت عمر کی ان باتوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

جنگ احد میں دو عورتوں کی فداکاری

اس خونیں معرکہ میں دو عورتوں کا کردار۔ جو میدان جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور پانی پلانے کے لئے آئی تھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ان میں سے ایک ام عمارہ ہیں۔

اس خاتون نے جب دیکھا کہ پیغمبر تیروں کی زد میں ہیں تو آنحضرتؐ کے آگے کھڑی ہوگئیں اور تیروں کو اپنے سینے پر روک کر پیغمبرؐ کا بچاؤ کرتی رہیں اور جب ابن قمیہ تلوار لے کر آنحضرتؐ پر حملہ آور ہوا تو تلوار لے کر اس کے مقابلہ میں کھڑی ہوگئیں۔ یہاں

تک کہ ان کا بازو زخمی ہو گیا۔

اور دوسری خاتون ام ایمن ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو جنگ سے پیٹھ پھرا کر بھاگتے دیکھا تو ان کی غیرت ایمانی جوش میں آئی۔ اور تو ان کا کوئی بس نہ چلا۔ مٹی اٹھا اٹھا کر ان کے چہروں پر پھینکتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں

" ھاک المغزل فاعزل بہ و ھل السیف " سیرۃ امیر المومنین ص 216

بحوالہ سیرۃ حلبیہ جلد 2 ص 252

یعنی لے یہ تکلا لیتا جا اور گھر بیٹھ کر سوت کاتا کر اور اپنی تلوار مجھے دیتا جا۔

ان عورتوں کے کردار کے مقابلہ میں مردوں کے کردار پر نظر کی جائے تو میدان چھوڑنے والوں کی فہرست میں ایسے ایسے لوگوں کے نام بھی صفحات تاریخ پر ثبت ہیں جن سے اس کٹھن مرحلہ پر ثبات قدم کی امید کی جا سکتی تھی۔

مگر حضرت علیؑ کے سوا ایک دو مہاجرین اور چند انصار کے علاوہ کوئی بھی ثابت قدم نظر نہیں آتا۔ بلکہ ان میں سے اکثر میدان سے روگردان ہو گئے اور اجلہ صحابہ تک میدان چھوڑ گئے ان اجلہ صحابہ میں سے بعض کے حالات تاریخ میں اس طرح آتے ہیں:

حضرت ابوبکر کا بیان

حضرت ابوبکر فرماتے ہیں جب احد کے دن لوگ رسول اللہ کو چھوڑ کر چلے گئے تو میں سب سے پہلے پلٹ کر آیا تھا۔ تاریخ خمیس کے اصل الفاظ اس طور پر ہیں:

" لما صرف الناس یوم احمد من رسول اللہ کنت اول من جاء النبی " سیرۃ امیر المومنین ص 216

بحوالہ تاریخ خمیس جلد 1 ص 485

اختصار کے پیش نظر صرف ایک ہی حوالہ کافی ہے ورنہ تاریخ و تفسیر و حدیث کی

لہذا نتیجتاً پیغمبر کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت پر بھی شک مراد ہو سکتا ہے۔ اور اسی لئے خدا نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 152 میں یہ بیان کیا کہ خدا نے تو اپنا فتح کا وعدہ سچا کر دکھایا تھا جب تم کفار کو تہ تیغ کر رہے تھے لیکن تم نے خود ہی بزدلی دکھائی اور مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور حکم پیغمبر کی نافرمانی کی "و عصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون" اور تمہاری محبوب چیز یعنی فتح حاصل ہو جانے کے بعد تم نے ہی پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرۃ۔ تم میں سے کچھ صرف دنیا کے طالب ہیں اور کچھ آخرت کے طلبگار ہیں جو آخرت کے طلبگار ہیں ان میں کچھ تو شہید ہو گئے اور کچھ زخمی ہو گئے لیکن جو دنیا کے طلبگار تھے وہ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے اور جب عقب سے حملہ ہوا تو حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا کسی نے مدینہ میں جا کر دم لیا اور کوئی بہت ہی دور چلا گیا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان لوگوں کا تصور یہ تھا کہ دین حق کو ہمیشہ فتح اور کامیابی ہونی چاہیے۔ کیونکہ ان کے نزدیک فتح اور کامیابی کی باگ ڈور پیغمبرؐ کے ہاتھوں میں سپرد ہوئی ہے لیکن جنگ میں شکست کا مشاہدہ کرنے کے بعد انہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت کی صحت اور صداقت میں شک پیدا ہو گیا اور وہ پیغمبر کے دعوائے نبوت کو غلط، باطل اور بے بنیاد سمجھنے لگ گئے تھے۔ اور اس قسم کے شک کی مثال ہمیں صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔

خداوند تعالی ان کے اسی نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے آیت کے اگلے حصہ میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں کہتا ہے کہ فتح اور کامیابی پیغمبر کے ہاتھوں میں نہیں ہے بلکہ فتح اور کامیابی صرف خدا ہی کے ہاتھ میں ہے

ج) "یقولون هل لنا من الا مر شئی"

وہ یہ کہتے ہیں کہ کیا (اس شکست کے بعد بھی) ہمارے لئے (فتح اور کامیابی میں

سے) کچھ چیز ہو سکتی ہے

یہاں پر ''الامر'' سے مراد فتح اور کامیابی ہے جیسا کہ اس کے بعد والے جملہ میں بھی الامر سے مراد یہی فتح و کامیابی ہے

یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں ''الامر'' سے مراد پیغمبر کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت ہو یعنی کیا اس شکست کے بعد بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور پیغمبر برحق ہیں ۔اور یہ دین اسلام حق ہے ۔ کیونکہ اگر ہم حق پر ہوتے تو ہمیں شکست نہ ہوتی اور اگر پیغمبرؐ حق پر ہوتے تو شکست نہ کھاتے لہٰذا اس احتمال کی بناء پر ''الامر'' سے مراد پیغمبر گرامی اسلام کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت ہے ۔

د) قل ان الا مر کلہ للہ

اے پیغمبرؐ ان سے کہہ دو کہ غلبہ و کامیابی اور فتح یابی کا معاملہ تو سب کا سب صرف خدا کے ہاتھ میں ہے پیغمبر کے ہاتھ میں نہیں ہے ۔

خداوند تعالٰی نے غلبہ اور فتح یابی کے لئے کچھ اسباب و مسببات معین و مقرر فرمائے ہیں کہ جو بھی اس راستے پر چلے فتح یاب اور کامران ہوگا اور جو شخص اسباب کو نظر انداز کرے گا تو شکست اس کے گھات میں ہوگی اور تم نے فتح یابی کے اسباب کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا ہے ۔

اولاً تم دنیا اور مال دنیا کی محبت میں مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور دشمن کی طرف سے غافل ہو گئے ۔ دوسرے تم نے اپنے فرمانروا کے حکم پر کان نہ دھرے اور درے کے راستے کو دشمن کے وارد ہونے کے لئے کھلا چھوڑ دیا کیا تم اس صورت میں بھی فتح یابی کے خواہاں ہو ۔

اگر خدا نے بعض مواقع پر اپنی طرف سے غیب سے مدد کی ہے تو یہ ایک استثنا کی صوت تھی ۔ ورنہ پیغمبروں کی کامیابیاں اور شکستیں بھی خداوند تعالٰی کی ہستیوں کی تابع ہوتی

حضرت علی کی ثابت قدمی

حضرت علی ہر غزوہ کی طرح اس غزوہ میں بھی جس پامردی اور ثابت قدمی سے لڑے وہ اسلامی جہاد کا ایک عظیم نمونہ ہے اور تاریخ اسلام کا ایک مثالی کارنامہ ہے اس وقت بھی جب دشمن کی یورش سے گھبرا کر لشکر کے قدم ڈگمگا گئے تھے تن تنہا دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوتے رہے اور اپنے زور بازو سے ان کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روک کر اسلام اور بانی اسلام کا تحفظ کرتے رہے اور جب تک معرکہ کارزار گرم رہا ایک لمحہ کے لئے بھی نہ ہاتھ قبضۂ شمشیر سے الگ ہوا اور نہ ہی پائے عزم و ثبات کو جنبش ہوئی حالانکہ پے در پے حملوں سے نڈھال اور تیروں اور تلواروں کے وار سے گھائل ہو چکے تھے۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ:

"اصابت علیاً یوم احمد ست عشرہ ضربة"

سیرۃ امیر المومنین ص 217

بحوالہ تاریخ الخلفاء ص 114

اس غزوہ میں مسلمانوں کو فتح تو حاصل نہ ہو سکی لیکن حضرت علیؑ۔ حضرت حمزہؓ اور دوسرے دو چار جاں نثاروں کی ثابت قدمی نے مسلمانوں کو شکست کی بدترین صورت سے بچا لیا اگر مسلمان ناعاقبت اندیشی سے کام نہ لیتے اور مال دنیا کی طمع میں غنیمت لوٹنے میں مصروف نہ ہوتے اور دوسرے بھی اپنا مورچہ خالی نہ چھوڑتے تو شکست کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔

قرآن مجید میں ان لوگوں کی دنیا طلبی کے بارے میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ:

"ومنکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرة" (آل عمران ۔152)

"تم میں سے کچھ لوگ تو دنیا کے طالب ہیں اور کچھ لوگ آخرت کے خواستگار"

علامہ طبری نے ابن مسعود کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انھوں نے کہا کہ:

"ما شعرت ان احد من اصحاب النبی کان یرید الدنیا و عرضها

حتی کا ن یومئذ" سیرۃ امیر المومنین ص 219

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 193

میں نہیں سمجھتا تھا کہ اصحاب رسول میں سے کوئی دنیا اور مال دنیا کا بھی طلبگار رہے۔ یہاں تک کہ یہ (احد کا) دن دیکھنے میں آیا۔

جنگ احد میں بعض اصحاب پیغمبر کی دلی کیفیت کا بیان

جنگ احد میں تمام منافقین کو۔ جو تین سو کی تعداد میں تھے۔ عبداللہ ابن ابی کے ساتھ واپس ہو گئے تھے اور باقی ماندہ اصحاب میں سے اکثر کے متعلق دنیا کا طلب اور مال دنیا کا پرستار ہونے کا حال قرآن وحدیث و تاریخ و تفسیر و سیرت کی کتابوں میں جو کچھ آیا ہے وہ اوپر بیان ہو چکا ہے لیکن دل کا حال چونکہ خدا کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا لہذا اکثر اصحاب پیغمبر کی دلی کیفیت کا حال خود خدا نے قرآن مجید کے سورہ آل عمران میں یوں بیان فرمایا:

"ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاساً یغشی طائفة منکم، و طائفة قد اھمتھم انفسھم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیة ۔ یقولون ھل لنا من الامر شئی. قل ان الامر کلہ للہ یخفون فی انفسھم ما لا یبدون لک یقولون لو کان لنا من الا مر شئی ۔ ما قتلنا ھھنا ۔ قل لو کنتم فی بیوتکم لبرزالذین کتب علیھم القتل الیٰ مضاجعھم ۔ ولیبتلی اللہ ما فی صدورکم و لیمحص ما فی قلوبکم واللہ علیم بذات الصدور" (آل عمران۔154)

ترجمہ: پھر (جنگ احد کی شکست کے) رنج وغم کے بعد خدا نے تم پر آرام بخش اور چین کی نیند نازل کی، جو تم سے صرف ایک گروہ پر طاری ہو گئی۔ لیکن دوسرے گروہ کو (بالکل نیند نہیں آئی کیونکہ انھیں) اپنی جان کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ وہ خدا کے بارے میں ناحق دوران جاہلیت (یعنی کفر کی سی باتیں کر رہے تھے) وہ کہتے تھے کیا (اس شکست کے بعد بھی) ہمیں

اس معاملہ (یعنی فتح کے بارے میں) کچھ امید ہو سکتی ہے۔تم کہہ دو کہ یہ معاملہ (یعنی فتح کا حاصل ہونا) پورا کا پورا خدا کے ہاتھ میں ہے۔وہ اپنے دلوں میں جو کچھ چھپا رہے ہیں وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر (فتح و کامرانی کی) کوئی بات ہمارے نصیب میں ہوتی تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے لئے قتل ہونا لکھا جا چکا ہے وہ اپنے قتل ہونے کی جگہ پر ضرور ضرور خود سے نکل کر چلے آتے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا تا کہ خدا تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو جانچ لے اور اللہ کو دلوں کے حال سے آگاہی ہے۔

اس آیت کے مطالب میں غور کرنے سے اصحاب پیغمبر میں سے ایک گروہ کی دلی حالت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔لہذا ہم اس آیت کے نکات کی ذیل میں وضاحت کرتے ہیں

مذکورہ آیت کے نکات کی توضیح وتشریح

بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ آرام بخش نیند احد کے حادثہ کی رات میں نازل ہوئی اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس آرام بخش نیند کا تعلق حادثہ کے دن سے ہے۔جب مجاہدین اسلام زخموں سے چور، زخموں کی تکلیف میں بسر کر رہے تھے تو یہ آرام بخش نیند ان پر طاری ہوئی۔ تفسیر موضوعی جلد 4 ص 53

لیکن اہم بات یہ ہے کہ یہ نیند صرف ایک مخصوص گروہ پر طاری ہوئی نہ کہ سب پر جس پر لفظ "منکم" گواہ ہے۔

پہلا گروہ: یہ مخصوص گروہ خالص ایمان والا تھا اور جس نے زخمی ہونے کے باوجود اپنے روحانی سکون اور جذبۂ ایمانی کو چھوڑا نہیں تھا۔اور خوف اور وحشت نے ان کے دلی سکون اور جذبۂ ایمانی پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔لہذا زخمی ہونے کے باوجود ان پر یہ آرام بخش نیند طاری ہوگئی۔

دوسرا گروہ: دوسرا گروہ ضعیف الایمان لوگوں کا تھا اور میدان چھوڑنے کے باوجود اس پر خوف اور وحشت چھائی ہوئی تھی اور چونکہ خوف اور وحشت بے خوابی کے عوام میں سے ایک عامل ہے لہذا ان کی آنکھیں نیند سے محروم رہیں۔ اور وہ بالکل نہ سو سکے۔ اور مذکورہ آیت اس دوسرے گروہ کی صفات کی تشریح کر رہی ہے لہذا ہم اس آیت میں بیان کردہ اس گروہ کے حالات وصفات کی ذیل میں تشریح کرتے ہیں۔

الف) **قد اهمتهم انفسهم**

انہیں اپنی جان کی فکر پڑی ہوئی تھی تا کہ وہ خود کو اس موت سے۔ جو ان کی گھات میں لگی ہوئی ہے۔ نجات دلائیں۔ انہیں اسلام یا مسلمانوں کی کوئی فکر نہیں تھی

ب) **" ویظنون بالله غیر الحق ظن الجاهلیة "**

"وہ نا حق خدا کے بارے میں دوران جاہلیت (یعنی زمانہ کفر) کی سی باتیں کر رہے تھے"

اس جملہ کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ وہ خدا کے بارے میں بدگمانی کر رہے تھے اور پہلے مرحلہ میں انسانی ذہن میں یہی مفہوم سمجھ میں آتے ہیں۔ مثلا انہیں اصل وجود خدا کے بارے میں شک ہو گیا تھا لیکن مسلمہ طور پر یہ معنی مقصود نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عرب جاہل کو خدا کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا لہذ دوران جاہلیت یا زمانہ کفر کی طرف بازگشت اصل وجود خدا میں شک کا موجب نہیں بن سکتا بلکہ درج ذیل دو احتمالوں میں سے ایک احتمال مقصود ہو سکتا ہے۔

اول یہ کہ خداوند تعالی نے اپنے پیغمبرؐ سے فتح اور کامیابی اور غلبہ کا وعدہ فرمایا تھا اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب آجائیگا (صف۔9)

لیکن اس گروہ نے جب میدان جنگ میں شکست مشاہدہ کی تو یہ تصور کیا کہ یہ خوشخبری بے بنیاد اور یہ وعدہ جھوٹا تھا اس معنی کی صورت میں گمان بد کا محور خدا کا اپنے وعدہ سے تخلف کرنا اور اپنے وعدہ کو پورا نہ کرنا ہوگا۔ اور چونکہ یہ خوشخبری پیغمبر کی زبانی دی گئی تھی

دوسری کتابوں میں بھی حضرت ابو بکر کا یہ قول لکھا ہوا ہے۔

حضرت عمر کا بیان

حضرت عمر خود فرماتے ہیں کہ

''ہم احد کے دن رسول اللہ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اور میں پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا تھا''۔ ازالۃ الخفاء کے اصل الفاظ اس طور پر ہیں "**تصرفنا عن رسول الله یوم احد فصعدت الجبل**" سیرۃ امیر المومنین ص 217

بحوالہ ازالۃ الخفا جلد 1 ص 168

لیکن علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں کہ:

''علامہ بلاذری صرف ایک مورخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمر کے حال میں لکھا ہے:" **و کان ممن انکشف یوم احد فغفر له**" یعنی حضرت عمر ان لوگوں میں سے تھے جو احد کے دن بھاگ گئے تھے لیکن خدا نے انہیں معاف کر دیا'' الفاروق شبلی ص 92

علامہ شبلی کا یہ کہنا کہ ''صرف ایک بلاذری ایسا مورخ ہے جس نے حضرت عمر کے حال میں یہ لکھا ہے کہ وہ احد کے دن بھاگ گئے تھے''۔ حقیقت کے سراسر خلاف ہے کیونکہ ہم نے ابھی ابھی الفاروق کی مذکورہ عبارت سے پہلے ازالۃ الخفا کے حوالہ سے خود حضرت عمر کا بیان تحریر کیا ہے اور ازالۃ الخفاء کے علاوہ روضۃ الصفا جلد دوم مطبع......... ص 91، تفسیر نیشاپوری جلد چہارم ص 110۔ تفسیر کثیر جلد سوم ص 108، منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد حنبل جلد اول ص 429 سطر 63۔ نہایۃ ابن اثیر بابت الواؤ مع القاف ص 340۔ تفسیر در منثور سورہ آل عمران۔ کنز العمال جلد اول ص 238 حدیث نمبر 4301 اور تاریخ روضۃ الاحباب جلد اول ص 261 میں بھی حضرت عمر کا میدان چھوڑ کر چلے جانا اور احد پہاڑ پر

چڑھ جانا تحریر ہوا ہے۔

علامہ شبلی کے مذکورہ بیان سے اچھی طرح ثابت ہے کہ وہ حضرت عمر کی کوتاہیوں کو چھپانے کے لئے جھوٹ بولنے سے بھی گریز نہیں کرتے وہ حضرت عمر کی کوتاہیوں کو کمال میں تبدیل کرنے اور ان کی لغزشوں کو خود پیغمبر کی گردن میں ڈالنے کے ماہر ہیں لہٰذا ان کی کتاب الفاروق نثر میں لکھا ہوا حضرت عمر کی شان میں ایک قصیدہ ہے۔ اس دفعہ عظیم شخصیات کے حالات میں تعلیمی بورڈ نے شبلی کی الفاروق سے حضرت عمر کے حالات زندگی کا کچھ انتخاب کر کے لکھ دیا تھا مگر چونکہ اکثر مسلمانوں کے ذہن میں اصلی عمر کی بجائے ایک افسانوی عمر کا تصور جمایا ہوا ہے لہٰذا مولوی صاحبان نے خیال کیا کہ اس سے تو طلبہ کے ذہن کی صاف پلیٹوں پر حضرت عمر کا اصل نقشہ آجائیگا لہٰذا انھوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور وفاقی وزیر تعلیم محترمہ زبیدہ جلال کا ناطقہ بند کر دیا اور ناک میں دم کر دیا اور انہیں امریکی ایجنٹ قرار دیا اور آخر اس کو نصاب سے نکلوا کر دم لیا۔

''نذیر ناجی صاحب کو گلہ ہے کہ ان مولوی صاحبان نے پاکستان میں دستیاب تمام کتابوں سے وہ حوالے حذف کر دیئے ہیں جن میں ان کے پاکستان دشمن خیالات درج تھے۔ روزنامہ جنگ لاہور 23 اکتوبر 2004ص 6

مگر شاید نذیر ناجی صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مولوی صاحبان چودہ سو سال سے یہی کچھ کرتے آرہے ہیں اپنے ہیروز کی کوتاہیوں کو چھپانا اور دوسروں کی خوبیوں کو اپنے ہیروز کے کھاتے میں ڈالنا۔ حتیٰ کہ اصحاب پیغمبر کو پیغمبر کی ترازو میں تولنے کی بجائے خود پیغمبر کو اصحاب کی ترازو میں تولتے ہیں۔ یعنی اگر کسی بات میں اصحاب پیغمبر سے اختلاف کرتے ہوئے نظر آئیں تو ان کے نزدیک پیغمبر غلطی پر ہوتے ہیں اور اصحاب حق پر ہوتے ہیں۔ اور جو کوئی شبلی کی الفاروق کا مطالعہ کرے گا تو اس پر یہ بات واضح طور پر روشن ہو جائیگی

ہیں جو اس نے دنیا جہان کے لئے مقرر فرمائی ہیں۔

ھ) "یخفون فی انفسھم یا لا یبدون لک. یقولون لو کان لنا من الامر شئی ما قتلنا ھھنا"

وہ اپنے دل میں جو کچھ چھپا رہے ہیں وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر فتح اور کامیابی ہمارے نصیب میں ہوتی تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔

اس جملہ میں بھی دو احتمال ہیں

اول: ''الامر'' سے مراد وہی دین اسلام کی حقانیت ہو۔ یعنی اگر ہم حق پر ہوتے اور دین اسلام دین حق ہوتا تو ہم اس مقام پر مارے نہ جاتے اور اس جنگ میں شکست کا ہو جانا پیغمبر کی نبوت اور دین اسلام کے باطل ہونے کی علامت ہے۔

دوسرے: اس جملہ میں خود ان کے اپنے نظریہ کی طرف اشارہ ہو کہ باہر نکل کر لڑنے کی بجائے شہر میں رہ کر دفاع کیا جائے جیسا کہ سیرۃ حلبی جلد 2 ص 231 میں لکھا ہے کہ مدینہ میں رہ کر شہر کا دفاع کرنا مہاجرین و انصار میں سے بزرگ صحابہ کا نظریہ تھا۔ اور چونکہ سیرۃ حلبی میں اس کے چند سطر بعد ہی یہ لکھا ہے انصار حمزہ کے نظریہ کے موافق تھے (جو میدان میں نکل کر لڑنے کے حق میں تھے لہذا حلبی کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب نہ سہی تو مہاجرین میں سے اکثر بزرگ صحابہ مدینہ میں رہ کر دفاع کرنا چاہتے تھے۔ اب وہ اس بات کو یاد کر کے کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ اختیار رہتا۔ اور پیغمبرؐ ہماری بات مان لیتے تو ہم یہاں پر اسطرح مارے نہ جاتے اور شکست سے دوچار نہ ہوتے۔ اور چونکہ انھوں نے اپنی اس بات میں موت کے عوامل سے آشنائی کا دعویٰ کیا ہے یعنی انھوں نے یہ کہا ہے کہ ان کی بات کی پیروی سے لوگوں کو موت سے نجات مل جاتی۔ لہذا خدا ان کے اس نظریہ کو رد کرتے ہوئے کہتا ہے:

و) "قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل الی

مضاجعھم "

اے پیغمبر آن سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں کے اندر بھی بیٹھے رہتے تو جن کی موت کا وقت آن پہنچا ہے وہ خود سے اپنے گھروں سے نکل کر آتے اور جہاں انھوں نے قتل ہونا تھا پہنچ جاتے۔

یہ جملہ ان کی اس بات کا جواب ہے جو انھوں نے اپنے دماغ میں بٹھالی تھی۔ اس میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ موت تو ایک مقدر رشدہ سرنوشت الہی ہے۔ اور تمہارا جنگ احد میں مارا جانا نہ تو پیغمبر کی نبوت کے ناحق اور باطل ہونے کی علامت ہے اور نہ ہی پیغمبر کے غلط ارادہ و عمل کی نشانی ہے۔

اس کے بعد خداوند تعالی اس جنگ میں شکست ہونے اور ایک گروہ کے ثابت قدم رہنے اور دوسرے گروہ کے فرار کر جانے کے بارے میں ایک اور حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ز) ولیبتلی اللہ ما فی صدورکم ولیمحص ما فی قلوبکم واللہ علیم بذات الصدور "

اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ خدا تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائے۔ یعنی اس طرح تمہارے دلوں کی باتیں ظاہر ہو جائیں اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ خالص ہو کر سامنے آجائے۔ اور خدا تو دلوں کی حالت سے آگاہ ہے ہی۔

یعنی اس جنگ کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اس جنگ میں جو کچھ لوگوں کے دلوں میں تھا وہ ظاہر ہو گیا اور یہ دل کی بات ہی تو ہے جو تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 201 کے حوالہ سے گذشتہ اوراق میں نقل ہو چکی ہے

آل عمران کی اس آیت سے ثابت ہوا کہ عبداللہ ابن ابی کے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ راستے سے ہی پلٹ کر جانے کے بعد بھی لشکر اسلام میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان

میں سے اکثر طالب دنیا ہونے کے علاوہ اتنے ضعیف الایمان تھے کہ شکست کھانے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کی صداقت اور خود دین اسلام کی حقانیت میں ہی شک کرنے لگ گئے تھے۔

شہدائے احد کا ایمان اور ان کے جنتی ہونے کی گواہی

اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کو بہت غم اور صدمہ ہوا۔ چنانچہ جب آپ نے حضرت حمزہ کا لاشہ دیکھا اور ان کے کٹے پھٹے اعضاء پر نظر ڈالی تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ابن مسعود لکھتے ہیں

" ما راینا رسول الله صلى الله عليه وسلم باكيا اشد من بكاته على حمزه رضى الله عنه" سیرۃ امیر المومنین ص 220

بحوالہ سیرۃ حلبیہ جلد 2 ص 273

یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا روتے کبھی نہیں دیکھا جتنا حضرت حمزہ پر روتے دیکھا۔

بہر حال پیغمبرؐ نے شہدائے احد کو دفن کرایا اور ان کی اس دنیا سے باایمان رخصت ہونے کی گواہی دی۔ چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب "موطا" میں (فضل الشہداء فی سبیل اللہ) کے باب میں پیغمبر اکرمؐ سے یہ روایت کی ہے:

" ان رسول الله قال لشهداء احد هولاء اشهد عليهم فقال ابو بكر يارسول الله افلسنا باخوانهم اسلمنا كما اسلموا. وجاهدنا كما جاهدوا ، فقال رسول الله (صلى الله عليه وسلم)بلى ولا ادرى ما تحدثون بعدى " موطا امام مالک مطبع فاروقی دہلی ص 173

"تحقیق رسول اللہ نے شہدائے احد کے بارے میں فرمایا کہ میں ان کے ایمان

کی گواہی دیتا ہوں، تو حضرت ابو بکر نے عرض کی: یا رسول اللہ کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں۔ جس طرح وہ اسلام لائے اسی طرح سے ہم اسلام لائے جس طرح انھوں نے جہاد کیا اسی طرح ہم نے جہاد کیا۔ رسول اللہ نے فرمایا: ہاں! لیکن میں نہیں جانتا کہ تم لوگ میرے بعد کیا کیا احداث یعنی نئی ایجادیں اور دین میں کیا کیا بدعتیں کرو گے۔"

اور امام واقدی نے اپنی کتاب المغازی میں غزوہ احد کے باب میں اسطرح لکھا ہے:

کان طلحه بن عبدالله و ابن عباس و جابر ابن عبدالله الا انصاری یقولون صلی رسول الله علی قتلی احد فقال انا هؤلاء شهید فقال ابو بکر یا رسول الله الیسو اخواننا اسلمو کما اسلمنا ، و جاهدوا کما جاهدنا . وصلو کما صلینا و صامو کما صمنا قال بلیٰ والکن هولاء لم یاکلوا من اجورهم شیئا ولا ادری ما تحدثون بعدی فبکی ابوبکر بکا شدیدا فقال ان لکائنون بعدک" واقدی کتاب المغازی ص 102 باب غزوہ احد

یعنی طلحہ بن عبد اللہ، ابن عباس اور رجابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے شہدائے احد پر نماز پڑھی اور فرمایا: میں ان لوگوں کے ایمان کی گواہی دیتا ہوں: اس پر حضرت ابو بکر نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا وہ ہمارے بھائی نہیں ہیں جس طرح ہم اسلام لائے اسی طرح وہ اسلام لائے جس طرح ہم نے جہاد کیا اسی طرح انھوں نے جہاد کیا۔ جس طرح ہم نے نمازیں پڑھیں اسی طرح انھوں نے نمازیں پڑھیں۔ جس طرح ہم نے روزے رکھے اسی طرح انھوں نے روزے رکھے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ہاں! لیکن انھوں نے کچھ ثمرہ اپنے کئے کا نہیں کھایا ہے اور تمہارے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں ہے کہ تم میرے بعد کیا کیا احداث اور کیا کیا بدعتیں کرو گے۔ پس حضرت ابو بکر بہت شدت کے ساتھ روئے اور کہا "کیا ہم آپ کے بعد بھی زندہ رہیں گے"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب جذب القلوب میں صفحہ 283 پر

اس روایت کونقل کیا ہے۔

واقعات احد اور صحیح السند حدیث سے درایتاً بھی درست ہے اور حقیقت دکھائی دیتی ہے نہ صرف عشرہ مبشرہ والی روایت کی قلعی کھل جاتی ہے اور اس کا وضعی ہونا کھل کر سامنے آجاتا ہے بلکہ حدیث نجوم کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے جس پر ہم ذیل میں روشنی ڈالتے ہیں

حدیث نجوم کی حقیقت پر ایک نظر

ایک وضعی حدیث جسے چیخ چیخ کر منبروں پر بیان کیا جارہا ہے اور جسے جمعہ کے خطبوں میں باقاعدگی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے حدیث ''اصحابی کالنجوم'' ہے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں " اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم "

''میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔

جہاں تک اس حدیث کی سند کا تعلق ہے تو آغا سلطان مرزا نے اپنی کتاب البلاغ المبین جلد دوم کے صفحہ 316 پر اور اس کے بعد کے صفحات میں 33 علماء و محدثین کا بیان تحریر کیا ہے جنہوں نے بالفاظ واضح اس حدیث کے وضعی ہونے کا اقرار کیا ہے۔

ہم صرف علامہ ابن تیمیہ کا بیان جو انھوں نے اپنی کتاب منہاج السنۃ میں تحریر کیا ہے یہاں پر نقل کرتے ہیں ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

" اما قولہ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم " . فھذا الحدیث ضعیف . ضعفہ ائمۃ الحدیث . قال البزار ھذا الحدیث لا تصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و لیس ھو فی کتب الحدیث المعتمدہ'' البلاغ المبین جلد دوم ص 319

بحوالہ منہاج السنۃ ابن تیمیہ

یعنی آنحضرتؐ کا قول کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ پس یہ حدیث ضعیف ہے جس کو آئمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ البزار کہتے ہیں کہ یہ حدیث جناب رسول خدا سے صحیح ثابت نہیں ہے اور وہ حدیث کی کتب معتبرہ میں بھی نہیں پائی جاتی۔

سند روایت کے علاوہ یہ حدیث عقلاً اور روایتاً بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی بھی باشعور انسان جب "اصحابی کالنجوم" پڑھے گا تو اسے معلوم ہو جائیگا کہ یہ گھڑی ہوئی حدیث ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے مخاطب مرحلہ اول میں خود صحابہ ہی تو ہیں۔ لہذا رسول یہ کیسے کہہ سکتے ہیں تھے کہ اے میرے صحابہ تم میرے صحابہ کی پیروی کرنا۔

دراصل یہ حدیث اس صحیح حدیث کے مقابلہ میں گھڑی گئی ہے جو معاویہ کے حکم سے حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ کی فضیلت کی احادیث کے مقابلہ میں بالکل ان کے مشابہ اور ان سے ملتی جلتی گھڑی گئیں تھیں۔ وہ حدیث جس کے مقابلہ میں معاویہ کے حکم سے یہ حدیث گھڑی گئی اسے محمد تیجانی سماوی نے اپنی کتاب "تجلی" میں قاضی نعمان کی کتاب دعائم الاسلام کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا:

"الائمة من اهل بيتي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم"

کتاب تجلی محمد تیجانی سماوی ص 20

بحوالہ دعائم الاسلام مطبوعہ دار المعارف مصر جلد 1 ص 86

"یعنی آئمہ میرے اہل بیت میں سے ہوں گے جن کی مثال ستاروں جیسی ہے تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے"

اس حدیث کی معقولیت میں کوئی شک وشبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ حدیث ثقلین جو صحیح ومتواتر اور مسلمہ فریقین حدیث ہے اس کی تائید کرتی ہے۔ اور آئمہ اہل بیت علم و زہد

اور ورع وتقویٰ کے اعلیٰ ترین معیار پر تھے جس کے دشمن بھی گواہ ہیں۔اور پوری تاریخ اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے اور عقلاً اور درایتاً بھی اس حدیث میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس میں اصحاب کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم میرے اہل بیت میں سے ہونے والے آئمہ کی پیروی کرنا کیونکہ وہی میرے بعد تمہاری رہنمائی کریں گے۔

پیغمبرؐ کو عفو و درگذر اور مہربانی کرنے کا حکم

جنگ احد میں تین سو منافقین کے راستہ سے ہی واپس لوٹ جانے اور باقی ماندہ اصحاب کا اس حکم کے باوجود کہ:

"یا ایھا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار" (الانفال۔15)

"اے ایمان والو! جب تمہاری میدان جنگ میں کافروں کے ساتھ مڈبھیڑ ہو تو خبردار انہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ نہ جانا"

راہ فرار اختیار کرنے۔اور درہ پر متعین اصحاب کی کارشکنی۔اور پیغمبر اکرمؐ کے فرمان کی حکم عدولی کے باوجود۔خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبر کو حکم دے رہا ہے کہ اے میرے حبیب تم اپنے اصحاب کی کارشکنی۔فریب کاری اور حکم عدولی کے باوجود ان پر رحم کرو، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو اور ان کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آؤ اور تمام لوگوں کو چاہے وہ میدان جنگ کو چھوڑ کر فرار ہو گئے ہیں چاہے وہ منافقین ہوں چاہے وہ ضعیف الایمان ہوں معاف کر دو۔چنانچہ جب پیغمبر اکرمؐ نے حکم خدا سے ان کے ساتھ نرمی برتی تو ارشاد ہوا کہ:

"فبما رحمة من الله لنت لهم . ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك . فاعف عنهم واستغفر لهم ، و شاورهم في الامر . فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين" (آل عمران۔159)

یعنی اے میرے حبیب تم نے اللہ کی رحمت کے سایہ میں ان لوگوں کے ساتھ نرمی برتی اوران سے مہربانی اور شفقت کے ساتھ پیش آئے اور اگر تم اکھڑپن اور سنگدلی کا مظاہرہ کرتے اوران کی کوتاہیوں ،غلطیوں ،کارشکنیوں اورتخریب کاریوں کی بناء پران کے ساتھ سختی سے پیش آتے تو وہ سب کے سب تیرے پاس سے چلتے بنتے ۔پس تم ان سے درگزر کرو ۔انہیں معاف کردو ۔اوران کے لئے خدا سے مغفرت کی دعا کرو ۔اور(ان کی شخصیت کے احیاء کے لئے)ان سے (ان سے متعلق) کاموں میں مشورہ کرلیا کرو لیکن جب تم کسی کام کے کرنے کا پختہ ارادہ اورعظم مصمم کرلوتو پھر اللہ پر بھروسہ کرو ۔ بیشک خدا تو کل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت میں کتنا عظیم دستورالعمل پیش کیا گیا ہے ۔پہلے پیغمبر کی عظیم صفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کے بعد ۔نہ صرف ضعیف الایمان لوگوں ۔بھاگ جانے والوں ۔درہ کو چھوڑ دینے والوں ۔اور راستے سے ہی پلٹ جانے والوں کی خطاؤں کے بارے میں معاف کرنے درگذر سے کام لینے کا حکم صادر فرمایا ہے ۔بلکہ خود پیغمبر کو بھی حکم دیتا ہے کہ تم خود بھی اپنی طرف سے ان کے لئے مغفرت کی دعا بھی کرواوران کی شخصیت کے احیاء کے لئے ان سے متعلق کاموں کے لئے ان سے حسب سابق مشورہ کرتے رہا کرو تا کہ وہ اپنے دل میں یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ جانے یا کارشکنی اورتخریب کاری کی وجہ سے پیغمبر ؐ کی نظروں سے گر گئے ہیں اور وہ بے وقعت ہوکر رہ گئے ہیں لیکن جب تم خود مصمم ارادہ کرلوتو پھر اللہ پر ہی تو کل کرو۔

"شاورھم فی الامر" کی غلط تاویل

پیغمبر اکرم کو مذکورہ آیت میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ تم بھاگنے والوں ،درہ کو چھوڑ دینے والوں اوران ضعیف الایمان لوگوں کو ۔جو خدا اور رسول کے بارے میں ایام جاہلیت جیسی بد

عقد کی بات خود خدا نے طے کی تھی اور پیغمبرؐ کے ذریعہ اس کا عملدرآمد کرایا تھا۔

تذکار صحابیات کا مصنف ابن سعد کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:

''علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت زینب کو بعض وجوہ کی بناء پر یہ رشتہ پسند نہ تھا۔اس لئے انھوں نے نکاح سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ''یا رسول اللہ میں زید کو اپنے لئے پسند نہیں کرتی لیکن حضور نے اس نکاح میں بہتری سمجھتے تھے اس لئے آپ کے منشا کے مطابق حضرت زید کا عقد زینب سے ہوگیا'' (تذکار صحابیات ص 85)

علامہ ابن سعد نے جو یہ لکھا ہے کہ:

حضور اس نکاح میں بہتری سمجھتے تھے، قابل غور ہے۔کیونکہ اس مقام پر اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبر اکرمؐ خدا کے حکم سے ایک قانون کی تشریح پر معمور تھے تو زیادہ مناسب ہے۔

جہاں تک حضرت زینب کے اس رشتہ کو پسند نہ کرنے کی بات ہے تو وہ فطری تھی۔ اکثر ایسی بے جوڑ شادیاں کامیاب نہیں رہتیں۔لہذا اس عقد میں جہاں عملاً یہ ثابت کیا گیا کہ اسلام رنگ و نسل ذات پات اور قوم و قبیلہ کا قائل نہیں وہاں عملی طور پر اس بات کا بھی مظاہرہ ہوگیا کہ کامیاب شادیوں کے لئے اپنے کفو اور اپنے جوڑ کی شادیاں ہی مناسب رہتی ہیں جیسا کہ اس کے ثبوت میں آگے بیان ہوگا۔اس بے جوڑ شادی کا جو نتیجہ ہوا اس کے بارے میں تذکار صحابیات کا مصنف لکھتا ہے کہ:

''لیکن دونوں میں نباہ نہ ہوسکا۔تقریباً ایک برس بعد حضرت زید نے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ کے پاس شکایت کی کہ یا رسول اللہ زینب مجھ سے زبان درازی کرتی ہے میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں۔حضور نے سمجھایا کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ (تذکار صحابیات ص 86)

اس کے بعد یہی مصنف لکھتا ہے:

''بہر حال حضرت زید اور حضرت زینب کا نباہ نہ ہونا تھا نہ ہوا اور حضرت زید نے

گمانیاں کررہے تھے۔معاف کردو۔ان سے درگذر کرو ان کے لئے خدا سے مغفرت کی دعا کرو۔اوران سے ان کے متعلق کاموں میں اسی طرح سے مشورہ کرتے رہو جیسے کہ پہلے کرتے رہے ہوتا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ پیغمبرؐ کی نظروں میں گر گئے ہیں اوران کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی ہے۔

علاوہ ازیں کفار سے جنگ کے لئے مسلمانوں سے مشورہ کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ اس سے ان کی نیتوں، ان کے ارادے اور جنگ کے لئے ان کی آمادگی کا علم ہوجاتا تھا۔جیسا کہ جنگ بدر کے بیان میں گذر چکا اور جس کا نقشہ سورہ انفال کی آیت نمبر 5 تا 7 میں بخوبی کھینچا گیا ہے کہ کچھ اصحاب پیغمبر نے کفار قریش کے ساتھ جنگ کرنے کو ناپسند کیا اور وہ اس خبر کو سن کر پیغمبر سے ہی جھگڑنے لگ گئے اور جب بادل ناخواستہ ساتھ جانا ہی پڑ گیا تو اس طرح سے گئے جیسا کہ موت کے منہ میں دھکیلے جارہے ہوں۔اور صحیح مسلم کی روایت کے مطابق پیغمبرؐ نے ان کی باتیں سن کر ان کی طرف سے منہ پھیر لیا لیکن کچھ اصحاب پیغمبر کا جواب انتہائی حوصلہ افزا تھا۔جیسا کہ مقداد و سعد ابن معاذ کا بیان جنگ بدر کے بارے میں گذرا۔پس جنگ چونکہ ہرصورت فوج نے ہی لڑنی ہوتی ہے۔لہذا خود لڑنے والوں سے ان کی نیت، ان کے ارادے اور جنگ کے لئے ان کی آمادگی کا حال معلوم کرنے کے لیے ان سے مشورہ کرنا انتہائی اہم اور ضروری تھا۔اسی لئے خدا نے حسب سابق آئندہ بھی ان سے مشورہ کرنے کی تلقین فرمائی۔

لیکن چونکہ پیغمبرؐ کے بعد قائم ہونے والی حکومت خدا و رسول کے حکم سے معرض وجود میں نہیں آئی تھی بلکہ پیغمبرؐ کے بعد برسراقتدار آنے والوں نے صرف ایک ایشو کا سہارا لیا تھا کہ نبوت اور حکومت ایک ہی خاندان میں نہیں جانے دیں گے۔اور سقیفہ بنی ساعدہ میں بھی پیغمبر کی علمی نیابت یا ہدایت خلق کے لئے پیغمبرؐ کی جانشینی کا کوئی ذکر نہیں تھا، بلکہ ملک محمد۔سلطان محمد۔اورامارۃ محمد پر بحث ہوتی رہی۔اوراس کے لئے اپنی کسی خاص قابلیت

صلاحیت اور استعداد کو بھی اپنے لئے دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ انصار کے مقابلہ میں صرف یہ کہا کہ چونکہ پیغمبرؐ قریش میں سے تھے لہذا عرب قریش کے سوا اور کسی کی حکومت کو تسلیم نہیں کریں گے۔ اور چونکہ یہ دلیل انتہائی بودی تھی اور یہ دلیل ان کے علاوہ کسی دوسرے کو زیادہ حقدار بناتی تھی لہذا حضرت عمر نے جو اس ملغوبے کے خالق اور اس ایشو کو چلانے والے تھے جھٹ سے حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی۔ چونکہ حتما پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی حکومت خدا اور رسول کے حکم سے معرض وجود میں نہیں آئی تھی لہذا ان کی تو مجبوری تھی یہ کہ وہ اس قسم کا اظہار کریں کہ پیغمبر نے اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا۔ لیکن بعد میں ان کے طرفداروں نے اس کو ایک دستوری شکل دے دی۔ چنانچہ مولانا مودودی اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں لکھتے ہیں کہ

''اگر چہ آنحضرتؐ نے اپنی جانشینی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ لیکن مسلم معاشرے کے لوگوں نے خود سے یہ جان لیا کہ اسلام شوروی حکومت کا تقاضا کرتا ہے

خلافت و ملوکیت ص 83

اور انھوں نے شوروی خلافت کو ثابت کرنے کے لئے جس آیت کا سہارا لیا وہ آل عمران کی مذکورہ آیت نمبر 159 ہے۔ جس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا'' وشاورھم فی الامر '' لے لیا۔ اور اسے پہلے اور بعد کے سالم جملہ کو بالکل ہی ترک کر دیا۔ چنانچہ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''اس ریاست کا پانچواں قاعدہ یہ تھا کہ سربراہان ریاست مسلمانوں کے مشورہ اور ان کی رضامندی سے مقرر ہونا چاہیے'' اور اس کے لئے انھوں نے مذکورہ آیت کا صرف اتنا ٹکڑا نقل کیا ہے:

وشاورھم فی الامر (آل عمران ۔) 159

اور اے نبی ان سے معاملات میں مشاورت کرو۔ (خلافت و ملوکیت ص 69)

حالانکہ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ آیت پیغمبرؐ کو اپنا جانشین بنانے کے لئے مشورہ کا حکم دے رکھا ہو تو حتماً پیغمبر اپنی زندگی میں اپنے بعد کے لئے سربراہ حکومت کا لوگوں سے مشورہ کر کے ہی صحیح تقرر کر دینا چاہیے تھا۔اور اگر آپ نے مشورہ کر کے اپنے بعد کے لئے حکم خدا کے باوجود کسی کو سربراہ مملکت و حکومت مقرر نہیں کیا تھا تو یہ پیغمبر نے حکم خدا کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی جس کا پیغمبرؐ کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔یہاں بھی وہی بات کہ پیغمبر کی کتاہی پیغمبر کی غلطی پیغمبر کی طرف سے حکم خدا کی تعمیل نہ کرنے سے پیغمبر کی توہین ہوتی ہو تو ہوتی رہے قرآنی آیات کو زبردستی اپنے نظریے پر چپکا کر اصحاب کو صحیح اور ان کے کام کو پیغمبر کے مقابلہ میں درست قرار دیا جائے۔

جنگ احد کے بعد کے کچھ سماجی اور معاشرتی مسائل

جنگ احد کے بعد سماجی اور معاشرتی مسائل پیدا ہو گئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ کچھ اصحاب پیغمبر کے شہید ہو جانے کی وجہ سے ان کی ازواج بیوہ ہو گئیں۔جن میں سے کچھ بالکل ہی بے سہارا تھیں۔ان کی عزت نفس کو برقرار رکھتے ہوئے اس سماجی اور معاشرتی مسئلہ کا حل انتہائی ضروری تھا۔ان میں سے بعض تو ایسی تھیں جن کے مزاج کی تیزی کی وجہ سے انہیں کوئی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔اور بعض کے لئے ان کے مرتبہ اور رتبہ کا لحاظ رکھنا ضروری تھا لہذا پیغمبر نے ان کے ساتھ عقد فرما کر اس سماجی اور معاشرتی مسئلہ کا حل فرمایا۔جنگ احد کے بعد آنحضرت نے جن عورتوں کے ساتھ تزویج فرمائی وہ حسب ذیل ہیں۔

حضرت حفصہ کے ساتھ تزویج

حضرت حفصہ سے عقد کے بارے میں ہم محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف

حکومت مصر کی کتاب ''الفاروق عمر'' کے حوالہ سے گذشتہ اوراق میں مختصر طور پر نقل کر آئے ہیں لیکن انھوں نے ان کا مطلقہ ہونا لکھا ہے ان کی عبارت کا وہ حصہ ہم یہاں پر بھی نقل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حفصہ بنت عمر، خنیس بن حذافہ کی بیوی تھیں جو سابقون الاولون میں سے تھے۔واقعہ بدر سے چند مہینے پہلے خنیس نے حضرت حفصہ کو چھوڑ دیا۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا۔ حضرت عمر فاروق اعظم ص 78

علامہ شبلی اور بعض دوسرے مفسرین کے مطابق بیوہ ہوگئی تھیں۔ان کے شوہر خنیس بن حذافہ جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے اور جب ان کی عدت کا زمانہ پورا ہوگیا تو حضرت عمر فاروق کے ان کے نکاح ثانی کی فکر ہوئی۔تذکار صحابیات کے مصنف کا یہی موقف ہے۔ تذکار صحابیات ص 66

یہ دونوں باتیں اس طرح جمع ہوسکتی ہیں کہ خنیس نے تو حضرت حفصہ کو طلاق جنگ بدر سے پہلے دے دی ہو اور پھر جنگ احد میں اگلے سال خود شہید ہوگئے ہوں لہذا ان کے مصنفین نے انہیں مطلقہ لکھنے کی بجائے اپنی عقیدت کے ماتحت بیوہ لکھنا زیادہ مناسب سمجھا ہو۔

بہر حال آنحضرت سے عقد کے بارے میں تقریباً تمام سیرۃ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عمر نے پہلے حضرت ابو بکر کو حضرت حفصہ سے نکاح کرنے کے لئے کہا۔وہ خاموش رہے تو حضرت عمر کو ناگوار گذرا۔پھر وہ حضرت عثمان کے پاس گئے تو انھوں نے بھی انکار کردیا۔اس کے بعد حضرت عمر غصہ میں بھرے ہوئے پیغمبر کی خدمت میں گئے اور ان سے تمام قصہ بیان کیا۔تو آنحضرتؐ نے خود حضرت حفصہ سے عقد فرما کر حضرت عمر کی اس مشکل کو حل فرمایا اور ان کی فکر کو دور کردیا۔

لیکن اس عقد کے سلسلہ میں بھی جس طرح سے بات بنائی گئی ہے وہ غیر مسلموں

اور مستشرقین یورپ کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے خلاف زبان اعتراض کھولنے کے لئے مواد فراہم کرنے والی ہے۔

حالانکہ اگر حضرت حفصہ کو طلاق ہوگئی تھی اور وہ بیوہ ہوگئی تھیں تو حضرت عمر کو ان کے عقد ثانی کی فکر تھی جیسا کہ تذکار صحابیات کے مصنف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ تو ان کی فکر کو دور کرنے ان کی مشکل کو حل کرنے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان کے انکار کے بعد مسلمانوں میں انقباض کی کیفیت کو ختم کرنے کے لئے اگر پیغمبر حضرت حفصہ سے عقد کرنے پر آمادہ ہوگئے تو یہ ایک بالکل سیدھی سی بات تھی مگر حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان کے انکار سے جو نا گواری پیدا ہوئی اس کو کھپانے کے لیے اور اسے چھپانے کے لیے یہ بات اپنی طرف سے گھڑی گئی۔

''ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تخلیہ میں حضرت ابو بکر سے حضرت حفصہ کا ذکر کیا۔ حضرت عمر کو اس کا علم نہ تھا۔ تذکار صحابیات ص 66

دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر اکرم کو حضرت ابو بکر سے تخلیہ میں حضرت حفصہ کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر حضرت ابو بکر سے ذکر کیا تھا تو حضرت عثمان سے تو اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ان کے انکار کے بعد ہی تو حضرت عمر کو غصہ آیا اور پیغمبر اکرم کے پاس جا کر شکایت کی اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا حالانکہ حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان کے انکار کی وجہ حضرت حفصہ کی بدمزاجی بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ تذکار صحابیات کے مصنف نے صحیح بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ

''صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہ کے مزاج میں کس قدر تیزی تھی اور وہ کبھی کبھار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بیباکی سے جواب دیتی تھیں۔ (تذکار صحابیات ص 67)

مگر پیغمبر بدنام ہوتا ہو تو ہو جائے۔ پیغمبرؐ پر عورتوں کے لئے حریص ہونے کا

الزام لگتا ہوتو لگ جائے مگر حکومت کی بیٹی کی بدمزاجی کی وجہ سے دوسرے اصحاب کے انکار کو قبول نہ کیا جائے ۔ اور اسطرح عظمت ناموس صحابہ برقرار رہے چاہے عظمت ناموس رسالت پارہ پارہ ہوجائے ۔

حضرت زینب بنت خزیمہ سے تزویج

''تذ کار صحابیات'' کے مصنف حضرت زینب بت خزیمہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کا پہلا نکاح حضور کے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش سے ہوا تھا۔ جو جلیل القدر صحابی تھے۔ تذ کار صحابیات ص 71

اس کے بعد یہی مصنف لکھتے ہیں کہ:

''جنگ احد میں) حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح کرلیا۔ اس وقت حضرت زینب کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔

اس نکاح میں جو مصلحت پوشیدہ تھی وہ ظاہر ہے۔ عبداللہ بن جحش آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اس کی بیوہ کو جو سماجی، معاشرتی اور معاشرتی مسئلہ درپیش تھا اس کا بہترین حل یہی تھا کہ ان کی عزت نفس بھی باقی رہے اور یہ مسائل بھی حل ہو جائیں ۔

حضرت زینب بنت جحش سے تزویج

تاریخ خمیس میں حضرت زینب کے ساتھ تزویج کا واقعہ 5 ھ میں یا 3 ھ میں لکھا ہے۔ لہذا ہم اسے 3 ھ کے واقعات میں تحریر کررہے ہیں۔ تذ کار صحابیات کا مصنف یہی لکھتا ہے

''نام زینب، کنیت ام الحکم، ان کا تعلق قریش کے خاندان ابن خزیمہ سے تھا ماں کا

نام امیمہ بنت عبدالمطلب جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔

حضرت زید بن حارثہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے تھے۔حضور انھیں بے حد محبوب رکھتے تھے اسی لئے آپ نے زینب کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے کردیا۔ تذکار صحابیات ص 85

حضرت زینب آنحضرت کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔اور حضرت زید آزاد کردہ غلام تھے۔لہذا خود حضرت زینب اور ان کے بھائی اس رشتہ کو ناپسند کرتے تھے۔

لیکن چونکہ اسلام سب مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیتا ہے اور رنگ، نسل، ذات پات اور قوم وقبیلہ کے فرق کو مٹانا چاہتا ہے۔لہذا اس کی عملی صورت پیش کرنے کے لیے پیغمبر نے خود اپنی پھوپھی زاد بہن کا اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے ساتھ نکاح کردیا۔کہا تو یہی جاتا ہے پیغمبر نے اپنے آزاد کردہ غلام کے ساتھ یہ عقد کیا۔لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ عقد خود پیغمبر نے نہیں کیا بلکہ یہ خدا کا حکم تھا کہ پیغمبر اپنی پھوپھی زاد بہن کا عقد اپنے آزاد کردہ غلام سے کریں۔تاکہ اس بات کا عملی ثبوت پیش کیا جاسکے کہ اسلام رنگ ونسل، ذات پات اور قوم وقبیلہ کے فرق کا قائل نہیں ہے۔اور خدا کا حکم قرآن میں ان الفاظ میں آیا ہے۔

" وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضیٰ الله و رسوله امراً. ان یکون لهم الخیرة من امرهم و من یعص الله و رسوله فقد ضل ضلالاً مبیناً "

"اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کے رسول نے ایک بات طے کردی ہے تو پھر انہیں اس معاملہ میں کچھ بھی اختیار باقی رہے۔اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی میں پڑیگا"۔

یہ آیت واضح طور پر یہ کہہ رہی ہے کہ حضرت زینب کے زید بن حارثہ کے ساتھ

بالآخر حضرت زینب کو طلاق دے دی۔ (تذکار صحابیات ص 86)

بات صرف اتنی تھی کہ حضرت زینب اعلیٰ خاندان سے تھیں اور زید بن حارثہ آزاد کردہ غلام تھے۔ لہذا فطری طور پر یہ نباہ ہونا بہت مشکل تھا اور ایسی بے جوڑ شادیاں اکثر ناکام ہی رہتی ہیں زید نے صرف زینب بنت جحش ہی کو طلاق نہیں دی۔ بلکہ اس کے بعد بھی جتنی بے جوڑ شادیاں کیں وہ سب ناکام ہی رہیں۔ چنانچہ تاریخ خمیس کے مطابق حضرت زینب کو طلاق دینے کے بعد زید نے ام کلثوم بن عتبہ سے شادی کی اور طلاق دی پھر درہ بنت ابی لہب سے عقد کیا اور اسے بھی طلاق دی۔ پھر ہند بنت عوام یعنی زبیر کی بہن سے شادی کی اور اسے بھی طلاق دی۔ اس کے بعد صاحب تاریخ خمیس لکھتے ہیں

''ثم زوج النبی صلی الله علیه وسلم ام ایمن فولدت له اسامه''

اس کے بعد پیغمبرؐ نے زید کا نکاح ام ایمن سے کردیا اور ان کے اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ تاریخ خمیس جلد 2 ص 81-82

ام ایمن کنیز تھیں اور زید آزاد کردہ غلام اب برابر کا جوڑ تھا۔ لہذا یہ نکاح کامیاب رہا۔ زید نے یقیناً سب طلاقیں بے جوڑ شادیاں ہونے کی وجہ سے نباہ نہ ہونے پر دی تھیں۔

لیکن بنی امیہ کے درباری حدیث سازوں نے پیغمبر کی حیثیت وشخصیت کو گرانے اور بنی امیہ کے حکمرانوں کی عیاشیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اس طلاق کے سلسلہ میں بھی جو جو افسانے تراشے وہ رنگیلا رسول کے مصنف راجپال اور شیطانی آیات کے مصنف رشدی اور مستشرقین یورپ جیسے معترضین کے ہی کام آسکتے ہیں لہذا ہم ان کا اس مقام پر نقل کرنا بھی سوئے ادب سمجھتے ہوئے لکھنا مناسب نہیں سمجھتے۔

کیونکہ اس کو جھٹلانے کے لیے قرآن کی شہادت کافی ہے۔ اس لئے کہ حضرت زینب کا پیغمبر کے ساتھ نکاح بھی خدا کے حکم سے ہوا۔ جس سے جاہلیت کی ایک رسم کو مٹانا اور ایک قانون کی تشریح مقصود تھی۔ چنانچہ قرآن اس بارے میں اس طرح کہتا ہے۔

"ما كان على النبي من حرج في ما فرض الله له سنة الله في الذين خلوا من قبل و كان امر الله قدرا مقدوراً" (الاحزاب۔38)

"نبی اس بات میں جو اللہ نے اس پر واجب کردی ہو کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔اس سے پہلے جو نبی گذرے ہیں ان سب کے لیے خدا کی یہی سنت چلی آتی ہے (کہ اللہ ان پر جس بات کو واجب کردیتا وہ اس پر عمل کرنے کے پابند ہوتے ہیں) اور اللہ کا حکم ایک حد پر اندازہ کیا ہوا ہوتا ہے"

حضرت زینب آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور پیغمبر کی پہلے سے دیکھی بھالی تھیں ۔خود انھوں نے زید کے ساتھ ان کا عقد کیا تھا اور آیہ حجاب تاریخ خمیس جلد 1 صفحہ 563 اور اسد الغابہ ابن اثیر کی رو سے حضرت زینب کے عقد سے پہلے نازل ہی نہ ہوئی تھی ۔پس حضرت زینب آنحضرتؐ کی دیکھی بھالی تھیں ۔لہذا وہ تمام روایات بنی امیہ کے حکم سے گھڑی ہوئی خرافات ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ پیغمبر ایک دن زید کے گھر گئے تو ان کی نظر زینب پر جا پڑی اور وہ ان پر فریفتہ ہوگئے اور جب زید کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے زینب کو طلاق دے دی۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم

کہ با من انچہ کرد آن آشنا کرد

راجپال اور رشدی جیسے دریدہ دہن مصنفین کو ایسا توہین آمیز اور ہتک انگیز مواد فراہم کرنے والے یہی بنی امیہ کے درباری علماء تھے جو بنی امیہ کی حدیث سازی کی فیکٹری میں پیغمبر کے نام کو دفن کرنے اور عظمت ناموس رسالت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے مصروف عمل تھے۔

حضرت زینب کے ساتھ آنحضرتؐ کے عقد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ چونکہ خدا کو زمانہ جاہلیت کی ایک غلط رسم کو توڑنا تھا۔لہذا اس نکاح کی نسبت خدا نے خود اپنی طرف

دی کہ ہم نے زینب کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا۔ قرآن کہتا ہے " فلما قضیٰ زید منھا وطراً زوجنا کھما " (الاحزاب۔37) "پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا (اور اس نے زینب کو طلاق دے دی) تو ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا"

تذکار صحابیات کا مصنف لکھتا ہے کہ:

"گویا اللہ تعالیٰ نے خود حضور کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا"

تذکار صحابیات ص 87

حضرت ام سلمہ سے تزویج

اگر چہ صاحب مناھج، تذکار صحابیات اور بعض دوسرے مصنفین کے قول کے مطابق حضرت ام سلمہ سے پیغمبر اکرمؐ نے 4ھ میں عقد فرمایا۔ لیکن چونکہ ام سلمہ کے شوہر 3ھ میں جنگ احد میں ایک زہریلے تیر سے زخمی ہو گئے تھے اور کچھ عرصہ علاج کرانے کے بعد اسی زہر آلود تیر کے زہر کے اثر سے شہید ہو گئے تھے لہذا فی الحقیقت 4ھ میں حضرت ام سلمہ کے عقد کا تعلق 3ھ میں پیش آنے والے سماجی، معاشرتی اور معاشی مسائل سے ہی تھا۔ لہذا ہم ان کے عقد کا حال بھی 3ھ کے واقعات کے ذیل میں ہی تحریر کر رہے ہیں۔

تذکار صحابیات کا مصنف لکھتا ہے

"نام ہند، کنیت ام سلمہ، قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں۔ ماں کا نام عاتکہ بن عامر تھا اور وہ خاندان فراس سے تھیں۔ حضرت ام سلمہ کا پہلا نکاح ان کے چچا زاد بھائی ابو سلمہ بنت عبداللہ سے ہوا"

تذکار صحابیات ص 73

اس کے بعد یہی مصنف لکھتا ہے

3ھ میں حضرت ابو سلمہ جنگ احد میں شریک ہوئے اور نہایت پامردی سے

داد شجاعت دی ان کے بازو ایک زہریلے تیر سے زخمی ہوگیا۔علاج سے وقتی طور پر صحت یاب ہوگئے لیکن چند ماہ بعد یہ زخم پھر ہرا ہوگیا اور اسی کی تکلیف سے واصل بحق ہوگئے"

تذکار صحابیات ص 73

اس کے بعد کچھ صفحے بعد یہی مصنف لکھتا ہے

"حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم بھی حضرت ام سلمہ کی کسمپرسی اور بے مائیگی سے بہت متاثر تھے اور ابو سلمہ اور ام سلمہ نے راہ حق میں جو مصیبتیں اٹھائی تھیں حضور کو ان کا بے حد احساس تھا، چنانچہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق کی معرفت ام سلمہ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔حضرت ام سلمہ نے قبول کرلیا اور شوال 4ھ میں وہ حضور کے نکاح میں آ گئیں" (تذکار صحابیات ص 77)

وہ مشہور و معروف آیت جسے آیہ تطہیر کہتے ہیں اور جو اہل بیت کی عصمت پر دلالت کرتی ہے اس محترم بی بی کے گھر میں نازل ہوئی تھی۔چنانچہ تذکار صحابیات کا مصنف یہ لکھتا ہے کہ:

"ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے گھر تھے کہ آیہ تطہیر "**انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت**" کا نزول ہوا۔حضور نے حضرت فاطمہ الزھرا، حضرت علی کرم اللہ وجہ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کو بلایا۔ان پر اپنا کمبل ڈال دیا اور فرمایا: بارالہا یہ میرے اہل بیت ہیں"۔

حضرت ام سلمہ نے پوچھا "یا رسول اللہ کیا میں بھی اہل بیت میں سے ہوں" فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو" (تذکار صحابیات ص 79)

آیہ تطہیر اور اس کے اہل بیت کی شان میں نازل ہونے کا بیان صحیح ترمذی میں بھی آیا ہے کہ جب حضرت ام سلمہ نے کملی میں داخل ہونے کی خواہش کی جس میں آنحضرت علی و فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کو لے کر فرمایا تھا: "**اللھم ھؤلاء اھل بیتی**"

"اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں" تو ام سلمٰی نے پوچھا کہ " یارسول الله من اهل البیت "۔ "یارسول اللہ کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں" تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

" انک علی خیر انت من ازواج النبی "

"تم خیر پر تو ہو لیکن تم پیغمبر کی بیویوں میں سے ہو"

اس حدیث کے ذریعہ پیغمبرؐ نے جہاں اہل بیت اور ازواج نبی میں ایک امتیازی حد قائم کر دی ہے وہاں حضرت ام سلمہ کو "انک علی خیر" کہہ کر انھیں نیک بیوی ہونے کی سند بھی دے دی۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت خدیجہؐ کے بعد ازواج نبی میں سب سے افضل تھیں اور باوجود اس کے کہ آنحضرت جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تھے تو ازواج کے لیے قرعہ ڈالا جاتا تھا لیکن تمام مشہور لڑائیوں میں اپنے عقد کے بعد حضرت ام سلمہ اکثر پیغمبر کے ہمراہ رہتی تھیں۔

اخلاقی واقعات میں آپ کے متعلق یہ خبر مشہور ہے کہ حضرت عائشہ اور ان کی جماعت نے آپکو بھی واقعات جنگ جمل میں ساتھ رکھنا چاہا۔لیکن آپ نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ انہیں بہت ہی تند و تیز نصیحتیں بھی کیں۔

چنانچہ الامامت والسیاست کے صفحہ 55 پر وہ خط نقل کیا ہوا موجود ہے جو آپ نے حضرت عائشہ کو لکھا تھا اس میں کا ایک حصہ اسطرح ہے۔

" قد هتکت حجابه الذی ضربه الله علیک عهداه و لو اثبت لذی تریدینی ثم قیل لی ادخلی الجنة لا ستحیت ان القی الله هاتکة حجابة قد ضربه علی ، فاجعل حجابک الذی ضرب علیک حضنگ "

"تم نے اس پردہ کو چاک کر ڈالا ہے جو خدا نے تمہارے لئے مقرر کیا تھا۔اگر یہ بات جس کا تم ارادہ کرتی ہو کر بیٹھتی۔اور پھر ہم سے یہ کہا جاتا کہ جنت میں داخل ہو تو مجھے

شرم آتی کہ میں پردہ دری کر کے خدا سے ملتی۔ تم اس پردہ کو اپنا قلعہ بناؤ جو تمہارے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ (الامامت والسیاست ص 55)

اس کے بعد کی عبارت بہت ہی بے چین کر دینے والی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور کوئی بہت بڑی بات تھی اور وہ عبارت اس طرح ہے

" ولو ذکرتک کلاما قالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہشین الحیۃ والسلام"

"اگر میں رسول اللہ کے اس قول کو بیان کر دیتی جو آپ نے (تیرے لیے) فرمایا تھا تو تو مجھے سانپ کی طرح ڈس لیتی والسلام" (الامامت والسیاست ص 55)

آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی زندہ رہیں اور وہ مشہور روایت کہ رسول اللہ کی عطا کی ہوئی خاک کربلا شیشہ میں خون ہوگئی اور آپ نے روز عاشورہ آنحضرت کو ایک اندوہناک شکل میں خواب میں دیکھا۔ آپ ہی سے متعلق ہے۔

تذکار صحابیات کا مصنف مسند احمد بن حنبل کے حوالہ سے لکھتا ہے

"مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ 61ھ ہجری میں جس دن امام حسینؑ نے اپنے عظیم المرتبت رفقاء کے ساتھ دشت کربلا میں جام شہادت نوش کیا۔ حضرت ام سلمہ نے خواب میں دیکھا کہ رحمت دو عالم تشریف لائے ہیں۔ سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے۔ اور بہت غمزدہ ہیں۔ حضرت ام سلمہ نے پوچھا "یا رسول اللہ کیا حال ہے۔ فرمایا: حسین کے مقتل سے آرہا ہوں۔ حضرت ام سلمہ کی آنکھ کھل گئی بے اختیار رونے لگیں اور بلند آواز سے فرمایا: عراقیوں نے حسین کو قتل کر دیا۔ خدا انہیں قتل کرے انھوں نے حسین سے دغا کی خدا ان پر لعنت کرے۔

تذکار صحابیات ص 81-82

بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل

4ھ کے واقعات۔ جنگ بنی نضیر

یہودیوں کے ساتھ باہمی تعاون وسازگاری کا معاہدہ تھا۔پیغمبرؐ نے ایک دیت کے سلسلہ میں انہیں پیغام بھجوایا تو انھوں نے کہلوا بھیجا کہ آپ ہمارے مہمان ہوں۔آپ جیسا فرمائیں گے ہم اس پر عمل کریں گے۔پیغمبرؐ چند صحابہ کے ہمراہ بنی نضیر کی آبادی میں جو مدینہ سے متصل تھی تشریف لے گئے۔اوران کی آبادی کے باہر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے بنی نضیر پہلے سے بدنیت تھے۔انھوں نے ایک شخص عمرابن حجاش کو کہا کہ وہ اس دیوار پر چڑھ کر جس کے نیچے آنحضرتؐ تشریف فرما ہیں ان پر ایک بڑا سا پتھر گرادے تاکہ پیغمبرؐ کا کام تمام ہوجائے،الہام غیبی نے پیغمبرؐ کو آگاہ کیااور آپ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینہ واپس آگئے اور محمد ابن مسلمہ کے ذریعہ انہیں پیغام بھیجا کہ تم نے غداری کی ہے اور بدعہدی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے میرے قتل کا اقدام کیا ہے لہذا تم دس دن کے اندر اپنا تمام جمع جتھا سمیٹ کر یہاں سے نکل جاؤاور کسی دوسری جگہ پر سکونت اختیار کرلو۔

بنی نضیر نے پیغمبر یہ تہدیدی حکم سنا تو خائف ومرعوب ہوکر مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے مگر عبداللہ بن ابی نے دوہزار کی جمیعت کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ کیا۔بنی نضیر نے اپنی پشت پر معاون ومددگار دیکھے تو جانے کا ارادہ ملتوی کردیا۔اور آنحضرت کو کہلوا بھیجا کہ اپنے گھروں کو خالی نہیں کریں گےاور نہ یہاں سے جائیں گے۔آپ سے جو بن پڑتا ہے کیجئے۔

یہ ایک طرح سے دعوت جنگ تھی جس پر خاموش نہیں رہا جا سکتا تھا۔آنحضرت نے ایک مختصر سا لشکر ترتیب دیا اوران کے قلعوں کی طرف حرکت کی۔طبری نے لکھا ہے

''کانت راھیتہ یومئذ معہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام''

سیرۃ امیرالمومنین ص 215

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 226

یعنی اس دن علم پیغمبر علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا۔

بنی نضیر نے جب سپاہ اسلام کو آتے دیکھا تو قلعہ بند ہوگئے۔ مسلمانوں نے قلعہ کے گرد محاصرہ کرلیا۔ بنی نضیر نے اپنے گرد گھیرا دیکھا تو قلعہ کے اندر سے تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ مگر محاصرہ اٹھانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور ان کے چند آدمی جو قلعہ کے باہر گھوم رہے تھے حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارے گئے۔

بنی نضیر نے جب یہ دیکھا کہ ان کے چند آدمی مارے گئے اور عبداللہ ابن ابی کے دوہزار آدمی اور بنی غطفان اور بنی قریظہ بھی جنہوں نے مدد کا وعدہ کیا تھا مدد کے لئے نہیں آئے تو انھوں نے شکست کا اعتراف کرتے ہوئے آنحضرت کو پیغام بھجوایا کہ اگر آپ ہماری جان بخشی کردیں تو ہم اس سرزمین کو چھوڑنے کے لیے تیار ہیں۔ آنحضرت نے اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں اسلحہ جنگ ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ہتھیاروں کے علاوہ جو چیزیں وہ لے جانا چاہیں لے جائیں۔ چنانچہ یہود نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو مسمار کیا اور مکانوں کے دروازے کھڑکیاں اور جو کچھ وہ لاد سکتے تھے اونٹوں پر لاد کر چل دیئے ان میں کچھ تو شام کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ جن میں سلام ابن ابی الحقیق، کنانہ ابن ربیع اور حییّ ابن اخطب وغیرہ شامل تھے خیبر میں آکر آباد ہوگئے۔

قرآن کریم میں بنی نضیر کی اس جلاوطنی کا حال سورہ حشر کی آیت نمبر 2 تا 4 میں اس طرح آیا ہے۔

" ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتاب من دیارہ ۔ لاول الحشر ۔ ما ظننتم ان یخرجوا ، و ظنوا انھم ما نعھم حصونھم من اللہ فاتاھم اللہ من حیث لم یحتسبو و قذف فی قلوبھم الرعب ۔ یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی المومنین فاعتبرو یا اولی الابصار ولو لا ان کتب

الله علیهم الجلاء لعذبهم فی الدنیا و لهم فی الاخرة عذاب النار ، ذالک بانهم شاقوا الله و رسوله و من یشاقق الله فان الله شدید العقاب "

(الحشر 2 تا 4)

وہی تو ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو جو کافر ہو گئے تھے ان کے گھروں سے پہلی مرتبہ جلاوطن کردیا تم کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائینگے ۔اور ان کا خیال یہ تھے کہ ان کے قلعے ان کو (عذاب) خدا سے بچانے والے ہیں ۔پس (عذاب) خدا ان پر اس طرح آیا جس طرح ان کو گمان بھی نہ تھا اور اس نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ اپنے مکانوں کو اپنے ہاتھوں اور مومنین کے ہاتھوں سے برباد کررہے تھے تو اے آنکھوں والوں عبرت پکڑو اور اگر خداوند تعالیٰ نے ان کی سزا جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو اس دنیا میں بھی ان کو عذاب دیتا اور آخرت میں تو ان کے لئے عذاب دوزخ موجود (ہی) ہے یہ اس لئے کہ انھوں نے اللہ اور رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرے گا تو اللہ بھی سخت عذاب دینے والا ہے۔

اور چونکہ اس جنگ میں مسلمانوں کو جنگ نہیں کرنا پڑی بلکہ ان کا مال بغیر لڑے ہاتھ آیا تھا لہذا وہ خالص رسول اللہ کا حق قرار پایا ۔چنانچہ ارشاد خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وما اتاء الله علی رسوله منهم فما او جفتم علیه من خیل ولا رکاب ولکن الله یسلط رسله علیٰ من یشاء والله علی کل شئی قدیر "

(الحشر ۔6)

اور جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے بغیر لڑے عنایت کیا ہے تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ ہی اونٹ ۔لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس چیز پر چاہتا ہے مسلط فرمادیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

اس حکم کی رو سے بنی نضیر کی زمینیں اور باغات مال ۔فے کی بناء پر پیغمبرؐ کی ملکیت

قرار پائے جیسا کہ حضرت عمر کہتے ہیں کہ:

"کانت اموال بنی نضیر ما افاء اللہ علی رسولہ و لم یوجف المسلمون علیہ بخیل و لا رکاب فکانت لہ خالصۃ" (سیرۃ امیر المومنین ص 246)

بحوالہ فتوح البلدان ص 26

یعنی بنی نضیر کے اموال جو اللہ نے اپنے رسول کو دلوائے وہ رسول اللہ کی ملکیت خالصہ تھے اس لئے کہ انہیں حاصل کرنے میں مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔

مال ۔فے رسول اللہ کا خاصہ ہونے میں اور مال غنیت میں یہ فرق ہے کہ مال غنیمت جو جنگ کے بعد ہاتھ آتا تھا۔اس میں تو رسول اللہ کا پانچواں حصہ ہوتا تھا اور باقی ان مسلمانوں میں جنہوں نے اس جنگ میں شرکت کی تھی مساوی طور پر تقسیم کر دیا جاتا تھا لیکن ۔فے جو بغیر لڑے ہاتھ آتا تھا وہ رسول اللہ کا خالصہ ہوتا تھا اور پیغمبر اسے خدا کے حکم کے مطابق تقسیم کرتے تھے خدا کا وہ حکم اس سورہ حشر یں اس طرح بیان ہوا ہے۔

'وما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللہ و الرسول ولذی القربیٰ و الیتمیٰ و المسکین و ابن السبیل کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم" (الحشر۔7)

"دیہات والوں کا جو مال اللہ تعالی نے اپنے رسول کو بدوں جہاد عنایت کیا وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا ہے تا کہ وہ مال تمہارے دولتمندوں کے درمیان چکر کھاتا نہ پھرے۔

اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبرؐ نے اس ال ۔فے میں سے ان لوگوں کو کچھ نہ دیا جو دولت مند تھے۔اور اسی بناء پر پیغمبر نے بنی نضیر کے یہودیوں کی تمام زمینیں اور باغات ان مہاجرین میں جو نادار تھے مکہ سے اجڑ کر آئے تھے اور مال دنیا سے کچھ نہ رکھتے تھے تقسیم کر دیئے۔ان مہاجرین میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا نام شامل ہے اور انصار میں سے

صرف دو آدمیوں کوان کے فقر کے وجہ سے ہی ان زمینوں سے کچھ عطا کیا گیا جس کی تفصیل اسی کتاب میں دوسری جگہ آئی ہے۔ یہاں پر اس بات کا اشارہ کردینا ہی کافی ہے کہ اس آیت کی رو سے پیغمبرؐ نے بنی نضیر کی زمینیں مکانات اور باغات جن مہاجرین کوعطا فرمائے وہ سب کے سب مفلس و نادار تھے اور ان میں بعض کی دولتمندی کا جو ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ " کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (الحشر۔7) تاکہ وہ مال دولتمندوں کی درمیان چکر کھاتا نہ پھرے۔ لہذا پیغمبر کسی دولتمند کواس میں سے نہ دے سکتے تھے۔

5ھ کے واقعات۔ جنگ احزاب

بنی نضیر مدینہ سے جلاوطن ہوکر خیبر میں آبسے مگر ان کی شرپسند طبیعتوں نے انھیں نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ انھوں نے اپنی عسکری قوت کو بڑھانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے اور یہ طے کیا کہ قریش کو اپنے ساتھ ملا کر اور مختلف قبائل سے فوجی امداد لے کر مدینہ پر چڑھائی کی جائے اور مسلمانوں کو اس طرح کچل دیا جائے کہ وہ آئندہ سر نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ ان کے چند سردار مکہ آئے اور ابوسفیان اور دوسرے سرداران قریش کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت تک جنگ جاری رکھیں گے جب تک ان کا خاتمہ نہیں ہوجاتا۔ قریش سے قول وقرار کے بعد یہود نے بنی غطفان اور بنی کنانہ، بنی سلیم، بنی اسد، بنی فزارہ، بنی مرہ اور بنی اشجع کے قبائل سے معاہدہ کیا۔ اور اس طرح بڑھتے بڑھتے ان کے لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو ان کی پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے دشمن کی قوت وکثرت کو دیکھتے ہوئے صحابہ کو جمع کیا اور دفاع کے طریق کار کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ مدینہ تین طرف سے مکانوں کی دیواروں، پہاڑوں اور نخلستانوں کی وجہ سے

محفوظ تھا البتہ مشرق کی طرف کوئی روک نہیں تھی لہذا ادھر سے ہی دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ تھا۔سلمان فارسی نے اس طرف خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کرنے کا مشورہ دیا۔جسے سب نے پسند فرمایا۔تمام مہاجرین وانصار نے مل کر خندق کھودی جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ بھی بہ نفس نفیس شریک ہوئے اسی لئے اس جنگ کو جنگ خندق بھی کہتے ہیں۔اور چونکہ اس جنگ میں 10 ہزار کی تعداد میں قبائل کفروشرک مل کر حملہ آور ہوئے تھے لہذا اس جنگ کو جنگ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی تعداد اس جنگ میں صرف تین ہزار تھی یہود اور قریش اپنی فوجی برتری اور ہتھیاروں کی فراوانی کی بناء پر یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ مدینہ پہنچتے ہی مسلمانوں کو گھیرے میں لے کر تلوار کی باڑ پر رکھ لیں گے۔مگر اس نئی جنگی تدبیر نے ان کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے اور ان کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے مدینہ میں یہود کے ایک قبیلہ بنی قریظہ سے یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ دشمن کے خلاف مسلمانوں سے تعاون کرینگے۔ابوسفیان کو یہ فکر ہوئی کہ اگر بنی قریظہ معاہدہ کی بناء پر مسلمانوں کے ساتھ مل گئے تو ان کی قوت بڑھ جائیگی لہذا اس نے یہود بنی قریظہ کے پاس یہود بنی نضیر کے سردار حیئ ابن اخطب کو بھیجا اور اس کے ذریعہ انھیں مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ختم کرنے پر آمادہ کرلیا۔

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو بنی قریظہ کی بدعہدی اور عہد شکنی کا علم ہوا تو آپ نے سعد ابن معاذ کو ان کے پاس بھیجا۔تاکہ انھیں سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائیں۔اور معاہدہ کی خلاف ورزی سے روکیں۔سعد ابن معاذ نے ان کے پاس جاکر انہیں بہت سمجھایا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

یہود بنی قریظہ چونکہ مدینہ کے اندر ہی آباد تھے اس لیے وہ شہر میں رہ جانے والے بچوں اور عورتوں کے لئے مستقل خطرہ بن گئے۔مسلمان سخت حراساں اور پریشان اور کشمکش

کے عالم میں تھے ،ایک طرف دشمن کا محاصرہ شدت اختیار کئے ہوئے تھا اور دوسری طرف یہودی قریظہ دشمن کے ساتھ مل گئے تھے اوران کے نقض عہد کی وجہ سے کفار کا دباؤ بڑھ گیا تھا ۔اس دوطرفہ یلغار کے نتیجے میں مسلمانوں کے خوف وہراس اور اضطرابی کیفیت کا نقشہ خداوندتعالی نے قرآن کریم میں ان الفاظ کے ساتھ کھینچا ہے ۔

" اذ جائوکم من فوقکم و من اسفل منکم و اذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر و تظنون باللہ الظنونا ۔ ھنالک ابتلی المومنون و زلزلوا زلزالا شدیداً " (الاحزاب ۔ 10-11)

ترجمہ: جس وقت وہ لوگ تم پرتمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے آپڑے ۔اور جس وقت تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں ۔اور دل کھچ کر حلق میں آگئے اور تم خدا کے متعلق مختلف قسم کے گمان کرنے لگے ۔تب مسلمانوں کی آزمائش کا وقت آگیا اور انہیں بڑی سختی کے ساتھ جھنجھوڑا گیا ۔

اس آیت کے الفاظ " **وتظنون باللہ الظنونا** " اورتم خدا کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے ، بالکل انہی الفاظ سے ملتے جلتے ہیں جوخداوندتعالی نے جنگ احد کے خاتمہ پرمسلمانوں کے بارے میں کہے تھے کہ: " **یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیہ** " یعنی جب وہ خدا کے بارے میں ناحق دوران جاہلیت یعنی زمانہ کفر کی سی باتیں کررہے تھے ۔

جنگ احد میں یہ بدگمانیاں وہ لوگ کررہے تھے جوشکست کھا کرفرار کر گئے اوراحد پہاڑ کی چوٹی پربیٹھ کر یہ بدگمانیاں کررہے تھے اور جنگ خندق میں کفار کی کثرت دیکھ کر پہلے ہی بدگمان ہوگئے اور یہ ہم جنگ احد کے بیان میں تحریر کرآئے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ بدگمانی خدا کی ذات کے وجود کے بارے میں نہیں تھی ۔ بلکہ اس وعدے کے بارے تھی جس کی پیغمبرؐ نے خبر دی تھی ، یعنی وہ دراصل پیغمبرؐ کی صداقت اوردین اسلام کی حقانیت میں شک کرنے

لگے تھے اور آیت کے الفاظ ھنا لک ابتلی المومنون اس موقع پر اہل ایمان کی آزمائش کی گئی
۔اس بات پر شاہد ہے کہ اس سے منافق مراد لینا قطعی غلط ہے ۔کیونکہ یقینی طور پر منافق تو وہ
تھے جو پیغمبرؐ کو سچا سمجھتے ہی نہ تھے ۔لہذا ان کی طرف سے بدگمانی کیسی ۔وہ تو دل سے پیغمبرؐ
کو نبی مانتے ہی نہ تھے وہ تو صرف خود کو بچانے اور اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے
مسلمانوں کے سامنے خود کو مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن جب وہ کافروں سے ملتے تھے تو ان
سے یہ کہتے تھے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔

بیشک ایسے مواقع پر عام انسان گھبرا ہی جاتا ہے ۔جبکہ حالت یہ تھی کہ دشمن کی دل
بادل فوجیں گھیرا ڈالیں پڑی تھیں ۔اور شہر کے اندر یہودی قریظہ گھات لگائے بیٹھے تھے اس
موقع پر جہاں ضعیف الایمان لوگ طرح طرح کی بدگمانیاں کر رہے تھے وہاں سچے دل سے
ایمان لانے والوں اور پیغمبرؐ کی حقیقی معرفت رکھنے والوں کا ایمان بڑھتا ہی جا رہا تھا
قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے:

" ولما راء المومنون الاحزاب قالو اھذا ما وعدنا اللہ و رسولہ و
صدق اللہ و رسولہ و مازادھم الا ایماناً و تسلیماً " (الاحزاب ۔21)

"جب سچے ایمانداروں نے کفار کے جتھوں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی چیز ہے
جس کا اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور خدا اور رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا
ایمان اور جذبہ اطاعت اور زیادہ ہو گیا۔

کفار کو محاصرہ کئے ستائیس دن ہو گئے تھے لیکن خندق کے حائل ہونے کی وجہ
سے دست بدست جنگ کی نوبت نہ آئی تھی آخر انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی طرح پہرہ
داروں کی نظروں سے بچ کر خندق پار کریں ۔اور مسلمانوں کو تلواروں کی زد پر رکھ لیں ۔
چنانچہ ان کے سرداروں میں سے قریش کے نامور شہسوار عمر ابن عبدود ۔عکرمہ بن ابی جہل ۔
حسل بن عمرو ۔نوفل ابن عبداللہ اور رمنبہ ابن عثمان وغیرہ چند سردار خندق کے ایک ایسے حصہ

سے جو کم چوڑا تھا گھوڑے دوڑا کر خندق پھلانگنے میں کامیاب ہو گئے۔

عمر ابن عبدود کی مبارز طلبی اور اصحاب کی حالت

جنگ خندق میں کفار کے ساتھ ایک اکیلا عمر ابن عبدود ایک ہزار پہلوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ معارج النبوت میں ملا معین لکھتے ہیں کہ جب عمر ابن عبدود نے مبارز طلب کیا تو حضرت عمر نے کہا یہ تو عمر ابن عبدود ہے جو ایک ہزار پہلوانوں کے برابر ہے اور اس کی شجاعت کا ایک واقعہ سنا کر مسلمانوں کے حواس باختہ کر دیئے۔

ملاحظہ ہو روضۃ الصفا جلد دوم ص 109

تاریخ الاسلام علامہ عباس ص 131

تاریخ خمیس دیار بکری مطبوعہ مصر جلد دوم ص 547

چنانچہ حسن دیار بکری نے اپنی تاریخ خمیس میں عمر ابن عبدود کی مبارز طلبی کے وقت اصحاب کا حال اس طرح لکھا ہے:

"فلما كان يوم الخندق خرجه مسلحا ليرى مكانه فجال و طلب المبارزة و"الاصحاب ساكتون كانما على روسهم الطير لانهم كانوا يعلمون شجاعته" تاریخ خمیس دیار بکری الجزالاول ص 547-548

یعنی جب خندق والے دن عمر ابن عبدو فوج میں سے جوش و خروش کے ساتھ نکلا تا کہ اپنی شجاعت کا درجہ لوگوں کو دکھائے۔ وہ گھوڑے کو جولان کر کے مبارز طلب کرنے لگا۔ اور اصحاب پیغمبر کی یہ حالت تھی کہ وہ ڈر کے مارے ایسے سہمے ہوئے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے کیونکہ وہ اس کی شجاعت سے واقف تھے۔

یہ بات تاریخ و حدیث کی اکثر کتابوں میں مثل تاریخ کامل، کنز العمال، مستدرک حاکم، حبیب السیر، سیرت حلبیہ اور حیواۃ الحیوان وغیرہ میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ مگر

جونقشہ اصحاب پیغمبر کا اس موقع پر قرآن نے کھینچا ہے وہ تاریخوں اور حدیث کی کتابوں سے زیادہ اصحاب پیغمبر کی صحیح تصویر کشی کر رہا ہے جو اس طرح ہے کہ:

فاذا جاء الخوف رایتھم الیک تدور اعینھم کالذی یغشی علیه ن الموت (الاحزاب)

یعنی جس وقت خوف کا وہ موقع آیا تو اے پیغمبر تم نے انھیں دیکھا کہ ان کی آنکھیں اس طرح گھوم رہی ہیں جیسے کہ ان پر موت کی بیہوشی طاری ہو۔

جنگ بدر میں بھی خدا نے ان اصحاب کی حالت کا نقشہ ان الفاظ کے ساتھ کھینچا تھا کہ

"یجادلونک فی الحق بعد ان تبیئن کانما یساقوم الی الوت" (الانفال۔6)

"وہ تجھ سے کفار قریش کے ساتھ لڑنے کی سچی بات سن کر اس سچی بات یعنی قریش سے جنگ کرنے کے بارے میں جھگڑنے لگے انھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ وہ موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں"

جنگ بدر میں صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ہی قریش کی طاقت وقوت کا ذکر کر کے مسلمانوں کو خوفزدہ کیا تھا اور اب جنگ احزاب میں بھی عمر ابن عبدود کی شجاعت و بہادری کا ذکر کر کے حضرت عمر نے ہی مسلمانوں کے اوسان خطا کیئے۔ اور ان کی حالت ایسی بنادی جس کا مورخین ومحدثین نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

"کانما علی رئو سھم الطیر"

"ان کی حالت ایسی ہوگئی گویا ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہے"

حضرت علیؑ کا عمروابن عبدود کے مقابلہ میں جانا

عمر ابن عبدود مبارز طلب کر رہا تھا اور پیغمبرؐ فرمار ہے تھے کہ کون ہے جو اس کتے کو جواب دے۔ مجمع اصحاب میں سناٹا تھا۔ اور تاریخ خمیس کے مطابق ان اصحاب کا یہ حال

تھا جیسا کہ ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہو۔ مجمع اصحاب میں صرف حضرت علی تھے جو یہ کہتے تھے کہ انا یا نبی اللہ اے اللہ کے رسول میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ پھر جس شان سے پیغمبر نے حضرت علیؑ کو میدان جنگ میں بھیجا وہ تاریخوں اور حدیث کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ حتیٰ کہ اس بات کو اہل سنت کے مشہور و معروف عالم فاضل روزبھان نے بھی اپنی کتاب کشف الغمہ میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

" قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم برز الایمان کلہ الیٰ الکفر کلہ"

کشف الغمہ۔ حیواۃ الحیوان۔ تاریخ اسلام جلد دوم ص 112

یعنی جب حضرت علی عمر ابن عبدود کے مقابلہ کے لئے نکلےتو آنحضرت نے فرمایا: کہ کل کا کل ایمان یا ایمان مجسم کل کے کل کفر یا کفر مجسم کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ میدان میں پہنچ کر حسب عادت حضرت علیؑ نے پہلے عمر ابن عبدود کو وار کرنے کا موقع دیا۔ چنانچہ وہ تلوار لے کر حضرت علیؑ پر حملہ آور ہوا۔ آپ نے سپر پر اس کا وار روکا مگر عمر و بلا کا تیغ زن تھا روکتے روکتے بھی تلوار کا اچٹتا ہوا وار آپ کے سر پر لگا۔ اور پیشانی خون سے رنگین ہوگئی۔ اس کے بعد آپ زخمی شیر کی طرح جوابی حملہ کیلئے اس پر جھپٹے۔ اور اس کے پیروں پر اس طرح تلوار ماری کہ اس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ عمرو لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ حضرت نے تکبیر کا نعرہ لگایا۔ اور اس کے سینہ پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹ لیا۔ صحابہ گرد و غبار کی وجہ سے۔ کچھ دیکھ نہ سکے جب تکبیر کی آواز سنی تو سمجھ گئے کہ علی فاتح و کامران ہوئے اور عمرو مارا گیا۔ جب علیؑ کفر و ایمان کا معرکہ سر کرکے پیغمبرؐ کی خدمت میں باریاب ہوئے تو آنحضرت نے انہیں سینہ سے لگایا اور ان کی عظیم خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

" ضربة علی یو م الخندق افضل من عبادة الثقلین"

سیرۃ امیر المومنین ص 235

بحوالہ مستدرک حاکم جلد 3 ص 322

"یعنی خندق کے دن کی علیؑ کی ایک ضربت ثقلین (یعنی جن وانس) کی عبادت سے افضل ہے"۔

اور اہل سنت کے بہت مشہور و معروف مورخین و محدثین نے حضرت علی کے خندق کی جنگ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

قال رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم لمبارزه علي ابن ابي طالب يوم الخندق افضل من اعمال امتي الي يوم القيامة"

یعنی رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ روز خندق علیؑ کا عمرا ابن عبدود کے ساتھ جنگ کرنا میری تمام امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے۔

مستدرک الحاکم الجزو الثالث کتاب المغازی ص 32

مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد 2 ص 234

عمرو کے مارے جانے سے اس کے باقی ساتھیوں کے قدم اکھڑ گئے اور پھر کسی کو مبارزطلبی کی جرأت نہ ہوسکی اور سب کے سب بدحواسی کے عالم میں خندق کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

حضرت علی نے آگے بڑھ کر حسل ابن عمر پر تلوار کا وار کیا اور اسے وہیں ڈھیر کر دیا نوفل بن عبداللہ خندق کو پھاندتے ہوئے اس میں گر پڑا تو لوگوں نے اس پر پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ اس نے کہا کہ اگر مجھے مارنا ہی ہے تو ذلت سے نہ مارو تم میں سے کوئی نیچے اترے اور مجھ سے لڑے۔

حضرت علیؑ خندق میں کود پڑے اور ایک ہی وار میں اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ منبہ ابن عثمان خندق کو عبور کرتے ہوئے کسی کا تیر کھا کر زخمی ہوا اور مکہ میں جا کر مر گیا اور باقی نے بھاگ کر جان بچائی ان چند سورماؤں کے مارے جانے اور باقی کے پسپا ہو جانے سے کفار کی ہمتیں پست ہو گئیں اور پھر کسی کو جرأت نہ ہوسکی کہ خندق پھاند کر آگے بڑھے یا

صدائے ھل من مبارز طلب کرے۔ اور وہ واپس اپنے لشکر گاہ میں لوٹ گئے۔ قرآن اس بارے میں اس طرح لکھتا ہے:

و رد الذین کفروا یغیظهم ولم ینالوا خیرا و کفی الله المومنین القتال و کان الله قویاً عزیزاً۔ (الاحزاب۔25)

اور اللہ تعالٰی نے کفار کو ان کے قلبی غیض و غضب کی حالت میں لوٹا دیا۔ اور جو کچھ بھلائی اور کامیابی حاصل نہ کر سکے اور اللہ تعالٰی نے مومنین کو لڑائی میں کفایت فرمائی اور اللہ تعالٰی قوی و غالب ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالٰی کے مومنین کو لڑائی میں کفایت کس طرح فرمائی۔ کیا بغیر لڑے ہی کفایت فرمائی۔ یا کچھ لڑائی ہوئی اور اسے کافی بنا دیا تو تاریخیں بتلاتی ہیں کہ لڑائی تو ہوئی اور حضرت علی کے ذریعہ لشکر کفر کے سورماؤں اور نامی گرامی پہلوانوں کو قتل کرا کے اور لشکر کفر کے حوصلے پست کر کے مومنین کو لڑائی میں کفایت فرمائی اور وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے اور باقیوں کو اپنے لشکر میں پہنچ کر جان میں جان آئی۔

اور دوسرے ایک غیبی امداد کے ذریعہ کفایت کی وہ اس طرح کہ جب عمر ابن عبدود اور اس کے ساتھی حضرت علی کے ہاتھوں قتل ہو گئے اور باقی بھاگ کر اپنے لشکر گاہ میں پہنچ گئے تو انہیں ایک زبردست طوفان باد و باراں نے آلیا۔ جس سے کفار کے خیمے تک اکھڑ گئے اور وہ بلا کی سردی میں ٹھٹھرنے لگے اللہ تعالٰی نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں اس کا حال یوں بیان کیا ہے۔

" یا ایها الذین آمنو ا اذکرو نعمة الله علیکم اذ جاء کم جنود فارسلنا علیهم ریحا و جنوداً لم تروها " (الاحزاب۔9)

اے ایمان والو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جس وقت تم پر لشکر آچڑھے تو ہم نے ان پر ہوا کا طوفان اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا۔

لشکر کفار کی خبر لانے کا حکم اور بعض اصحاب کی حالت

عمر ابن عبدود اور اس کے بیٹے حسل ابن عمر و اور نوفل ابن عبداللہ کے قتل ہو جانے کے بعد جب عمر ابن عبدود کے باقی ساتھی فرار کر کے اپنے لشکر گاہ میں پہنچ گئے تو پیغمبرؐ نے رات کو اپنے اصحاب میں سے بعض کو کفار کے لشکر کی خبر لانے کے لئے کہا۔

اہل سنت کے معروف و مشہور عالم و مفسر قرآن علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور تفسیر الدر المنثور میں اس کا حال اس طرح لکھا ہے

"اخرج الفريابی و ابن عساكر عن ابراهيم النميم عن ابيه قال قال رجل لو ادركت رسول الله صلعم تحملت ولفعلت . فقا ل حذفيه رايتي ليلة الاحزاب و نحن معه رسول الله صلی الله عليه وسلم يصلے من الليل البارده ما قبله و مابعده برداً كان اشد معه فحانث مني الثفانه فقال الا رجل بذهب الي هولاء فياتينا بخبر هم . جعله الله مغي يو م القيمة قال فما قام منا انسان قال فلكتوا ثم عاد فسكتوا ، ثم قال يا ابا بكر فقال استغفر الله و رسول فقال ان سنت دهيت فقال صلعم يا عمر فقال استغفر الله و رسول ثم قال يا حذيفه فقلت لبيک فقمت حتيٰ اتيت و ان جنبي يضربان من البرد فمسح راسي و وجهي ثم قال اذهب انت هولاء القوم حتيٰ تاتينا بخبره ولا تحدث حدثا حتيٰ ترجع ثم قال اللهم احفظه من بين يديه و من خلفه و عن يمينه و عن شماله و من فوقه و من تحته حتيٰ يرجع

تفسیر در المنثور السیوطی جلد 5 ص 185

ترجمہ: امام فریابی اور ابن عساکر نے ابراہیم تیمی سے انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ ایک شخص نے حذیفہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلعم کو پاتا تو میں ان

کی خدمت کرتا۔حذیفہ نے کہا میں شب احزاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا حضرت نماز شب نہایت سخت جاڑے میں پڑھ رہے تھے کہ اتنی سردی نہ اس سے پہلے کبھی پڑی تھی اور نہ بعد میں پڑی۔آنحضرت ہم لوگوں کی طرف ملتفت ہوئے اور فرمایا: کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو ان لوگوں کے پاس جا کر ان کے لشکر کی خبر ہمارے پاس لائے خدا اس کو قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ داخل کرے گا۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کا فرمان سن کر ہم میں سے کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔پیغمبرؐ نے پھر اپنی بات دہرائی مگر سب خاموش رہے۔پیغمبر نے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا مگر پھر بھی سب ساکت و دم بخود رہے۔

اس کے بعد آپ نے ابوبکر سے کہا کہ تم چلے جاؤ وہ معاف فرمایئے کہہ کر رہ گئے حضرت نے فرمایا تم چاہتے تو چلے جاتے پھر آپ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ اے عمر تم چلے جاؤ وہ بھی معاف فرمایئے کہہ کر رہ گئے اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اے حذیفہ تم چلے جاؤ تو میں نے کہا لبیک اور کھڑا ہو کر حاضر خدمت ہو گیا۔اور اس وقت سردی اس شدت کی تھی کہ میرے دونوں پہلو سردی سے لرز رہے تھے۔حضرت نے میرے سر اور چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔اور فرمایا کہ قوم کی طرف جاؤ اور اس کی خبر لاؤ۔مگر واپسی تک کوئی نیا کام نہ کرنا اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی کہ بار الٰہا جب تک یہ لوٹ کر آئے اس کے آگے اس کے پیچھے اس کے دائیں سے اس کے بائیں سے اس کے اوپر سے اور اس کے نیچے سے اس کی حفاظت فرما۔اس کے بعد حذیفہ کہتے ہیں

قال فلان یکون ارسلها احب الی من الدنیا و مافیها . قال فالطلقت فاخذت امشی نحوه کا نی الحنابهم و ابنیتهم ذهبت بجنو لهم دل تدع شیئاً الا اهلکته و ابو سفیان قاعد یصطلی عند نار له قال فنظرت الیه فاخذت سهما فوضعته فی کید قوسی .، قال و کان حذیفه

رامیاً فذکرت قول رسول الله صلعم لا تحدثن حدثا حتی ترجع قال فردوت سھی فی کتانتی ، تفسیر درالمنثور سیوطی جلد 5 ص 185

ترجمہ: اس آدمی نے (جس نے یہ کہا تھا کہ اگر میں رسول اللہ کو پاتا تو ان کی خدمت کرتا) کہا اگر پیغمبر اکرمؐ مجھے بھیجتے تو یہ بات میرے لیے دنیا و مافیھا سے زیادہ محبوب ہوتی ۔حذیفہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے دعا دینے کے بعد میں کفار کے لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوگیا ور آپ آنحضرتؐ کی دعا کی برکت سے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسا کہ میں گرم حمام میں چل رہا ہوں جب میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان پر کوئی آندھی آئی ہے جس سے ان کے خیموں کی طنابیں اور میخیں اکھڑ گئیں ہیں ۔ان کے گھوڑے بھاگ گئے ہیں اور کل چیزیں تباہ و برباد ہوگئی ہیں اور ابوسفیان کھڑا آگ تاپ رہا ہے ۔حذیفہ بڑے نشانہ باز تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسفیان کی طرف دیکھا ۔تیر کو ترکش سے نکالا اور اس کے نشانہ پر مارنے کے لئے کمان میں جوڑا ۔مگر مجھے رسول اللہ صلعم کا ارشاد یاد آ گیا کہ اپنی واپسی تک کوئی نیا کام نہ کر بیٹھنا ۔حذیفہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کا ارشاد یاد آتے ہی میں نے تیر کو واپس بغل میں رکھ لیا اور میں نے واپس آکر آنحضرتؐ کو صورتحال سے آگاہ کیا اس کے بعد حذیفہ کہتے ہیں کہ:

فلما اصبحوا ھزم الله الاحزاب و ھو قوله فارسلنا علیھم ریحاً و جنوداً ‘‘

پھر جب صبح ہوئی تو وہ لشکر بھاگ گیا اسی کی طرف آیہ کریمہ **فارسلنا علیھم ریحا و جنودا لم تروھا** (یعنی ہم نے ان پر ہوا کے تند اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہ دیکھا) میں اشارہ ہے ۔

اس میں شک نہیں کہ شجاع اور بہادر لوگوں کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لیے میدان میں جانا ہر کسی کا کام نہیں بلکہ یہ کام شجاع اور بہادر لوگ ہی انجام دیتے ہیں لیکن عمر ابن عبدود اور حسل ابن عمر و اور نوفل ابن عبداللہ جیسے شجاعان عرب کے حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد ۔رات کی تاریکی میں ۔خاموشی کے ساتھ ۔آنحضرت کی دعاؤں کے

سائے تلے۔دشمن کے لشکر گاہ کی خبر لینے کے لئے جانا ایسا کام نہیں تھا جس کے لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے حکم وفرمان کو ماننے سے انکار کیا جائے اور ایسی حالت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ یہ فرمارہے ہیں کہ جو کوئی دشمن کے لشکر کی خبر لاکر دے گا وہ قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اس کے باوجود حضرت ابو بکر بھی اور حضرت عمر بھی خاص طور پر نام لے کر حکم دینے کے باوجود جانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو انھیں آنحضرت کی بات کا یقین نہیں تھا۔یا جنت پر ایمان ہی نہ رکھتے تھے۔اپنے دنیاوی منصوبوں کی تکمیل کے لیے ایسا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔جس میں جان کو کسی قسم کا خطرہ لاحق ہو۔اور یہ تینوں باتیں بحیثیت مجموعی بھی ہوسکتی ہیں۔

لیکن حضرت حذیفہؓ سے جب وہی کام کہا گیا تو انھوں نے فوراً لبیک کہا۔اور آنحضرتؐ کی دعاؤں کے سایے تلے روانہ ہوئے۔اور آنحضرت کے حکم کی اتنی پاسداری کی کہ تیر کمان میں جوڑ کر جب آنحضرتؐ کا حکم یاد آیا تو تیر کمان سے نکال کر واپس رکھ لیا تاکہ آنحضرت کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو اور دشمن کے لشکر گاہ کی جو حالت دیکھی تھی وہ آکر بیان کردی۔یقیناً ایسے اصحاب پیغمبر قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے کے لائق ہیں جنھوں نے وہ لائق قدر کام کیا۔اور قرآن وحدیث وتاریخ نے بھی انہیں کی تعریف کی ہے نہ کی ان کی جنگی حالت لشکر کفر کو دیکھ کر ایسی ہوگئی جیسے کہ ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہو۔یا جن کی حالت ایسی ہوگئی ہو جیسا کہ اس کی ہوتی ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو۔اور جو ایسے مقام پر جانے سے بھی انکار کردے جہاں دشمن سے مقابلہ کی کوئی بات نہ ہو اور پیغمبرؐ اسے قیامت کے دن اپنے ساتھ جنت میں رہنے کی بشارت بھی دے رہے ہوں اور ان کا نام بھی واضح طور پر لیا ہو۔

پس قرآن کریم میں تعریف والی آیات ان ہی کی شان میں ہیں جنھوں نے وہ

قابل تعریف کام کیا ہے اور مذمت والی آیات بھی ان ہی کی شان میں ہیں جنہوں نے وہ قابل مذمت کام کیا ہے نہ تعریف والی آیات کو ان پر چپکایا جا سکتا ہے جنہوں نے وہ تعریف والا کام کیا ہی نہ ہو اور نہ ہی مذمت والی آیات ان سے منسوب کی جا سکتی ہیں جو اس کے مرتکب نہیں ہوئے۔

غزوہ بنی قریظہ

غزوہ بنی قریظہ دراصل جنگ احزاب ہی کا حصہ اور اس کا تتمہ ہے۔ جب غزوہ احزاب یہود و مشرکین عرب کے مشترکہ محاذ کی شکست پر ختم ہوا تو پیغمبر اکرمؐ نے عرب کے ناکام ہونے کے بعد بنی قریظہ کی طرف فوج بھیجنے کا ارادہ کیا جنہوں نے حیی ابن اخطب کی باتوں میں آ کر مسلمانوں سے اعلانیہ غداری کی تھی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غزوہ احزاب میں کھل کر حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا۔ آنحضرت نے تمیں خزرجیوں کا ایک ہر اول دستہ حضرت علی کی قیادت میں ان کی طرف بھیجا اور علم جنگ حضرت علیؑ کو سپرد کیا۔

طبری لکھتا ہے: قدم رسول الله علی ابن ابی طالب برایته الیٰ بنی قریظه"

سیرۃ امیر المومنین ص 240

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 245

بنی قریظہ کو یہ اندیشہ تو تھا ہی کہ ان کی بدعہدی اور عہد شکنی کی پاداش میں ان سے مواخذہ ہو گا لہذا انھوں نے جنگ خندق میں لشکر کفار کے پسپا ہونے کے بعد اپنے ایک قلعہ میں پناہ لے لی اور یہ سمجھ لیا کہ قلعہ کو سر کر لینا مسلمانوں کی قوت و طاقت سے باہر ہے۔

مسلمانوں نے قلعہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور قلعہ والوں پر آمد و رفت کی راہیں بند کر دیں یہود قلعہ کے اندر سے ہی تیر اور پتھر برساتے رہے۔ جب وہ محاصرہ کی شدت سے تنگ آ گئے اور مسلمانوں کا محاصرہ توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو انھوں نے

نباش ابن قیس کے ذریعہ پیغمبر سے درخواست کی کہ ہم ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ ہمیں بنی نضیر کی طرح اپنے مال واسباب کے ساتھ یہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دی جائے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ تمھیں غیر مشروط طور پر اپنے آپ کو ہمارے سپرد کرنا ہوگا ابن ہشام نے تحریر کیا ہے جب بنی قریظہ نے اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر سپرد کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا:

"واللہ لا ذوقن ا ذاق حمزه او لا فتحن حصنهم"

سیرۃ امیر المومنین جلد 242

بحوالہ سیرت ابن ہشام جلد 3 ص 251

یعنی خدا کی قسم میں یا تو شہید ہو جاؤں گا جس طرح حمزہؑ شہید ہوئے یا ان کا قلعہ فتح کر کے رہوں گا۔

حضرت علیؑ نے یہ کہہ کر زبیر ابن عوام کو ساتھ لیا اور قلعہ کی طرف حملہ کرنے کے لئے بڑھے۔

بنی قریظہ نے انہیں حملہ کے ارادہ سے بڑھتے دیکھا تو بوکھلا اٹھے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے۔ "یامحمد ننزل علیٰ حکم سعد ابن معاذ"

اے محمد ہم ثالث کے طور پر سعد ابن معاذ کا فیصلہ ماننے کے لیے تیار ہیں۔

اس پر آنحضرت نے بھی سعد ابن معاذ کو بطور ثالث کے تسلیم کر لیا۔

سعد ابن معاذ جنگ احزاب میں تیر سے زخمی ہو کر مسجد نبوی کے قریب ایک خیمہ میں پڑے تھے۔ لہذا انھیں سواری پر لایا گیا۔ اور انھیں بتایا گیا کہ انہیں فریقین نے ثالث بنایا ہے۔ جو فیصلہ وہ کریں گے وہ دونوں کو تسلیم ہوگا۔

چنانچہ سعد ابن معاذ نے ان کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ بنی قریظہ کے مردوں کو

موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور عورتوں کو کنیز اور بچوں کو غلام بنالیا جائے ۔اور ان کے اموال واملاک مسلمانوں میں تقسیم کردیے جائیں۔

چنانچہ سعد ابن معاذ کے اس فیصلہ پر عملدرآمد ہوا اور قرآن مجید میں اس واقعہ کے بارے میں اسطرح ارشاد ہوا ہے:

'' وانزل الذین ظاھروہ من اھل الکتاب من صیاصیھم و قذف فی قلوبھم الرعب فریقاً تقتلون و تاسیرون فریقاً و اورثکم فی ارضھم و دیارھم و اموالھم و ارضا لم تطئرھا ' (الاحزاب 26-27)

''اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے (جنگ احزاب میں) کفار کی مدد کی تھی۔ اللہ نے انہیں قلعوں سے نیچے اتارلیا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب بٹھایا کہ تم لوگ ایک گروہ کو قتل کرنے لگے اور ایک گروہ کو اسیر کرنے لگے۔اور تمہیں ان لوگوں کی زمینوں گھروں اور ان کے اموال کا مالک بنادیا۔ایسی زمین جس پر تمہارے قدم بھی نہ آئے تھے''

اس طرح خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کردیا جس کا ذکر سورہ نور میں اس طرح آیا ہے کہ:

" وعدا للہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم و لیمکنن لھم دینھم الذین ارتضیٰ لھم و لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا و من کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون . (پ 18 ع 13 النور 55)

اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کرلیا ہے، جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک کام انجام دیے ہیں کہ وہ ضرور ضرور ان کو زمین میں دوسروں کا وارث بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو وارث بنایا تھا۔اور ان کے لیے اس دین کو پائیدار بنادیگا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ضرور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا وہ (بے خوف ہوکر

)میری بندگی کیا کریں گے اور میرا کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا سو وہی لوگ تو نافرمان ہیں۔

اس آیت کو ہر کسی نے اپنے نظریہ پر چپکانے کی کوشش کی ہے۔لیکن یہ آیت پیغمبر کے زمانے کے مسلمانوں سے مخاطب ہے اور ان میں سے بھی سب کو نہیں بلکہ ''منکم'' کہہ کر کچھ سے استخلاف کا وعدہ کر رہی ہے اور یہ استخلاف اسی طرح ہوگا جس طرح اس سے پہلے ہوا۔

تو جس طرح خداوند تعالی نے اپنے حبیب کے ذریعہ استخلاف کا وعدہ کیا ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل سے کیا تھا جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

" قالوا اوذیتنا من قبل ان تاتینا و من بعد ما جئتنا. قال عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ولسخلفکم فی الارض فینظر کیف یعلمون "

(الاعراف 129) پ9ع5

(بنی اسرائیل نے) کہا اے (موسیٰ) ہم تو تیرے آنے سے بھی تکلیفیں اٹھاتے رہے اور تیرے آنے کے بعد تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔(موسیٰ نے) کہا نزدیک ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور تم کو زمین میں ان کا جانشین بنا دے اور پھر دیکھے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔

اور خداوند تعالی نے قرآن کریم میں واضح الفاظ میں یہ بتلایا ہے کہ موسیٰ کا یہ وعدہ استخلاف کس طرح سے پورا ہوا۔ہم نے اس سلسلہ میں اپنی کتاب ''خلافت قرآن کی نظر میں''میں تفصیلی بحث کی ہے۔یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعدہ استخلاف کے پورا ہونے کا بیان اس کتاب سے نقل کرتے ہیں جس طرح ہے۔

''جب فرعون اور اس کی قوم کا تکبر،ان کا غرور، اور ان کا ظلم انتہاء کو پہنچ گیا تو اس وقت حضرت موسیٰ نے یہ دعا کی۔ **فدعا ربه ان ھولاء قوم مجرمون** تب (موسیٰ نے)

اپنے رب سے دعا کی بار الٰہا یہ تو سب کے سب مجرموں کی قوم ہے (ان کا بیڑہ غرق کردے) اس پر خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

"فاسر بعبادی لیلا انکم تتبعون ۔ واترک البحر رھواً انہ جند مغرقون، کم ترکوا من جنٰت و عیون و زروع و مقام کریم و نعمۃ کانوا فیھا فاکھین کذالک (قف) و اورثنھا قوم آخرین" (دخان 23 تا 28)

اے موسیٰ اب تم میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو ساتھ لے کر راتوں رات (مصر سے) چلے جاؤ (اور دیکھو یہ بات یاد رکھو کہ) تمہارا پیچھا ضرور کیا جائیگا۔ لہذا تم دریا کو اپنی حالت میں ٹھہرا ہوا چھوڑ کر پار ہو جانا (تمہارے دریا سے نکلنے سے پہلے ان کا سارا کا سارا لشکر دریائے نیل میں داخل ہو جائے گا تو اس وقت) اس لشکر کو ڈبو دیا جائیگا (چنانچہ جو فیصلہ ہو چکا تھا وہ ہو کر رہا اب تم دیکھو کہ) وہ لوگ کتنے کتنے باغ اور کتنے کتنے چشمے اور کتنی کتنی کھیتیاں اور کیسے کیسے نفیس مکانات اور آرام و آسائش کی وہ چیزیں جن میں وہ عیش و آرام سے زندگی بسر کیا کرتے تھے چھوڑ کر رخصت ہو گئے (اب تم یہ بات ذہن نشین کر لو کہ) ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا۔ اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا یہ ہمارا قانون ہے یہ ہماری سنت ہے۔ کہ آخر کار ہم کافروں کو ظلم کرنے والے جابروں کو ہلاک کر کے ان کی بجائے ایمان لانے والوں کو ان کا وارث بنا دیا کرتے ہیں چنانچہ قوم فرعون کے بعد بھی ہم نے ایسا ہی کیا اور ان تمام چیزوں کا جو فرعون اور اس کی قوم نے چھوڑا تھا۔ دوسروں (بنی اسرائیل) کو ان کا وارث بنا دیا۔

ان آیات میں آیت نمبر 27 کے بعد "قف" یعنی "وقفہ" سے پہلے ایک لفظ "کذا لک" (یعنی اسی طرح) کتنا پر معنی ہے کتنا شاندار ہے اور کتنا فصیح و بلیغ ہے اس ایک لفظ میں قدرت نے سنت الٰہیہ اور اپنی عادت جاریہ کو سمو دیا ہے اور قانون خداوندی کو پورے طور پر بیان کر دیا ہے "کذا لک" سے پہلے ہلاک ہونے والے تمام کافروں کو ذکر اور ان کی تمام چھوڑی ہوئی چیزوں کا بیان اور "کذا لک" کے بعد "قف" کے ذریعہ توقف کا حکم، غور و

فکر کی دعوت اور پھر وارث ہونے والی قوم کا تذکرہ اور درمیان میں کذالک جو صرف تشبیہ ہے لیکن یہ اکیلا لفظ یہ تنہا لفظ پورے قانون کی جان ہے اور دستور خداوندی اور سنت الٰہیہ کا نشان ہے جس کا معنی ہے "اسی طرح" اور اس کا جواب ہوتا ہے "جس طرح" یعنی جس طرح ہم نے یہ کام کیا ہے اس طرح ہم یہ کام کرتے چلے آرہے ہیں اور اسی طرح سے ہم یہ کام کرتے چلے جائیں گے گویا سورہ اعراف کی آیت نمبر 89 سے آیت نمبر 93 تک جو بات تفصیلی طور پر بیان کی تھی وہ صرف ایک تنہا اور اکیلے لفظ میں اجمالی طور پر قانون قدرت کی حیثیت سے بیان کردی ہے اور یہی حضرت موسیٰ کا اپنی قوم سے وعدہ تھا۔ اور اس کی پیش گوئی کی گئی تھی جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:

قال عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعلمون (الاعراف۔129)

موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا، عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور تم کو زمین میں ان کا جانشین (وارث) بنا دے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ یستخلفکم کا مطلب کافروں کو ہلاک کرکے ان ایمان لانے والوں کو زمین میں ان کی جگہ آباد کرنا ہے۔ ان کا جانشین بنانا ہے ان کے مالوں کا مالک بنانا ہے جو خدائی اقتدار کے نمائندے یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب الٰہی سے محفوظ و مامون رہے تھے لہذا ایمان لانے والے کافروں کی جگہ آباد ہوئے اور ان کے جانشین اور وارث بنے تھے نہ کہ خدا کے یا موسیٰ کے خلیفہ بن گئے تھے کیونکہ خدا کی قانونی حکومت اور اقتدار اعلیٰ کے نمائندے نبی و رسول اور ہادی خلق تو فرعون اور اس کی قوم کے اور لشکروں کے غرق ہونے سے پہلے بھی حضرت موسیٰ ہی تھے اور فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونے کے بعد بھی موسیٰ ہی تھے۔

''یستخلفکم'' کے صحیح معنی سمجھنے کے لیے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا تھا ''یستخلفکم فی الارض'' لیکن خدا نے ان کی تفسیر میں سورہ دخان کی آیت نمبر 28 میں فرمایا ''اورثنھا'' اور پھر سورہ بنی اسرائیل میں ان دونوں الفاظ کی مزید تشریح میں فرمایا۔ ''اسکنوا لارض'' آباد ہو جاؤ تم زمین میں جیسا کہ ارشاد ہوا

''فاراد ان یستفزھم من الارض و من معه جمیعاً وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض'' (بنی اسرائیل 103-104)

فرعون نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ ان کو اور جو ان کے ساتھ ہیں زمین سے پریشان کر کے ختم کر دے لیکن ہم نے اسی کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم اس زمین میں (جہاں سے فرعون تمہیں ختم کرنا چاہتا تھا) آباد ہو جاؤ سکونت اختیار کرلو، بس جاؤ۔

یہی وعدہ خدا نے اپنے حبیبؐ کے ذریعہ اپنے پیغمبر پر ایمان لانے والوں سے ''لیستخلفنھم'' کہہ کر کیا تھا اور اس استخلاف کی مثال کما استخلف الذین من قبلھم کہہ کر دی تھی یعنی جس طرح تم سے پہلے حضرت موسیٰ کا وعدہ پورا کرتے ہوئے فرعون کے لشکر کو غرق کر کے بنی اسرائیل کو ان زمینوں کا وارث بنایا تھا اسی طرح یہود بنی قریظہ کو ہلاک کر کے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ پر ایمان لانے والوں کو ان کی زمینوں ان کے گھروں اور اموال کا مالک بنا دیا

اور خدا کا یہ وعدہ بنی قریظہ کی زمینوں، مکانات اور اموال کا مسلمانوں کو وارث بنانے کی صورت میں پورا ہو گیا۔ جبکہ ہادی برحق نبی و رسول اور خدائی اقتدار کے نمائندے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ ہی تھے جیسا کہ موسیٰؑ تھے۔ اس استخلاف سے مراد ہرگز ہرگز پیغمبر کے بعد انقلاب کے ذریعہ برسر اقتدار آنے والے نہیں ہو سکتے البتہ وہ روایات جو یہ کہتی ہیں کہ اس کی تاویل امام ھادی مہدی صاحب الزمانؑ کے ظہور کے وقت پوری ہوگی تو وہ

بھی اس طرح پوری ہوگی جس طرح پیغمبرؐ کے زمانہ میں ہوئی جس طرح حضرت موسیٰ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیب اور حضرت نوحؑ کے زمانے میں ہوئی کہ ھادی برحق نبی و رسول خدا کے مقرر کردہ نمائندے بھی تھے اور کفار کی ہلاکت کے بعد ان زمینوں اور مکانوں کے اہل ایمان وارث قرار پائے تھے۔ مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''خلافت قرآن کی نظر میں'' کا مطالعہ کریں۔ دوسرے دین کو تمکین اور کفار و مشرکین کے حملوں سے خوف سے نجات جنگ خندق اور جنگ بنی قریظہ کے بعد ایسی ملی اور مدینہ میں ایسا امن قائم ہوا کہ پھر کسی کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور پرامن ماحول میں عبادت خدا کرنے کا موقع حاصل ہوا اور ولیمکنن لھم دینھم الذین ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم بعد خوفھم آمنا . یعبدوننی ولا یشرکون بی شیاءً کی تفسیر پوری پوری طرح نمودار ہوگئی۔

حضرت ریحانہ بنت شمعون سے تزویج

پیغمبرؐ کی کچھ ازواج میں سے وہ بھی تھیں جو اسلامی جنگوں میں اسیر ہوکر آئی تھیں۔

جنگ کے نتیجہ میں جو مال غنیمت، کنیزیں اور غلام ہاتھ آتے تھے اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول کا حق نکال کر باقی مجاہدین میں مساوی طور پر تقسیم کردیا جاتا تھا اور پانچواں حصہ جو پیغمبرؐ کے حصہ میں آتا تھا اسے آپ خدا کے حکم کے مطابق اپنی صوابدید سے تقسیم کرتے تھے

بعض کنیزیں ایسی بھی ہوتی تھیں جو سرداران سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کے وقار کا خیال رکھنا لازم تھا لہذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ ایسی کنیزوں کو آزاد کرکے یہ اختیار دیتے تھے کہ اگر وہ چاہے تو خدا و رسول کو اختیار کرے۔ حضرت ریحانہ کو جنگ بنی قریظہ

کے بعد پیغمبرؐ نے یہی اختیار دیا تھا چنانچہ تذ کار صحابیات کا مصنف لکھتا ہے کہ ''ریحانہ نام، یہود کے خاندان بنوقریظہ سے تھیں۔ تذ کار صحابیات ص 111

اس کے بعد یہی مصنف لکھتا ہے کہ

''حضرت ریحانہ کا نکاح بنوقریظہ کے ایک شخص حکم سے ہوا۔غزوہ بنوقریظہ کے بعد جن یہودیوں کوقتل کیا گیا حکم بھی ان میں شامل تھا۔اور حضرت ریحانہ یہودیوں کی ان عورتوں میں سے تھیں جنہیں اس موقع پر مسلمانوں نے گرفتار کیا (تذ کار صحابیات ص 111)

پھراس کے بعد یہی مصنف لکھتا ہے

''حضرت ریحانہ اسیر ہوکر آئیں تو حضورؐ نے ان سے فرمایا اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرلوتو میں تمہیں اپنے لئے خاص کرلوں گا انھوں نے عرض کیا، میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں'' تذ کار صحابیات ص 112

6ھ کے واقعات جنگ بنی مصطلق کا حال

ابن خلدون اور تاریخ کامل کے مطابق یہ جنگ شعبان 36ھ میں واقع ہوئی

جنگ احزاب اور جنگ بنی قریظہ میں لشکر اسلام کی سپاہ کفر پر مکمل کامیابی کے بعد ماہ رجب 6ھ میں پیغمبر اکرم صلعم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی مصطلق کا رئیس حارب ابن ابی ضرار مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اسلحہ اور فوج اکٹھی کررہا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے ایک صحابی جنکا نام ''بریدہ'' تھا دشمن کے علاقے میں حالات کی تحقیق کرنے کے لیے بھیجا تا کہ وہ اصل حقیقت کا پتہ چلائیں فرستادہ پیغمبر نے بنی مصطلق کے رئیس سے مل کر ان کی نیت بد سے آگاہی حاصل کرلی اور واپس آکر یہ اطلاع دی کہ مذکورہ قبیلہ بتدریج مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے اور بہت جلد حملہ کرنے ہی والا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے 15 ماہ شعبان 6 ھ کو ابو ذر غفاری کو مدینہ میں اپنی جگہ منتظم اور مدینہ کا نگران مقرر کیا اور ایک بھاری لشکر لے کر دشمن کی طرف روانہ ہوئے اور ان کو اس کے علاقے "مریسیع" کے مقام پر غفلت کی حالت میں جالیا۔ اور دشمن نے اپنے دس آدمیوں کی ہلاکت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ بہت سے مرد اور عورتیں گرفتار ہوئیں اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ تفسیر موضوعی جلد 4 ص 80-81

بحوالہ سیرت ابن ہشام جلد 2 ص 281

عبداللہ ابن ابی کی جنگ بنی مصطلق میں شرکت

اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس جنگ میں منافقین کا رئیس عبداللہ ابن ابی اور اس کے تمام ساتھی بھی شریک ہوئے۔ عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھی اس جنگ سے پہلے کسی بھی جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے جنگ احد میں اگر چہ وہ سب کے سب مدینہ سے نکلے تھے مگر راستہ سے ہی واپس لوٹ گئے تھے

لیکن اس جنگ میں چونکہ مجاہدین اسلام کی سو فیصد کامیابی کی امید تھی اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آنے کی توقع تھی، دوسرے میدان جنگ کا فاصلہ بھی مدینہ سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا لہذا رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی بھی اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر اس جنگ میں شریک ہوا اور پیغمبرؐ نے اس جنگ کا مال غنیمت خمس نکالنے کے بعد سب میں تقسیم کر دیا۔

مہاجرین وانصار کا نزاع

جنگ بنی مصطلق سے واپسی پر لشکر اسلام نے ایک کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ انصار میں سے سنان اور مہاجرین میں سے جہجاہ بن سعید اس کنویں سے پانی بھرنے کے لیے آئے اور دونوں نے اپنے اپنے ڈول کنویں میں ڈالے۔ اتفاق سے کنویں کے اندر دونوں

کے ڈول ٹکرا گئے اور اس پر دونوں میں بات بڑھ گئی اور جہجاہ نے سنان کے منہ پر کھینچ کر تھپڑ مارا اس موقع پر دونوں نے زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنے اپنے قبیلوں کو پکارا۔

اچانک ایک طرف سے انصار کا ایک گروہ تلواریں بلند کیے ہوئے آگے بڑھا اور دوسری طرف سے مہاجرین کا گروہ تلواریں لہراتا ہوا موقع واردات پر پہنچ گیا۔قریب تھا کہ دشمن کی سرزمین میں مسلمانوں کے درمیان آپس میں ایک خونیں جنگ چھڑ جائیں کہ پیغمبر اکرمؐ درمیان میں آگئے اور اگر پیغمبر اکرم صلعم درمیان میں نہ آتے تو دشمن کے ساتھ یہ جنگ مہاجر وانصار کی جنگ میں تبدیل ہوجاتی۔ابن ہشام لکھتا ہے کہ:

"پیغمبرؐ خود بہ نفس نفیس ان لوگوں کے درمیان میں آگئے اور فرمایا اس قسم کا نزاع اور دعویٰ اور اس طرح سے پکارنے میں بری بو آرہی ہے اور یہ بات نفرت انگیز ہے"

تفسیر موضوعی جلد 4 ص 82

بحوالہ حاشیہ سیرۃ ابن ہشام جلد 2 ص 290

اس موقع پر یہ نکتہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ پیغمبرؐ نے اس طرح سے مدد کے لیے پکارنے کو بری بو والا اور نفرت انگیز کیوں کہا۔

وہ نکتہ یہ ہے کہ یہ نزاع زمانہ جاہلیت کے نزاع سے بالکل مشابہ تھی کیونکہ زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی شخص اپنی قوم کو مدد کے لیے پکارتا تھا تو اس کی قوم فوراً اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑتی تھی اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی تھی کہ مدد کے لیے پکارنے والا مدد کا مستحق ہے بھی یا نہیں لہذا اسی کو پیغمبر اکرمؐ نے بری بو والا اور نفرت انگیز کہا ہے۔

عبداللہ ابن ابی رئیس منافقین کو موقع ہاتھ آ گیا۔

منافقین کے رئیس نے خوب اچھی طرح سے سمجھ لیا کہ مہاجر وانصار کے درمیان عداوت کا بیج بونے کے لیے زمین کامل طور پر تیار ہے کیونکہ اس واقعہ میں ایک انصاری نے

اپنے ہی علاقے میں ان کے بزرگوں کے روبرو ایک مہاجر سے تھپڑ کھایا تھا اور اس سے انصار کی سخت ہتک ہوئی تھی لہذا منافقین کے رئیس نے ان حالات کے اندر انصار کی ایک جمعیت کے سامنے تقریر شروع کر دی اور اس نے کہا:

"مہاجرین نے ہماری سرزمین میں ہم پر غلبہ کرلیا ہے اے انصار تم نے ان لوگوں کو اپنے گھروں میں جگہ دی، اپنے مالوں سے ان کی مدد کی اور اپنی جان سے ان کی حفاظت کی، تمہاری عورتیں ان کی حفاظت میں بیوہ ہوئیں اور تمہارے بچے یتیم ہوئے۔ کیا تم نے ان کی اس لئے مدد کی تھی کہ ہم تھپڑ کھائیں گویا نیکی کا بدلہ بدی ہے، خدا کی قسم اب ہم یہ حالت برداشت نہیں کر سکتے، اگر ہم مدینہ پہنچیں گے تو ہمارے عزت دار (یعنی خود عبداللہ) ذلیل ترین لوگوں (مراد پیغمبر اکرم) کو مدینہ سے باہر نکال دیں گے۔

اس کے بعد اس نے ان لوگوں سے جو اس کے گرداگرد بیٹھے ہوئے تھے کہا: یہ وہ بلا اور مصیبت ہے جو تم خود اپنے سروں پر لے کر آئے ہو، خدا کی قسم اگر تم ان پر خرچ کرنا چھوڑ دو تو یہ سب کے سب محمد کو چھوڑ کر چلتے بنیں اور ان میں سے کوئی بھی مدینہ میں نہ ٹھہریگا۔

اس مجمع میں زید ابن ارقم انصار بھی موجود تھے جس نے منافقین کے رئیس کی باتیں پورے غور سے سنیں۔ اس جوان کی غیرت دینی میں جوش آ گیا اور اس نے عبداللہ ابن ابی سے کہا:

"اپنی قوم میں ذلیل و کمینہ اور قابل نفرت تو ہے اور محمدؐ کو خدا کی عطا کردہ عزت اور مسلمانوں کی قوت حاصل ہے۔ عبداللہ نے اس سے چیخ کر کہا۔ ابھی تیرے کھیلنے کے دن ہیں تجھے ان کاموں میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

زید ابن ارقمؓ پیغمبرؐ کے حضور میں

زید ابن ارقمؓ نے پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ تمام ماجرا کہہ سنایا۔ رسول

اکرمؐ نے مصلحتاً فرمایا: شاید تمہیں اس پر غصہ ہوگا اور یہ باتیں تم غصہ میں کہہ رہے ہو۔ یا تمہیں اشتباہ ہوا ہوگا یا تمہیں کچھ سمجھ میں نہ آیا ہوگا۔ غرض اسطرح سے پیغمبرؐ نے کئی صورتیں بیان کیں لیکن زید نے ہر بات پر یہی کہا واللہ ایسا نہیں ہے۔ (تفسیر موضوعی جلد 4 ص 84)

بحوالہ تفسیر کشاف جلد 3 ص 234

عبداللہ کے بارے میں حضرت عمر کی رائے

حضرت عمر نے پیغمبرؐ سے عرض کی کہ مسلمانوں کے سر سے عبداللہ کے شر کو ٹالنے کے لیے کسی انصاری آدمی سے اسے قتل کرا دیا جائے پیغمبر اکرمؐ نے ان کی اس پیش کش کو قبول نہ کیا اور فرمایا:

''اس موقع پر پروپیگنڈہ کرنے والے یہ پروپیگنڈہ کریں گے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرا دیتے تھے'' تفسیر موضوعی جلد 4 ص 84

بحوالہ تاریخ خمیس جلد 1 ص 471

سیرۃ حلبی جلد 2 ص 302

اس ناخوشگوار واقعہ کا اثر محو کرنے کے لیے روانگی کا حکم

اگرچہ مہاجر و انصار کے دونوں گروہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے لیکن انصار کے دل میں اس واقعہ کی تلخی باقی تھی اور رئیس منافقین کی فتنہ جوئی اس تلخی کو اور بڑھاتی رہی تھی۔ لہذا پیغمبرؐ نے ایسی تدبیر اختیار کی کہ نزاع کی یاد ذہنوں سے محو ہو جائے۔ اور ایسا ہو جائے جیسا کہ نہ تو کوئی نزاع ہوا تھا اور نہ ہی کسی نے کسی کو مدد کیلئے بلایا تھا اور وہ تدبیر یہ تھی کہ آپ نے فوری طور پر تمام لشکر کو حکم دے دیا کہ جتنی جلدی ہو سکے سب کے سب اپنی سواریوں پر سوار ہو جائیں اور مدینہ کی راہ لیں۔ اسید ابن حضیر نے پیغمبرؐ کی خدمت میں

حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپ نے ان حالات میں کہ شدت کی گرمی پڑ رہی ہے کبھی ایسا حکم نہیں دیا ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: کیا تم نے عبداللہ کی باتیں سنی ہیں اس نے یہ کہا ہے کہ مدینہ پہنچنے کے بعد عزت دار (یعنی خود عبداللہ) ذلیل (یعنی نعوذ باللہ محمد) کو باہر نکال دے گا۔

مجاہدین اسلام اس دن کے باقی حصہ میں اور ساری رات اور اگلے دن کے کچھ حصہ میں سفر کرتے رہے اور اس قدر تھک کر چور ہوئے کہ جس وقت پیغمبرؐ نے منزل کرنے کے لیے سواریوں سے نیچے اترنے کا حکم دیا تو وہ سب کے سب زمین پر لیٹتے ہی گہری نیند سو گئے اور مدت کے بعد جب وہ بیدار ہوئے تو ان کے دلوں سے حادثہ کی تیزی وتندی اور تلخی دور ہو چکی تھی۔

عبداللہ ابن ابی کا واقعہ سے انکار

آنحضرت تمام دن اور رات چلتے رہے خزرج کے قبیلہ والوں نے جب آنحضرتؐ کا بے پناہ غصہ مشاہدہ کیا تو صورت حال معلوم ہونے پر انھوں نے عبداللہ ابن ابی سے بازپرس کی اور اس کی بہت مذمت کی۔

اس نے قسمیں کھائیں کہ میں نے کچھ نہیں کیا ہے تو لوگوں نے اس سے کہا کہ چل کر آنحضرتؐ سے بیان کر۔ تاکہ ہم حضرت سے عذرخواہ ہوں لیکن اس نے منہ پھیر لیا اور منظور نہ کیا۔

دوسرے دن جب ایک مقام پر منزل کی اور صحابہ تمام رات جاگنے اور سفر کی تکان کے سبب سب کے سب سو گئے تو اس وقت عبداللہ ابن ابی حضرت کی خدمت میں آیا اور قسم کھائی کہ میں نے یہ سب باتیں نہیں کہیں تھیں۔ زید نے غلط بیانی کی ہے اور دوبارہ کلمہ شہادتین پڑھا اس پر اس کے قبیلہ والے زید ابن ارقم کے خلاف ہو گئے کہ تم نے ہمارے رئیس پر بہتان باندھا ہے۔

دوسرے دن روانگی اور رئیس منافقین کی رسوائی

جب آنحضرتؐ اپنی دوسری منزل سے روانہ ہوئے تو زید آنحضرت کے ساتھ ساتھ تھے اور کہتے جاتے تھے کہ خداوندتو جانتا ہے کہ میں نے عبداللہ ابن ابی پر جھوٹ نہیں باندھا ہے۔

غرض تھوڑی راہ طے کی تھی کہ آنحضرتؐ پر وحی کے آثار نمودار ہوئے اور پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگے۔

زید ابن ارقم بیان کرتے ہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرتؐ پر وحی نازل ہورہی ہے میری دلی خواہش تھی کہ وحی میری تصدیق اور منافق کی تکذیب کرے کہ پیغمبر (ص) نے تھوڑی دیر کے بعد مجھ سے فرمایا: کہ وحی الہی نے تیری تصدیق اور منافق کی تکذیب کردی ہے۔

وہ آیات جو اس سلسلہ میں نازل ہوئیں سورہ منافقین کا وہ حصہ ہیں جس سے سب واقف ہیں ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں

نمبر 1: " اذ جاء ک المنافقون قالوا نشهد انک لرسول الله و الله يعلم انک لرسوله و الله يشهد ان المنافقين لكاذبون" (المنافقون ۔1)

جب منافق تیرے پاس آئے تو انھوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم بیشک اللہ کے رسول ہو اور اللہ بھی یہ جانتا ہے کہ تم بیشک اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بیشک منافق جھوٹے ہیں۔

نمبر 2: اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله انهم ساء ما كانوا يعملون۔ (المنافقون ۔2)

"انھوں نے (اپنی جھوٹی) قسموں کو سپر بنالیا ہے پس انھوں نے لوگوں کو راہ خدا

سے روکا بیشک جو عمل وہ کرتے ہیں وہ بہت ہی برا ہے''

نمبر3: هم الذين يقولون لا تنفقوا علىٰ من عند رسول الله حتى ينفضوا و الله خزائن السمٰوٰت والارض ولكن المنافقين لا يفقهون '(المنافقون ۔7)

یہ وہی تو ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ رسول خدا کے پاس جو لوگ ہیں تم ان پر اپنا پیسہ خرچ نہ کرو تا کہ وہ بھاگ جائیں ۔حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق یہ بات سمجھتے نہیں ہیں۔

نمبر4: يقولون لئن رجعنا الى المدينة لنخرجنا الا عز منا الاذل ولله العزه و لرسوله وللمومنين ولكن المنافقين لا يعلمون (المنافقون ۔8)

وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ پلٹ کر گئے تو جو زیادہ عزت دار ہے وہ مدینہ سے ذلیل ترین آدمی کو ضرور بالضرور باہر نکال دے گا۔حالانکہ حقیقی عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی ہے اور مومنین کی ہے لیکن منافقین کو اس بات کا علم نہیں ہے۔

ایک جوان محبت اور ایمان کی کشمکش میں

بعض تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ مدینہ میں داخل ہو چکے تھے اور عبداللہ ابن ابی کی تکذیب کے سلسلہ میں آیات نازل ہو چکی تھیں ۔لیکن ابھی عبداللہ ابن ابی مدینہ نہیں پہنچا تھا۔ جب رئیس منافقین مدینہ میں داخل ہونے لگا تو اس کے بیٹے کا نام بھی ''عبداللہ'' تھا اپنے باپ کا راستہ روک لیا اور کہا کہ جب تک پیغمبرؐ تجھے مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے تو شہر مدینہ میں داخل نہیں ہوگا اور ایک قول کے مطابق اس نے یہ کہا کہ جب تک تو اپنی ذلت اور پیغمبر اکرم (ص) کی عزت کی گواہی نہیں دے گا تو مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا عبداللہ ابن ابی نے اپنے بیٹے کی پیغمبرؐ سے شکایت کی پیغمبرؐ نے اس کے بیٹے سے کہا کہ اپنے باپ کے ساتھ اچھا

برتاؤ کرہم بھی اس کے ساتھ اچھا برتاؤ ہی کریں گے۔ تفسیر موضوعی جلد 4 ص 89 بحوالہ تاریخ خمیس جلد 1 ص 472

حضرت جویریہ بنت حارث سے تزویج

حضرت جویریہ بھی ان ازواج پیغمبرؐ میں شامل ہیں جو جنگ کے نتیجہ میں اسیر ہوکر آئی تھیں۔ حضرت جویریہؓ کے والد حارث نے جو بنی مصطلق کے سردار تھے قریش کے اشارے پر اپنے قبیلہ کو مدینہ پر حملہ کے لیے تیار کیا تھا مگر جب اسے مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ بھاگ گئے۔ تذکار صحابیات کا مصنف لکھتا ہے کہ

"حارث کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ بھاگ گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مریسیع میں قیام کیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی ان کے گیارہ (11) آدمی مارے گئے اور چھ سو کے قریب گرفتار ہوگئے۔ ان اسیروں میں سے حضرت جویریہؓ بھی تھیں جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی۔ چونکہ قبیلہ کے رئیس کی بیٹی تھیں لونڈی بن کر رہنا گوارا نہ ہوا۔ حضرت ثابت سے درخواست کی کہ مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو وہ راضی ہوگئے اور 9 اوقیہ سونے کا مطالبہ کیا۔

اب جویریہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی۔ مصیبت زدہ ہوں آزاد ہونا چاہتی ہوں ازراہ کرم میری مدد فرمائیے۔ حضور نے فرمایا۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ میں تمہارا زرمکاتب ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں ،

حضرت جویریہؓ فوراً راضی ہوگئیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا زرمکاتب ادا کرکے نکاح کرلیا اور ان کا پہلا نام "برہ" بدل کر جویریہ نیا نام رکھا۔ ان کے حرم نبوی میں داخل ہوتے ہی صحابہ کرام نے قرابت نبوی کا پاس کرتے ہوئے تمام اسیران

جنگ رہا کر دیئے ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس موقع پر بنو مصطلق کے سو خاندان آزادی کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔ (تذکار صحابیات ص 91-92)

حضرت جویریہ قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھیں انہوں نے کنیز بن کر رہنا گوارا نہ کیا لیکن زر مکاتب ادا ہونے کے بعد آزاد ہو کر پیغمبرؐ کے نکاح میں آنے سے ان کا وقار اور زیادہ بلند ہوگیا اور اس نکاح کا نتیجہ بنی مصطلق کے سو خاندان کی آزادی اور ان کے رضا کارانہ طور پر اسلام قبول کرنے کی صورت میں نکلا۔

اس سلسلہ میں دوسرے طریقوں سے بھی روایات وارد ہوئی ہیں لیکن ان سب کا بنیادی نکتہ یہی ہے کہ حضرت جویریہ سردار قبیلہ کی بیٹی تھیں کنیز ہو کر رہنا گوارا نہ کیا لیکن آزاد ہونے کی صورت میں بہ رضا و رغبت پیغمبر (ص) سے نکاح کرنے پر آمادہ ہوگئیں اور خود ان کے باپ حارث نے بھی اس بات کو پسند کیا اور خود بھی مسلمان ہوگیا۔

واقعہ افک کی تحقیق انیق اور تفتیش دقیق

واقعہ افک کے بارے میں سورہ نور کی آیت نمبر 11 میں کچھ لوگوں کی طرف سے کسی باعفت اور پاک دامن بی بی پر تہمت لگانے اور بہتان جڑنے کا قصہ بیان ہوا ہے۔ لیکن قرآن نے اس میں اپنے مخصوص طرز بیان کے مطابق نہ تو تہمت لگانے والوں کا نام لیا ہے اور نہ اس باعفت اور پاک دامن عورت کا نام ظاہر کیا ہے جس پر تہمت لگائی گئی۔ کیونکہ قرآن کریم ستار العیوب کا کلام ہے لہذا وہ کسی کا نام لئے بغیر ایسے واقعات کی مثال دے کر قوانین شریعت کی تشریح کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ ایسی صورت میں مسلمان کو کیا کرنا چاہیے

لیکن یہ بات ایک حقیقت ضرورت ہے کہ کسی پاک دامن اور باعفت بی بی پر کسی نے تہمت ضرور لگائی اور اس کا مسلمانوں میں جو سب کے سب اصحاب پیغمبر اور صحابیات تھے خوب چرچا ہوا اور ایک دوسرے تک وہ بات پھیلی۔

یہ تہمت کس بے گناہ، پاکدامن اور باعفت بی بی پر لگائی گئی

یہ بے گناہ پاک دامن اور باعفت بی بی کون تھیں۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت عائشہ ہیں جن پر جنگ بنی مصطلق سے لوٹتے وقت یہ تہمت لگائی گئی اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد ماریہ قبطیہ ہیں یعنی حضرت ابراہیم پسر پیغمبر (ص) کی والدہ جن پر یہ تہمت لگائی گئی

ہم ان دونوں کے بارے میں جو کچھ روایات میں بیان کیا گیا ہے وہ تو آگے چل کر بیان کریں گے یہاں پر ہم اس آیت کا سیاق وسباق اور اسلوب بیان معلوم کرنے کے لئے سورہ نور کی وہ آیت جو واقعہ افک کے بیان کرنے والی آیت سے پہلے اور اس کے بعد بیان ہوئی ذیل میں پیش کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایسے مسئلہ میں قانون شریعت کی تشریح کے لیے بیان ہوا ہے۔

احکام وفرائض اور قانون شریعت بیان کرنے والا سورہ

سورہ نور کی پہلی ہی آیت سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس سورہ میں احکام وفرائض اور قوانین شریعت بیان کئے گئے چنانچہ اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ:

" سورۃ انزلنا ھا و فرضنا ھا و انزلنا فیھا آیات بینت لعلکم تذکرون" (النور۔1)

یہ سورہ وہ ہے جس میں ہم نے نازل کیا ہے اور جس کو ہم نے فرض گردانا ہے اور اس میں ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کیے ہیں تاکہ تم یاد رکھو۔

زانی اور زانیہ کی سزا

سورہ نور کی پہلی آیت میں یہ بیان کرنے کے بعد کہ اس سورہ میں احکام وفرائض

بیان کئے گئے ہیں دوسری آیت میں پہلا حکم اور پہلا قانون زانی اورزانیہ کی سزا سے متعلق بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

" الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة ولا تاخذ كم بهما رافة في دين الله ان كنتم تومنون بالله واليوم الا خر وليشهد عذابهما طائفة من المومنين " (النور۔2)

''زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ اور ان دونوں کے بارے میں قانون خداوندی کے اجراء میں تم کو رحم نہ آئے بشرطیکہ تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی سزا کے وقت مومنین کا گروہ موجود رہو۔

زانی اور زانیہ اور مشرکہ سے نکاح حرام

سورہ نور کی تیسری آیت میں مومن مردوں کے لئے کسی زانیہ عورت یا مشرکہ سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے اور اسی طرح مومنہ عورت کے لئے کسی زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا:

" الزاني لا ينكح الا زانية او مشركة و الزانية لا ينكحها الا زان او مشرك و حرم ذالك على المومنين'' (النور۔3)

زنا کرنے والے مرد سوائے زنا کرنے والی عورت یا مشرکہ عورت کے کسی اور سے نکاح نہ کرنے پائے اور زنا کار عورت سوائے زنا کار مرد کے اور مشرک کے اور کوئی نکاح نہ کرنے پائے اور یہ نکاح مومنین پر حرام کیا گیا ہے۔

اس آیت میں زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کو مومن یا مومنہ نہیں فرمایا۔ اور اس سے حدیث پیغمبر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ

مومن نہیں رہتا۔

شوہر دار عورت پر تہمت لگانے کی سزا

اس سورہ کی چوتھی اور پانچویں آیت میں کسی شوہر دار عورت پر لگائے گئے الزام کی تحقیق اور تفتیش کرنے اور اس کا فیصلہ کرنے کا طریقہ بیان ہوا ہے اور الزام لگانے والوں کی سزا مقرر کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے،

والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوا ثمنین جلدة ولاتقبلوا لهم شهادة ابداً و اولئک هم الفاسقون ، الا الذین تابوا من بعد ذالک واصلحوا فان الله غفور رحیم (النور۔4-5)

اور جو لوگ شوہر والی عورتوں پر الزام لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کو اسی (80) اسی (80) کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہ ضرور نافرمان ہیں سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور خرابی کی اصلاح کر لیں تو اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

شوہر کا خود اپنی زوجہ پر الزام لگانے کی سزا

اس سورہ کی چھٹی آیت سے لے کر دسویں آیت تک خود اپنی عورت پر الزام لگانے کی صورت میں جبکہ کوئی گواہ نہ ہو فیصلہ کرنے کا طریقہ بیان ہوا ہے اور اس میں ان دونوں کی سزا بھی مقرر کی گئی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے" **والذین یرمون ازواجهم ولم یکن شهداء الا انفسهم فشهاده احدهم اربع شهدات بالله انه لمن الصدقین ۔ والخامسة ان لعنت الله علیه ان کان من الکاذبین و یدرئو عنها العذاب ان تشهد اربع شهدات بالله انه لمن الکذبین ۔ والخامسة ان غضب الله**

علیھا ان کان من الصادقین .ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہ و ان اللہ تواب الرحیم“

”اور جو لوگ اپنی ازواج پر اتہام لگائیں اور سوائے ان کی ذات کے اور کوئی گواہی نہ ہو تو ان کے اکیلے کی گواہی یہ ہے وہ چار مرتبہ خدا کا نام لے کر گواہی دے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو اور اس عورت سے سزا کی یہ بات ٹال دے گی کہ وہ چار مرتبہ خدا کا نام لے کر یہ گواہی دے کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو وہ تمہیں یہ قاعدہ کیوں تعلیم کرتا) اور بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔

مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ واقعہ ہلال ابن امیہ اور اس کی بیوی سے متعلق ہے۔ ہلال نے اپنی بیوی کو غیر حالت میں دیکھا تو اس نے پیغمبرؐ سے شکایت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئیں۔

آپ نے پہلے ہلال سے مذکورہ قانون کے تحت پانچوں قسمیں لیں۔ جب وہ پانچوں قسمیں کھا چکا تو آپ نے اس کی عورت سے اسی طرح پانچوں قسمیں لیں۔اور جب اس نے بھی یہ قسمیں کھالیں تو آنحضرتؐ نے دونوں کو جدا کر دیا اور فرمایا کہ بعد لعان کے تم دونوں کا باہم کبھی عقد نہ ہو سکے گا۔

پس اس طریقہ سے جدائی کو لعان کہا گیا ہے اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ دس کی دس آیات کی عورتوں پر اتہام کے سلسلے میں ایک قانونی حیثیت ہے

واقعہ افک کے بارے میں آیات

اب سورہ نور کی گیارہویں آیت میں ۔ جو واقعہ افک سے متعلق ہے ۔ انہی

قوانین کو نافذ کیا گیا ہے جو پہلی دس آیات میں بیان کیے گئے ہیں اور اس کے علاوہ واقعہ افک کے نتیجے میں جو واقعات رونما ہوئے ان کے بارے میں نئے قوانین بیان کئے گئے۔

چنانچہ سورہ نور کی گیارہویں آیت میں واقعہ افک کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے

" ان الذین جائو ا بالافک عصبة منکم لا تحسبوه شراً لکم بل هو خیر لکم ، لکل امری منهم ما اکتسب من الاثم. والذی تولیٰ کبره منهم له عذاب عظیم " (النور۔11)

"بیشک جن لوگوں نے تہمت لگائی ہے وہ تم میں سے ایک طاقتور گروہ ہے تم اس بات کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو۔ بلکہ وہ تمہارے لئے اچھا ہے ان میں سے ہر شخص کے جو گناہ بھی وہ کرے گا ویسا ہی بدلہ ہے اور ان میں سے جو اس گناہ کا بڑا حصہ دار ہے اور کرتا دھرتا ہے اس کے لئے تو بہت بڑا عذاب ہے۔

حسن ظن کا قانون

تہمت لگانے والوں کی طرف سے تہمت لگانے کے بعد چونکہ اس کا بہت چرچا ہوا تھا اور ایک سے دوسرے تک وہ بات پھیلتی چلی گئی تھی۔ جو اچھی بات نہیں تھی لہذ سورہ نور کی آیت نمبر 11 میں تہمت لگانے والوں اور تہمت کا بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کے لئے حسن ظن کا قانون بیان ہوا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

" لولا اذا سمعتموه ظن المومنون والمومنات بانفسهم و قالوا هذا فک مبین" (النور۔12)

جس وقت کہ تم نے اس کو سنا تھا تو مومن مردوں اور عورتوں نے نیک گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تہمت لگانے والے نے تو تہمت لگائی ہی تھی اس کے

بعد نہ صرف مردوں میں بلکہ عورتوں میں بھی یہ بات پھیلتی چلی گئی ۔اور" لولا اذا سمعتموہ " سے ظاہر ہوتا ہے کہ تہمت لگانے والوں کی طرف سے کسی پاک دامن عورت پر تہمت ضرور لگائی گئی تھی ۔اور یہ تہمت لگانے والا کوئی ایک شخص نہیں تھا بلکہ" ان الذین جائوا بالافک عصبة منکم " یہ تہمت لگانے والا مسلمانوں میں سے ایک ہی ہم خیال طاقتور گروہ تھا۔

اور اہل ایمان کے لئے یہ اتنی بری بات اچھی کیسے ہوگئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ اس وقت اصحاب پیغمبرؐ میں ایک طاقتور ہم خیال لوگوں کا ایک گروہ ایسا موجود تھا جو اپنے مقاصد اور منصوبوں کی تکمیل کے لئے اس حد تک بھی جانے کے لئے تیار تھا ۔دوسرے اس پاک دامن عورت پر تہمت لگانے سے مسلمانوں کے لئے انتہائی نصیحت آمیز اخلاقی قوانین ہاتھ آگئے اور انہیں یہ معلوم ہوگیا کہ ایسے مواقع پر مسلمانوں کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے۔

سورہ نور کی آیات کا نفاذ

سورہ نور کی تیرھویں اور چودھویں آیت میں اس قانون کو نافذ کیا گیا ہے جو سورہ نور کی چوتھی آیت میں بیان کیا گیا تھا چنانچہ ارشاد ہوا:

" لولا جائو علیه باربعة شهداء فاذلم یاتوابالشهداء فاولئک عندالله هم الکاذبون ولولا فضل الله علیکم و رحمته فی الدنیا والاخرة لمسکم فی ما افضتم فیه عذاب عظیم " (النور۔13-14)

وہ اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے پس چونکہ وہ چار گواہ نہ لائے تو اللہ کے نزدیک ضرور بالضرور وہی جھوٹے ہیں ۔اور اگر دنیا و آخرت میں تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم نے چرچا کیا تھا اس کے سبب سے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا ۔

اس سورہ کی آیت نمبر 11 میں تہمت لگانے والوں کے بارے میں واضح فیصلہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص کے لئے جو گناہ بھی وہ کرے گا ویسا ہی بدلہ ہے اور ان کے بڑے حصہ دار اور کرتا دھرتا کے بارے میں یہ کہا گیا ہے "**لہ عذاب عظیم**" یعنی اس کے لئے تو بڑا عذاب ہے۔ یعنی اس کو اس تہمت لگانے کے سلسلہ میں کسی دنیاوی سزا کا ذکر تو نہیں ہے البتہ اس کے لئے آخرت میں عذاب عظیم کا فیصلہ دے دیا گیا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اس بات کا چرچا کیا تھا اور ایک دوسرے کو مزے لے لے کر بیان کیا تھا ان کے لئے دنیا و آخرت میں اپنے فضل و رحمت کو بیان کر کے کہا کہ اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم نے چرچا کیا تھا اس کے سبب تم پر بھی بڑا عذاب ہوتا۔ اور انہیں دو بہترین نصیحت آموز اخلاقی قوانین عطا کئے ایک حسن ظن کا قانون جو اوپر بیان ہو چکا ہے اور دوسرا حفظ لسانی کا قانون جو آگے آتا ہے۔

حفظ لسانی کا قانون

سورہ نور کی آیت نمبر 15 تا 18 میں ایسی فحش اور بری باتوں کو ایک دوسرے سے کہنے اور ان کا چرچا کرنے سے روکا گیا ہے اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کو حفظ لسانی کا قانون عطا فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

" اذ تلقونه بالسنتكم و تقولون بافواهكم ماليس لكم به علم و تحسبونه هينا و هو عندالله عظيم و لولا اذ سمعتموه قلتم ما يكون لنا ان نتكلم بهذ اسبحنک هذا بهتان عظيم . يعظكم الله ان تعودو لمثله ابداً ان كنتم مومنين . و يبين لكم الايات و الله عليم حكيم " (النور 15 تا 18)

اس وقت کو یاد کرو جب تم اس بات کو ایک دوسرے کی زبان سے نقل کرتے اور اپنے منہ سے وہ کچھ بکتے تھے جس کا تم کو علم نہیں تھا۔ اور اس کو تم خفیف سی بات سمجھتے تھے

حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات تھی۔ اور جس وقت تم نے اس کو سنا تھا یہ کیوں نہ کہا کہ ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم اس کے بارے میں کلام کریں۔ حاشا وکلا یہ تو بہت بڑا بہتان ہے خدائے تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو پھر ایسا کبھی نہ کرنا اور اللہ تم سے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اس تہمت کا جن لوگوں نے آگے چرچا کیا تھا اور ایک سے دوسرے کو منتقل کیا تھا ان کے لئے صرف نصیحت پر اکتفا کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ''یعظکم الله ان تعود لمثله ابداً '' یعنی اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو آئندہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔ انہیں حفظ لسانی کا قانون عطا کرتے ہوئے آئندہ کے لئے اپنا حکم کھول کر بیان کر دیا اور آیت نمبر 19 میں صاف کہہ دیا کہ:

" ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والا خرة والله یعلم وانتم لا تعلمون " (النور۔19)

بیشک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ بری بات کا ایمان والوں میں چرچا ہو ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہ انتباہ آئندہ کے لئے ہے لیکن اس وقت جنھوں نے اس بات کا آگے چرچا کیا اور اس کو آگے پھیلایا ان کے لئے یہ فرمایا کہ:

ولو لا فضل الله علیکم و رحمته و ان الله رئوف رحیم (النور۔20)

یعنی اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم نے جو حرکت کی تھی اس پر وہ تم پر عذاب نازل کر دیتا) اور بیشک اللہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

یعنی خدا نے اس بہتان کا ذکر آگے بڑھانے اور ایک دوسرے سے اس کا چرچا کرنے والوں پر مہربانی کی اور ان پر رحم فرمایا اور انہیں اپنی مہربانی سے رحم فرما کر معاف کر دیا اور آئندہ کے لئے صرف نصیحت اور انتباہ پر اکتفا کیا کہ خبردار آئندہ ایسا نہ کرنا۔

لیکن اس تہمت کے لگانے والے اس کے اصل کرتا دھرتا کے لئے واضح طور پر کہا

کہ:" والذین تولیٰ کبرہ منھم لہ عذاب عظیم "یعنی وہ شخص جو اس تہمت کا کرتا

دھرتا تھا اور اصل بہتان جڑنے والا تھا اس کے لئے عذاب عظیم ہے۔

واقعہ افک کے بارے میں ہم نے وہ تمام آیات نقل کر دی ہیں جو اس سلسلہ میں

نازل ہوئی ہیں۔

اب ہم واقعہ افک کے اصل بیان کی طرف آتے ہیں ہم اس بارے میں پہلے لکھ

چکے ہیں کہ افک کے بارے میں دو روایات ہیں ایک روایت یہ کہتی ہے کہ یہ تہمت حضرت

عائشہ پر لگائی گئی اور دوسری روایت یہ کہتی ہے کہ یہ تہمت حضرت ماریہ قبطیہ پر لگائی گئی تھی

پہلے ہم ان روایات کو بیان کریں گے اور پھر اس کے لئے اپنی تحقیق پیش کریں گے کہ ان

میں سے حقیقتاً کس پر تہمت لگائی گئی تھی اور کیوں لگائی گئی تھی۔

سب سے پہلے وہ روایت پیش کرتے ہیں جسے حضرت عائشہ کے بارے میں

مورخین ومفسرین ومحدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے ہم اس کی چیدہ چیدہ

عبارتوں کا ترجمہ تلخیص الصحاح جلد اول صفحہ 210 تا 217 سے مختلف عنوان لگا کر پیش

کرتے ہیں

تلخیص الصحاح سے داستان افک، غزوہ بنی مصطلق کو روانگی

عروہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے

فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی بیویوں کو

ساتھ لے جانے کے متعلق قرعہ ڈالتے تھے جس بی بی کے نام کا قرعہ نکل آتا تھا انہیں اپنے

ساتھ سفر میں لے جاتے تھے ایک دفعہ آپ نے کسی جہاد کے سفر میں قرعہ ڈالا اور قرعہ میرے

نام نکلا میں آپ کے ساتھ سفر کو روانہ ہوئی یہ اس وقت کا قصہ ہے جب پردہ کا حکم نازل

ہو چکا تھا۔ میں اپنے کجاوہ میں سوار چلتی تھی اور جب راستہ میں کہیں اترتی تھی تو اسی کجاوہ میں رہتی تھی۔ غرضیکہ میں آپ کے ساتھ برابر چلی گئی۔

جنگ بنی مصطلق سے واپسی پر حضرت عائشہ کا بچھڑنا

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس جہاد سے فارغ ہو چکے اور واپس ہوئے اور ہم لوگ مدینہ کے بہت قریب پہنچ گئے۔ ایک دفعہ رات کو کوچ کا حکم دیا۔ جب لوگوں نے مجھے کوچ کی خبر دی تو میں اٹھ کھڑی ہوئی اور قضائے حاجت کی غرض سے لشکر سے کسی قدر دور چلی گئی جب میں قضائے حاجت کے بعد اپنے کجاوہ میں واپس آئی اور میں نے اپنے سینہ پر ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ میرا ہار ٹوٹ گیا ہے میں لوٹ کو اس ہار کو ڈھونڈے چلی گئی اور مجھ کو اس کے ڈھونڈنے میں کسی قدر دیر لگ گئی۔ اتنے میں وہ لوگ آپہنچے جو میرا کجاوہ اٹھاتے تھے۔ انھوں نے میرا کجاوہ اٹھا کر میرے اونٹ پر رکھ دیا۔ وہ یہ سمجھے کہ میں اس کجاوے میں ہوں۔ اور کیونکہ اس وقت عورتیں دبلی پتلی، ہلکی پھلکی ہوتی تھیں موٹی مسٹنڈی نہیں ہوتی تھیں۔ کیونکہ کھانا بہت تھوڑا کھاتی تھیں۔ اس وجہ سے کجاوہ کا ہلکا پھلکا ہونا ان کو غیر معمولی بات نہیں معلوم ہوئی۔ جبکہ انھوں نے اس کو اٹھا کر اونٹ پر لاد دیا۔ علاوہ اس کے میں ایک کم سن لڑکی تھی الغرض انھوں نے اونٹ کو اٹھایا اور وہاں سے چلتے ہوئے۔ اور میں نے اپنا ہار اس وقت پایا جب سارا لشکر کوچ کر چکا تھا۔ جب میں اپنی منزل پر پہنچی تو وہاں کوئی بھی باقی نہ تھا۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ میں جس جگہ بیٹھی تھی وہاں بیٹھ جاؤں اس لئے کہ میں نے خیال کیا کہ جب لوگ مجھے نہ پائیں گے تو یہیں لوٹ کر ڈھونڈنے آئیں گے۔ میں اپنی اسی جگہ پر بیٹھی تھی کہ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی اور صفوان ابن معطل ایک شخص تھا جو آرام کی غرض سے آخیر رات میں لشکر کے پیچھے ٹھہر گیا تھا جب وہ روانہ ہوا تو صبح کو میری منزل پر پہنچ گیا تو اس کو کسی سوئے ہوئے انسان کی

شباہت معلوم ہوئی اس لئے وہ میرے پاس آیا اور دیکھتے ہی اس نے مجھ کو پہچان لیا ۔ کیونکہ پردے سے قبل اس نے مجھ کو دیکھا تھا ۔ میں اس کی انا للہ وانا الیہ راجعون کی آواز سے جاگ اٹھی ۔ میں نے اپنا منہ اوڑنی میں چھپالیا ۔ خدا کی قسم اُس نے کوئی بات مجھ سے نہیں کی اور نہ میں نے بجز انا لله و انا اليه راجعون کی صدا کے اس کی کوئی بات سنی پھر اس نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اس کے دونوں اگلے پاؤں کو اپنے پاؤں سے دبائے رکھا میرے چڑھنے کی غرض سے پس میں اونٹ پر سوار ہوگئی وہ پیدل اونٹ کو ہانکتا چلا تا آنکہ ہم لشکر میں پہنچ گئے جہاں سب لشکری لوگ آرام کی غرض سے اتر چکے تھے ۔

تہمت لگانے والے اور حضرت عائشہ کی حالت

حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میرے مقدمہ میں جو لوگ تباہ ہوئے جو شخص اس تہمت کا بانی تھا وہ عبداللہ ابی سلول تھا جسکی نسبت خدا تعالیٰ نے "تولی کبرہ" فرمایا ہے جب میں مدینہ پہنچی تو ایک مہینہ تک بیمار رہی اور لوگوں کی یہ حالت تھی کہ بہتان باندھنے والوں کی باتوں پر غور کرتے تھے اور مجھے ان کی کسی بات کی مطلقاً خبر نہ تھی ۔ اگر مجھے کچھ شبہ ہوتا تو صرف اسی وجہ سے کہ مجھ پر رسول خدا صلی اللہ والہ وسلم کی میری بیماری کی حالت میں ہوا کرتی تھی ۔ اب صرف اندر تشریف لاتے اور سلام کر کے یہ پوچھ لیتے کہ یہ عورت کیسی ہے جس سے مجھ کو شبہ ہوتا تھا لیکن مجھے اس خرابی کی خبر نہ تھی حتیٰ کہ میں بہت ضعیف ہوگئی ۔

ام مسطح نے تہمت کا انکشاف کیا

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ بیماری کے بعد میں اور ام مسطح مناصع کی طرف چلی جو ہم لوگوں کے پاخانے تھے اور ہم لوگ رات کی رات پاخانہ کو نکلا کرتے تھے یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ہمارے گھروں کے نزدیک پاخانے نہیں بنے تھے اور ہم لوگ اگلے عربوں

کی طرح جنگل میں جایا کرتے تھے۔

غرض کہ میں چلی اور ام مسطح میرے ساتھ تھی جو ابو دہم بن عبد المطلب بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور اس کی ماں ضخر بن عامر کی بیٹی تھی جو حضرت ابو بکر کی خالہ تھیں اس کے بیٹے کا نام مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب تھا۔ غرضیکہ جب ہم دونوں قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس چلے آرہے تھے کہ ام مسطح کا پاؤں اس کی چادر میں الجھ گیا اور وہ کہنے لگی کہ مسطح برباد ہو جائے۔ تو میں نے اس سے کہا یہ تم نے بہت بری بات کہی تم ایسے شخص کو برا کہتی ہو جو جنگ بدر میں شریک تھا اس نے کہا اے نادان تو نے سنا نہیں کہ مسطح نے کیا کہا۔ میں نے کہا کیا کہا۔ تو اس نے مجھ سے وہی بیان کیا جو تہمت لگانے والوں نے کہا تھا جس کو سن کر میری بیماری دو چند ہو گئی۔

جب میں گھر واپس آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور سلام کر کے آپ نے پوچھا کہ اس عورت کا کیا حال ہے۔ تو میں نے کہا کہ آپ مجھے اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاؤں اور میری اس وقت یہ خواہش تھی کہ میں اپنے ماں باپ کے پاس جا کر اس خبر کی تحقیق کروں۔ بالآخر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی اور میں اپنے ماں باپ کے گھر آ گئی۔

پیغمبر کی طرف سے تفتیش احوال اور لوگوں سے مشورہ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ چونکہ وحی نازل ہونے میں حد سے زیادہ توقف ہو گیا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو بلوایا اور اپنے اہل کے جدا کرنے (فی فراق اھل) کے متعلق ان دونوں سے مشورہ کیا۔ اسامہ بن زید نے تو رائے دی جس سے وہ واقف تھے یعنی ان کے اہل کے بری ہونے کے متعلق (براءۃ اہلہ) اور اس محبت کے مطابق جو ان کے دل میں حضرت عائشہ اور آنحضرتؐ کی تھی انھوں نے

کہا کہ یا رسول اللہ عائشہ آپ کی بیوی ہیں اور مجھے بجز بھلائی ان کے کسی برائی کی خبر نہیں۔

اور علی ابن ابی طالب نے یہ رائے دی کہ یا رسول اللہ خدا نے آپ پر تنگی نہیں کی ہے، عائشہ کے سوا اور دوسری عورتیں بہت ہیں۔ آپ لونڈی سے پوچھئے وہ آپ کو سچی بات بتا دے گی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ کو بلوا کر پوچھا کہ بریدہ تو نے عائشہ کو کوئی ایسا فعل کرتے دیکھا ہے جس سے تجھ کو اس کی عصمت کی نسبت کوئی شبہ ہوا ہو۔ بریدہ نے کہا نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اگر میں اس کا کوئی ایسا فعل دیکھتی تو ضرور بیان کرتی۔ ان میں اس سے زیادہ کوئی عیب نہیں ہے کہ وہ ایک کم سن لڑکی ہیں گھر میں گوندھا ہوا آٹا کھلا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آٹا کھا جاتی ہے۔

پیغمبر کا عبداللہ ابن ابی سلول سے بدلہ لینے کا ارادہ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی دن کھڑے ہو گئے اور عبدالہ ابن ابی سلول سے آپ نے بدلہ لینا چاہا۔ آپ نے منبر پر فرمایا کہ اے مسلمانوں کون شخص ایسے شخص سے میرا بدلہ لے گا جس کی میرے گھر والوں کے متعلق ایذا دینے والی بات مجھ تک پہنچی ہے خدا کی قسم میں تو اپنے اہل کو نیک ہی سمجھتا ہوں اور جس شخص کے ساتھ یہ تہمت لگاتے ہیں اس کو بھی بہت اچھا آدمی سمجھتا ہوں۔ وہ شخص کبھی میرے گھر میں تنہا نہیں گیا۔

سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ میں نزاع

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ بات سنتے ہی سعد ابن معاذ اٹھ کھڑے ہوئے اور

کہنے لگے یا رسول اللہ آپ کا بدلہ میں لیتا ہوں اگر وہ ہماری قوم اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن مارتے ہیں اور اگر ہمارے بھائی خزرج کی قوم سے ہے تو آپ حکم دیجئے میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ یہ سن کو سعد ابن عبادہ کھڑے ہو گئے۔ جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور نیک آدمی تھے لیکن اس وقت ان کو قومی تعصب نے گھیر لیا اور کہنے لگے کہ اے سعد تم نے غلط بیان کیا۔ قسم ہے خدا کے بقا کی تم میری قوم سے کسی آدمی کو قتل نہیں کر سکتے۔ تم کو ان کے قتل کی قدرت نہیں ہے۔ یہ سن کر اسید ابن حضیر کھڑے ہو گئے جو سعد ابن معاذ کے چچا زاد بھائی تھے اور کہنے لگے کہ اے سعد ابن عبادہ تو نے غلط بیان کیا۔ قسم ہے خدا کے بقا کی ہم تو اس کو ضرور قتل کریں گے۔ اور تو تو منافق معلوم ہوتا ہے جب تو منافقوں کی طرف سے لڑتا ہے۔ غرضیکہ دونوں قبیلے اوس و خزرج کے لوگ کھڑے ہو گئے اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ قریب تھا کہ کشت و خوں شروع ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے بار بار ان کو سمجھا رہے تھے اور ان کا غصہ فرو کر رہے تھے حتیٰ کہ وہ سب خاموش ہو گئے اور آپ منبر سے نیچے اتر آئے۔

پیغمبرؐ کا حضرت عائشہ سے تفتیش احوال اور استفسار

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ اور جس روز سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی آج تک میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ تو جوں توں گذر گیا اور میرے مقدمہ کے متعلق کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھتے ہی تشہد پڑھا پھر آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ مجھ کو تمہاری طرف سے خبر پہنچی۔ پس اگر تم پاکدامن ہو تو پھر عنقریب خدا تمہاری پاکدامنی کو ظاہر کر دے گا۔ اور اگر تم نے کوئی گناہ کیا ہے تو خدا سے مغفرت چاہو اور توبہ کرو۔ اس لئے کہ جب بندہ اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو خدائے تعالیٰ

اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔

حضرت عائشہ کا پیغمبرؐ کی طرف سے تفتیش احوال کا جواب

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات پوری کر چکے تو میرے آنسو بالکل تھم گئے۔حتیٰ کہ ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے تو انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا جواب دوں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں ایک کمسن لڑکی تھی اور بہت قرآن بھی نہیں پڑھے تھے۔تاہم جواباً میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ لوگوں نے وہی باتیں سنی ہیں جن کا لوگ آج کل چرچا کررہے ہیں اور آپ لوگوں کے دلون میں وہ بات جم گئی ہے۔اور آپ لوگوں نے اس کو ایک سچا واقعہ باور کرلیا ہے۔پھر ایسی حالت میں اگر میں آپ لوگوں سے یہ کہوں کہ میں پاکدامن ہوں تو ہرگز آپ لوگ اس کو سچ باور نہ کریں گے اور اگر آپ لوگوں کے سامنے کسی امر کا اقرار کرلون اور خدا خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بالکل پاک ہوں تو آپ لوگ اس کو سچ باور کریں گے

آیات برآت کا نزول

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے بچھونے پر جاکر لیٹ رہی اور خدا کی قسم مجھے اس وقت یقین تھا کہ میں پاکدامن ہوں اور خدائے تعالیٰ ضروری میری پاکدامنی کو ظاہر کردیگا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ سے ہی

نہ اٹھے تھے یکا یک رسول خدا صلی الہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور آپ پر وہی کیفیت ہونے لگی جو نزول وحی کے وقت آپ پر ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد جب آپ کی وہ حالت جاتی رہی تو آپ ہنسنے لگے اور پہلی بات جو آپ نے فرمائی یہ تھی کہ اے عائشہ خوش ہو اور خدا کا شکر کر کہ خدا نے تجھ کو بیگناہ اور پاکدامن فرمایا (براک) یعنی بری قرار دیا اور خدا نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ "ان الذین جائو ا بالافک عصبة منکم" سے لے کر دس آیتوں تک۔

حضرت زینب بنت جحش سے تفتیش احوال

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے واقعہ کے متعلق زینب بنت جحش سے بھی دریافت فرمایا تھا کہ اے زینب تم کو کیا معلوم ہے اور تم نے کیا دیکھا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے کان اور آنکھ کے متعلق احتیاط کرتی ہوں اور خدا کی قسم میں عائشہ کو ایک نیک عورت سمجھتی ہوں۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ زینب بھی ایک ایسی بی بی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بی بیوں میں میرے مقابل کی تھیں خدا نے ان کو پرہیز گاری کی وجہ سے اس تہمت سے بچالیا حالانکہ ان کی بہن حمنہ بن جحش ان کی بیچ سے جھگڑتی رہی یہی وجہ ہے کہ جہاں اور تہمت لگانے والے لوگ تباہ و برباد ہوئے یہ بھی ان کے ساتھ تباہ اور برباد ہوئیں۔

یہاں تک تلخیص الصحاح کے جلد اول کے صفحہ 210 تا 217 کے اقتباسات کا ترجمہ ہے جس میں صحاح کی دوسری کتابوں سے نقل کیا گیا ہے۔

نمبر 1: یہ روایت کئی لحاظ سے جھوٹی اور من گھڑت داستان معلوم ہوتی ہے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے مدینہ آنے کے بعد 6ھ تک کوئی سفر نہیں کیا

6 ھ میں مدینہ آنے کے بعد پہلی دفعہ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے جہاں تک کفار سے جنگوں کا تعلق ہے تو جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق مدعینہ میں ہی لڑی گئیں اور کفار مدینہ پر حملہ آور ہوئے خصوصا جنگ احد اور جنگ خندق کے لئے تو سفر کرنا ہی نہیں پڑا۔ البتہ جنگ بدر کے لیے مدینہ سے نکل کر بدر کے کنویں تو ضرور گئے تھے لیکن جنگ بدر رمضان 2 ھ میں ہوئی تھی اور اس وقت تک حرم پیغمبرؐ میں صرف حضرت سودہ بنت زمعہ ہی تھیں۔ اور کوئی بیوی تھی ہی نہیں کہ قرعہ ڈالنے کی ضرورت پیش آتی کیونکہ حضرت عائشہ کی رخصتی شوال 2 ھجری میں ہوئی تھی البتہ جنگ بنی مصطلق کے لئے پیغمبر اکرم کو کچھ سفر کرنا پڑا تھا اسی لئے انہیں روایت کے گھڑنے والے نے اس واقعہ کا وقوع جنگ بنی مصطلق میں بیان کیا ہے لیکن اس جنگ میں بھی کسی بیوی کا ساتھ ہونا ثابت نہیں ہوتا سوائے اس روایت کے جس کا من گھڑت ہونا واضح اور آشکار ہے۔

نمبر 2: یہ کہ روایت احاد سے ہے

جنگ بنی مصطلق پہلی جنگ ہے جو پیغمبرؐ نے مدینہ سے دور حملہ کی خبر سن کر مریسیع کے مقام پر جا کر لڑی اس جنگ میں مسلمانوں کا اچھا خاصا لشکر شریک ہوا تھا اور صحابہ کی اچھی خاصی تعداد اس لشکر میں موجود تھی مگر کسی صحابی نے اس واقعہ کا اس جنگ سے واپسی پر واقع ہونا بیان نہیں کیا سوائے عروہ ابن زبیر کے جو اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

نمبر 3: اس روایت کے بیان کرنے کا زمانہ

اس روایت کے بیان کرنے کا زمانہ بھی اس کے من گھڑت اور جھوٹی ہونے کی دلیل ہے یہ روایت خود حضرت عائشہ کی طرف نسبت دے کر بیان کی گئی ہے کہ انھوں نے عروہ ابن زبیر سے بیان کیا جبکہ عروہ ابن زبیر جنگ بنی مصطلق کے موقع پر پیدا ہی نہیں

ہوئے تھے۔لہذا حضرت عائشہ کی طرف نسبت دے کر اس قصہ کو کم از کم اس وقت بیان کیا گیا جبکہ عروہ ابن زبیر نقل روایت کے قابل ہو گئے۔لہذا اس روایت کا ورود تقریباً اس زمانہ کا ہے جبکہ خلفائے راشدین میں سے کوئی بھی زندہ نہ تھا اور عروہ معاویہ کے دربار میں حدیث سازی کے کام پر مامور تھے۔

نمبر 4: نا قابل فہم اور مضحکہ خیز بیان

اس روایت میں حضرت عائشہ کی طرف نسبت دے کر یہ کہا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جب پیغمبر جہاد سے فارغ ہو چکے اور واپس ہوئے اور ہم لوگ مدینہ کے بہت قریب پہنچ گئے۔تو ایک دفعہ رات کو کوچ کا حکم دیا جب لوگوں نے مجھے کوچ کی خبر دی تو میں اٹھ کھڑی ہوئی اور قضائے حاجت کی غرض سے لشکر سے کسی قدر دور چلی گئی۔

یہ روایت یہ کہتی ہے کہ حضرت عائشہ جب منزل پر اترتی تھیں تو اپنے کجاوہ میں ہی رہتی تھیں یہ روایت یہ بھی کہتی ہے کہ کوچ کا یہ حکم رات کے وقت دیا گیا یہ روایت یہ بھی کہتی ہے کہ جب حضرت عائشہ کو لوگوں کی کوچ کی خبر دی تو وہ اپنے کجاوہ سے نکل کر قضائے حاجت کے لیے لشکر سے دور چلی گئیں یعنی حضرت عائشہ لشکر کے کوچ کی خبر سن کر اپنے کجاوہ سے اتریں اور قضائے حاجت کے لیے چلی گئیں یعنی ان کو یہ علم ہو گیا تھا کہ لشکر کے کوچ کا حکم ہو گیا ہے۔لہذا اگر وہ ایسے موقع پر رفع حاجت کے لیے جاتیں تو ضرور اس بات کا خیال رکھتیں کہ ملک دشمن کا ہے۔ابھی کل جنگ ہوئی ہے۔دشمن کے ہزاروں آدمی اسیر بنا کر لائے جا رہے رہیں۔اگر کوئی دوست نما دشمن یا خالص دشمن۔گرفتار کر لے یا گستاخی کرے تو رسول کی نسبت سے بات کو طول ہو جائیگا۔اس کے علاوہ راستہ میں مہاجرین و انصار کی نزاع واقع ہو چکی تھی اور سورہ منافقین کی آیتیں نازل ہو چکی تھیں سارے لشکر میں تناؤ تھا لہذا کم از کم جاتے وقت کسی سے تو یہ کہہ کر جاتیں کہ ہم رفع حاجت

کے لیے جا رہے ہیں اور لشکر کوچ کرتا رہا اور آپ رفع حاجت سے واپس آ کر پھر ہار ڈھونڈنے چلی گئیں اور اگر ہار ڈھونڈے جانا ہی تھا تو کسی کو بتا کر جاتیں کہ ہمارا گلوبند گر گیا ہے ہم تلاش کرنے جا رہے ہیں۔ ہمارا انتظار کرنا۔ پھر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اتنے بڑے لشکر میں سے کسی نے آپ کو جاتے ہوئے نہ دیکھا ہو۔ علاوہ ازیں اگر پیغمبر اپنی ازواج سے سفر کے دوران اتنے ہی بے خبر رہتے تھے تو انہیں ساتھ لے جانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اتنا بڑا لشکر سموچا گذر گیا ہو۔ اور حضرت عائشہ اس کا غلغلہ دیکھ اور سن نہ سکی ہوں کسی کالے کوسوں تو نہ گئیں ہوں گی۔ لشکر چلتا ہوا دکھائی دے رہا ہوگا۔ اور اگر آخری آدمی بھی رخصت ہو چکا ہوتو بھی سواد لشکر کی طرف دوڑنا غیر فطری نہ ہوتا اور وہ لشکر کو تھوڑی دیر میں پا جاتیں۔

نمبر 5: ایک بات نے راوی کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس راوی نے یہ روایت گھڑی اس کے دل میں یہ بات ضرور کھٹکی کہ کجاوہ اٹھانے والوں کو اس بات کا علم کیوں نہ ہوا کہ کجاوہ تو خالی ہے اور اس میں کوئی نہیں ہے۔ لہذا اس نے ایک اور مضحکہ خیز بات گھڑی اور اس نے حضرت عائشہ کی طرف نسبت دے کر یہ کہا کہ: اتنے میں وہ لوگ آ پہنچے جو میرا کجاوہ اٹھاتے تھے۔ انھوں نے میرا کجاوہ اٹھا کر میرے اونٹ پر رکھ دیا وہ یہ سمجھے کہ میں اس کجاوہ میں ہوں اور چونکہ اس وقت عورتیں دبلی پتلی ہلکی پھلکی ہوتی تھیں کوئی مشٹنڈی نہیں ہوتی تھیں۔ کیونکہ کھانا بہت تھوڑا کھاتی تھیں۔ اسی وجہ سے کجاوہ کا ہلکا ان کو غیر معمولی بات نہیں معلوم ہوئی۔ جبکہ انھوں نے اس کو اٹھا کر اونٹ پر لاد دیا۔

راوی کے دل میں یقینا یہ خیال گذرا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا کہ خالی کجاوے کو اونٹ پر لادتے وقت لادنے والوں کو یہ محسوس ہی نہ ہو کہ اس میں کوئی نہیں ہے۔ لہذا اس

نے یہ بات بنائی اور حضرت عائشہ ہی کونہیں بلکہ اس زمانہ کی ساری عورتوں کوایسا کاغذ کا بنادیا کہ جن میں اتنا بھی وزن ہو کہ کجاوہ اٹھاتے وقت اس میں کسی کے موجود ہونے یا اس کے خالی ہونے کا احساس ہو سکے۔

اس راوی نے حضرت عائشہ کی طرف نسبت دے کر ایک اور بات بنائی ہے اور وہ یہ ہے کہ "علاوہ اس کے میں ایک کم سن لڑکی تھی"

اگر چہ جدید محققین حضرت عائشہ کی شادی 17 سال کی عمر میں لکھتے ہیں جیسا کہ سابق میں بیان ہوا ہے لیکن کم از کم رخصتی کے وقت 9 سال سے کم تو کسی نے نہیں دیکھا لہذا اس حساب سے بھی حضرت عائشہ کی عمر جنگ بنی مصطلق کے موقع پر اگر 23 سال نہیں تو کم از کم پندرہ سال تو ضرور ہوتی ہے اور پندرہ سال کی ایک عرب عورت ایسی نہیں ہو سکتی کہ وہ محسوس ہی نہ کی جا سکے کہ وہ کجاوے میں ہے یا نہیں۔

نمبر 6: سعد ابن معاذ کی سعد ابن عبادہ سے تکرار کا بیان اس روایت کے من گھڑت ہونے کا ثبوت ہے

اس روایت کے جھوٹا اور من گھڑت ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل اور واضح ثبوت یہ ہے کہ اس روایت میں سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کا پیغمبر کے روبرو آپس میں جھگڑنا دکھایا ہے۔ حالانکہ سعد ابن معاذ جنگ خندق میں زہریلے تیر سے زخمی ہو گئے تھے اور جنگ بنی قریظہ میں یہود کا فیصلہ سنانے کے بعد اسی تیر کے زہر سے شہید ہو گئے تھے اور جنگ بنی مصطلق کے موقع پر ان کا اس دنیا میں وجود ہی نہیں تھا۔ اور اس مطلب کو امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری جلد پنجم ص 113 میں جنگ احزاب اور جنگ بنی قریظہ کے باب میں بیان کیا ہے۔ اور یہ بات اس روایت کے جھوٹی اور من گھڑت ہونے کی بین دلیل ہے۔

اس روایت میں ایک انتہائی قابل غور بات یہ ہے کہ راوی نے حضرت عائشہ کے منہ میں ڈال کر خود سے یہ الفاظ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسی دن کھڑے ہو گئے اور عبداللہ ابن سلول سے آپ نے بدلہ لینا چاہا۔ لیکن منبر سے آپ نے جو کچھ فرمایا اس سے صاف طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کو ابھی تک یہ علم نہیں تھا کہ اصل تہمت لگانے والا کون ہے یا کم از کم آپ نے نام لینا مناسب نہ سمجھا اور یہ فرمایا کہ "اے مسلمانوں کون شخص ایسے شخص سے میرا بدلہ لے گا جس کی میرے گھر والوں سے متعلق ایذا دینے والی بات مجھ تک پہنچی ہے۔

یعنی پیغمبر نے الزام لگانے والے کا نام نہیں لیا اور سعد ابن معاذ کے الفاظ سے تو بالکل صاف معلوم ہوتا ہے کہ الزام لگانے والا ابھی تک کسی کو معلوم نہیں تھا اسی وجہ سے سعد ابن معاذ نے یہ کہا کہ:

"یا رسول اللہ آپ کا بدلہ میں لیتا ہوں اگر وہ ہماری قوم اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن مارتے ہیں اور اگر ہمارے بھائی خزرج کی قوم سے ہے تو آپ حکم دیجیے میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ یعنی سعد ابن معاذ کو ابھی تک معلوم نہیں تھا اور نہ ہی دوسرے اصحاب کو معلوم تھا کہ وہ الزام لگانے والا کون ہے۔ درآنحالیکہ سعد ابن معاذ اس وقت دنیا میں موجود ہی نہیں تھے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد پنجم ص 113 اور تاریخ ابن خلدون لیکن اس کے اس دنیا میں موجود نہ ہونے کے باوجود سعد ابن عبادہ کے ساتھ آنحضرت کے سامنے منبر کے روبرو ایک فرضی لڑائی بنا کر کھڑی کر دی گئی۔ اس روایت میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ نے قسم کھا کر کہا:

خدا کی قسم میں تو اپنے اہل کو نیک ہی سمجھتا ہوں اور جس شخص کے ساتھ یہ تہمت لگاتے ہیں اس کو بھی بہت اچھا آدمی سمجھتا ہوں۔ وہ شخص کبھی میرے گھر میں تنہا نہیں گیا۔

اول میں شک نہیں کہ پیغمبرؐ کی ازواج پاک دامن ہوتی ہیں اور وہ ایسی باتوں

میں ملوث نہیں ہوتیں اور وہ آدمی بھی اچھا اور پاک دامن ہوگا چونکہ پیغمبر کسی کی پاک دامنی کی گواہی قسم کھا کر نہیں دے سکتے۔ لیکن اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ:

''وہ شخص کبھی تنہا میرے گھر میں نہیں گیا''

اس سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہے کہ یہ تہمت اور یہ الزام کسی جنگ سے واپسی پر نہیں لگایا گیا بلکہ اس آدمی پر لگایا گیا تھا جس کا پیغمبر اکرم (ص) کے گھر میں آنا جانا تھا۔ مگر وہ اس وقت جاتا تھا جبکہ گھر میں کوئی نہ کوئی دوسرا موجود ہو۔ اس آدمی کے پیغمبر کے گھر میں آنے جانے کی وجہ سے اس پر الزام لگایا گیا تھا لہذا جنگ سے واپسی پر جو واقعہ گھڑا گیا ہے وہ قطعی طور پر خود اس روایت کے اندر جھوٹا ثابت ہوگیا۔

7: پیغمبرؐ کی توہین اور عظمت ناموس رسالت پر دھبہ

اس روایت میں اور قرآن میں بھی اس تہمت کا واضح طور پر بیان آیا ہے اور اس قسم کی تہمت لگانے والوں کے بارے میں سورہ نور میں واضح طور پر قوانین نازل کیے گئے ہیں لیکن پیغمبرؐ نے نہ تو ان قوانین کے مطابق کسی سے گواہ مانگے اور نہ ہی ان سے اس بارے میں پوچھ گچھ کی۔ اصل الزام دینے ولوں سے دعویٰ کا ثبوت مانگنے کی بجائے پیغمبر قرآن کے نازل کردہ قانون شہادت کے برخلاف اسامہ سے پوچھتے رہے، حضرت علیؑ سے پوچھتے رہے اور یہ پوچھنا بھی تفتیش اور ثبوت کے حصول کے لئے نہیں بلکہ جدائی اختیار کرنے یا طلاق دینے کے بارے میں (فی فراق اھل) جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو یقین نہ سہی بدگمانی تو پیدا ہوگئی تھی حتیٰ کہ حضرت عائشہ کی کنیز بریرہ سے پوچھا کہ تمہیں عائشہ کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔ کیا تو نے عائشہ کو ایسا فعل کرتے دیکھا ہے اسی طرح حضرت زینب سے پوچھا کہ تمہیں کچھ معلوم ہے۔ حالانکہ اس طریقہ سے تو اس کے بارے میں پوچھا جاتا ہے جس کے کردار کے بارے میں گھر میں رہتے ہوئے عمومی طور پر بری شہرت

ہوگئی ہو جیسا کہ روایت کے اندر بھی اس قسم کا بیان ہوا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: ''وہ شخص کبھی میرے گھر کے اندر نہیں گیا''۔ حالانکہ اس قسم کی بات تو جب کی جاتی ہے جب کوئی شخص کسی کے گھر میں آتا جاتا ہوں اور اس کے بارے میں گھر کے کسی فرد کے متعلق ایسی تہمت لگائی جائے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اصل تہمت تو کسی ایسی بی بی پر ہی لگائی گئی جس کے پاس گھر میں کسی شخص کا آنا جانا تھا۔ اس تہمت کے حضرت عائشہ کی طرف مصلحتاً رخ موڑنے کے لیے، جنگ بنی مصطلق سے واپسی پر حضرت عائشہ کے بارے میں یہ افسانہ گھڑا گیا اور حضرت عائشہ کے لشکر سے بچھڑ جانے پر صفوان کے ساتھ آنے کو بیان کر کے اس پر یہ الزام لگایا گیا اور اس طرح اس روایت میں حضرت عائشہ کا فرضی افسانہ اور اس اصل بی بی پر اتہام کا واقعہ راوی سے گڈمڈ ہوگیا۔

یہ سب باتیں نہ صرف حرم پیغمبر کو بدنام کرنے بلکہ عظمت ناموس رسالت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے بنی امیہ کے دور میں گھڑی گئیں۔ تاکہ ایک طرف تو پیغمبر کی ذات اور حیثیت کو گرائیں اور ضمنی طور پر لوگوں کو حضرت علیؑ کے خلاف کر کے انھیں تبرا کرنے پر آمادہ کرسکیں۔

نمبر 8: یہ روایت عظمت ناموس رسالت اور مقام و عصمت پیغمبر کے ساتھ سازگار نہیں ہے

حضرت عائشہ کے اس من گھڑت افسانے کی یہ روایت عظمت ناموس رسالت اور مقام و عصمت پیغمبر کے ساتھ سازگار نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ بیان ہوا ہے کہ پیغمبر کو بھی اپنی زوجہ کے چال چلن پر شبہ ہوگیا تھا اور آپ اپنی زوجہ کی طرف سے ایسے بدگمان ہوئے تھے کہ اپنا طرز عمل ہی بدل لیا تھا اور اپنے اصحاب سے اپنی اس زوجہ کو محض اس بدگمانی کی بناء

پر طلاق دینے کے لیے مشورہ کررہے تھے۔

ایسے اتہام کے لئے جس کے لئے نہ کوئی دلیل اور گواہ نہیں تھا (بشرطیکہ تہمت انہیں پر لگائی گئی ہو جو بالکل غلط ہے) اپنی زوجہ کے ساتھ ایسا طرز عمل نہ صرف پیغمبر کی عظمت اور مقام نبوت کے شایان شان نہیں تھا بلکہ ایسا کرنا عام آدمی کی شان کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ کسی مسلمان کا کسی پر ایسے جھوٹی تہمت لگانے سے اپنے گھر والوں کے ساتھ اس طرح کا طرز عمل نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ سورہ نور کی آیت نمبر 12 اور 14 میں ان لوگوں کو جنہوں نے اس تہمت پر کان دھرے اور بدگمان ہونے پر عذاب کی تہدید فرمائی گئی ہے۔ تو اس بدگمانی کی وجہ سے پیغمبر بھی عذاب کی اس تہدید کے مشمول بنتے ہیں۔ علاوہ ازیں خدا نے ایسی تہمت کے بارے میں جو قوانین بیان کئے تھے پیغمبر ان کے برخلاف غلط طریقہ سے تفتیش کرتے رہے اور تہمت لگانے والوں سے چار گواہ طلب کرنے کی بجائے اسامہ سے پوچھتے رہے۔ ام المومنین حضرت زینب سے پوچھتے رہے۔ حضرت عائشہ کی کنیز سے پوچھتے رہے کہ عائشہ تمہارے نزدیک کیسی ہے کیا تم نے عائشہ کو کبھی ایسا فعل کرتے دیکھا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ غرض اس روایت میں پیغمبر کو ایک عام آدمی سے بھی گرا ہوا ظاہر کرکے دکھایا گیا ہے اور یہ بنی امیہ کا وہی کارنامہ ہے جس کے ذریعہ وہ عظمت ناموس رسالت کو پارہ پارہ کرنے پیغمبر کی ذات اور حیثیت کو گرانے اور ان کا نام نامی دفن کرنے کے لئے کوشاں رہے ہیں۔

10۔ ایک ناممکن بات

جنگ بنی مطلق سے واپسی پر مسلمہ طور پر مہاجر وانصار کے درمیان نزاع ہوا اور ایسی صورت حال پیدا ہوگئی کہ پیغمبرؐ نے ان کے ذہنوں اور دلوں سے نزاع کا خیال بھلانے کے لیے مسلسل سفر کا حکم دے دیا۔ پیغمبر غصہ سے بھرے ہوئے تھے۔ مہاجر وانصار کے

درمیان تناؤ تھا۔ آخری منزل پر عبداللہ ابن ابی صفائی پیش کرنے آیا اور کلمہ شہادتین پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلایا۔ جسے سورہ منافقین کی پہلی آیت نے جھٹلا دیا اور سورہ منافقین کی وہ آیات اسی کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جن میں اس کی تقریر کا متن ہے اور اس راستہ میں اس نے جو جو کچھ کہا تھا وہ سب کھول کر رکھ دیا گیا ہے۔ جس کے بعد عبداللہ ابن ابی بالکل رسوا ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب اس کے قتل کرانے کی خبر اس کے بیٹے نے سنی تو اس نے خود پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ پیشکش کی کہ اگر عبداللہ ابی ابی کو قتل کرانا ہے تو وہ خود یہ کام کرنے کو تیار ہے۔ جب مدینہ میں داخل ہونے کا وقت آیا تو مدینہ کے دروازہ پر اس کا بیٹا ڈٹ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنے باپ کو مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور اس سے کہا کہ جب تک پیغمبرؐ اجازت نہ دیں گے تو مدینہ میں داخل نہیں ہوگا۔ عبداللہ ابن ابی نے پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیٹے کی شکایت کی تو پیغمبر نے اس کے بیٹے سے فرمایا کہ اپنے باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو ہم بھی اس کے ساتھ اچھا برتاؤ ہی کریں گے ۔ چنانچہ اپنے وعدہ کے مطابق پیغمبر نے اس کے ساتھ اتنا اچھا برتاؤ کیا کہ بعض مسلمانوں نے اس منافق کے ساتھ اتنا اچھا برتاؤ کرنے پر پیغمبر (ص) پر اعتراض کیا۔ پیغمبرؐ نے اس کے کفن کے لیے اپنا کرتا دیا اور اس کی نماز جنازہ خود پڑھائی جس کا تفصیلی بیان دوسری جگہ آیا ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اس سفر میں عبداللہ ابن ابی نے جو کچھ کیا تھا وہ پوری تفصیل کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے سورہ منافقون میں نازل فرما دیا۔ یہاں تک کہ اتنی سی بات تک تو بیان کر دی کہ انھوں نے یہ کہا کہ: یہ وہی تو ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ رسول خدا کے پاس جو لوگ ہیں ان پر اپنا پیسہ خرچ نہ کرو تا کہ وہ بھاگ جائیں (المنافقون ۔ 7)

لیکن حضرت عائشہ پر اس تہمت کے لگانے کا کہیں اشارہ تک نہیں ہے ۔ مدینہ میں داخل ہوتے وقت بھی اس کے بیٹے نے یہ تو کہا کہ پیغمبرؐ قوم میں عزیز ہیں اور تو ذلیل ہے۔ اور یہ سورہ منافقین کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اس کے قول کو نقل کیا گیا

ہے کہ اس نے یہ کہا کہ: جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو عزت دار لوگ ذلیل ترین لوگوں کو مدینہ سے باہر نکال دیں گے اور اس سے مراد اس کی پیغمبر (ص) اور دوسرے مہاجرین تھے۔ لیکن اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ تو نے حرم پیغمبر پر تہمت لگائی ہے لہذا میں تجھے مدینہ میں داخل نہ ہونے دوں گا۔ اور پیغمبر (ص) نے بھی اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا تو کہا لیکن اس تہمت کا ارشاتاً بھی ذکر نہ کیا۔ اگر اس سفر میں اس نے حضرت عائشہ کے بارے میں اس قسم کی کوئی بیہودہ بات کہی ہوتی تو اس کا سب سے بہتر موقع یہی تھا کہ خداوند تعالی اس کی اس بات کو سورہ منافقون میں نازل فرماتا۔ اس کا بیٹا مدینہ کے دروازے پر روکنے کے وقت اس کا ذکر کرتا اور جب پیغمبرؐ سے اس نے اپنے بیٹے کی شکایت کی تو پیغمبر بھی اس کا تذکرہ کرتے۔ کسی پاکدامن بی بی پر تہمت لگانے والے پر تو سورہ نور میں عذاب عظیم کی خبر دی گئی ہے اور پیغمبرؐ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا وعدہ کر رہے ہیں۔ اس کے جنازے کی نماز پڑھ رہے ہیں۔

پس سورہ منافقون میں اس کی تقریر کا متن نازل کرنا اور جو کچھ اس نے سفر میں کیا تھا اس کا بیان کرنا اور اس تہمت کا معمولی سا ذکر بھی نہ کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اس قسم کی کوئی بات اس سفر میں ہوئی ہی نہ تھی۔

اور متن روایت میں بھی اس بات کا ذکر موجود ہے کہ یہ تہمت کسی ایسی بی بی پر لگائی گئی جس کے پاس کسی مرد کا آنا جانا تھا اور اس بی بی پر گھر میں رہتے ہوئے بدکاری کرانے کی تہمت لگائی گئی تھی۔ لہذا جنگ بنی مصطلق کے سفر میں کسی بی بی پر کوئی تہمت نہیں لگائی گئی۔

اس روایت کے گھڑنے کا سبب

ہم سابقہ صفحات میں لکھ آئے ہیں کہ اس تہمت کے بارے میں دو قسم کی روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں حضرت عائشہ پر تہمت لگانے کا بیان کیا گیا ہے اور دوسری روایت

میں حضرت ماریہ قبطیہ والدہ حضرت ابراہیم پسر پیغمبر (ص) پر تہمت کا بیان ہے۔ حضرت عائشہ پر تہمت کی داستان تفصیل کے ساتھ سابقہ اوراق میں بیان ہو چکی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک من گھڑت داستان ہے۔ جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جب یہ داستان من گھڑت ثابت ہو گئی تو دوسری بی بی پر تہمت لگایا جانا خود بخود ثابت ہو گیا۔ کیونکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ کسی پاکدامن عورت پر تہمت ضرور لگائی ہے کیونکہ اس روایت کے گھڑنے والے نہیں چاہتے تھے کہ جس پاکدامن عورت پر تہمت لگائی گئی ہے اس پر تہمت لگانے والوں کا نام رسوا ہو لہذا انھوں نے ایک تیر سے کئی شکار کئے جو یہ ہیں

نمبر 1: ان معروف اصحاب کو رسوا ہونے سے بچایا جنہوں نے حضرت ماریہ قبطیہ پر تہمت لگائی تھی اور بہتان جڑا تھا۔

نمبر 2: اپنے مخالف یعنی بنی ہاشم میں ہونے والے پیغمبرؐ کی شان اور حیثیت کو گرایا اور عظمت ناموس رسالت کو پارہ کیا اور انہیں ایک عام آدمی سے بھی پست کر کے ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

نمبر 3: حضرت علی پر تبرا کرانے کے لئے حضرت عائشہ سے عقیدت رکھنے والوں کی ہمدردیاں حاصل کیں کہ حضرت علی نے ام المومنین حضرت عائشہ کو طلاق دینے کا مشورہ دیا تا کہ حضرت عائشہ کے عقیدتمند اور طرفدار حضرت علی پر تبرا کرنے، سب کرنے اور گالیاں دینے میں کوئی قباحت محسوس نہ کریں۔

نمبر 4: سعد بن عبادہ چونکہ قبیلہ بنی خزرج کے سردار اور خلافت کے امیدوار تھے اور حضرت عمر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ان کے قتل کا اعلان کیا تھا اور بالآخر جب وہ شام چلے گئے تو ان سے وہاں پر اپنے آدمی کے ذریعہ بیعت کا مطالبہ کیا اور بالآخر انھیں قتل کرا دیا لہذا اس من گھڑت روایت کے ذریعہ انہیں سعد ابن معاذ کی زبانی جو اس وقت دنیا میں موجود نہیں تھے اور جنگ خندق میں شہید ہو چکے تھے منافق کہلوایا۔

بہر حال اس روایت کے جھوٹا ، من گھڑت جعلی اور وضعی ہونے کے خود متن روایت میں بہت سے ثبوت موجود ہیں ۔لیکن ہم اتنے بیان پر ہی اکتفا کرتے ہیں کیونکہ یہ بیان بھی بہت زیادہ طولانی ہوگیا ہے اور اس کو اتنا تفصیل کے ساتھ اس لئے لکھا گیا کیونکہ اس من گھڑت داستان کو حضرت عائشہ کے عقیدتمند اب بھی بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں ۔اور فخر اس بات پر کیا جاتا ہے کہ خدا نے قرآن میں وحی کے ذریعے اس تہمت سے برات نازل فرمائی ۔حالانکہ یہ بات تو مسلمات اسلامی سے ہے کہ نبی کی بیوی نہ تو کافرہ ہوتی ہے اور نہ ہی بدکار وزنا کار ہوتی ہے۔

اب ہم دوسری روایت کی طرف رخ کرتے ہیں جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بارے میں ہے۔

ماریہ قبطیہؓ پر تہمت کی روایت کا بیان

حضرت عائشہ پر تہمت کی داستان اوپر بیان ہو چکی اب ہم ماریہ قبطیہ پر تہمت کی روایت کا بیان کرتے ہیں جن پر ان کے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی نسبت سے تہمت لگائی گئی ۔یعنی یہ کہا گیا کہ کہ یہ پیغمبر اکرمؐ کا نہیں ہے ۔اس روایت کو سابق گورنر پنجاب چوہدری الطاف حسین صاحب نے بھی اپنی کتاب ''قصاص و دیت'' میں نقل فرمایا ہے ۔اور روزنامہ جنگ نے 9 جولائی 1994 کے سیاسی ایڈیشن میں سے شائع کیا ہے ۔جس کا عنوان ہے ''شاتم رسول کا قتل واجب ہے: اور اس کا ذیلی عنوان ہے ۔حضرت علی کا ماریہ کے چچازاد بھائی کے قتل کے لئے بھیجا جانا۔

اس ذیلی عنوان کے لکھی گئی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: ''کتاب ابن سکن ''اور کتاب ''ابن ابی خشیمہ'' میں ہے کہ حضرت ماریہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے بیٹے حضرت ابراہیم کی والدہ کو ان کے چچازاد بھائی کے ساتھ متہم کیا جاتا تھا۔آپ نے حضرت

علیؑ کو بھیجا کہ اگر ماریہ کے پاس جائیں تو قتل کر ڈالیں۔ آپ وہاں پہنچے تو وہ کنویں میں نہا رہا تھا۔ آپ نے اسے باہر نکلنے کو کہا جب اسے ہاتھ پکڑ کر باہر نکالا گیا تو اسے مجبوب پایا۔ یعنی اس کا آلہ تناسل نہیں تھا۔ حضرت علی اسے کچھ کہے بغیر واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے اور آپ کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا۔ ثابت البنانی نے حضرت انس سے یہ روایت بیان کی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ وہ نخلستان میں کھجوریں اکٹھی کر رہا تھا اور کپڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس نے لپیٹ رکھا تھا۔ تلوار دیکھتے ہی وہ کانپنے لگا اور اس کا وہ کپڑے کا ٹکڑا اتر گیا جس سے یہ معلوم ہوا کہ اس کا آلہ تناسل نہیں ہے۔

سابق گورنر پنجاب چوہدری الطاف حسین صاحب نے اپنی کتاب ''قصاص و دیت'' میں اس روایت کو حضرت انس سے مروی بیان کیا ہے جو پیغمبر اکرم (ص) کے معروف صحابی تھے۔

یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ بادشاہ مصر نے قبطیوں کی قوم سے جس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا انتخاب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں بطور ہدیہ وتحفہ بھیجا تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ ہدیہ یا تحفہ میں کسی رانڈ، روڈھی اور بیوہ یا مطلقہ کو نہیں بھیج سکتا تھا لہذا وہ حتماً و یقیناً کنواری تھیں اور خدا نے بھی سورہ احزاب میں ان کے کنواری ہونے کی گواہی دی ہے اور چونکہ عام طور پر بادشاہوں کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے حرم کے اندر کام کاج کے لیے ایسے لوگوں کو بھیجا کرتے تھے جو مخنث ہوتے تھے اور عرف عام میں خواجہ سرا کہلاتے تھے لہذا بادشاہ مصر نے بھی حضرت ماریہ قبطیہ کی حفاظت و دیکھ بھال اور راستہ میں کام کاج اور دیگر خدمات انجام دینے کے لیے ایک خواجہ سرا کو ساتھ بھیجا تھا۔ جو حضرت ماریہ کا چچا زاد بھی تھا جس کا نام ابن شریح تھا اور اس کی اطلاع اس نے پیغمبر (ص) کو اس خط میں دے دی تھی جس میں اس نے حضرت ماریہ قبطیہ کے محاسن لکھے تھے۔ چونکہ حضرت ماریہ قبطیہ اثناء سفر میں صحابی رسول حضرت حاطب ابن

بلتعہ سے عقائد اسلام معلوم کر کے مسلمان ہوگئیں تھیں لہذا پیغمبرآن کو ہرگز ہرگز کنیزی میں نہیں رکھ سکتے تھے کیونکہ پیغمبر (ص) نے تو حضرت ریحانہ کو حضرت جویریہ کو اور حضرت صفیہ بنت حیّ ابن اخطب کو بھی کنیزی میں نہیں رکھا تھا جو بنی قریظہ، جنگ بنی مصطلق اور جنگ خیبر کے بعد پیغمبر کے حصہ میں کنیزی میں ہی آئی تھیں۔ لیکن پیغمبر نے انہیں بھی آزاد کر کے اختیار دیا کہ چاہے اپنے خاندان میں واپس چلی جائیں۔ اور چاہے حضور سے نکاح کر لیں۔ لیکن انھوں نے واپس جانے کی بجائے اسلام قبول کر کے آنحضرت (ص) سے نکاح کو ترجیح دی۔ تو حضرت ماریہ قبطیہ تو اثنائے راہ میں اسلام قبول کر چکی تھیں۔ وہ مال غنیمت میں کنیزی کی حیثیت سے بھی نہیں آئی تھیں اور اس کی تفصیل آئندہ چل کر اپنے مقام پر آئے گی۔ یہاں پر اتنا جان لینا کافی ہے کہ پیغمبر (ص) نے حتماً ان سے شادی کی اور خدا نے انہیں ”ازواجاً خیر منکن“ کی سند عطا کی یعنی پیغمبرؐ کی پہلے سے موجود بیویوں سے بہتر بیوی۔ لیکن پیغمبرؐ کی پہلے سے موجود بیویوں میں سے بعض کے طرفدار حضرت ماریہ قبطیہ کو پیغمبرؐ کی ازواج میں شمار ہی نہیں کرتے اور انہیں کنیز ہی کہنے پر مصر دکھائی دیتے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ حضرت ماریہ قبطیہ پر تہمت لگانے والوں کی طرفداری کا حق ادا کر رہے ہیں۔

تاریخوں سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ماریہ 7ھ میں جنگ خیبر کے بعد حضرت حاطب ابن بلتعہ کے ساتھ آئی تھیں۔ جنہیں پیغمبر اکرم (ص) نے بادشاہ مصر کے پاس اپنا تبلیغی خط دے کر بھیجا تھا لہذا مسلمہ طور پر پیغمبر اکرم (ص) نے یہ عقد اس وقت فرمایا تھا جبکہ پردہ کا حکم نافذ ہو چکا تھا۔ مگر چونکہ پیغمبر اکرم (ص) کو یہ علم تھا کہ ابن جریج خواجہ سرا ہے لہذا اسے کام کاج کے لیے حضرت ماریہ کے حجرہ میں آنے جانے کی اجازت تھی۔ پیغمبر (ص) کا یہ علم ضروری نہیں ہے کہ علم نبوت کی بناء پر ہو یا وحی کے ذریعہ سے ہو۔ بلکہ جس بادشاہ نے حضرت ماریہ کی یہ تعریفیں لکھی تھیں کہ وہ اپنی قوم قبط میں اپنی مثال آپ

ہیں وہاں اس شخص کے بارے میں بھی، جسے اس نے حضرت ماریہ کی خدمت اور کام کاج کے لیے ساتھ کیا تھا۔ ضرور آگاہ کیا تھا کہ یہ خواجہ سرا ہے۔ اگر پیغمبر کو اس بات کا علم نہ ہوتا تو پیغمبرؐ ہرگز اس بات کی اجازت نہ دیتے کہ ابن جریح حضرت ماریہ کے حجرے میں کام کاج کے لئے آتے جاتے جبکہ پردے کا حکم نافذ ہو چکا تھا۔ دوسرے پہلی روایت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ شخص کبھی میرے گھر میں تنہا نہیں گیا" دراصل ماریہ والی روایت کا حصہ ہے۔

اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ پیغمبر (ص) نے حضرت خدیجہؑ کے بعد جتنی بھی عورتوں سے شادی کی ان میں سے کسی کے بھی اولاد نہیں ہوئی۔ گو ان میں سے ایک دو کے سوا سب ہی جوان تھیں اور حضرت عائشہ تو بالکل نوجوان اور کنواری تھیں لہذا ان حالات میں حضرت ماریہ کے بطن سے پیغمبر اکرم (ص) کے ایک فرزند حضرت ابراہیم کا پیدا ہونا بہت سے افراد کے ذہنوں میں ایک تہلکہ مچانے کا یقینی طور پر سبب بنا۔ پھر پیغمبر (ص) اس وقت نبی و رسول ہادی خلق اور دینی رہنما ہونے کے علاوہ ایک دنیاوی اور ظاہری حکومت کے فرمانروا بھی بن چکے تھے۔ اور اس وقت کے قدیمی دستور کے مطابق بیٹا ہی باپ کا جانشین ہوتا تھا۔ لہذا کفار قریش جو پیغمبر (ص) کے ابتر یعنی بے اولاد ہونے پر خوش ہوا کرتے تھے اسلام لانے کے بعد بھی بے اولاد ہونے پر خوش تھے۔ لہذا اولاد نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں نے جو پیغمبرؐ کے بعد ہر صورت میں پیغمبر کی سلطنت پر قبضہ کرنے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ حضرت ابراہیم کے پیدا ہونے کے بعد انہیں سخت دھچکا لگا۔ لہذا ان حالات میں ایسے افراد کی طرف سے حضرت ماریہ قبطیہ پر تہمت لگانا ایک فطری سی بات تھی اس تہمت میں صرف ماریہ قبطیہ ہی کو بدنام کرنے اور اذیت پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ خود پیغمبر (ص) کو بھی ایک طرح سے سخت اذیت پہنچائی کہ پیغمبر (ص) تو اتنے بوڑھے ہو چکے تھے کہ وہ اس قابل نہیں رہے کہ ان کے اولاد ہو سکے۔ جیسا کہ طبعی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بوڑھے ہو جانے کے بعد اولاد نہیں ہو سکتی۔ پیغمبر اکرم (ص) اگر بڑھاپے

کی حدود کو تو چھونے لگے تھے مگر اتنے بھی بوڑھے نہیں ہوئے تھے آپ کے اولاد ہی نہ ہو سکے اور جب خدا کسی کو اولاد دینے پر آئے تو حضرت ابراہیم اور حضرت ذکریا کو سو سال سے اوپر ہو جانے پر اولاد عطا کر دے ملاحظہ ہو سورہ ھود کی آیت نمبر 72 اور سورہ مریم کی آیت نمبر 8 حالانکہ خود ان کو اور ان کی بیویوں کو اس عمر میں فرزند ہونے پر تعجب ہوا۔ اور پیغمبر (ص) کی بیویاں بھی اتنی بوڑھی نہیں تھیں بلکہ کچھ جوان اور کچھ نوجوان بلکہ کنواری تھیں۔ اور پیغمبر نے حضرت خدیجہ کے بعد جتنی بھی شادیاں کیں ان میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی لہذا اگر ان میں کسی نے یہ قیاس کر لیا ہو یا ان کے رشتہ داروں میں سے کسی نے یہ سوچا ہو کہ جب پیغمبرؐ کے حضرت خدیجہ کے بعد کسی بھی بیوی سے اولاد نہیں ہوئی تو ضرور پیغمبر بڑھاپے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہے کہ ان کے اولاد ہو سکے۔ لہذا جب ماریہ قبطیہ سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو اس طرح سے قیاس کرنے والوں نے یہ قیاس کیا کہ یہ پیغمبرؐ کا نہیں ہو سکتا اور ضرور ابن جریح کا ہے جو پیغمبر کے گھر میں کام کاج کے لیے آتا جاتا ہے۔ اور وہ حضرت ماریہ کا عزیز اور ان کی قوم سے بھی ہے۔ لہذا اس تہمت میں پیغمبر اکرم (ص) کو کئی طرح سے اذیت پہنچائی گئی۔

نمبر 1: ایک اذیت پیغمبر کے اس قابل نہ ہونے کی کہ ان کے اولاد ہو سکے۔

نمبر 2: دوسری اذیت حرم پیغمبر حضرت ماریہ قبطیہ پر زنا کی تہمت کی۔

نمبر 3: تیسری اذیت فرزند رسول حضرت ابراہیم کے حرامزادہ قرار دینے کی تاکہ اسے پیغمبر کی سلطنت میں ان کا جانشین نہ بننے دیا جائے اور اسی لئے پیغمبر (ص) کو سورہ مزمل میں مثل موسیٰ قرار دیا ہے۔ ایسی ہی ایک اذیت حضرت موسیٰؑ کو ان کے اصحاب نے پہنچائی تھی جس کا ذکر خدا نے قرآن میں مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہوئے اس طرح کیا ہے۔

"یا ایھا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین آذو موسیٰ فبراہ اللہ بما قالو و کان عندا للہ وجیھاً" (الاحزاب۔69)

یعنی اے ایمان لانے والو تم ان لوگوں کی مانند نہ بنو جنہوں نے موسیٰ کو ایذا دی تھی پھر جو کچھ وہ لوگ موسیٰ کو کہا کرتے تھے اللہ نے ان کو اس سے بری کر دیا اور موسیٰ اللہ کے نزدیک عزت دار تھے۔

اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم میرے پیغمبر کو اس طرح سے ایذا نہ پہنچاؤ جس طرح بنی اسرائیل موسیٰ کو پہنچاتے تھے۔ اور جو کچھ وہ موسیٰ کے بارے میں کہا کرتے تھے وہ تم میرے حبیب کے بارے میں نہ کہو۔ "لما قالوا" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کو وہ ایذا ان الفاظ سے پہنچتی تھی جو بنی اسرائیل ان کے بارے میں کہتے تھے۔

حضرت موسیٰ کو ایذا پہنچانے والی بات کے بارے میں کئی اقوال ہیں:

نمبر 1: یہ کہ انھوں نے حضرت ہارونؑ کو قتل کر دیا تھا خدا نے ان کو اس سے بری قرار دیا۔

نمبر 2: یہ کہ ان کے بدن میں کچھ عیب ہے جیسا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں لکھا ہے کہ:

"صحیحین میں ہے کہ حضرت موسیٰ حیا کی وجہ سے ابنائے زمانہ کے دستور کے خلاف چھپ کر غسل کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ ان کے بدن میں کچھ عیب ہے۔ برص کا داغ یا خصیہ پھولا ہوا ہے۔ ایک روز موسیٰ اکیلے نہانے لگے۔ کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیئے وہ کپڑے لے کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ عصا لے کر اس کے پیچھے دوڑے جہاں سب نے برہنہ دیکھ کر معلوم کر لیا کہ وہ بے عیب ہیں"

تفسیر عثمانی ص 553 سورہ احزاب

نمبر 3: یہ کہ چونکہ حضرت موسیٰ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی لہذا وہ حضرت موسیٰ کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ اس کے مردوالی علامت نہیں ہے۔

لہذا خدا نے اس پتھر والی روایت کے مطابق بنی اسرائیل کو موسیٰؑ میں مردوں والی علامت دکھادی۔ اور اسطرح موسیٰ کو ان کی باتوں سے بری کر دیا۔

اب خدا کہہ رہا ہے کہ تم میرے حبیب کو اس طرح سے ایذا نہ دو جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ کو اذیت دی تھی۔ اور یہ بات واضح ہے کہ پیغمبر (ص) پر کسی کے قتل کا الزام عائد نہیں کیا گیا۔ اور نہ پیغمبرؐ کے بدن میں کوئی عیب تھا اور چونکہ پیغمبر اکرم صلعم کے حضرت خدیجہ سے کئی اولادیں ہو چکی تھیں لہذا کوئی بھی آنحضرت کو یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان کے مردوں والی علامت نہیں تھی۔ البتہ چونکہ حضرت خدیجہ کے بعد پیغمبر (ص) نے جتنی شادیاں کیں ان میں سے کسی کے اولاد نہ ہوئی اور پیغمبر بوڑھاپے کی حدود میں داخل ہو چکے تھے لہذا کوئی بھی یہ قیاس تو کر سکتا تھا کہ اب جو ماریہ قبطیہ سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے ہیں یہ ان کے نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ ابن جریج قبطی کا فرزند ہے جو ہر وقت پیغمبر (ص) کے گھر میں آتا جاتا ہے۔ اور ماریہ قبطیہ پر تہمت اسی کی نسبت لگائی گئی۔ اور اسی لئے حضرت عائشہ کی تہمت والی روایت میں آنحضرت (ص) کی طرف منسوب اس بات کو ملا دیا گیا ہے کہ آپ (ص) نے قسم کھا کر کہا کہ "وہ شخص کبھی میرے گھر میں تنہا نہیں گیا"۔ یعنی فی الحقیقت یہ تہمت اس بی بی پر لگائی گئی تھی جس کے گھر میں کسی کا آنا جانا تھا۔

اب ہم سورہ نور کی ان آیات میں غور کرتے ہیں جو افک کے بارے میں نازل ہوئیں۔ خداوند تعالیٰ سورہ نور میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"ان الذین جائوا بالافک عصبة منکم (النور۔11)

"یعنی بیشک جن لوگوں نے تہمت لگائی ہے وہ تم ہی میں سے ایک طاقتور ہم خیال لوگوں کا گروہ ہے"۔

خداوند تعالیٰ کا یہ خطاب اہل ایمان سے ہے اور اس آیت میں "ان" کے ذریعہ رفع شک اور اثبات یقین کا زور "افک" پر نہیں ہے بلکہ "عصبة منکم" پر ہے، یعنی تہمت لگانے والے تمہیں میں سے ایک ہم خیال طاقتور گروہ ہے۔

راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں عصبة کے معنی اس طرح لکھے ہیں

" العصبة'' وہ جماعت جس کے افراد ایک دوسرے کے حامی اور مددگار ہوں قرآن کریم میں یہ لفظ حضرت یوسف کے بھائیوں کے بارے میں اس طرح سے آیا ہے۔

"اذ قالوا لیوسف و اخوہ الیٰ ابینا منا و نحن عصبۃ ء انا ابا نالفی ضلال بعید'' (یوسف۔8)

اس وقت کو یاد کرو جبکہ وہ (سب بھائی) کہنے لگے کہ یقیناً یوسف اور اس کا حقیقی بھائی ہماری بہ نسبت ہمارے باپ کو سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ اور ہم ایک مضبوط گروہ ہیں۔ بیشک ہمارے باپ کھلی گمراہی میں ہیں۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی نہ تو کافر تھے نہ منافق تھے بلکہ وہ سب کے سب مسلمان تھے۔ البتہ وہ ایک خاص منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سب کے سب ہم فکر و ہم خیال تھے۔ اور اپنے مشن کی تکمیل کے لئے سب کے سب ایک دوسرے کے حامی و مددگار تھے۔ پس عصبۃ کے معنی ہم فکر و ہم خیال لوگوں کا ایک ایسا گروہ جو اپنے مشن اور اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے ایک دوسرے کا حامی اور مددگار ہو۔

اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ پیغمبرؐ کے آخری ایام میں ایک مضبوط سیاسی قسم کی جماعت معرض وجود میں آ گئی تھی جو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے اپنے منصوبے پر عمل کر رہی تھی۔ خداوند تعالیٰ پیغمبر (ص) کو اس طرح سے توبری قرار نہیں دلا سکتا تھا جس طرح موسیٰ کی برائت تھی، کیونکہ سب مانتے تھے کہ پیغمبر کے حضرت خدیجہ سے کوئی اولادیں ہو چکی ہیں البتہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ابراہیم حضرت پیغمبر صلعم ہی کے فرزند ہیں اس کی علامت دکھانے کی ضرورت تھی جس کی طرف نسبت دے کر یہ تہمت لگائی گئی تھی کہ اس کے تو وہ علامت ہی نہیں ہے جو مردوں میں ہوتی ہے۔ لہذا یہ بات اس طرح ظاہر کرائی کہ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو بھیجا کہ "اگر وہ حضرت ماریہ کے پاس موجود ہوں تو انہیں قتل کردو''

چونکہ پیغمبرؐ قسم کھا کر یہ کہہ چکے تھے کہ "وہ شخص کبھی میرے گھر میں تنہا نہیں گیا"
(تلخیص الصحاح)

اس بناء پر مشروط حکم دیا: کہ اگر وہ حضرت ماریہ کے پاس موجود ہوں تو انہیں قتل کردو ۔ یہ حکم لفظ اگر کے ساتھ مشروط تھا۔ یعنی اگر وہ ماریہ قبطیہ کے پاس نہ ہو تو پھر یہ حکم لاگو نہیں ہوسکتا تھا۔ اور روایت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ابن جریح حضرت ماریہ کے پاس نہیں تھے بلکہ ایک روایت کے مطابق نہار ہا تھا اور دوسری روایت کے مطابق وہ نخلستان میں کھجوریں چگ رہا تھا۔ لہذا دونوں صورتوں میں انہیں قتل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس سے پیغمبرؐ ایک تو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ وہ کبھی تنہائی میں اندر نہیں ہوتا دوسرے حضرت علی کے وہاں جانے پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ کہ اس کے وہ علامت ہی نہیں ہے جو مردوں کے ہوتی ہے۔ لہذا حضرت علی نے واپس آ کر اصحاب پیغمبر کے سامنے صورت حال بیان کی کہ اس کے تو وہ علامت ہی نہیں ہے جو مردوں کے ہوتی ہے اور اصحاب پیغمبرؐ میں سے انس نے سن کر اس روایت کو آگے بیان کیا اور اس طرح نہ صرف پیغمبر (ص) کے بارے میں یہ خیال غلط ثابت ہوگیا کہ کہ اب پیغمبر (ص) کے اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ بلکہ حضرت ماریہ قبطیہ پر جو تہمت لگائی گئی تھی اس کی بھی واضح طور پر تکذیب ہوگئی ۔ اور حضرت ابراہیم کے بارے میں بھی اب کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہ گئی کہ یہ پیغمبرؐ کا فرزند نہیں ہے۔

یہ بات بھی مدنظر رہے کہ اگر پیغمبرؐ خود سے یہ کہتے کہ اس کے تو وہ علامت ہی نہیں ہے جو مردوں کے ہوتی ہے اور اس کے ثبوت میں آنحضرت اس کا ستر کھول کر دکھاتے تو یہ بات پیغمبرؐ کی شان کے خلاف ہوتی۔ لہذا مشروط طور پر حکم دے کر ایسی ترکیب نکالی کہ بات بھی ظاہر ہو جائے اور پیغمبرؐ کی شان میں بھی فرق نہ آئے۔

بعض مفسرین نے حضرت ماریہ کے واقعہ میں اس بناء پر شک کا اظہار کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ بلا تفتیش اور جرم ثابت ہوئے بغیر حضرت علی کو ابن جریح کے قتل کا حکم نہیں دے

سکتے تھے۔لیکن انھوں نے اس نکتہ پر غور نہیں کیا کہ یہ حکم بھی تفتیش احوال اور تحقیق کے طور پر ہی تھا۔لہذا پیغمبر کی طرف سے ابن جریج کو تفتیش کے بغیر قتل کا حکم دینے کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔کیونکہ پیغمبرؐ نے قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ ''وہ شخص کبھی تنہا میرے گھر میں نہیں گیا''۔لہذا یہ حکم ہی مشروط طور پر دیا تھا کہ اگر وہ ماریہ کے پاس ہو تو قتل کر دو۔پس سورہ نور کی آیات اور روایت میں مذکورہ الفاظ اور دیگر حالات و واقعات اور تہمت لگانے کی غرض و غایت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماریہ قبطیہؓ پر تہمت لگانے کی روایت ہی صحیح ہے اور اسمیں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس سے یہ کہا جا سکے کہ ماریہ قبطیہ کے بارے میں تہمت والی روایت صحیح نہیں ہے اور حضرت عائشہ پر تہمت والی روایت میں بے شمار باتیں ایسی ہیں جن میں سے ہر ایک ایسی ہے جو حضرت عائشہ پر تہمت والی روایت کے من گھڑت جعلی اور وضعی ہونے کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔اب ہم واقعہ افک کی تحقیق و تفتیش کا بیان یہیں پر ختم کرتے ہیں اور اس سے آگے صلح حدیبیہ کا بیان کرتے ہیں۔

صلح حدیبیہ کا بیان

مورخ شہیر ابن خلدون ''صلح حدیبیہ'' باب 6 میں ''مکہ کو روانگی'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''غزوہ بنی مصطلق کے دو مہینہ بعد ماہ ذی قعدہ 6ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقصد عمرہ وادائے حج مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے۔مہاجرین وانصار (رضی اللہ عنہم) کا ایک گروہ آپ کے ہمراہ تھا۔آپ کے ہمرائیوں کی تعداد تیرہ سو اور پندرہ سو کے درمیان تھی۔اگر چہ اس امر کے اظہار کے لئے کہ آپ جنگ کے قصد سے مکہ روانہ نہیں ہوئے آپ نے اپنی روانگی سے پہلے قربانی کے جانوروں کو آگے روانہ کر دیا تھا اور مدینہ سے احرام باندھ لیا تھا۔لیکن اہل قریش اسکے باوجود خبر پاتے ہی آپ سے لڑنے اور بیت اللہ

کی زیارت سے روکنے پر تل گئے'' تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص 133

حدیبیہ میں نزول اجلال

جب قریش نے پیغمبرؐ کا راستہ روکنے کی کوشش تو پیغمبرؐ نے وہ راستہ تبدیل کر دیا اور ایک دوسرے راستہ سے ہوتے ہوئے حدیبیہ میں، جو کہ مکہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا، اتر پڑے۔

قریش کی سفارت پیغمبرؐ کے پاس

قریش کو جب آنحضرت (ص) کے حدیبیہ میں اترنے کی اطلاع ملی تو انھوں نے بدیل ابن ورقا خزاعی کو بنی خزاعہ کے چند آدمیوں کے ساتھ پیغمبر (ص) کے پاس بھیجا۔ اور آنحضرت (ص) کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کی۔

آنحضرت (ص) نے فرمایا کہ ہم خانہ کعبہ کا طواف اور مراسم زیارت بجالانے کے لئے آئے ہیں۔ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے اور نہ ہی ہم جنگ کریں گے۔

بدیل نے پلٹ کر آنحضرت (ص) کا پیغام قریش کو پہنچایا۔ قریش نے کہا یہ مانا کہ ان کا ارادہ جنگ کا نہیں ہے مگر پھر بھی ہم انہیں حدود مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ بدیل ابن ورقا کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی قریش کی طرف سے پیغمبر (ص) کی صلح پسند گفتگو سے بہت متاثر ہوا اور اس نے پلٹ کر قریش سے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ انہیں عمرہ اور طواف سے نہ روکیں۔ مگر قریش اپنی ضد پر اڑے رہے۔ عروہ ابن مسعود کے بعد جلیس ابن علقمہ قریش کی سفارت پر روانہ ہوا مگر جب اس نے قربانی کے اونٹوں کو بلبلانے اور لبیک اللھم لبیک کی آوازیں سنیں تو اس سے پلٹ آیا اور قریش سے کہا کہ ان لوگوں کو طواف اور زیارت سے روکنا زیادتی ہے۔ مگر قریش ٹس سے مس نہ ہوئے۔ جلیس نے جب ان کی ضد اور ہٹ

دھری دیکھی تو اس نے کہا " اے گروہ قریش ہم تمہارے حلیف سہی مگر ہم نے اس بات پر تم سے عہد و پیمان نہیں باندھا تھا کہ جو خانہ کعبہ کے مراسم تعظیم بجالانے کے لئے آئے تم اسے روکو اور آنے سے منع کرو"

سیرۃ امیر المومنین ص 246

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 272

پیغمبرؐ کی سفارت قریش کے پاس

جب قریش کی سفارتوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو آنحضرت نے خراش ابن امیہ خزاعی کو قریش کے پاس بھیجا تاکہ انہیں اطمینان دلائیں کہ پیغمبرؐ کا مقصد جنگ نہیں ہے۔ بلکہ عمرہ اور زیارت کعبہ ہے مگر قریش نے ان کی بات نہ مانی۔

خراش کے بعد آنحضرت نے عمر کو جانے کا حکم دیا مگر حضرت عمر نے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہوئے کہا:

" مکہ میں میرے قبیلہ بنی عدی میں کوئی ایسا فرد نہیں ہے جو میرے حفاظت کا ذمہ لے اور قریش سے میری عداوت اور ان کے خلاف میری سختی اور تشدد پسندی ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے۔ مجھے ان سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ آپ عثمان کو بھیج دیجئے۔ وہ مجھ سے زیادہ بااثر ہیں۔

سیرۃ امیر المومنین ص 247

بحوالہ تاریخ کامل جلد 2 ص 138

حضرت عمر کے معذرت کر لینے کے بعد پیغمبر (ص) نے حضرت عثمان کو دس مہاجرین کے ہمراہ قریش کے پاس روانہ کیا۔ ان لوگوں نے قریش کو پیغمبرؐ کا پیغام پہنچایا مگر قریش نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور انہیں واپس بھیجنے کے بجائے اپنے ہاں روک لیا۔ ان لوگوں کے مکہ روک لئے جانے سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان اور دوسرے مہاجرین قتل کر دیئے گئے۔

بیعت رضوان اور اس کی ضرورت

چونکہ یہ لوگ پیغمبر اکرم (ص) کی طرف سے بسلسلہ سفارت بھیجے گئے تھے اور سفیروں کا قتل بین الاقوامی آئین کے خلاف تھا۔اس لئے اس غیر آئینی قتل پر مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور کہنے لگے کہ ہم اس قتل کا بدلہ لئے بغیر مدینہ واپس نہیں ہوں گے۔

اگر چہ پیغمبرؐ کو مسلمانوں سے اس موقع پر بیعت لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ مسلمانوں پر ہر صورت میں پیغمبر (ص) کی اطاعت واجب تھی لیکن اس سے پہلے کی جنگوں میں جو مدینہ میں ہی رہتے ہوئے لڑی گئی تھیں مسلمانوں کی حالت آپ جنگ بدر میں قران کی سند کی رو سے "وھم کارھون" کا منظر دیکھ چکے تھے یعنی وہ بدری مجاہدین کفار قریش سے لڑنا پسند نہیں کرتے تھے اور سچی خبر سن کر پیغمبر سے ہی جھگڑنے لگ گئے تھے اور جنگ احد میں "واذ تصعدون ولا تلون علیٰ احد" یعنی جب مسلمان بھاگتے ہوئے پہاڑ پر چلے جارہے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے" کا مشاہدہ کر چکے تھے اور جنگ خندق میں "کالذی یغشی علیه من الموت" (یعنی مسلمانوں کی یہ حالت تھی جیسے کہ ان پر موت کی غشی طاری ہو) کی حالت دیکھ چکے تھے اور ابھی ابھی حضرت عمر کا جواب سن چکے تھے کہ ان کو محض سفارت کے لئے بھیجنے کا حکم دیا تھا مگر اپنی جان کے موہوم خطرہ کے پیش نظر پیغمبرؐ کے حکم کے باوجود نہ گئے۔لہذا اب جو آنحضرت (ص) نے مسلمانوں کو بدلہ لینے کے لئے جنگ پر مصر دیکھا تو اس خیال سے کہیں یہ وقتی وہنگامی جوش اور ولولہ نہ ہو اور جن کو اپنی جان اتنی پیاری ہو کہ پیغمبرؐ کے حکم سے محض سفارت کے طور پر جانے سے بھی انکار کردیں۔یہ کہیں وقت پڑنے پر پہلے کی طرح اپنی جانیں بچانے کے لیے راہ فرار ہی اختیار نہ کر جائیں انہیں ایک ببول کے درخت کے نیچے جمع کیا اور ان سے اس امر پر بیعت لی کہ وہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں میدان سے راہ فرار اختیار نہ کریں

گے اور پورے ثبات قدم کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ جابر ابن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ: "بايعنا رسول الله على ان لا نفر "

"ہم سے رسول اللہ (ص) نے اس بات پر بیعت لی کہ ہم راہ فرار اختیار نہ کرینگے۔

سیرۃ امیر المومنین ص 248

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 279

حالانکہ جہاد فرض ہونے کے ساتھ خداوند تعالی نے یہ دستور العمل دے دیا تھا کہ جب کفار کے ساتھ تمہاری مڈبھڑ ہو تو جم کر لڑنا اور پیٹھ نہ پھیرنا اور پیٹھ پھرانے کی صورت میں عذاب کی وعید بھی تھی مگر چونکہ اصحاب پیغمبر پہلی جنگوں میں پیغمبرؐ کو تنہا میدان میں کھڑا ہوا چھوڑ کر فرار کرتے رہے تھے لہذا پیغمبرؐ نے مسلمانوں کا جوش و ولولہ دیکھ کر اور موقع و محل کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے اس امر کی بیعت لینا ضروری سمجھا۔ اس بیعت کی تکمیل کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان اور دوسرے مہاجرین کے قتل کیے جانے کی خبر غلط تھی اور قبل اس کے کہ جنگ کی نوبت آئے وہ سب صحیح وسالم واپس آ گئے۔ لہذا اس موقع پر اس بیعت کا بھرم رہ گیا۔ ورنہ جن کو جان پیاری ہو وہ جان کے خطرہ کے مقام پر کب تھما کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی بیعت کرنے والے تھے جو پہلے جنگ خیبر میں بھاگے پھر جنگ حنین میں پیغمبرؐ کو تنہا چھوڑ کر میدان سے فرار ہو گئے اور پیغمبر (ص) حضرت عباس کے ذریعہ آوازیں دلا رہے تھے "يا اصحاب الشجره " اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کہاں بھاگے جا رہے ہو۔

چونکہ پیغمبرؐ نے یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی تھی لہذا اس بیعت کو بیعت شجرہ کہتے ہیں۔ اور چونکہ یہ بیعت سب مسلمانوں نے کی تھی انھوں نے بھی جن کو جان بہت پیاری تھی جو کسی جنگ میں نہیں تھمے اور آئندہ بھی اپنی اس عادت پر قائم رہے اور انھوں نے بھی بیعت کی جو میدان جنگ میں جم کر لڑتے رہے اور کبھی راہ فرار اختیار نہیں کی، لہذا

خداوند تعالیٰ نے اس بیعت پر اپنی رضا و خوشنودی کا اظہار کیا تھا لہذا اس بیعت کو بیعت رضوان بھی کہتے ہیں۔ اور چونکہ ان بیعت کرنے والوں میں وہ لوگ شامل تھے جنہیں خدا نے جنگ بدر میں تریدون عرض الدنیا کہہ کر دنیا کے طلبگاروں میں قرار دیا تھا اور جنگ احد میں منکم من یرید الدنیا کے ذریعہ دنیا کے طلبگار کہا تھا۔ لہذا ان کو دنیا میں ہی اجر دینے کے لئے خیبر کی فتح کے ذریعہ بہت زیادہ مال غنیمت کی خوشخبری دے دی۔

بیعت رضوان کا اثر

اس طرف تو حضرت عثمان اور دوسرے مہاجرین کے واپس آجانے کے بعد مسلمانوں کے جذبات میں ٹھہراؤ آگیا۔ اور جنگی ولولے سرد پڑ گئے۔ اور دوسری طرف چونکہ مشرکین قریش بھی لڑائی کے حق میں نہ تھے، بلکہ وہ صرف اپنی بات کو بالا دیکھنا چاہتے تھے تاکہ قبائل عرب پر ان کی دھاک جمی رہے ان پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے حویطب اور سہیل ابن عمرو کو صلح کی گفتگو کے لیے بھیجا۔

پیغمبر اکرم صلعم بھی امن پسند اور مجبوری کے علاوہ جنگ کے روادار نہیں تھے۔ انھوں نے اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور صلح کی بات چیت کے لیے حضرت علی کو مقرر فرمایا طبری نے اس بات کو اس طرح سے لکھا ہے:

" ان قریشا بعثوا سهیل ابن عمرو و جویطبا قالوا صلحهم و بعث النبی علیا علیه السلام فی صلحه " سیرۃ امیر المومنین ص 248

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 278

یعنی قریش نے سہیل ابن عمرو کو اور حویطب کو صلح کے اختیارات دے کر بھیجا اور آنحضرتؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو صلح کی گفتگو کے لئے منتخب فرمایا۔

شرائط صلح

قریش کے نمائندے چونکہ اپنی شرائط کے سوا صلح کی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھے اور پیغمبرؐ امن پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صلح کے خواہش مند تھے۔ لہذا پیغمبر ان کی ہی شرائط پر صلح کرنے پر تیار ہوگئے۔ وہ شرائط حسب ذیل ہیں

اول: دس برس تک کوئی فریق ایک دوسرے پر حملہ نہ کرے۔

دوم: اگر کوئی قریش اپنے سرپرست یا سردار کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) کے پاس چلا جائے تو وہ قریش کے حوالہ کیا جائے۔

سوم: اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص قریش کی پاس چلا جائے تو وہ مسلمانوں کے حوالہ نہیں کیا جائیگا۔

چہارم: عرب کے قبائل جس فریق کے ساتھ چاہیں گے بلا روک ٹوک مل سکیں گے اس میں کسی کو عذر نہیں ہوگا۔

پنجم: اب مسلمان آگے نہ بڑھیں اور واپس چلے جائیں سال آئندہ ان کو خانہ کعبہ کا طواف کرنے اور ٹھہرنے کے لئے صرف تین دن اجازت ہوگی مگر اسوقت ان کو مکہ میں بلا ہتھیار آنا ہوگا۔ سوانح عمری رسول مقبول ص 160

بحوالہ صحیح مسلم مترجم جلد 5 ص 909

پیغمبر اکرمؐ کی وسعت نظر

صلح حدیبیہ نے یہ ثابت کردیا کہ پیغمبر اکرم (ص) تمام دنیا جہاں کے کل انسانوں سے وسعت نظر اور اصابت رائے میں افضل و برتر ہیں۔ اور تمام دنیا جہاں کے انسانوں میں سے کوئی بھی آپ کی وسعت نظر اور اصابت رائے کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس صلح

کی گفتگو سے لے کر تحریر معاہدہ تک کے تمام مراحل پیغمبر اکرم (ص) نے اپنی صوابدید سے طے کیے۔ اور اس پوری کاروائی میں نہ صحابہ کو شریک مشورہ کیا اور نہ ہی ان کی رائے کی ضرورت محسوس کی۔ صرف حضرت علیؑ شرائط صلح طے کرنے اور معاہدہ طے کرنے میں پیغمبرؐ کے شریک کار تھے۔ درآنحالیکہ اکثر صحابہ اس صلح اور اس کے شرائط کے سرے سے ہی مخالف تھے اور ان کی ہیجانی کیفیت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ وہ طرح طرح کے شک کرنے لگے تھے طبری لکھتے ہیں کہ:

" قد کان اصحاب الرسول الله خرجوا وهم لا یشکون فی الفتح لـرویا راها رسول الله، فلما رائو ما رائو من الصلح و الرجوع و ما تحمل علیه رسول اله فی نفسه دخل الناس من ذالک امر عظیم حتیٰ کادوا ان یهلکوا" سیرہ امیر المومنین ص 251

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 281

یعنی پیغمبر کے اصحاب جب مدینہ سے نکلے تھے تو انہیں فتح میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا۔ اس خواب کی بناء پر جو آنحضرتؐ نے دیکھا تھا مگر جب انھوں نے صلح اور واپسی کی صورت دیکھی اور یہ دیکھا کہ رسول اللہ نے ذاتی طور پر شرائط منظور کر لئے ہیں تو ان لوگوں کے دلوں میں ایک امر عظیم پیدا ہو گیا اور قریب تھا کہ وہ ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔

حضرت عمر کی مخالفت اور نبوت میں شک کرنا

حضرت عمر اس صلح پر سب سے زیادہ برافروختہ تھے اور ان کی ناراضگی اس حد تک بڑھی کہ وہ غصہ میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے پیغمبر کے پاس آئے اور کہا:

حضرت عمر: کیا آپؐ اللہ کے سچے پیغمبر نہیں ہیں

رسول اللہؐ: ہاں میں اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت عمر: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن ناحق پر نہیں ہیں۔

رسول اللہ: بیشک ہم حق پر ہیں

حضرت عمر: پھر ہم اپنے دین کو کیوں ذلیل کریں

رسول اللہ: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ وہ میری مدد کرے گا۔

حضرت عمر: آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم کعبہ کے پاس پہنچیں گے اور طواف کرینگے

رسول اللہ: بیشک مگر میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال یہ ہوگا۔

حضرت عمر: حقیقت میں آپ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا۔

رسول اللہ: تو تم کعبہ کے پاس ایک دن ضرور پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔

سوانح عمری رسول مقبول ص 154

بحوالہ صحیح بخاری مترجم پ 11 ص 1009

المعلم ترجمہ صحیح مسلم ص 1912

حضرت عمر کے انداز گفتگو سے صاف عیاں ہو رہا تھا کہ وہ اس صلح سے اس حد تک متاثر اور برافروختہ تھے کہ انہیں پیغمبر اکرم صلعم کی رسالت میں ہی شک ہوگیا تھا۔ جیسا کہ حضرت عمر نے خود اپنے اس شک کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

" واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ"

سیرۃ امیر المومنین ص 252

بحوالہ تاریخ خمیس جلد 2 ص 32

یعنی خدا کی قسم جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے میں نے پیغمبر کی نبوت میں شک نہیں کیا تھا مگر آج مجھے پیغمبر کی نبوت میں شک ہوگیا ہے۔

صحابہ کی ناراضگی کا عالم

صحابہ کی ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ جب آنحضرت نے معاہدہ صلح کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہیں حکم دیا کہ قربانیاں کرو اور سروں کے بال منڈواؤ تو تعمیل حکم کرنے کی بجائے سب کے سب نافرمانی پر اتر آئے اور بار بار کہنے کے باوجود نہ قربانی کرنے پر آمادہ ہوئے اور نہ ہی سر منڈوائے طبری لکھتا ہے کہ:

" فوالله ما قام منهم رجل حتیٰ قال ذالک ثلاث مرات "

سیرۃ امیر المومنین ص 252

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 283

یعنی خدا کی قسم آنحضرت کے تین مرتبہ حکم دینے کے باوجود کوئی بھی تعمیل کے لئے کھڑا نہ ہوا۔

اکثر صحابہ کا غصہ اور نبوت میں شک کرنا

جب صحابہ نے دیکھا کہ پیغمبرؐ نے خود اپنا سر منڈوا دیا ہے اور اب پیغمبر کے فیصلہ میں تبدیلی نہیں آسکتی تو کچھ لوگوں نے بادل نخواستہ سر منڈوائے اور اکثر لوگوں نے صرف تھوڑے تھوڑے بال ترشوائے مگر ان کا غم و غصہ کسی طرح کم نہ ہوا۔ طبری نے اسے اس طرح لکھا ہے۔" **جعل بعضهم بحلق بعضاً حتی کاد بعضهم یقتل بعضا غماً** "

سیرۃ امیر المومنین ص 252

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 283

"یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کا سر مونڈتے تھے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رنج و غم کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل کر دینگے۔

جب پیغمبر اکرم صلعم نے سر منڈوانے والوں کو دیکھا تو فرمایا "خدا ان سر منڈوانے والوں پر رحم کرے۔ صحابہ نے عرض کیا:

"یارسول الله فلما ظاهرت الترحم للملحقين دون المقصرين.

قال لانهم لم يشكوا" سیرۃ امیر المومنین ص 252

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 283

یارسول اللہ آپ نے سر منڈوانے والوں کے لئے دعائے رحمت کی ہے اور بال ترشوانے والوں کے لئے کچھ نہیں کہا۔ فرمایا۔ اس لئے کہ انھوں نے (میری نبوت میں) شک نہیں کیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نہ صرف حضرت عمر کو پیغمبر اکرم کی نبوت میں شک ہو گیا تھا بلکہ ان کے ساتھ اکثر صحابہ پیغمبرؐ کی نبوت میں شک کرنے لگے تھے۔

صلح حدیبیہ کے فوائد

اس صلح کی حکمتوں اور مصلحتوں کو اکثر مسلمان اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے نہ سمجھ سکے تھے اور صلح کے موقع پر بھی اور اس کے بعد بھی اس پر افسردہ اور رنجیدہ خاطر رہے۔ مگر جب اس کے نتیجہ میں انہیں دینی وسیاسی اعتبار سے وہ کامیابیاں حاصل ہوئیں جن کی وہ توقع بھی نہیں کر سکتے تھے تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں پیغمبر اکرمؐ کی دور اندیشی، انجام بینی اور حقیقت رسی کا اعتراف کرنا پڑا۔ اور یہ بات موجودہ دور کے ان دانشوروں کی آنکھیں کھولنے کے لئے بھی کافی ہے جو پیغمبر کی اصابت رائے پر بعض اصحاب کی رائے کی برتری کا اظہار کرتے نہیں جھکتے اور پیغمبرؐ کے بعد برسر اقتدار آجانے کی وجہ سے ان کی شان بڑھانے کے لئے پیغمبرؐ کی توہین وتذلیل سے بھی باز نہیں آتے اور عظمت ناموس رسالت کو پارہ پارہ کرنے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس صلح پر جو فوائد مرتب ہوئے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

پہلا فائدہ یہ ہوا کہ تمام قبائل عرب پر قریش کی بے جا ضد اور ہٹ دھرمی واضح ہوگئی۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ جو مسلمان مکہ میں رہتے تھے وہ بلا خوف اپنے اسلام کو ظاہر کرنے لگ گئے۔

تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ کفار کو مسلمانوں سے میل جول کا موقع ملا اور انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہونے کا موقع ہاتھ آیا۔ اور اس طرح ان کے دل اسلام کی طرف کھنچنے لگے اور وہ برضا و رغبت اسلام قبول کرنے لگے۔

چوتھا فائدہ یہ ہوا کہ اس صلح سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہوگئی جو یہ کہتے نہیں تھکتے تھے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ بلکہ صلح حدیبیہ نے یہ بتلا دیا کہ اسلام تو صلح کے لئے آخری حد تک بھی جانے کے لئے تیار ہے۔

پانچواں فائدہ یہ ہوا کہ قریش کی نئی نسل اسلام اور پیغمبر اسلام کی امن پسندی کی قائل ہوگئی اور انھوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ پیغمبرؐ نے جتنی جنگیں لڑیں وہ قریش ہی کے جارحانہ اقدام کے دفاع میں لڑی ہیں۔

چھٹا فائدہ یہ ہوا کہ یہود جو کفار قریش کے ساتھ ہوکر مسلمانوں سے لڑتے تھے اکیلے رہ گئے اور جنگ خیبر میں قریش کی مدد حاصل نہ کرسکے۔

ساتواں فائدہ یہ ہوا کہ قریش اس صلح کی وجہ سے مطمئن ہوگئے کہ معاہدہ کی مقررہ مدت کے اندر ان پر حملہ نہیں ہوسکتا اس لئے انھوں نے ہتھیاروں کی فراہمی اور جنگی تیاریوں کی ضرورت محسوس نہ کی۔

مگر جب انھوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف قبائل بنی خزاعہ کو قتل و غارت کیا اور ان کی عہد شکنی کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے مکہ پر

چڑھائی کرنے کا جواز پیدا ہوگیا اور اس عہد شکنی کے نتیجہ میں مسلمانوں کا لشکر مکہ پر منڈلانے لگا تو قریش میں مسلمانوں کو روکنے کی طاقت ہی نہ تھی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بغیر کسی مزاحمت کے آگے بڑھ کر مکہ فتح کرلیا۔

بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط

جس طرح زمانہ حال میں اک وقت میں دو بڑی سلطنتیں دنیا پر چھائی ہوئی تھیں ایک سلطنت متحدہ امریکہ (U.S.A) اور دوسری سلطنت متحدہ رشیا (روس) "U.S.S.R" اسی طرح آنحضرت کے زمانے میں بھی ساری دنیا پر دو بڑی سلطنتیں چھائی ہوئی تھیں ایک رومن ایمپائر (روم) اور دوسری سلطنت فارس۔ ان کے علاوہ حبش و مصر و شام کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں۔ پیغمبرؐ نے صلح حدیبیہ کے عہد و پیمان سے تسلی و اطمینان حاصل کرنے کے بعد مدینہ آکر 6ھ کے ماہ ذی الحجہ میں اس وقت کے بڑے بڑے بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ کئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ہرقل: بادشاہ روم جو نصرانی تھا

۲۔ کسریٰ: باشادہ فارس جو آتش پرست تھا

۳۔ نجاشی: بادشاہ حبش جو نصرانی تھا

۴۔ مقوقس: والی سکندریہ (عزیز مصر)

۵۔ حارث ابن ابی شمر غسانی یمام مقدم دمشق

۶۔ ہودہ رئیس و پیشوائے یمامہ (سوانح عمری رسول مقبول ص 161)

بحوالہ تفریح الاذکیا جلد 2 ص 237

مورخین کے قول کے مطابق ان بادشاہوں میں سے نجاشی بادشاہ حبش مسلمان ہوگیا۔ اور حضرت جعفر طیار کے دست مبارک پر بیعت کی ابن اسحاق راوی ہے کہ نجاشی نے

اپنے بیٹوں کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ دربار رسالت میں روانہ کیا تھا لیکن وہ جہاز سمندر میں ڈوب گیا۔ (سوانح عمری رسول مقبول ص 167)(بحوالہ طبری ص 1569)

(سیرۃ النبی ص 432) (تاریخ ابن خلدون ص 164)

اور مقوقس والی سکندریہ نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن اس نے پیغمبر اکرم صلعم کے قاصد کا انتہائی احترام کیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں بہت سے تحفے تحائف روانہ کیے اور انہی میں سے ایک حضرت ماریہ قبطیہ بھی تھیں۔

حضرت ام حبیبہ سے عقد

حضرت ام حبیبہ اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ہمراہ ہجرت کر کے حبش چلی گئی تھیں وہاں جا کر عبداللہ بن جحش مرتد ہوگیا اور اس نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا اور آخر عیسائی مذہب پر ہی اس نے وفات پائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کو جب عالم غربت میں حضرت ام حبیبہ کے بیوہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے ایام عدت پورے ہونے کے بعد۔ جب حضرت عمر بن امیہ ضمیری کو بادشاہ حبش نجاشی کے پاس تبلیغی خط دے کر بھیجا تو ساتھ ہی ان کے ذریعہ ام حبیبہ کو نکاح کا پیغام بھی بھجوایا۔ چنانچہ نجاشی نے اپنی ایک لونڈی کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ کا پیغام نکاح حضرت ام حبیبہ کو بھیجا اور ان کے قبول کرنے پر نجاشی نے حضرت جعفر ابن ابو طالب اور دوسرے مسلمانوں کو بلا کر خود نکاح پڑھا۔

تذکار صحابیات کا مصنف لکھتا ہے کہ ''نکاح کے کچھ عرصہ بعد حضرت ام حبیبہ حبش سے مدینہ منورہ آگئیں۔ حضور ان دنوں خیبر کی مہم پر تشریف لے گئے تھے یہ آواخر 6 ھجری یا اوائل 7ھ کا واقعہ ہے۔ تذکار صحابیات ص 96

7 ھ ہجری کے واقعات

جنگ خیبر

یہود کی اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی

جب پیغمبر اکرمؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے تمام اہل مدینہ مہاجرین وانصار۔ یہود و نصاریٰ سب سے یہ عہدو پیان لیا کہ سب مل جل کر پیار و محبت سے رہیں گے۔ ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے آپس میں کسی سے دشمنی نہ کریں گے اور اگر کوئی دوسرا حملہ آور ہو تو سب مل کر دفاع کریں گے۔ یہ عہدو پیان میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہے۔

یہود اگر چہ اپنی آسمانی کتاب توریت کی پیش گوئی کی وجہ سے پیغمبر اکرمؐ کے انتظار میں ہی یثرب (مدینہ) میں آباد ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ یہودی نسل پرستی میں انتہائی حد تک متعصب واقع ہوئے تھے۔ جب انھوں نے یہ دیکھا کہ آنے والا نبی اولاد اسحٰق یعنی بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل سے آیا ہے تو ان کی آتش حسد بھڑک اٹھی اور وہ شروع دن سے ہی در پردہ شرارتوں پر تل گئے۔ چنانچہ انھوں نے میثاق مدینہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جنگ بدر میں کوئی ساتھ نہ دیا، جنگ بدر کے بعد ان کی آتش حسد اور بھی بھڑک اٹھی اور جنگ احد کی آگ بھڑکانے میں انھوں نے قریش کو مشتعل کرنے میں سرگرمی سے حصہ لیا۔

جنگ احد کے بعد انھوں نے پیغمبر اکرمؐ کو بنی نضیر کی بستی میں دعوت دے کر بلوایا۔ اور حیلہ سے آنحضرتؐ کو جان سے مار ڈالنے کی کوشش کی جس پر بنی نضیر کو مدینہ سے جلا وطن ہونا پڑا۔ اور جنگ خندق میں وہ خود تمام قبائل قریش کے ساتھ شریک ہو گئے اور جنگ خندق اور جنگ بنی قریظہ کے بعد تمام یہودی خیبر میں اکٹھے ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو ختم

کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔جب انھیں حدیبیہ کا حال معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی ہے اوران کی تمام شرائط مان لئے ہیں تو انھوں نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں میں اب لڑنے کی سکت باقی نہیں رہی ہے۔اوراب وہ لڑنے بھڑنے سے گھبرانے لگے ہیں اس غلط فہمی نے انہیں جرأت دلائی اور مسلمانوں کی صلح پسندی کو کمزوری پر محمول کرکے اسلامی مرکز مدینہ کو تاخت وتاراج کرنے پر آمادہ ہوگئے۔

فتح خیبر کی بشارت

چونکہ ضدی اورہٹ دھرم قریش بیعت رضوان کی خبر سن کر صلح پر آمادہ ہوئے تھے اوراس بیعت کا بہت اچھا اثر ظاہر ہوا تھا۔لہذا قدرت نے اس بیعت پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے بیعت کرنے والوں کو فوری طور پر اپنے انعام سے نوازنے کا پروگرام بنالیا۔اورحدیبیہ سے مدینہ کی طرف واپسی کے دوران راستے میں ہی سورۂ فتح نازل فرمائی۔ اورببول کے درخت کے نیچے بیعت کرنے پر اپنی طرف سے اظہار پسندیدگی کرتے ہوئے ان کے لئے ایک فوری انعام کا اعلان فرمایا۔چنانچہ ارشاد قدرت ہوا:

" لقد رضی الله عن المومنین اذیبایعونک تحت الشجرة تعلم ما فی قلوبهم فانزل السکینة علیهم و اثابهم فتحاً قریباً و مغانم کثیرة یاخذونها و کان الله عزیزاً حکیماً . وعدکم الله مغانم کثیرة تاخذونها فعجل لکم هذا و کف ایدے الناس عنکم ولتکون آیة للمومنین و یهدیکم صراطاً مستقیماً " (سورہ الفتح 18 تا 20)

بیشک اللہ مومنوں سے راضی ہوا۔جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کررہے تھے اورجوکچھ ان کے دلوں میں ہے وہ اس سے آگاہ ہے۔پھراس نے ان پر تسکین نازل فرمائی اوران کو ایک قریب کی فتح اوربہت سے مال غنیمت کا موقع دیا جسے وہی لینگے۔اوراللہ

زبردست حکمت والا ہے۔اللہ نے تم سے بہت سے مال غنیمت کا وعدہ کیا ہے جسے تم ہی لو گے۔پھر اس نے تمہاری خاطر سے جلد اس کا موقع لا دیا۔اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور اس لئے کہ یہ جنگ مومنوں کے لئے ایک نشانی ہو جائے اور وہ تم کو صراط مستقیم کی ہدایت کر دے۔

خیبر کا مال غنیمت صرف بیعت کرنے والوں کا انعام تھا

سورہ فتح کی مذکورہ آیات نمبر 18 تا 20 میں خیبر کی فتح اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آنے کی بشارت دی گئی ہے ان آیات میں بہت سے باتیں قابل غور ہیں۔

نمبر 1: ان میں ایک یہ ہے کہ خود خدا نے ''مغانم کثیرۃ''یعنی بہت سے مال غنیمت کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

نمبر 2: دوسری بات یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس مال غنیمت کو مخصوص کر دیا ہے صرف صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کے لئے۔جس پر ''یاخذونھا'' شاہد ہے اور اس کو دنیا میں ہی ان کے اس عمل کا بدلہ قرار دے دیا جس پر لفظ ''اثابھم'' شاہد ہے۔

چونکہ عربوں کی جنگ سے غرض اکثر مال غنیمت ہوتی تھی اور صلح حدیبیہ کی وجہ سے وہ اس سے محروم رہ گئے تھے لہٰذا **فعلم مافی قلوبھم** کہہ کر فرمایا کہ " **وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھذۃ** '' تمہارے دلوں کا حال اسے معلوم تھا اس نے تمہارے لئے بکثرت مال غنیمت کا تم سے وعدہ کیا جسے صرف وہی لینگے اور فتح خیبر کی صورت میں اس کا موقع جلد لا دیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ قدرت نے صلح حدیبیہ کو اور جنگ کی نوبت نہ آنے دینے کو لوگوں کے ہاتھ روک دینے سے تعبیر کیا اور یہ کہا کہ'' **کف ایدی الناس عنکم** ''یعنی

اس صلح کی وجہ سے کفار قریش کے ہاتھ جنگ سے روک دیئے گئے ۔اور یہودیوں کی اس صلح نے جرأت بڑھا دی کہ وہ مدینہ پر حملہ کی تیاری کریں اور اس طرح ان کے ساتھ مقابلہ کا موقع آئے اور مسلمانوں کو مال غنیمت ہاتھ لگے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ قدرت اس جنگ کو مومنین کے لئے ایک نشانی قرار دے رہی ہے جس پر ''ولتکون آیة للمومنین '' شاہد ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ جنگ مومنین کے لئے نشانی کس طرح ہے۔

مومنین کے لئے ایک نشانی

یہ جنگ مومنین کے لئے نشانی کس طرح ہے؟ تمام مورخین نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ کے لئے جانے والوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ تیرہ سو اور پندرہ سو کے درمیان لکھی ہے اور بعض نے چودہ سو اور سولہ سو بھی لکھی ہے جبکہ یہودیوں کی تعداد خیبر میں چودہ ہزار تک پہنچی ہوئی تھی جو کیل کانٹے سے لیس اور رائج الوقت اسلحہ جنگ سے مسلح تھے۔اس کے علاوہ بنی غطفان کے ساتھ ان کا معاہدہ ہو چکا تھا کہ وہ جنگ میں یہودیوں کا ساتھ دیں گے جن کی تعداد چھ ہزار تک لکھی ہے۔

اسلامی دستور کے مطابق مال غنیمت صرف ان مجاہدین کا حق ہوتا تھا جو جنگ میں شریک ہوتے تھے اور قدرت نے صلح حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے صرف ان چودہ سو یا سولہ سو بیعت کرنے والوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ یہ مال غنیمت صرف تم ہی لوگے ۔ گویا قدرت نے یہ کہہ دیا تھا کہ اس جنگ میں چودہ سو یا سولہ سو مسلمانوں کا مقابلہ بیس ہزار مردان جنگی سے ہوگا جو رائج الوقت ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مضبوط قلعوں کی پناہ میں رہتے ہوئے لڑ رہے ہوں گے اور خدا نے پیغمبرؐ کو اس بات کی تاکید کر دی کہ خیبر کی جنگ کے لیے اگر دوسرے مسلمانوں میں سے کوئی اور جانا بھی چاہے تو اس کو ساتھ لے کر نہیں جانا ۔ کیونکہ خیبر

کامال غنیمت دلانے کا وعدہ صرف ان ہی چودہ سو یا سولہ سو مسلمانوں سے ہے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور اگر مسلمان حج وعمرہ کے لئے ساتھ نہ چلنے اور صلح حدیبیہ کے موقع پر شرکت نہ کرنے کے بارے میں کوئی عذر کریں تو ان کا عذر قبول نہ کرنا جیسا کہ ارشاد ہوا: " سیقول المخلفون من الاعراب شغلتنا اموالنا واهلونا فاستغفرلنا ، یقولون بالسنتهم مالیس فی قلوبهم " (سورہ الفتح ۔11)

قریب ہے کہ عرب دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے (اور حج وعمرہ کے لئے جاتے وقت تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوئے تھے) تم سے یہ کہیں گے کہ ہمارے مالوں اور ہمارے بال بچوں نے ہم کو کام میں لگائے رکھا، آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا کریں (اے پیغمبرؐ) یہ اپنی زبانوں سے جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

اب ان کے دلوں میں کیا تھا وہ قدرت اپنے پیغمبرؐ سے اس طرح کہلوا رہی ہے

کہ: " بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمومنین الی اهلهم ابداً

(سورہ الفتح ۔12)

(اے پیغمبرؐ ان سے کہہ دو کہ اصل بات یہ ہے کہ) تم نے یہ گمان کرلیا تھا کہ رسول اور ایمان لانے والے اپنے بال بچوں میں کبھی پلٹ کر ہی نہ آئیں گے (یعنی یہ سب کے سب مکہ جاکر مارے جائیں گے)۔

اس کے بعد قدرت سختی کے ساتھ تنبیہ کررہی ہے کہ حدیبیہ میں بیعت کرنے والوں کے سوا ہرگز ہرگز کسی کو ساتھ لے کر خیبر کی جنگ کے لئے نہیں جانا ۔چاہے وہ جانے کے لئے کتنا ہی اصرار کیوں نہ کریں جیسا کہ ارشاد ہوا:

سیقول المخلفون اذا نطلقتم الیٰ مغانم لتاخذوانها ، ذرونا نتبعکم . یریدون ان یبدلوا کلام الله .قل لن تتبعونا کذالکم قال الله من قبل، فسیقولون بل تحسدوننا ، بل کانوا لا یفقهون ا لا قلیلا (سورہ الفتح ۔15)

قریب ہے کہ پیچھے رہ جانے والے (اور حج وعمرہ کے لئے پیغمبر کے ساتھ نہ جانے والے) جب تم (خیبر کے) مال غنیمت کی طرف جاؤ گے تا کہ اسے حاصل کرو۔تو وہ یہ کہیں گے کہ ہمیں بھی اجازت دو کہ ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں ۔وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے وعدے کو بدل دیں (اے پیغمبرؐ تم ان سے) کہہ دو کہ تم ہرگز ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے اللہ تعالی اس بارے میں تمہارے لئے پہلے ہی فرما چکا ہے ۔اس پر وہ یہ کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہم سے حسد کر رہے ہو (حالانکہ یہ بات نہیں ہے) بلکہ (دراصل) بات یہ ہے وہ سمجھتے ہی بہت کم ہیں۔

اس آیت میں قدرت کے الفاظ کہ "وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے وعدے کو بدل دیں" پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے خیبر کا مال صرف صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت کرنے والوں کو دنیاوی انعام کے طور پر دینے کا وعدہ کیا تھا اور اس میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا دوسروں کو چلنے کی خواہش کے باوجود اجازت نہیں دی گئی۔

اب ایک طرف یہودیوں کا چودہ ہزار کا لشکر اور چھ ہزار بنی غطفان کے مردان جنگی کے ساتھ ان کا معاہدہ اور دوسری طرف قدرت یہ کہہ رہی ہے کہ ان بیس ہزار مردان جنگی سے مقابلہ کے لئے صرف اور صرف یہ چودہ سو یا سولہ سو افراد ہی جائیں گے جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر ببول کے درخت کے نیچے پیغمبرؐ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی اور جنگ کی صورت میں فرار نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ان کے علاوہ اگر کوئی اور جانا بھی چاہے تو انہیں ہرگز ہرگز ساتھ نہیں لے جایا جا سکتا۔یعنی جنگ بھی ان چودہ سو کی چودہ ہزار کے ساتھ ہوگی اور فتح یاب بھی یہی ہوں گے اور بہت سا مال غنیمت بھی حاصل کریں گے۔

مومنوں کے لئے قدرت کی اس سے بڑھ کر اور کیا نشانی ہوگی؟ کہ قدرت چودہ سو آدمیوں کو چودہ ہزار یا بیس ہزار مردان جنگی سے لڑا کر فتح ونصرت اور بہت سے مال غنیمت کی بشارت دے رہی ہے۔

خیبر کی طرف روانگی

پیغمبر اکرمؐ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد تقریباً بیس دن مدینہ میں قیام فرمایا اس عرصہ میں آنحضرت نے اس وقت کے بڑے بڑے بادشاہوں اور حکمرانوں کو تبلیغی خطوط تحریر فرمائے۔

جب پیغمبرؐ کو معلوم ہوا کہ یہود خیبر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں تو آپ صرف انہی مسلمانوں کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے اور جن کی تعداد کم سے کم تیرہ سو اور زیادہ سے زیادہ سولہ سو تھی جن میں دو سو سوار اور باقی پیادے تھے اپنے ہمراہ لے کر ماہ محرم 7ھ میں خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔

رئیس منافقین کی طرف سے یہودیوں کو اطلاع

جب عبداللہ ابن ابی رئیس منافقین کو پیغمبر اکرمؐ کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے خیبر کے یہودیوں کے پاس اپنے خاص آدمی کے ذریعہ یہ پیغام پہنچایا کہ محمد تمہاری طرف چل پڑے ہیں۔لہذا تم اپنا اسلحہ سنبھال لو اپنے مالوں کو قلعوں میں محفوظ کر دو۔اور جنگ کے لیے قلعوں سے باہر نکل آؤ اور اس سے بالکل نہ ڈرو چونکہ اس کے سپاہیوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔اور تمہارے لشکر کی تعداد بہت زیادہ ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی لشکر اسلام کے آنے سے پہلے روزانہ قلعوں سے باہر نکلتے اور جنگی مشقیں کرنے لگے۔

پیغمبر اکرمؐ کا قبیلہ بنی غطفان کی طرف رخ

چونکہ پیغمبر اکرمؐ کو معلوم ہو چکا تھا کہ بنی غطفان اہل خیبر کے حلیف اور معاہد ہیں اور وہ جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے اس لئے آپ نے اہل خیبر اور بنی غطفان کی بستیوں کے درمیان مقام رجیع کا رخ کیا اور مقام رجیع میں پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا تا کہ

بنی غطفان اہل خیبر کی مدد کو نہ پہنچ سکیں ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب وہ مسلمانوں کی آمد کی خبر پا کر خیبر کے ارادے سے نکلے تو مسلمانوں کو اپنے راستے میں حائل دیکھ کر رک گئے اور اپنے گاؤں کے تباہی کے پیش نظر اپنے گھروں کو واپس چلے گئے ۔

خیبر کا محاصرہ

بنی غطفان کے پلٹ جانے کے بعد مسلمان خیبر کی طرف بڑھے چونکہ بنی غطفان کی طرف رخ کرنے کی وجہ سے لشکر اسلام کو خیبر کی سرزمین میں پہنچنے میں دیر ہو گئی اور جس وقت یہودیوں کے اندازہ کے مطابق سپاہ اسلام کو خیبر کی سرزمین میں پہنچنا چاہیے تھا وہاں نہ پہنچے تو یہودیوں نے یہ خیال کیا کہ پیغمبر اہل خیبر کا مقابلہ کرنے سے گریز کر گئے ہیں ۔ لہذا جس وقت پیغمبر اکرمؐ نے خیبر کا محاصرہ کیا اور ان کے تمام ارتباطی راستوں کو مسدود کر دیا ۔ اس وقت وہ اپنے قلعوں کے اندر میٹھی نیند سوئے ہوئے تھے صبح کے وقت جب انھوں نے قلعہ کے دروازوں کو کھولا تو خود کو لشکر اسلام کے محاصرے میں پایا لہذا وہ فوراً ہی قلعہ میں داخل ہو گئے اور قلعہ بند ہو کر چیخ چیخ کر کہنے لگے 'محمد آ گئے محمد آ گئے'۔

خیبر کے قلعے

یہودیوں نے دفاعی استحکام کے پیش نظر یہاں پر چھوٹے بڑے سات قلعے تعمیر کر رکھے تھے تا کہ وہ ان کو بوقت جنگ مختلف مقاصد کے لئے استعمال کر سکیں ۔ چنانچہ ان میں سے کسی میں سامان رسد تھا کسی میں اسلحہ جنگ تھا اور کچھ میں عورتوں اور بچوں کو قلعہ بند کیا تھا ۔ اور کچھ میں فوج اور مردان جنگی کا قیام تھا اور صرف ایک قلعہ جس کو قلعہ قموص کہتے ہیں جنگ کے استعمال کے لئے تھا اس قلعہ کو حدیث و تاریخ و سیرت کی کتابوں میں قلعہ خیبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کے سامنے ایک گہری خندق تھی اور یہ قلعہ اپنی مضبوطی اور

استحکام کی وجہ سے نا قابل تسخیر تھا۔یہودی اسی قلعہ سے جنگ کر رہے تھے اور باقی کے چھ قلعے اس کے ساتھ اس طرح مربوط تھے کہ ان سے رسد، اسلحہ جنگ اور مردان جنگی اس قلعہ تک آسانی اور سہولت کے ساتھ پہنچتے رہیں۔لہذا اس قلعہ قموص یا قلعہ خیبر کی فتح ہی دراصل خیبر کی فتح تھی اور باقی کے چھ قلعوں کی علیحدہ علیحدہ فتح مورخین اور سیرت نگاروں نے اس واقعہ میں صرف رنگ بھرنے کے لئے تحریر کی ہے کیونکہ وہ قلعے سب کے سب قلعہ قموص کے پیچھے تھے لہذا ان کے فتح ہونے کا کوئی سوال ہی نہ تھا اصل جنگ صرف قلعہ قموص سے ہو رہی تھی لہذا جب قلعہ قموص یا قلعہ خیبر فتح ہوگیا ان کا حاکم مارا گیا اور اہلیان خیبر نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی شکست تسلیم کر لی تو سالم خیبر تصرف میں آ گیا۔

محاصرے میں طول کی وجہ

چونکہ یہودی لشکر اسلام کو دیکھ کر قلعہ بند ہو گئے تھے اور مسلمانوں نے ان کے گرد محاصرہ کر لیا تھا لہذا جب تک یہودیوں کے پاس قلعہ کے اندر تیر اور پتھر رہے وہ مسلمانون کی طرف قلعہ کے اندر سے ہی سنگباری کرتے رہے اور مسلمانوں پر تیروں کی بارش کرتے رہے اور انھوں نے مسلمانون کو قلعہ کے قریب آنے ہی نہ دیا۔لہذا قلعہ خیبر کا محاصرہ طول کھینچ گیا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مال غنیمت میں تمام مورخین اور سیرت نگاروں نے زرہیں اور تلواریں اور کمانیں تو کافی تعداد میں لکھی ہیں مگر مال غنمیت میں کسی نے ایک بھی تیر نہیں لکھا۔

پیغمبرؐ کے درد شقیقہ اور حضرت علیؑ کے آشوب چشم کی وجہ

معتبر تاریخوں اور سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کے محاصرے کے دوران پیغمبر اکرمؐ کو درد شقیقہ اور حضرت علیؑ کو آشوب چشم لاحق ہوگیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ غزوات میں عام طور پر سپہ سالاری کے فرائض پیغمبر اکرمؐ خود انجام دیتے تھے اور علمبرداری

کا منصب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے سپرد کیا جاتا تھا۔ جنگ خیبر کے موقع پر بھی مدینہ سے چلتے وقت سے ہی پیغمبر اکرم (ص) لشکر اسلام کی سپہ سالاری کے فرائض انجام دے رہے تھے اور علمبردار لشکر علی ابن ابی طالب تھے اور دونوں ہی میدان جنگ میں اپنے فرائض پوری تندہی سے ادا کرتے تھے۔ لہذا خیبر کے طویل محاصرے کے دوران راتوں کو جاگتے رہنے کی وجہ سے پیغمبر اکرمؐ کو درد شقیقہ ہوگیا اور حضرت علیؑ کو آشوب چشم کی شکایت پیدا ہوگئی۔ لہذا بعض سیرت نگاروں کا اور مورخین کا یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ پیغمبر اکرمؐ حضرت علی کو آشوب چشم کی وجہ سے مدینہ میں ہی چھوڑ گئے تھے یعنی جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق کے فاتح کو تو ساتھ نہ لے گئے اور چودہ ہزار یہود کے مردان جنگی کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف ان چودہ سو افراد کو ساتھ لے گئے جن کو جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق میں اچھی طرح سے آزما چکے تھے۔ اور جنگ خیبر میں جو کارگذاری انھوں نے دکھائی اس کا بیان آگے چل کر ہوگا۔ جبکہ سورہ فتح میں خدا یہ فرما چکا تھا کہ خیبر کا مال غنیمت صرف اور صرف حدیبیہ کے مقام پر ان بیعت کرنے والوں کے لئے ہی ہے لہذا ان میں سے کسی کو چھوڑنا نہیں اور ان کے علاوہ کسی اور کو ساتھ لے جانا نہیں چاہے کوئی ساتھ جانے پر اصرار بھی کرے۔ لہذا کوئی بھی تجربہ کار سپہ سالار ایسی غلطی نہیں کرسکتا تھا۔ لہذا آشوب چشم کی وجہ سے مدینہ میں علیؑ کو چھوڑ جانے کی کوئی تک نہیں تھی۔ کیونکہ اگر مدینہ میں آنکھیں دکھ رہی ہوتیں تو وہ لعاب دہن جو آنحضرت نے خیبر کے میدان میں لگا دیا تھا وہ لعاب دہن مدینہ سے روانگی کے وقت بھی لگایا جاسکتا تھا لیکن علیؑ جیسے شجاع و بہادر، فاتح بدر و احد و خندق اور لشکر اسلام کے علمبردار کو مدینہ چھوڑ جانا کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ یہ بات پیغمبر کے عدم تدبیر کی دلیل تھی۔ لہذا جس نے حضرت علیؑ کے مدینہ چھوڑ جانے کی بات گھڑی ہے وہ حضرت علیؑ کے بحیثیت علمبردار لشکر مدینہ سے روانگی کی فضیلت کو گھٹانے کے لئے گھڑی ہے۔

چنانچہ جنہوں نے حضرت علیؑ کے آنکھیں دکھنے کی وجہ سے مدینہ چھوڑ جانے کا افسانہ گھڑا ہے انھوں نے خیبر کی روانگی کے وقت دوسرے کو علمبردار لشکر لکھا ہے۔ حالانکہ جنہوں نے مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت علی کا علمبردار لشکر کی حیثیت سے چلنا لکھا ہے وہی صحیح اور درست ہے۔

لیکن چونکہ یہ بات مسلمات تاریخیہ سے ہے کہ قلعہ خیبر کو حضرت علی نے فتح کیا تھا لہذا حضرت علیؑ کو خیبر میں بلانے کے لئے نادعلی گھڑی گئی کہ پیغمبرؐ نے نادعلی پڑھ کر حضرت علی کو مدد کے لئے پکارا تو حضرت علی نے مدینہ سے گھوڑی پر پچھلاری ماری اور خیبر کے میدان میں پہنچ گئے۔ مگر آنکھیں اب بھی دکھ رہی تھیں لہذا خیبر کے میدان میں پہنچنے کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور حضرت علیؑ کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ کوئی نہیں سوچتا کہ اگر حضرت علیؑ کی آنکھیں مدینہ میں دکھنے آئی ہوتیں تو پیغمبر چلتے وقت مدینہ میں ہی وہ لعاب دہن لگا کر اچھا کر دیتے جو خیبر کے میدان میں لگا کر اچھا کیا مگر انہیں مدینہ میں چھوڑ کر روانہ نہ ہوتے۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ صوفیوں نے اپنی اس گھڑی ہوئی نادعلی کو رواج دینے کے لئے اس کے لئے بہت سی خصوصیات گھڑ کر بیان کیں جو نادعلی کو پڑھے گا اس کی وہ حاجت پوری ہوگی جو دس دفعہ پڑھے گا اس کی یہ حاجت پوری ہوگی اور حاجات کے پورا ہونے کے لئے دعائیں اور عملیات کے لکھنے والوں نے صوفیوں کی اس گھڑی ہوئی نادعلی کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا اور حاجت مندوں نے اس کا ورد کر کے اس کو رواج دینے میں بڑا کام کیا اور بعضے بے خبر شعرا نے اس کو "یا علی مدد" کہنے کے جواز کے لئے دلیل بنایا جیسا کہ ہمارے ایک بے خبر شاعر نے کہا ہے کہ

ہم نے کہا تو موردِ الزام ہو گئے

خیبر میں خود نبی نے کہا یا علیؑ مدد

اور سادہ لوح اور بے خبر عوام کے لئے اس شاعر کی دلیل قرآن سے بھی بڑھ کر

مانی جانے لگی۔

اور نادعلی کے گھڑنے والے صوفیوں نے اس کے گھڑنے میں ایک کمال یہ کیا کہ حضرت علیؑ کے معجزہ کا عقیدہ رکھنے والوں کے لئے اس میں حضرت علی کے ایک معجزہ کی صورت موجود تھی کہ ادھر خیبر میں پیغمبر اکرمؐ نے نادعلی پڑھی یعنی حضرت علی کو مدد کے لئے پکارا تو حضرت علی نے مدینے سے گھوڑے پر چھلاری ماری اور فوراً خیبر کے میدان میں پہنچ گئے۔

بہر حال حضرت علیؑ کا علمبردار لشکر کی حیثیت سے خیبر کی طرف روانہ ہونا بھی مسلمہ ہے اور آپ کا فاتح خیبر ہونا بھی مسلمہ ہے اور آپ کا خیبر کے محاصرے کے دوران آشوب چشم میں مبتلا ہونا بھی مسلمہ ہے اور آنحضرت کا حضرت علی کی آنکھوں میں لعاب دہن لگانا بھی مسلمہ ہے جس کا تفصیلی بیان آگے چل کر آئے گا۔

پیغمبر اکرمؐ اور حضرت علیؑ کا اپنے اپنے خیموں میں آرام فرمانا

مسلمہ طور پر ہر کام میں چاہے وہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو یا جنگ کا میدان پیغمبر برابر کے شریک رہتے تھے اور جنگ کے میدان میں تو پیغمبر اکرمؐ اور حضرت علی اپنی ذمہ داری کو سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر ادا کرتے تھے لہذا خیبر میں بھی انھوں نے خیبر کے محاصرے کی نگرانی کا کام انجام دیا اور راتوں کو جاگ کر خیبر کے محاصر کے نگرانی کرتے رہے چنانچہ خیبر کے طویل محاصرے کی نگرانی کرتے کرتے اور راتوں کو جاگتے جاگتے پیغمبر اکرم کو درد شقیقہ لاحق ہوگیا اور حضرت علیؑ کی آنکھیں دکھنے آگئیں۔ لہذا پیغمبر اکرم بھی اور حضرت علی بھی آرام کرنے کے لئے اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

ادھر یہود اپنے محاصرے کے حالت میں رہتے ہوئے اپنے ترکشوں کے سارے تیر اور پتھر ختم کر چکے تھے جب انھوں نے محاصرہ کی حالت میں کچھ نرمی دیکھی تو وہ قلعہ کا دروازہ کھول کر لڑنے کے لئے باہر نکل آئے۔

حضرت عمر اور حضرت ابو بکر کا مقابلہ میں جانا

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ پیغمبر اکرم دردِ شقیقہ کی وجہ سے اپنے خیمہ میں آرام فرما رہے تھے کہ یہودیوں نے قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر نکلنا شروع کر دیا اور لڑنے کی تیاری شروع کر دی جبکہ حضرت علیؑ بھی آشوب چشم کی وجہ سے اپنے خیمہ میں آرام فرما رہے تھے لہذا قرائن یہ بتلاتے ہیں کہ یہودیوں کے قلعہ سے نکل کر جنگ کے لئے آمادہ دیکھتے ہوئے حضرت عمر نے آنحضرت سے جا کر عرض کیا ہوگا کہ یا حضرت یہودی قلعہ سے باہر نکل کر لڑنے کے لئے پر تول رہے ہیں لہذا اگر اجازت ہو تو میں مسلمانوں کا ایک دستہ لے کر ان کے مقابلہ کے لئے چلا جاؤں۔ چونکہ پیغمبرؐ دردِ شقیقہ کی وجہ سے آرام فرما رہے تھے لہذا صورت حال کا جائزہ لے کر پیغمبرؐ نے ان کو یہودیوں کے مقابلہ میں لڑنے کے لئے جانے کی اجازت دے دی ہوگی۔ لہذا بعض لوگوں کا یہ کہنا درست معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت عمر خود ہی علم لے کر یہودیوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہو گئے تھے بہر حال قرائن یہ بتلاتے ہیں کہ حضرت عمر آنحضرتؐ کو صورت حال سے آگاہ کر کے آنحضرت سے اجازت لے کر ہی مقابلہ کے لئے گئے ہوں گے لیکن حدیث و تاریخ و سیرت کی تمام کتابیں جنہوں نے جنگ خیبر کے واقعہ کو بیان کیا ہے یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر یہودیوں سے مقابلہ کے لئے گئے لیکن ان سے شکست کھا کر واپس لوٹ آئے اس کے بعد قرائن یہ بتلاتے ہیں کہ جب حضرت عمر شکست کھا کر واپس لوٹے تو حضرت ابو بکر نے خود سے ہی ان کے مقابلہ میں جانا مناسب سمجھا ہوگا اور جب حضرت ابو بکر بھی شکست کھا کر واپس آ گئے تو حضرت عمر دوبارہ علم لے کر دوبارہ مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے اور اس دفعہ ضرور آنحضرتؐ سے اجازت لینے کی ضرورت نہ سمجھی ہوگی۔ لیکن اب کی دفعہ جو حضرت عمر شکست کھا کر واپس لوٹے تو وہ فوج کو ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے اور فوج حضرت عمر کو شکست کا ذمہ دار ٹھہرا رہی تھی۔ جیسا کہ طبری نے لکھا ہے۔

" نحض من نحض معه الناس فلقوا اهل خيبر فانكشف عمرو اصحابه فرجعوا الی رسول الله صلی الله علیه وسلم ۔ یجنبه اصحابه و یجنبهم " سیرۃ امیر المومنین ص 260

بحوالہ تاریخ طبری ج 2 ص 300

یعنی حضرت عمر کچھ لوگوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور خیبریوں سے مڈبھیڑ ہوتے ہی حضرت عمر اوران کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمر فوج کو ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے کہ انھوں نے بزدلی دکھائی اور فوج حضرت عمر کو کہہ رہی تھی کہ وہ بزدل نکلے۔

پیغمبرؐ کا حضرت علیؑ کو علم دے کر بھیجنا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے جب یہ حالت دیکھی کہ فوج والے حضرت عمر کو ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں کہ انھوں نے بزدلی دکھائی اور حضرت عمر فوج کو ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں کہ میرے ساتھی بزدل نکلےاور جم کر نہ لڑے۔

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے شکست خوردہ فوج کی حالت دیکھی اور لشکر میں پھیلی ہوئی بددلی پر نظر ڈالی تو فتح کی نوید دیتے ہوئے فرمایا:

" اما والله لا عطین الرایة غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب الله و رسوله و یحبه الله و رسوله یفتح الله علیٰ یدیه " سیرۃ امیر المومنین ص 260

بحوالہ تاریخ خمیس جلد 2 ص 32

خدا کی قسم ضرور ضرور کل میں علم دوں گا اس مرد کو جو پیہم اور بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا اور راہ فرار اختیار کرنے والا نہ ہوگا وہ خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے او رخدا اور اس کا رسول اسے دوست رکھتے ہیں ۔ اللہ اس کے ہاتھوں سے خیبر کو فتح کرے گا۔

اور تاریخ ابوالفداء میں آنحضرتؐ کے الفاظ اس طرح درج ہیں

" اما واللہ لا عطین الرایة غدا رجلاً یحب اللہ و رسول و یحبہ اللہ و رسول کراراً غیر فرارا یا خذھا عنوة " البلاغ المبین جلد 1 ص 428 بحوالہ تاریخ ابوالفداء الجزء الاول ص 140

بغض علیؑ کی انتہا

بعض سیرۃ نگاروں نے پیغمبرؐ کی اس حدیث میں، جو حدیث رایت کے نام سے مشہور ہے بغض کی وجہ سے شک ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اردو ترجمہ سیرۃ ابن ہشام کے مترجم و مرتب محمد احسان الحق سلمانی نے مقبول اکیڈمی کی شائع کردہ سیرۃ ابن ہشام کے ص 531 پر اس حدیث کے متعلق یہ حاشیہ لکھا ہے:

"یہ روایت ابن ہشام سے بریدہ بن سفیان نے بیان کی ہے اور بریدہ کو حضرت امام بخاری ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں اور اس سے انھوں نے صحیح بخاری میں کوئی روایت نہیں لی ہے"۔ ترجمہ سیرۃ ابن ہشام ص 531

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اردو ترجمہ سیرۃ ابن ہشام کے مرتب نے صحیح بخاری کی اچھی طرح ورق گردانی نہیں کی ہے کیونکہ صحیح بخاری میں کئی مقام پر یہ حدیث رایت دوسرے راویوں سے بھی منقول درج ہے۔ البلاغ المبین ج 1 ص 418

بحوالہ صحیح بخاری کتاب الجہاد 56 باب 102

121-403 کتاب 62 فضائل اصحاب النبی باب 9

کتاب 64 المغازی باب 38

یعنی مسلمہ طور پر اس حدیث کو صرف بریدہ نے ہی نہیں بلکہ اصحاب پیغمبرؐ کی ایک کثیر جماعت نے بیان کیا ہے لہذا سیرۃ ابن ہشام کے اردو ترجمہ کے مرتب نے حاشیہ

میں بغض علی کی وجہ سے اپنی طرف سے اس حدیث کے بارے میں جو حضرت علیؑ کی فضیلت کو بیان کرنے والی ہے شبہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

حدیث رایت کو صحابہ کی ایک کثیر تعداد نے روایت کیا ہے

حدیث رایت کو صرف بریدہ بن سفیان نے ہی بیان نہیں کیا جیسا کہ سلیمانی صاحب نے سیرۃ ابن ہشام کے صفحہ 531 کے حاشیہ میں لکھا ہے بلکہ صحابہ کی ایک کثیر تعداد نے اس کو روایت کیا ہے۔

چنانچہ شاہ محمد علی حیدر حنفی اپنی کتاب سیرۃ العلویہ حصہ سوم میں ص 239 میں حدیث رایت کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں:

''اس حدیث کو قریب قریب تمام محدثین نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بھی اصح الاخبار واثبت الاسانید و متفق علیہ ہے۔ اصحاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب ذیل حضرات اس کے راوی ہیں:

''حضرت عمر ابن الخطاب، حضرت علیؑ مرتضیٰ، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت سہیل ابن سعد، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سلمہ ابن اکوع، حضرت عمران ابن حصین، حضرت سعد ابن ابی وقاص، حضرت جابر ابن عبداللہ، حضرت ابو یعلی، حضرت بریدہ بن حصیب، حضرت حسن ابن علیؑ، حضرت ابو رافع مولی آنحضرت، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو بردہ، حضرت حسان بن ثابت، حضرت عامر بن سعید۔

اس کے بعد فاضل مولف نے ان تمام روایتوں کو معہ اسناد کے نقل کیا ہے جو ان صحابہ رضوان اللہ علیہم سے مروی ہے۔ (سیرۃ العلویہ حصہ سوم ص 239)

اسی طرح بدرالدین عینی اپنی کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 7 ص 632 میں لکھتے ہیں:

" قال رواه جماعة من اصحابه غير سهل و ابو هريره علي و سعد ابن ابي وقاص والزبير بن العوام و الحسن ابن علي و ابن عباس و جابر ابن عبدالله و عبدالله ابن عمر و ابو سعيدالخدری . و سلمه بن اکوع ، و عمران ابن حصين ، و ابو يعلي الانصاری و بريده و عامر ابن ابی وقاص و آخرون "

"یعنی اس حدیث (رایت) کو سہل وابوھریرہ وعلی وسعد ابن ابی وقاص وزبیر بن العوام وحسن ابن علی وعبداللہ ابن عباس وجابر ابن عبداللہ وعبداللہ ابن عمر وابوسعید الخدری، عمران ابن حصین وابویعلی انصاری وبریدہ وعامر بن ابی وقاص کے علاوہ صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے روایت کیا ہے"۔ البلاغ المبین ج 1 ص 428

بحوالہ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد 7 ص 632

اس دن ہر صحابی علم لینے کا آرزومند تھا

مستند تاریخوں اور حدیث وسیرۃ کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے اس اعلان کے بعد ہر ایک صحابی علم ملنے کا آرزومند تھا اور اس انتظار میں تھا کل علم اسی کو ملے گا۔

امام بخاری اپنی صحیح میں لکھتے ہیں" **فغدوا علیٰ رسول الله كلهم يرجون ان يعطاها** " یعنی وہ سب کے سب صبح ہی صبح رسول اللہ کے پاس جمع ہو گئے اور ہر ایک یہ امید لگائے ہوئے تھا کہ علم اسی کو ملے گا" سیرۃ امیر المومنین ص 263

بحوالہ صحیح بخاری جلد 1 ص 525

یہاں تک کہ حضرت عمر دو مرتبہ شکست سے دوچار ہونے اور ہزیمت اٹھا کر واپس آنے کے باوجود خود فرماتے ہیں" **فما احببت الا مارة قبل يومئذ فتطاولت لها و استشرقت رجاء ان يدفعها الی** "

یعنی مجھے اس دن سے پہلے کبھی سرداری کی خواہش نہیں ہوئی۔ مگر میں اونچا ہوکر اور گردن لمبی کر کے امید کررہا تھا کہ علم مجھے دیں گے۔ (سیرۃ امیر المومنین ص 264)
بحوالہ طبقات ابن سعد جلد 2 ص 48

آنحضرتؐ کا حضرت علیؑ کو طلب فرمانا

اگلے دن پیغمبرؐ اپنے خیمہ سے برآمد ہوئے مجمع پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا کہ علیؑ کہاں ہیں۔ کسی کے یہ گمان میں بھی نہ تھا کہ علیؑ کا نام لیا جائیگا۔ کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ وہ سخت ترین آشوب چشم کی وجہ سے اپنے خیمہ میں آرام کررہے ہیں۔ لہذا ہر طرف سے شور اٹھا کہ ان کی تو آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ فرمایا کسی کو بھیجو اور ان کو بلاؤ۔ چنانچہ مسلم ابن اکوع گئے اور علیؑ کو لے کر آئے۔ آنحضرتؐ نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھ کر آنکھوں میں لعاب دہن لگایا۔ اور فرمایا بار الہا انہیں گرمی اور سردی کے اثرات سے محفوظ رکھ۔ اور دشمن کے مقابلہ میں ان کی مدد فرما، لعاب دہن رسول نے اکسیر شفا کا کام کیا اسی وقت آشوب چشم جاتا رہا۔ اور شورش و تکلیف ختم ہوگئی۔

حضرت علیؑ کی خیبر کی طرف روانگی اور مرحب سے جنگ

جب حضرت علیؑ کی آنکھیں روشن ہوگئیں تو پھر پیغمبرؐ نے اپنے ہاتھ سے زرہ پہنائی، تلوار کمر میں لگائی اور علم دے کر خیبر فتح کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؑ نے قلعہ خیبر کے قریب پہنچ کر سنگلاخ زمین میں علم کو گاڑ دیا جسے دیکھ کر یہودی لرزا ٹھے اور ان کے دلوں میں رعب چھا گیا۔ پہلے مرحب کا بھائی ایک دستہ فوج لے کر قلعہ سے باہر آیا۔ حضرت علیؑ نے بڑھ کر اس پر حملہ کیا اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مرحب نے جب یہ دیکھا کہ اس کا بھائی مارا جا چکا ہے تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے زرہ پر زرہ پہنی۔ سر پر پتھر کا

تراشا ہوا خود رکھا اور دو تلواریں اور تین بھال کا نیزہ لے کر قلعہ سے باہر آیا اور رجز پڑھتے ہوئے مبارز طلب ہوا۔ جناب امیرؑ نے اس کے رجز کے مقابل وہ مشہور رجز پڑھا جسکا پہلا شعر یہ تھا کہ:

انا الذی سمتنی امی حیدرہ   ضرغام آجام و بس قسورہ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے میں شیر نر اور اسد بیشہ شجاعت ہوں۔

مرحب نے آگے بڑھ کر حضرت پر وار کیا۔ حضرت نے اس کے وار کو رد کرتے ہوئے ایسی تلوار اس کے سر پر ماری جو اس کے خود کو کاٹتی ہوئی اور سر کی ہڈی کو توڑتی ہوئی جبڑوں تک اتر آئی۔ مرحب زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی دم توڑ دیا۔ مرحب کے مارے جانے پر یہودیوں میں بد دلی پھیل گئی۔ اور مرحب کے بعد چند اور نامور شجاع حضرت علی کے ہاتھ سے مارے گئے تو ان میں بھاگڑ پڑ گئی اور سب کے سب بھاگ کر قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔ حضرت علی نے آگے بڑھ کر قلعہ کے آہنی دروازہ کو جھٹکا دیا اور اس کے دونوں پٹ اکھڑ کر آپ کے ہاتھوں میں آ گئے اور فتح نے جھوم کر آپ کے دونوں قدم چوم لیے۔

ایک وضعی حدیث کے ذریعہ تکذیب رسول

اسلامی خدمات کے سلسلہ میں اگر کوئی اہم خدمات انجام دیتا ہے تو اس سے انکار یا اسے کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا اخلاقی نقطۂ نظر سے انتہائی سنگین جرم ہے۔ مگر اقتدار کے زیر اثر سب کچھ ہوتا رہا اور واقعات میں تحریف و تبدل سے کام لیا جاتا رہا چنانچہ خیبر کے واقعات کے سلسلہ میں بھی بنی امیہ کے زیر اثر لکھی گئی تاریخوں میں یہی کام کوشش کی گئی اور جابر ابن عبداللہ انصاری کی طرف جھوٹی نسبت دے کر یہ روایت گھڑی گئی کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے قتل کیا ہے۔   سیرۃ ابن ہشام ص 530

حالانکہ اگر محمد بن سلمہ کو مرحب کا قاتل قرار دیا جائے تو پھر فاتح خیبر بھی اسے ہی

تسلیم کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خیبر مرحب کے قتل ہونے کے نتیجہ میں ہی فتح ہوا اور اس سے تکذیب رسول لازم آتی ہے، کیونکہ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ: ی فتح الله علیٰ یدیه خدا اس کے ہاتھوں خیبر کو فتح کرے گا۔

مغانم کثیرہ کا حصول

خداوند تعالیٰ نے حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے بہت زیادہ مال غنیمت کی بشارت دی تھی خیبر کا علاقہ بڑا ہی سرسبز و شاداب تھا اور اہل حجاز کی غذائی ضروریات کا بیشتر حصہ یہیں سے فراہم ہوتا تھا جب یہ علاقہ مفتوح ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو ان کے لئے معاشی وسعت کی راہیں کھل گئیں اور وہ مہاجرین جو مکہ سے نکلنے کے بعد فقر و افلاس سے دوچار تھے نہ صرف معاشی اعتبار سے آسودہ ہو گئے بلکہ زمینوں اور جاگیروں کے مالک بن گئے۔

عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں

" ما شبعنا حتیٰ فتحنا خیبر " (سیرۃ امیر المومنین ص 269)

(بحوالہ صحیح بخاری جلد 2 ص 40)

"یعنی فتح خیبر کے بعد ہمیں شکم سیر ہو کر کھانا ملا"۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: " لما فتحت خیبر قلنا الان تشبع من التمر "

یعنی جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا اب ہم شکم سیر ہو کر کھجوریں کھائیں گے۔

(سیرۃ امیر المومنین ص 269)۔ (بحوالہ صحیح بخاری جلد 2 ص 40)

حضرت صفیہ سے عقد

تذکار صحابیات کا مصنف لکھتا ہے

"جنگ خیبر میں 93 یہودی مارے گئے اور 15 مسلمان شہید ہوئے۔ یہ لڑائی

یہودیوں کے لئے نہایت تباہ کن ثابت ہوئی۔ ان کے کئی نامور بہادر اور سردار اس لڑائی میں مارے گئے۔ حضرت صفیہ کے خاندان کے سارے افراد میدان جنگ میں کام آئے۔ یا جنگی قیدی بنا لئے گئے۔ مقتولوں میں ان کا باپ، بھائی اور شوہر بھی تھے اس طرح وہ نہایت قابل رحم حالت میں تھیں۔ تذکار صحابیات ص 101

اس کے بعد لکھتے ہیں

جب مال غنیمت کی تقسیم ہونے لگی تو حضرت وحیہ کلبی نے حضرت صفیہ کو اپنے لئے پسند کیا چونکہ وہ تمام اسیران جنگی میں ذی وقعت تھیں اس لئے بعض صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صفیہ بنی قریظہ اور بنونضیر کی رئیسہ ہے۔ خاندانی وقار اس کے بشرے سے عیاں ہے وہ ہمارے سردار (یعنی سرکار دو عالم) کے لئے موزوں ہے۔ حضور نے یہ مشورہ قبول فرمالیا۔ وحیہ کلبی کو دوسری لونڈی عطا فرما کر حضرت صفیہ کو آزاد کر دیا اور انہیں یہ اختیار دیا کہ چاہے وہ اپنے گھر چلی جائیں یا پسند کریں تو آپ کے نکاح میں آجائیں۔ حضرت صفیہ نے حضور کے نکاح میں آنا پسند کیا اور ان کے حسب منشاء حضور نے ان سے نکاح کر لیا۔

تذکار صحابیات ص 102

اصولاً مال غنیمت اور اسیران جنگ پر مجاہدین کا حق ہوتا تھا اور خدا و رسول کا پانچواں حصہ یعنی خمس نکال کر مجاہدین پر مساوی طور پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

حضرت ریحانہ جنگ بنی قریظہ میں، حضرت جویریہ جنگ بنی مصطلق میں اور حضرت صفیہ جنگ خیبر میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔ یہ تینوں خواتین شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور سرداران قوم کی بیٹیاں تھیں لہذا ان کو کسی کی کنیزی میں دینا ان کے ساتھ زیادتی اور ان کے وقار کو ٹھیس پہنچانے کا سبب بن سکتا تھا۔ لہذا پیغمبر اکرمؐ نے ان کے عزت و وقار کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا اور انہیں یہ اختیار دیا کہ چاہے وہ اپنے گھر چلی جائیں یا پسند کریں تو آپ کے نکاح میں آجائیں اور ان کے عزت و وقار کو قائم رکھنے کے لئے اس

کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ ان کو آزاد کرکے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا خود انہی کو اختیار دے دیا جائے اور ان کے فیصلہ کے بعد پیغمبر اکرمؐ ان کے عزت و وقار کا خیال کرتے ہوئے ان سے عقد کرنا قبول کرلیں۔ حضرت صفیہ اسیری کے نتیجہ میں ازواج پیغمبرؐ میں داخل ہونے والی تیسری اور آخری بیوی ہیں۔

واقعات ایلاء وطلاق وتخیر وترجی وتحریم

وافشائے راز وتظاہر ازواج وتشبیہ

پیغمبر اکرمؐ کی معاشرتی زندگی میں ازواج کے بارے میں کچھ واقعات کو تاریخوں اور سیرت کی کتابوں میں خاص طور پر بیان کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں بھی ان واقعات کے بارے میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ ان واقعات میں سے واقعہ ایلاء، واقعہ طلاق، واقعہ تخیر، واقعہ ترجی، واقعہ تحریم، واقعہ افشائے راز، واقعہ تظاہر ازواج اور واقعہ تشبیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مذکورہ واقعات کے بیان کرنے سے پہلے ہم ان الفاظ کا مطلب جو اس سلسلہ میں استعمال ہوئے ہیں پیش کرتے ہیں اور پھر ان کو علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

ایلاء: کا مطلب ہے پیغمبر اکرمؐ کا اپنی ازواج سے اظہار ناراضگی کے طور پر کچھ عرصہ کے لئے بول چال، میل جول ترک کرکے ان سے کنارہ کشی اختیار کرکے عزلت گزیں ہوجانا:

طلاق: کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کا اپنی ازواج میں سے کسی کو شرعی ازدواج اور تعلق منقطع کرکے رخصت کردینا

تخیر: کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ کا اپنی ازواج کو یہ اختیار دے دینا کہ اگر وہ مال دنیا

لے کر رخصت ہو جانا چاہیں تو انہیں کچھ مال دنیا دے کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دیا جائے اور اگر وہ خدا و رسول اور آخرت کو پسند کریں تو جو نیک ہوں گی اس کے لئے خدا کے یہاں بڑا اجر ہوگا۔

ترجی: کا مطلب یہ ہے کہ تخییر میں جو اختیار خدا نے ازواج کو دیا تھا ترجی میں وہی اختیار پیغمبرؐ کو دیا گیا ہے کہ تم اپنی ازواج میں سے جس کو چاہو چھوڑ دو اور ان میں سے جس کو چھوڑ چکے ہو اگر تم اس کو دوبارہ طلب کرنا چاہو تو رجوع کر سکتے ہو۔

تحریم: کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ کا خود سے کسی چیز کا اپنے اوپر حرام کر لینا۔

افشائے راز: کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے کسی راز کو کھول دینا اور کسی دوسرے پر ظاہر کر دینا۔

تظاہر: کا مطلب یہ ہے کہ اس راز کے سلسلہ میں ان کا آپس میں ایکا کر لینا اور پیغمبر کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے اس بارے میں غلبہ کی کوشش کرنا۔

تشبیہ: کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ کی بیویوں میں سے راز کھول دینے والی راز کھول دینے میں سے کسی کے مانند یا مشابہ ٹھہرائی گئی۔

ان الفاظ کا مطلب بیان کرنے کے بعد اب ہم ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

واقعات ایلا و طلاق و تخییر و ترجی

جب ہم تاریخوں اور سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مورخین نے واقعہ ایلا و طلاق تخییر و ترجی کو واقعہ تحریم اور واقعہ افشائے راز و تظاہر ازواج و تشبیہ کو آپس میں گڈمڈ کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے

جیسا کہ یہ سب واقعات ایک ہی وقت میں ایک ہی سلسلہ اور ایک ہی سبب سے واقع ہوئے

چنانچہ علامہ شبلی نے "مظاہرہ ازواج مطہرات کی تحقیق" کے عنوان کے تحت واضح الفاظ میں اپنے اس عندیہ کو ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"ایلا وتخیر مظاہرہ حفصہ و عائشہ" یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات ہیں۔ اور ان سے ایک ظاہر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں واقعے ہم زمان اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

سیرۃ النبی جلد اول ص 526

علامہ شبلی نے اپنے مذکورہ بیان میں یہ تو تسلیم کرلیا ہے کہ مذکورہ آٹھ الفاظ کا تعلق تین واقعات سے ہے۔

اگر کوئی محقق صحیح اور اچھی طرح غور کے ساتھ تفتیش کرے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ نہ تو یہ تینوں واقعات ایک ہی وقت میں رونما ہوئے اور نہ ہی سب کے سب ایک ہی سلسلہ میں اور ایک ہی سبب سے واقع ہوئے بلکہ حقیقتاً و واقعتاً ان تینوں واقعات کا تعلق تین علیحدہ علیحدہ اوقات اور تین علیحدہ اسباب سے ہے۔ اور علامہ شبلی نے صرف اس خیال سے کہ اس سے پیغمبر کی طرف سے ازواج سے اکثر ناراض رہنے کا پتہ چلتا ہے جو وہ نہیں چاہتے کہ کسی کو اس بات کا پتہ چلے لہذا صرف ایک وقت میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

چنانچہ اکثر مورخین و مفسرین اور سیرت نگاروں کے نزدیک واقعہ ایلا و طلاق و تخیر و ترجی کا تعلق تو جنگ خیبر کی فتح کے عین بعد سے ہے جب کہ بہت سا مال غنیمت ہاتھ آنے کی وجہ سے ازواج پیغمبر کے دل میں بھی اپنے لئے اس مال غنیمت میں سے لینے کی خواہش پیدا ہوئی اور انھوں نے پیغمبرؐ سے اس کا مطالبہ کیا اور واقعہ تحریم کا تعلق ایک دوسرے وقت میں ایک دوسرے واقعہ سے ہے اور واقعہ افشائے راز اور واقعہ تظاہر ازواج و تشبیہ کا

تعلق ایک اور وقت اور دوسرے واقعات و اسباب سے ہے۔

لہذا اہم واقعہ ایلاء وطلاق وتخیر وترجیح کو تو یہاں پر بیان کررہے ہیں اور واقعہ تحریم کے دوسرے واقعہ اور واقعہ افشائے راز وتظاھر ازواج وتشبیہ کے تیسرے واقعہ کو ان کے اپنے اپنے مقام پر بیان کریں گے۔

دوسرے مورخین، سیرت نگاروں، مفسرین اور محدثین کی طرح علامہ شبلی نے بھی اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد اول میں واقعہ ایلاء وطلاق اور واقعہ تخیر وترجیح کو اور واقعہ تحریم کو اور واقعہ افشائے راز وتظاھر ازواج وتشبیہ کو خوب اچھی طرح سے گڈمڈ کیا ہے اور سیرۃ النبی جلد اول کے صفحہ 547 سے صفحہ 562 تک ان واقعات کو اس طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ ملایا ہے کہ کسی کو کچھ سمجھ میں نہ آسکے کہ اصل بات کیا تھی۔

علامہ شبلی نے ان واقعات کو گڈمڈ کرنے کے لئے واقعہ ایلا وتخیر کا وقوعہ 9ہجری میں تحریر فرمایا ہے تاکہ اسے واقعہ تحریم اور واقعہ افشائے راز سے جوڑا جاسکے۔لیکن خود ہی حاشیہ میں یہ لکھ دیا ہے کہ:

بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ ذی الحجہ 5ھ کا واقعہ ہے۔

حالانکہ قرآن کے الفاظ اور خود ان کے تمہیدی بیان کا اقتضا یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب بکثرت مال غنیمت ہاتھ آیا اور یہ جنگ خیبر کی فتح کے بعد حاصل ہوا چنانچہ بہت سے مورخین اور محدثین نے ومفسرین نے یہی لکھا ہے کہ جب فتح خیبر کے بعد بکثرت مال غنیمت حاصل ہوا تو اس وقت ازواج پیغمبرؐ نے بھی اپنے لئے اس مال غنیمت میں سے لینے کا مطالبہ کیا۔

علامہ شبلی نے خود سیرت النبی جلد اول میں ایلا وتخیر کے عنوان کے تحت یہ لکھا ہے کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زاہدانہ اور تمام زخارف زندگی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے دو دو مہینے آگ نہیں جلتی تھی آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے مدت العمر دو

وقت برابر سیر ہوکر کھانا نصیب نہیں ہوا۔

ازواج رسول اس جنس لطیف میں شامل تھیں جن کی مرغوب ترین چیز عموماً زیب و زینت اور ساز و نعمت ہے اور گو شرف صحبت نے ان کو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی۔ خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایا اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ ان واقعات کا اقتضاء تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا تھا۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 547

اگرچہ بعض مورخین و مفسرین اور سیرۃ نگاروں نے بالفاظ واضح لکھا ہے کہ جب خیبر کی فتح کے بعد بکثرت مال غنیمت ہاتھ آیا تو اس وقت ازواج پیغمبر نے اس سے مال میں سے لینے کا پیغمبرؐ سے مطالبہ کیا تھا۔

لیکن علامہ شبلی نے اس واقعہ کو واقعہ تحریم اور واقعہ افشائے راز اور تظاہر ازواج کے ساتھ جوڑ دیا ہے حالانکہ واقعہ تحریم اور واقعہ افشائے راز و تظاہر کے سلسلہ میں نازل ہونے والی آیات کا واقعہ ایلاء و طلاق و تخییر و ترجی سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ شبلی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں آگے چل کر یہ خود بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ”حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا وہ خاص تھے۔ لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواج مطہرات شریک تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے سکون خاطر پر یہ تنگ طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔

سیرۃ النبی جلد اول ص 551

سورہ احزاب کی آیت نمبر 28-29 سے بھی جسے علامہ شبلی نے آیت تخییر سے تعبیر کیا ہے یہی واضح ہوتا ہے کہ ایلا کا واقعہ ازواج کی طرف سے توسیع نفقہ کے تقاضے کی

وجہ سے پیش آیا تھا جیسا کہ ارشاد ہوا کہ: "یا ایھا النبی قل لا زواجک ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحاً جمیلاً و ان کنتن تردن اللہ و رسولہ والاخرہ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجراً عظیماً" احزاب۔28-29

ان آیات کا ترجمہ خود علامہ شبلی نے اس طرح کیا ہے:

"اے پیغمبرؐ اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور دنیا کے زیب و آسائش مطلوب ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر بطریق احسن رخصت کردوں۔ اور اگر خدا، خدا کا رسول اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے تم میں سے نیکوکاروں کے لئے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔

مذکورہ ترجمہ کرنے کے بعد علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ

"اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرما دیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں۔ دنیا اور آخرت۔ اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تم خدا اور رسول اور زندگانی ابدی کی طلبگار ہو تو خدا نے نیکوکاروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

(سیرۃ النبی جلد اول ص 555)

اس آیت تخییر سے اور خود علامہ شبلی کے بیان سے جسے ہم نے سیرۃ النبی جلد اول کے صفحہ 551 کے حوالہ سے سابق میں نقل کیا ہے یہ ثابت ہو گیا کہ واقعہ ایلا تمام ازواج کی طرف توسیع نفقہ کے تقاضے میں تنگ طلبی کی وجہ سے پیش آیا تھا اور اس کا واقعہ تحریم اور واقعہ افشائے راز اور واقعہ تظاہر ازواج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور واقعہ ایلاء کے بعد جب پیغمبرؐ نے اپنی ازواج کو مال دنیا یا آخرت میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا خدا کے حکم سے اختیار دے دیا تو اسے تخییر کہتے ہیں۔

واقعہ طلاق وتر بجی

بنی امیہ کی حکومت کے زیر اثر لکھی جانے والی تاریخوں اور حدیث وسیرت کی کتابوں میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی پیغمبر کے ساتھ شادیوں کے واقعہ کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے جسے دیکھ کر اغیار انگلیاں اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا نبی عورتوں کا شوقین اور شہوت پرست تھا۔انھوں نے چون (54) برس کی عمر میں ایک ایسی لڑکی سے شادی کی جو ازدواجی زندگی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔اور اپنے شوہر کے گھر بھی گڑیوں سے کھیلتی رہتی تھی۔

اس طرح حضرت حفصہ کی شادی کے سلسلے میں جس طرح حضرت ابوبکر کے انکار پر بات بنانے کی کوشش کی گئی ہے اس سے اغیار یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ پیغمبر عورتوں کے بہت شوقین تھے۔

حالانکہ حضرت حفصہ کی طلاق کے بعد حضرت عمر کی پیش کش پر حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان کا انکار حضرت حفصہ کی تیز مزاجی سے ڈرتے ہوئے بھی سمجھا جا سکتا تھا جیسا کہ تذکار صحابیات کے مصنف نے حضرت حفصہ کی تیز مزاجی کو واضح الفاظ میں لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

”صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہ کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی اور وہ کبھی کبھار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بیباکی سے جواب دیتی تھیں۔ (تذکار صحابیات ص 67)

لہذا عین ممکن ہے کہ حضرت حفصہ کے شوہر کی طرف سے طلاق دینے کا سبب بھی حضرت حفصہ کی تیز مزاجی ہی ہو اور حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان نے بھی اسی وجہ سے حضرت عمر کی پیش کش پر اس رشتہ کو قبول نہ کیا ہو اور جب حضرت عمر کو غصہ میں دیکھ کر

مسلمانوں کے درمیان کیفیت انقباض کوختم کرنے کے لئے آنحضرتؐ نے مجبوراً حضرت حفصہ کے ساتھ شادی کرلی ہوتو آپ نے بھی حضرت حفصہ کی تیز مزاجی کی وجہ سے ہی طلاق دی ہو۔

اگرچہ واقعہ ایلا میں مورخین اور سیرۃ نگاروں نے تمام ازواج کی طرف سے توسیع نفقہ کے مطالبہ کی نسبت دی ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ توسیع نفقہ کا مطالبہ کرنے میں بھی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کا طرز عمل زیادہ سخت گیرانہ ہو۔جیسا کہ بعض محدثین نے بیان کیاہے اور اسی لئے کہ حضرت عمر کو ان دونوں سے یہ کہنا پڑا کہ:

''اب تمہاری یہ جرات ہوگئی ہے کہ تم رسول کواذیت دینے لگی ہو''

صحیح مسلم جلد 4 ص 188

اور حضرت عمر نے حفصہ سے تو مخاطب ہوکر یہ تک کہہ دیا کہ:

''خدا کی قسم تم اس بات کو جانتی ہوکہ رسول تمہیں پسند نہیں کرتے ہیں۔اگر میں نہ ہوتا تو اب تک تمہیں طلاق دے چکے ہوتے (یہ سنکر) حفصہ پر شدید رقت طاری ہوگئی۔

(صحیح مسلم جلد 4 ص 188)

(باب الایلاء والاعتزال وتخییر ھن)

اور بعض مفسرین نے توسیع نفقہ کے مطالبہ کے سلسلہ میں حضرت حفصہ کی طرف جو الفاظ منسوب کئے ہیں ان کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ پیغمبر اکرم تنگ آکر انھیں طلاق دے دیں۔

چنانچہ صاحب مناھج نے طلاق کے واضح الفاظ میں اس طرح لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

''اور روایت کی گئی ہے کہ طلاق دی رسول خدا نے حفصہ تیئں ایک طلاق رجعی اور جب یہ خبر عمر ابن خطاب کو پہنچی تو متالم ہوئے (مناھج ص 861)

اور تاریخ خمیس میں حضرت حفصہ کے واقعہ طلاق کو اس طرح سے لکھا ہے۔

لما بلغ عمر خبر طلاقها حتیٰ علی راسه التراب ما قال یا یعباء الله عمر وابنته بعد هذا تاریخ خمیس

یعنی جب عمر کو اس کی طلاق کی خبر پہنچی تو آپ نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور کہا کہ خدا اب اس کے بعد عمر اور ان کی بیٹی کا خیال نہ کرے گا۔

اس کے بعد یہی مورخ لکھتا ہے کہ اس کے بعد جبرائیل نازل ہوئے اور پیغمبر سے کہا

"**ان الله یامرک ان تراجع حفصه رحمته بعمر**" (تاریخ خمیس)

یعنی اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم عمر پر ترس کھاتے ہوئے حفصہ سے رجوع کرلو۔

چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے طلاق رجعی دینے کے بعد حضرت حفصہ سے پھر رجوع فرمالیا اور اس بات کا ثبوت کہ پیغمبر اکرمؐ نے ضرور اپنی ازواج میں سے کسی بیوی کو طلاق دی تھی سورہ احزاب کی آیت نمبر 51 سے بھی ملتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

"**ترجی من تشاء منهن و توی الیک من تشاء و من ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیک**" سورۃ الاحزاب۔51

اے پیغمبرؐ ان (اپنی ازواج) میں سے جس کو تم چاہو اپنے پاس رکھو اور جس کو تم (طلاق دے کر) الگ کر چکے ہو ان میں سے جس کو چاہو طلب کرلو تمہارے ذمہ کوئی الزام نہیں ہے۔

یعنی جس طرح آیہ تخییر میں ازواج کا مال دنیا لے کر رخصت ہو جانے یا پیغمبر کے پاس رہنے کا اختیار دیا تھا اسی طرح اس آیت میں قدرت پیغمبرؐ کو یہ اختیار دے رہی ہے کہ تم اپنی ازواج میں سے جسے چاہو رکھو اور جس کو (طلاق دے کر) چھوڑ چکے ہو ان میں سے جس کی طرف چاہے رجوع کرلو۔

اس کے علاوہ سورہ تحریم کی آیہ نمبر 5 میں تو واضح الفاظ میں بھی طلاق کا بیان آیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

" عسیٰ ربه ان طلقكن ، ان يبدله ازواجاً خيراً منكن مسلمات، مومنات ، قنتت ،تيبت ، سٰجت، لمئحت ، ثيبت و ابكاراً (التحریم ـ5)

"اگر وہ (ہمارا پیغمبر) تم کو طلاق دے دے تو قریب ہے کہ اس کا پروردگار تمہارے بدلے میں اس کو ایسی ازواج دے جو تم سے بہتر ہو۔ فرمانبرداری کرنے والیاں، ایمان والیاں، اطاعت کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، شوہر دیدہ اور کنواری"

حضرت عمر ابن الخطاب فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں عائشہ اور حفصہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ترجمہ کتاب اہل الذکر ڈاکٹر تیجانی سماوی ص 121

بحوالہ صحیح بخاری جلد 6 ص 61,69 باب واذا سر النبی الی بعض ازواجه

یہ آیت لفظ عسیٰ سے شروع ہوئی ہے اور قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ عسیٰ یا اس کے مشتقات آئے ہیں وہاں اس بات کا ہونا حتمی مراد ہوتا ہے یعنی ایسا ضرور ہو گا پس اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبرؐ کی طرف سے اپنی ازواج میں سے کسی کو طلاق دینے کا واقعہ بھی ضرور ہوا اور اس کے بعد مذکورہ صفات کی حامل ان سے بہتر کم از کم ایک کنواری اور ایک بیوہ سے پیغمبرؐ کا عقد بھی ضرور ہوا۔ اور اس آیت کا اقتضایہ ہے کہ یہ کنواری اور بیوہ واقعہ طلاق کے بعد پیغمبر کی زوجیت میں آئی ہوں۔ لہذا اب ہم اس کنواری اور بیوہ کے پیغمبرؐ کے ساتھ عقد کا حال لکھتے ہیں۔

حضرت ماریہ قبطیہؓ سے عقد

تذکار صحابیات کا مصنف لکھتا ہے کہ "صلح حدیبیہ 6ھ سے فارغ ہونے کے بعد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط بھیج کر اطراف و نواح کے حکمرانوں کو اسلام کی طرف دعوت دی تھی ان میں سے ایک خط اسکندریہ کے رومی بطریق

(PATRIARCH) کے نام بھی تھا۔ جسے عرب مقوقس کہتے تھے۔ مشہور صحابی حضرت حاطب بن بلتعہ حضور کا مکتوب لے کر مقوقس کے پاس پہنچے تو اس نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن حضرت حاطب سے بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ پیش آیا۔ جب اسکندریہ سے چلنے لگے تو دو قبطی لڑکیاں ان کے ساتھ کر دیں کہ اس کی طرف سے حضور کی خدمت میں نذر کی جائیں۔ ساتھ ہی ایک خط حضور کو روانہ کیا جس میں لکھا کہ میں دو لڑکیاں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں جو قبطیوں میں بڑا رتبہ رکھتی ہیں۔ یہ دو لڑکیاں حضرت ماریہ اور حضرت سیرین تھیں''۔

تذکار صحابیات ص 114

یہ بات ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ پیغمبر اکرم نے یہ تبلیغی خطوط صلح حدیبیہ کے بعد اور جنگ خیبر کے لئے روانہ ہونے سے پہلے بھیجے تھے اور یہ لڑکیاں حاطب ابن بلتعہ کے ساتھ جنگ خیبر کے بعد مدینہ پہنچیں تھیں اور بادشاہ مقوقس کے بیان کے مطابق یہ لڑکیاں قبطیوں میں بڑا مرتبہ رکھتی تھیں۔ کیونکہ قبطی خاندان مصر کا شاہی خاندان تھا۔ اور چونکہ وہ حضور کی خدمت میں بطور تحفہ اور نذر کے بھیجی گئی تھیں لہذا یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس نے کسی رانڈ، روڑھی، بیوہ یا مطلقہ اور کسی بوڑھی پھوس عورت کو ہدیہ اور تحفہ کے طور پر بھیجا ہو گا۔ لہذا لازماً وہ قبطیوں کے شاہی خاندان میں عالی مرتبہ ہونے کے علاوہ کنواری ہونے کے ساتھ ساتھ حسن و جمال میں بھی بے مثال تھیں۔ اور خدا نے پیغمبرؐ کو اپنی بیویوں کی طرف سے اذیتیں دینے پر صبر کرنے اور اپنے کنواری ہونے کو بار بار جتانے کی وجہ سے پیغمبرؐ کے تحمل کرنے پر یہ بشارت دے دی کہ اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دے دو تو میں ان سے بہتر وفادار، فرمانبردار، تابعدار اور اطاعت شعار بیویاں تمہارے عقد میں لا دوں گا۔

اور ان آیات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کا وقت، جنگ خیبر کے بعد مال دنیا کی طلب میں ازواج کی طرف سے تنگ طلبی پر واقعہ ایلا وطلاق و تخییر و ترجی کے واقعہ ہونے کے بعد کا ہے۔

لہذا جنگ خیبر کے بعد خدا کی بشارت کے مطابق وہ کنواری حضرت ماریہ قبطیہ آ گئیں جو مذکورہ صفات کی حامل اور خدا کی بشارت کے مطابق ''ازواجاً خیر منکن'' تمام سابقہ ازواج سے بہتر تھی اور پیغمبر اکرمؐ نے اسی کنواری ''ابکاراً'' ماریہ قبطیہ کے ساتھ عقد فرمایا اور حضرت ماریہ قبطیہ کے عقد کے ساتھ یہ خدائی بشارت پوری ہوگئی اور شاید حضرت عائشہ کے حضرت ماریہ قبطیہ سے حسد کی وجہ ان کے کنواری ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا حسن و جمال میں بے مثال ہونا بھی تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ ماریہ سے اپنے حسد کے بارے میں خود فرماتی ہیں۔

''میں نے ماریہ سے زیادہ کسی سے حسد نہیں کیا۔ ان سے میرا حسد اس لئے تھا کہ وہ اتنی خوبصورت اور ایسے بالوں والی تھی کہ رسول اس پر رشک کیا کرتے تھے۔

ترجمہ اہل الذکر ڈاکٹر تیجانی سماوی ص 127

بحوالہ طبقات ابن سعد جلد 8 ص 231.

انساب الاشراف جلد 1 ص 249

اصابہ فی معرفۃ الصحابہ

کسی کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ حضرت ماریہ قبطیہ لونڈی یا کنیز تھیں اور پیغمبرؐ کی منکوحہ بیوی نہ تھیں کیونکہ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ حضرت حاطب ابن بلتعہ کی تبلیغ سے راستہ میں ہی اسلام قبول کر چکی تھیں اور کنیزی کے لئے نہیں بھیجی گئی تھی وہ اسیران جنگ کی طرح قید ہو کر بھی نہیں آئی تھیں جبکہ پیغمبر اکرمؐ جنگ میں قید ہو کر آنے والی حضرت صفیہ، حضرت ریحانہ اور حضرت جویریہ کو بھی اپنی کنیزی میں نہیں رکھا بلکہ انہیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو اپنے گھر چلی جائیں یا پیغمبر سے رضامندی کے ساتھ نکاح کرلیں انھوں نے پیغمبر کی زوجہ ہونا پسند فرمایا اور ام المومنین کے لقب سے ملقب ہوئیں اور ماریہ قبطیہ شاہی خاندان سے تھیں شرافت ونجابت اور حسن و جمال میں بے مثال تھیں لہذا

شاہ مقوقس نے انھیں پیغمبرؐ کے پاس کنیزی کے طور پر نہیں بلکہ تحفہ وہدیہ ونذر کے طور پر بھیجا تھا اور راستہ میں ہی اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے وہ قابل احترام بن چکی تھیں لہذا پیغمبر اکرمؐ ہرگز ہرگز ان کو اپنی کنیزی میں نہیں رکھ سکتے تھے یہ اس شاہی خاندان کی ایک معزز خاتون کی توہین تھی اور بادشاہ مقوقس کی بھی ہتک کہ اس نے تو شاہی خاندان سے اعلیٰ نمونہ کا تحفہ بھیجا اور پیغمبرؐ نے اس کو کنیز بنادیا لہذا حتماً و یقیناً پیغمبر نے حضرت ماریہ سے عقد فرمایا تھا جس کے لئے خدا نے "ازواجاً خیراً منکن" کے ذریعہ بشارت دے دی تھی۔ لہذا وہ پیغمبر کی زوجہ محترمہ تھیں اور ام المومنین کے شرف سے مشرف ہونے کے لائق تھیں۔

اس بارے میں علامہ شبلی نے بھی ٹھیک لکھنے کی جسارت کر لی ہے وہ اپنی کتاب سیرت النبی میں لکھتے ہیں کہ: طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنیں تھیں اور حضرت حاطب بن بلتعہ جن کو آنحضرت نے مقوقس کے پاس خط دے کر بھیجا تھا ان کی تعلیم سے دونوں خواتین خدمت نبوی میں پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہیے کہ یہ خواتین لونڈیاں نہ تھیں اور اسلام قبول کر چکی تھیں اس لئے ماریہ سے نکاح کیا ہوگا نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے آپ کے حرم میں آئیں۔

سیرت النبی جلد اول ص 443

علامہ شبلی نے اپنے بیان میں یہ نہیں کہا کہ پیغمبرؐ نے ماریہ سے عقد فرمایا تھا بلکہ یہ کہا کہ "اس لیے ماریہ سے نکاح کیا ہوگا" یہ نکاح کیا ہوگا۔ اس لئے کہا کہ ان کے تمام اہل مشرب واہل مسلک اور حضرت عائشہ کی طرفداری کرنے والے حضرت عائشہ کے علاوہ پیغمبرؐ کی بیویوں میں اور کسی کو کنواری ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ لہذا علامہ شبلی نے یہاں پر یہ بات بالکل صحیح لکھی ہے۔ اور انصاف کی بات کی ہے۔ چونکہ حضرت عائشہ ان سے حسد کرتی تھیں لہذا حضرت عائشہ کی طرفداری کرنیوالے حضرت ماریہ قبطیہ کو ازواج نبی میں شمار ہی نہیں کرتے اور انہیں ام المومنین ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں حالانکہ خدا انہیں

"ابکاراً" کے ساتھ ازواجاً خیر منکن کی سند عطا فرما رہا ہے۔ اب ہم ثیبات یعنی ایک بیوہ سے آخری شادی کا حال لکھتے ہیں۔

حضرت میمونہؓ سے عقد

کنواری کے ساتھ عقد کی بشارت حضرت ماریہ کے ساتھ عقد کی صورت میں پوری ہو چکی تھی لیکن ابھی 'ثیبات' یعنی کسی بیوہ کے ساتھ عقد کی بشارت کا پورا ہونا باقی تھا کہ پیغمبر گرامیؐ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ عمرۃ القضا کے ادا کرنے کے لئے مکہ تشریف لے گئے اور وہاں پر حضرت عباس نے اپنی بیوی کی بہن حضرت میمونہ سے عقد کی درخواست کی جسے حضور نے قبول فرمایا اور اس طرح ایک کنواری کے بعد ایک بیوہ کے ساتھ عقد کی بشارت بھی پوری ہوگئی۔

تذکار صحابیات کا مصنف لکھتا ہے کہ:

"اسی سال (7ھ میں) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے تو آپ کے عم محترم حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے میمونہ سے نکاح کرنے کی تحریک کی۔ حضور رضامند ہوگئے۔ چنانچہ احرام کی حالت میں ہی شوال 7ھ میں 500 درہم حق مہر پر حضرت میمونہ سے نکاح ہوا۔ (تذکار صحابیات ص 107)

"حضرت میمونہ رسول کریمؐ کی آخری بیوی تھیں یعنی ان سے نکاح کے بعد حضور نے اپنی وفات تک کوئی اور نکاح نہیں کیا۔ (تذکار صحابیات ص 107)

اور سیرت ابن ہشام میں حضرت میمونہ کی شادی کا حال اس طرح لکھا ہے:

"اس سفر (عمرۃ القضاء) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ بنت حارث سے بحالت احرام شادی کی اور یہ شادی حضرت عباس نے کرائی تھی۔ حضرت میمونہ نے اپنی شادی کا اختیار اپنی بہن ام الفضل کو جو حضرت عباس کی بیوی تھیں، دیا تھا اور ام الفضل نے

وہ اختیار حضرت عباس کو دیا۔ حضرت عباس نے ان کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کردی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ کے مہر کے چار سو درھم عنایت کیے۔

(اردو ترجمہ سیرت ابن ہشام ص 555)

اس طرح خداوند تعالیٰ کی دی ہوئی بشارت۔ ''ثیبات و ابکارا'' پوری ہوگئی اوران دونوں بیویوں یعنی ماریہ قبطیہ اور حضرت میمونہ کو قدرت کی طرف سے '' ازواجاً خیر منکن '' کی سند ملی۔ اور حضرت میمونہ کے بارے میں خود حضرت عائشہ اس طرح فرماتی ہیں کہ:

''میمونہ ہم سب میں زیادہ متقی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔ یزید ابن عاصم کہتے ہیں کہ ان کا مشغلہ ہر وقت نماز تھا یا گھر کا کام'' (فضائل اعمال حکایات صحابہ ص 157)

واقعہ ایلا و طلاق و تخییر و ترجی کے بیان کے بعد ہم اس موضوع کو یہیں پر ختم کرتے ہیں اور واقعہ تحریم اور واقعائے افشائے راز و تظاھر ازواج و تشبیہ کو ان کے اپنے مقام پر بیان کریں گے اب ہم 8ھ کے واقعات بیان کرتے ہیں۔

8ھ کے واقعات۔ جنگ موتہ

علامہ شبلی اپنی کتاب سیرت النبی میں لکھتے ہیں:

''آنحضرت نے شاہ بُصری یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھا تھا۔ عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب رؤسا حکمران تھے ان میں ایک شرجیل بن عمرو بھی تھا جو اسی علاقہ بلقاء کا رئیس تھا۔ اور قیصر کے ماتحت تھا۔ یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا۔ یہ خط حارث بن عمیر لے کر گئے تھے۔ شرجیل نے ان کو قتل کردیا اس کے قصاص کے لئے آنحضرت نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی، زید بن حارثہ کو جو آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام تھے سپہ سالاری ملی اور ارشاد ہوا کہ

اگر ان کو دولت شہادت نصیب ہو تو جعفر طیار اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے سردار رہوں گے۔

سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص 477
بحوالہ صحیح بخاری غزوہ موتہ

اس کے بعد مولانا شبلی، حضرت زید، حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''یہ فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسوں نے شرجیل کو خبر دی جس نے مقابلہ کے لئے کم وبیش ایک لاکھ فوج تیار کی ادھر خود قیصر روم (ہرقل) قبائل عرب کی بے شمار فوج لے کر مآب میں خیمہ زن ہوا۔ جو بلقاء کے اضلاع میں ہے۔ حضرت زید نے یہ حالات سن کر چاہا کہ ان واقعات سے دربار رسالت کو اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا ہمارا اصل مقصد فتح نہیں بلکہ دولت شہادت ہے۔ جو ہر وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا حضرت زید برچھیاں کھا کر شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت جعفر طیارؓ نے علم ہاتھ میں لیا۔ گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری اور اس کی کونچیں کٹ گئیں پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور ہو کر گر پڑے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تھی۔ تلواروں اور برچھیوں کے نوے (90) زخم تھے۔ لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے۔ پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا۔ حضرت جعفر کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا۔ اور وہ بھی داد شجاعت دے کر شہید ہو گئے۔ اب حضرت خالد سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ کر گریں۔ لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجوں کو دشمن کی زد سے بچا لائے۔ جب یہ شکست خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر ان کی مشایعت کو نکلے تو لوگ غمخواری کی بجائے ان کے چہروں پر خاک پھینکتے

تھے کہ "فراریوں تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے۔

سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص 478-479

فتح مکہ 8ھ

علامہ شبلی قریش پر فوج کشی کے اسباب کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"صلح حدیبیہ کی بناء پر قبائل عرب میں خزاعہ آنحضرتؐ کے حلیف ہو گئے تھے اوران کے حریف بنو بکر نے قریش سے مخالف کا معاہدہ کرلیا تھا۔ان دونوں حریفوں میں مدت سے لڑائیاں چلی آتی تھیں۔اسلام کے ظہور نے عرب کوادھر متوجہ کیاتو وہ لڑائیاں رک گئیں۔اوراب تک رکی رہیں۔کیونکہ قریش اور عرب کا سارا زور اسلام کے مقابلہ میں صرف ہورہا تھا صلح حدیبیہ نے لوگوں کو مطمئن کیاتو بنو بکر سمجھے کہ اب انتقام کاوقت آ گیا۔ دفعتاً وہ خزاعہ پر حملہ آور ہوئے اور رؤسائے قریش نے ان کی مدد کی۔عکرمہ بن ابی جہل۔ صفوان بن امیہ، سہیل ابن عمرو وغیرہ نے راتوں کو صورتیں بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلواریں چلائیں۔خزاعہ نے مجبور ہوکر حرم میں پناہ لی۔بنو بکر رک گئے کہ حرم کا احترام ضروری ہے لیکن ان کے رئیس اعظم نوفل نے کہا یہ موقع پھر ہاتھ نہیں آسکتا۔غرض عین حدود میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 482

قریش سے مصالحت کی کوشش

قریش مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف جنگ کر کے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کر چکے تھے۔لیکن پیغمبر اکرمؐ نے اتمام حجت کے طور پر اس واقعہ کے بعد بھی قریش کے ساتھ مصالحت کی کوشش کی۔

چنانچہ علامہ شبلی "قریش سے مصالحت کی کوشش" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"معلوم ہوا کہ خزاعہ کے چالیس ناقہ سواروں جن کا پیش عمرو بن سالم ہے فریاد لے کر آئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے واقعات سنے تو آپ کو سخت رنج ہوا۔تا ہم آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جاوے

۱۔ مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

۲۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرطہ بن عمرو نے قریش کی زبان سے کہا کہ "صرف تیسری شرط منظور ہے"

سیرت النبی جلد اول ص 483

حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ جانے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے مکہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے۔

ایک خط پکڑا گیا

حاطب ابن بلتعہ نے مکہ کے کافروں کو ایک خط بھیجا کہ آنحضرتؐ تم سے لڑنے آتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ۔ حضرت زبیر ابن العوام اور حضرت مقداد ابن اسودؓ کو بھیجا کہ مقام خارج پر ایک عورت ہودے پر سوار سارا نامی کے پاس خط ہے اس سے چھین لاؤ۔ اس مقام پر پہنچے تو عورت نے انکار کیا۔ جب اس کو ننگا ہونے کی دھمکی دی گئی تو اس نے وہ خط اپنے جوڑے سے نکال کر دیا وہ خط لے کر آنحضرت صلعم کے پاس لائے اور حاطب ابن بلتعہ کو بلا کر پوچھا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ جلدی نہ فرمایئے۔ بات یہ ہے کہ میں دوسرے مہاجرین کی طرح قریش کے خاندان سے نہیں ہوں۔ صرف ان کا حلیف بن کر ان سے جڑ گیا ہوں۔ اور دوسرے مہاجرین کے وہاں عزیز و اقربا ہیں جو ان کے گھر بار میں جو ان کے گھر بار مال کی نگرانی کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ خیر جب میں

خاندانی شریک نہیں ہوں۔ تو کچھ احسان ہی ان پر کر دو۔ تا کہ میرے کنبے کو نہ ستائیں۔ باقی خدانخواستہ میں کچھ دین سے نہیں پھر آیا۔ میں مسلمان ہونے کے بعد کافر ہونا ناپسند کرتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے یہ بیان سن کر فرمایا حاطب صحیح کہتا ہے"

سوانح عمری حضرت رسول مقبول ص 174

بحوالہ صحیح بخاری مترجم کتاب المغازی پ 17 ص 34

ایک حدیث پر غور

ایک حدیث بڑے زور و شور کے ساتھ مسجدوں میں منبروں پر اور ہر جمعہ کے خطبہ میں پڑھی جاتی ہے کہ:

" اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم "

"یعنی میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے"۔

لیکن نہ تو خطبہ دینے والا اس بات پر غور کرتا ہے اور نہ ہی سننے والے یہ سوچتے ہیں کہ کیا حاطب بن بلتعہ کا مذکورہ عمل اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جاوے۔ کیا کسی بھی فوج کا سپہ سالار اور اس کے افسر اس بات کو برداشت کر سکتے ہیں کہ وہ خفیہ طور پر کسی حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہوں اور ان کی فوج کا کوئی سپاہی اپنی فوج کے حملہ کی تیاری کی اطلاع فوج مخالف کو دے دے۔ یقیناً اگر ایسا خط پکڑا جائے تو اس کا کورٹ مارشل ہو گا۔ اور اس کو موت تک کی سزا دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے حاطب بن بلتعہ کے لئے یہی سزا تجویز کی تھی جیسا کہ علامہ شبلی نے لکھا کہ "خط آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حضرت حاطب کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمر بے تاب ہو گئے اور عرض کی کہ: "حکم ہو تو ان کی گردن اڑا دوں" (سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص 484)

یقیناً اگر حضرت عمر کے دور حکومت میں ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو وہ ضرور ایسا ہی کرتے۔ لیکن پیغمبرؐ رحمت نے حاطب کا عذر سن کر انھیں معاف کر دیا۔ جیسا کہ شبلی نے اپنی کتاب سیرت النبی میں لکھا ہے کہ:

''حضرت حاطب کے عزیز و اقارب اب تک مکہ میں تھے اور ان کا کوئی حامی نہ تھا۔ اس لئے انھوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ حملہ میں ان کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں۔ انھوں نے حضرت کے سامنے یہی عذر پیش کیا اور آنحضرتؐ نے قبول فرمایا''

سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص 484

یہ بات بھی مدنظر رہے کہ حضرت حاطب سابق الاسلام تھے۔ ہجرت کے شرف سے مشرف ہوئے اور جنگ بدر میں شریک ہونے کی وجہ سے بدری کہلاتے تھے۔ ان پر نفاق کی تہمت بھی نہیں لگائی جا سکتی تھی۔ بلکہ وہ پیغمبر کی تصدیق کے مطابق مسلمان تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے مذکورہ عمل کو قابل پیروی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ لہذا مذکورہ حدیث ہرگز ہرگز فرمودہ پیغمبر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ بنی اُمیہ کے ادارۂ حدیث سازی کی گھڑی ہوئی ہے جس کو ہم سابقہ اوراق میں ثابت کر آئے ہیں۔

اسلامی فوجوں کی مکہ کی طرف روانگی

علامہ شبلی مذکورہ عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''غرض 10 رمضان 8ھ کو کبۂ نبوی نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا دس ہزار آراستہ فوج رکاب میں تھیں۔ قبائل عرب راہ میں آکر ملتے جاتے مر الظہران پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ اور فوجیں دور دور تک پھیل گئیں مکہ معظمہ سے ایک منزل یا اس سے بھی کم فاصلہ پر ہے۔

ابوسفیان دربار رسالت میں

جب قریش کو جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ کے مکہ پہنچنے کی خبر پہنچی، تو انھوں نے بدیل بن ورقا، حکیم بن حزام اور ابوسفیان بن حرب کو جاسوسی کے لئے بھیجا۔ اور انھیں تاکید کی کہ اگر رسول اللہ صلعم تشریف لائے ہوں تو معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کی درخواست منظور کرا کے آپ کو راستہ سے ہی واپس کر دینا۔ یہ تینوں جاسوس اپنے مشن پر نکلے اور مختلف راستوں پر ہو لئے۔ حسن اتفاق سے حضرت عباس ابن عبدالمطلب اپنے خچر پر بیٹھ کر گشت کے لئے نکلے تو راستہ میں ابوسفیان نے دیکھ کر آواز دی۔ ابن ہشام، حضرت عباسؓ کی زبانی بیان کرتے ہیں " فقال یا ابا الفضل . قلت نعم . قال مالک فداک امی و ابی . قال قلت و یحک یا ابو سفیان هذا رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم فی الناس و اصباح قریش والله قال فما الحیلة فداک امی و ابی قال قلت والله لئن ظفر بک لیضربن عنقک فارکب فی هجر هذا البغلة حتی اتی بک رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم فاستنا منه "

(اسوۃ الرسول جلد 3 ص 155)

بحوالہ سیرۃ ابن ہشام

ترجمہ: ابوسفیان نے کہا اے ابوالفضل۔ میں نے کہا ہاں: ابوسفیان بولا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ کیا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر ہے اور قریش کے لئے خدا کی قسم اب صبح ہے۔ ابوسفیان بولا اب میرے بچنے کا کوئی حیلہ ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں نے کہا یہ سمجھ لے کہ فتح ہوتے ہی تیری گردن ماردی جائیگی۔ بہتر یہ ہے کہ میرے خچر کے پیچھے سوار ہو جا۔ میں تجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جا کر امان دلوادوں۔

شبلی صاحب صحیح بخاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''صحیح بخاری میں ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ہی ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا لیکن طبری وغیرہ میں اس اجمال کی تفصیل میں اس کا یہ مکالمہ لکھا ہے۔

رسول اللہ صلعم: کیوں ابوسفیان کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں

ابوسفیان: کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

رسول اللہ صلعم: کیا اس میں کچھ شک ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔

ابوسفیان: اس میں تو ذرا شبہ ہے۔

بہر حال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا۔ (سیرت النبی جلد اول ص 486)

ابوسفیان کیسے اسلام لایا

شبلی صاحب نے بخاری کے حوالے سے ابوسفیان کا گرفتار ہونا لکھا ہے حالانکہ حضرت عباسؓ کا ابوسفیان کا اس طرح لے جانا گرفتاری نہیں بلکہ رہنمائی کہلائیگا۔

شبلی صاحب نے طبری سے بھی رسول اللہ کا مکالمہ لکھا ہے لیکن وہ طبری کا اس سے اگلا بیان چھوڑ گئے کہ ابوسفیان کس طرح اسلام لایا اور اپنی طرف سے یہ لکھ دیا کہ ''بہر حال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا''۔ اسلام کا اظہار کیسے کیا وہ چھوڑ دیا۔ طبری میں اس مکالمہ کے بعد یہ لکھا ہے کہ:

عباس نے بیان کیا کہ اب میں نے اس سے کہا کہ تم کو کیا ہوا ہے بہتر ہے کہ کلمہ شہادت حقہ کا اعلان کردو ورنہ تمہاری گردن ماردی جائیگی اس نے کلمہ شہادت ادا کیا۔

اردو ترجمہ تاریخ طبری مترجم محمد ابراہیم ایم اے جلد اول ص 396

اور شرح مواهب الدنیہ میں اس طرح لکھا ہے:

قال ابو سفیان یا بی انت وامی احلمک اکرمک و او ملک اما

هذا ناللہ فان فی النفس منھا شئی حتی الآن فقال له العباس و یحک اسلم و اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ قبل ان نضرب عنقک فاسلم و شھدشھادۃ الحق "

اسوۃالرسول جلد 3 ص 159

بحوالہ شرح مواھب الدنیہ زرقانی جلد 2 ص 360 طبع مصر

ترجمہ ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان میرے لئے آپ سے بڑھ کر کوئی حلیم تر، کریم تر اور (قرابت میں) قریب تر نہیں ہے لیکن اس امر (یعنی نبوت کے بارے) میں خدا کی قسم میرے دل میں ابھی تک شک ہے۔ یہ سن کر حضرت عباس نے کہا۔ وائے ہو تجھ پر جلد اسلام لا اور کلمہ شہادت: اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ پڑھ لے۔ قبل اس کے کہ تیری گردن ماری جائے پس اس نے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔

ابوسفیان کبھی سچا مسلمان نہیں ہوا۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ "مورخین لکھتے ہیں کہ "بالآخر وہ سچے مسلمان ہوگئے"

سیرۃالنبی جلد اول ص 486

سوال یہ ہے کہ وہ کون مورخ ہے جس کی تاریخ میں اس کے سچے مسلمان ہونے کی شہادت ہے۔ زبانی کلامی مغالطہ دینے سے تو کام نہیں چلتا کم ازکم اس کی عبارت نہ سہی اس کا نام ہی لکھ دیا ہوتا۔ جبکہ ابوسفیان کے اس طرح اسلام لانے کے بعد بھی اس کا تذبذب فی ایمان کسی سے چھپا ہوا نہیں رہا محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ:

"حضرت عباس سے ابوسفیان کے اسلام لانے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" انه رجل مستسلم ولا مسلم "

''یہ شخص مسلمان بنایا گیا ہے اسلام نہیں لایا ہے''

یعنی اس نے اسلام کو بہ تکلف ظاہر کیا ہے نہ رغبت سے وطیب خاطر سے۔

(اسوۃالرسول جلد 3 ص 160 ۔بحوالہ مدارج النبوۃ جلد 2 ص 581)

ابوسفیان کے ساتھ احسان

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوسفیان کے جرائم ومظالم کی کوئی حد وانتہا نہیں تھی۔ اسلام کی کئی بڑی بڑی جنگیں اس کی برپا کی ہوئی تھیں۔ یہ جناب رسول خدا کے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق اور یہ حقیقتاً یہ آپ ہی کی دریا دلی تھی اور لاانتہا فیاضی کہ ابوسفیان کے ایسے دشمن جانی کی جان بخشی فرمادی جس کو دیکھ کر شبلی صاحب بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ

''ابوسفیان کے پچھلے کارنامے سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعویدار تھی مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت صلعم کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی۔ لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبی) تھی، اس نے آہستہ سے ابوسفیان کے کان میں کہا کہ خوف کا مقام نہیں۔ (سیرت النبی جلد اول صفحہ 485)

شبلی صاحب سیرت النبی میں لکھتے ہیں

''لشکر اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو کہ افواج الٰہی کا جلال آنکھوں سے دیکھیں۔ کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام میں طلاطم شروع ہوا قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھیں۔ سب سے پہلے عفار کا پرچم نظر آیا۔ پھر جہینہ (سعد بن) ہذیم بن سلیم ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے۔ ابوسفیان ہر ہر مرتبہ

مرعوب ہو ہو جاتے ۔سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سرو سامان سے آیا کہ آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 486

لشکر اسلام کا یہ منظر تاریخ طبری، سیرۃ ابن ہشام، تاریخ ابو الفداء، مواھب الدنیہ اور تاریخ روضۃ الاحباب وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ اور ابو سفیان نے لشکر اسلام کو دیکھ کر حیرانی کے عالم میں جو کچھ کہا وہ بھی بالفاظ واضح لکھا ہوا ہے۔ لیکن شبلی صاحب نے اس کو نقل کرنے سے احتراز کیا ہے۔ ترجمہ تاریخ طبری جلد اول مترجمہ محمد ابراہیم ایم اے شائع کردہ نفیس اکیڈیمی میں یہ واقعہ "ابوسفیان اور لشکر اسلام" کے عنوان سے یوں لکھا ہے۔

ابوسفیان اور لشکر اسلام

(عباس کہتے ہیں کہ) میں آپ کے پاس سے آٹھ آیا، اور میں نے ابوسفیان کو وادی کے تنگنائے میں پہاڑ کی چوٹی پر اپنے ساتھ ٹھہرالیا۔ تمام قبائل ان کے سامنے سے گذرنے لگے، جب کوئی قبیلہ آتا وہ مجھ سے پوچھتے، یہ کون ہے؟ میں نے کہا یہ بنی سلیم ہیں، ابوسفیان نے کہا مجھے ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے بعد دوسرا قبیلہ آیا۔ انھوں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ میں نے کہا یہ اسلم ہیں۔ ابوسفیان نے کہا مجھے ان سے سروکار نہیں۔ پھر جہینہ آئے۔ انھوں نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ میں نے کہا یہ جہینہ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا مجھے ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اب خود رسول اللہؐ کی سواری جس کے جلو میں ان کی خاص فوج جس میں تمام مہاجرین اور انصار فولاد میں غرق کہ صرف آنکھوں کے حلقے نظر آتے تھے۔ آئی۔ ابو سفیان نے پوچھا۔ ابو الفضل یہ کون ہیں؟ میں نے کہا۔ یہ خود رسول اللہ صلعم مہاجرین اور انصار کے ساتھ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا اے ابو الفضل بخدا اب تو تمہارے بھتیجے کی طاقت اور شوکت بہت بڑھ گئی ہے۔ میں نے کہا یہ دنیاوی حکومت نہیں۔ بلکہ یوں کہو کہ یہ نبوت کا اثر ہے

(اردو ترجمہ طبری مترجم محمد ابراہیم ایم اے۔ نفیس اکیڈیمی جلد 1 ص 395)

سیرۃ ابن ہشام میں آخری عبارت کے اصل عربی الفاظ اس طرح ہیں:

فقال ابو سفیان سبحان یا عباس من هولاء قال قلت هذا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی المهاجرین والانصار قالا ما لاحدبهولاء قبل ولا طاقة والله یا ابو الفضل لقد اصبح ملک ابن اخیک القدرة عظیماً قال قلت یا ابا سفیان انها النبوة" اسوۃ الرسول جلد 3 ص 161

بحوالہ سیرۃ ابن ہشام جلد 2 ص 215

ترجمہ: ابوسفیان نے کہا سبحان اللہ عباس یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ یہ مہاجرین وانصار کے گروہ رسول اللہ صلعم کے ہمراہی ہیں۔ ابوسفیان نے حیران ہوکر کہا کہ ایسی تو پہلے کسی کی قوت وشان نہیں تھی۔ قسم خدا کی۔ اے ابوالفضل اب تو تیرے بھتیجے کی بڑی سلطنت ہوگئی ہے۔ حضرت عباس کہتے ہیں میں نے جواب دیا۔ اے ابوالفضل یہ نبوت ہے۔

یعنی ابوسفیان نے اس کو دنیاوی سلطنت سمجھا اور طبری کے اردو ترجمہ میں حضرت عباس کا جواب بھی کہ "میں نے کہا یہ دنیاوی حکومت نہیں ہے" یہ ثابت کرتا ہے کہ ابوسفیان کلمہ پڑھنے کے باوجود اس کو ایک دنیاوی حکومت سمجھتا تھا اور وہ آخر تک یہی سمجھتا رہا۔ چنانچہ نصائح کافیہ میں ابوسفیان کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ:

"جب حضرت عثمان برسر حکومت ہوئے تو معاویہ کے باپ ابوسفیان نے باریاب ہوکر عرض کیا کہ تیم وعدی کے بعد اب تیری خلافت آئی ہے اسے کرہ (گیند) کی طرح پھیر اور بنی امیہ کو اس کی میخیں بنا، میں نہیں جانتا کہ بہشت و دوزخ کیا ہے۔

نصائح کافیہ ص 83

بحوالہ عرب اور اندلس کے اموی فرمانرواؤں کی تاریخ بہ اسم "بنی امیہ"

قریش کے لئے فرمان امان اور فتح مکہ

ابو سفیان لشکر اسلام کی جھلک دیکھ کر مکہ آیا اور قریش سے کہا کہ محمد ایک لشکر جرار کے ساتھ پہنچ گئے ہیں۔ لوگوں نے کہا تم وہاں گئے تھے۔ انھوں نے کچھ کہا بھی ہے؟ کہا کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امان دی جائے گی۔ لوگوں نے کہا تمہارے گھر میں آدمی ہی کتنے آسکتے ہیں۔ کہا کہ انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے گا۔ یا مسجد الحرام میں پناہ لے گا اس کے لئے بھی امان ہے۔ پھر قریش سے مخاطب ہو کر کہا اے گروہ قریش تم ان کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے بہتر ہے اسلام قبول کر کے اپنی جانیں بچالو۔ یاد رکھو کہ تم نے اسلام کے قبول کرنے میں ذرا بھی پس و پیش کیا تو تمہاری گردن اڑا دی جائیگی۔ قریش ابھی حیرت میں کھوئے ہوئے سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں کہ اسلام کے پرچم لہرانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مکہ کی فضا پر چھا گئے۔

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام لشکر کی قیادت کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ قریش میں تاب مقاومت ہی نہ تھی کہ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے ریلے کو روکتے۔ اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے اور کل جن کے لئے مکہ کے دروازے بند کئے تھے آج ان کے لئے فتح و کامرانی کے دروازے کھل گئے۔ اسلام کی امن پسندی اور حق و صداقت کی فتح تھی جس میں نہ جنگ کی نوبت آئی اور نہ ہی جنگ کی ضرورت محسوس کی گئی۔

عام معافی کا اعلان

جب پیغمبر اکرم مکہ کی بالائی سمت سے شہر میں داخل ہوئے تو سیدھے خانہ کعبہ کے پاس آئے اور طواف بجالائے۔ طواف سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ عمائدین قریش

سرنہوڑائے چپ سادھے کھڑے ہیں۔یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے پیغمبرؐ کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔آپ کو گھر سے بے گھر کیا اور غربت میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور پیہم خونریز حملے کرتے رہے۔آنحضرتؐ نے ان کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ تم سے کیا سلوک کیا جائیگا؟ سب نے ندامت سے سر نیچے ڈال دیے خطیب قریش ابن عمرو نے کہا: "نظن خیرا ونقول خیرا اخ کریم وابن عم کریم" آپ شریف بھائی اور شریف چچا کے بھتیجے ہیں ہم آپ سے نیکی اور بھلائی ہی کی توقع رکھتے ہیں فرمایا:

"لاتثریب علیکم الیوم۔ اذھبوا فانتم الطلقاء"

آج تم سے کوئی مواخذہ نہ کیا جائیگا۔جاؤ تم سب آزاد ہو۔

یہ پیغمبرؐ کی بلند نفسی و وسعت قلبی کا کرشمہ تھا کہ جو لوگ ہر وقت دشمنی وعناد پر کمر بستہ رہتے تھے اور آپ کی آواز پر کان دھرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے حلقہ بگوش اسلام ہو کر کلمہ پڑھنے لگے

کعبہ میں بت شکنی

صحیح بخاری میں ہے کہ جس وقت آپ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اس وقت خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔آپ ہاتھ کی چھڑی سے ایک ایک کو ٹھونسا دیتے اور فرماتے "جاء الحق و زھق الباطل "حق ظاہر اور جھوٹا جاتا رہا۔اور جھوٹ سے نہ شروع میں ہو سکتا ہے نہ آئندہ کچھ ہو سکتا ہے۔حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی مورتیں بھی نکلیں۔ان کے ہاتھ میں فال کھولنے کے پاس تھے۔آپ نے فرمایا۔اللہ مشرکو ں کو غارت کرے۔کم بخت یہ خوب جانتے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں نے کبھی فال نہیں دیکھی،چاروں کونوں میں تکبیر کہی پھر باہر نکلے۔(سوانح عمری رسول مقبول ص 176)

بحوالہ صحیح بخاری پ 17 ص 40 مطبع احمدی لاہور

کچھ مستند تاریخوں اور سیرت کی کتابوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلعم نے

جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کو اپنے دوش مبارک پر سوار کر کے بت شکنی کرائی۔ اور پوچھا یا علیؑ اس وقت اپنے تئیں کیا پاتے ہو۔ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا دیکھتا ہوں کہ تمام پردے کھل گئے ہیں گویا میرا سر عرش معلیٰ کو پہنچا ہوا ہے اور جس چیز پر ہاتھ ڈالتا ہوں وہ چیز میرے ہاتھ میں ہے۔ آپ نے فرمایا یا علیؑ خوش ہو جیو کہ اللہ تعالیٰ کا کام کرتے ہو اور مجھ کو خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بوجھ اٹھاتا ہوں۔ پھر حضرت علیؑ نے چھلانگ ماری تو ہنسنے لگے جناب رسول خداؐ نے پوچھا یا علی کیوں ہنستے ہو۔ عرض کی اس لئے کہ اتنی اونچی جگہ سے کودا اور چوٹ نہ آئی۔ فرمایا کیونکر تم کو چوٹ آتی محمدؐ نے تم کو اٹھایا اور جبرائیل نے تم کو اتارا۔

سوانح عمری حضرت رسول مقبول ص 176

بحوالہ تاریخ الاسلام جلد دوم ص 183 مدارج النبوۃ جلد دوم ص 385

روضۃ الصفا جلد دوم ص 147۔ تاریخ خمیس عربی جلد دوم ص 86

روضۃ الاحباب جلد اول ص 430 مطبوعہ شیخ بہادر

اور کلینی نے بسند صحیح حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے حجرہ اسمٰعیل میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے حضرت جس بت کے پاس پہنچتے اپنے عصا سے ان کی آنکھ یا شکم پر مارتے اور فرماتے "جاالحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" (پارہ 15 سورہ بنی اسرائیل آیت 81) حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے والا ہی ہے۔ اسی وقت وہ بت منہ کے بل گر پڑتا۔ اور اہل مکہ دل ہی دل میں کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر ہم نے کوئی ساحر نہیں دیکھا۔ حیات القلوب مجلسی ص 699

بحوالہ کافی کلینی

اور عیاشی نے حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ روز فتح مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کے بتوں کو مسجد سے باہر کر دیں اور توڑ ڈالیں۔ قریش کا

ایک بت کوہ مروہ پر رکھا ہوا تھا۔انھوں نے حضرت سے التجا کی کہ اس کو نہ توڑیں۔حضرت نے تھوڑا تامل کیا۔پھر فرمایا کہ اس کو بھی توڑ ڈالو۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

" ولولا ان ثبتنک لقد کدت ترکن الھیم شیئا قلیلاً "

پ15 سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 74۔اگر ایسا نہ ہوتا تو کہ ہم تم کو ثابت قدم رکھتے بیشک نزدیک تھا کہ تم ان کی جانب جھک جاتے۔(حیات القلوب ص 701)

ابن بابویہ نے سند صحیح حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ جب فتح مکہ کے روز داخل مکہ ہوئے،کوہ صفا پر کھڑے ہو کر فرمایا اے فرزندان ہاشم اور اے فرزندان عبدالمطلب میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں۔تم کہو کہ محمد ہم میں سے ہیں اور جو چاہو کرو۔خدا کی قسم تم میں یا غیروں میں میرا وہی دوست ہے جو پرہیز گار ہے۔ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز تم اپنی گردنوں پر دنیا کا وبال لادتے ہوئے آؤ اور دوسرے آخرت کا ثواب اپنی گردنوں میں لئے ہوئے ہوں۔میں نے اپنے اور خدا کے درمیان تم پر عذر قطع کر دیا اور حجت تمام کر دی۔میرا عمل میرے ساتھ اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہوگا۔مجھ کو تمہارے عمل کے بدلے گرفتار نہ کریں گے۔ (حیات القلوب ص دوم)

ابن خلدون نے فتح مکہ کے بعد آنحضرت کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے وہ اکیلا ہے۔اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اپنے بندوں کی مدد کی اور مخالفین کو شکست دی، آگاہ رہو کہ بیشک جو عادتیں یا خون یا مال جس کا جاہلیت میں دعویٰ کیا جاتا تھا سب کو میں نے پاؤں میں مسل دیا۔قتل خطا مثل قتل عمد ہے۔خواہ کوڑوں سے ہو یا لٹھ سے اس کا خون بہا سو اونٹ ہوگا۔اے گروہ قریش۔بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا تکبر اور باپ دادا پر فخر کرنا منع کر دیا۔کل آدمی برابر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے تم کو نر و مادہ سے پیدا کیا اور قبائل اور شاخیں بنائی تا کہ تم پہچانو۔اللہ کے نزدیک وہ بزرگ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ ابن خلدون کتاب ثانی جلد سوم ص 193

اہل مکہ کا اسلام لانا

اہل مکہ اگرچہ اسلام لے آئے اور ان میں کچھ ایسے بھی لوگ ہوں گے جو اسلام کی صداقت سے پہلے ہی متاثر رہیں ہوں گے اور اب صدق دل سے اسلام قبول کرلیا ہوگا مگر بلاشبہ مکہ کے لوگوں کی اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنھوں نے بے بس ہوکر کلمہ پڑھا۔ اور مجبور ہوکر اسلام قبول کیا تھا کیونکہ عقائد ونظریات میں یکلخت تبدیلی انسانی افتادطبع کے خلاف ہے۔

مورخین اور اکثر سیرت نگاروں نے مدینہ کے مسلمانوں میں عبداللہ ابن ابی اور اس کی جماعت منافقین کا تو بہت چرچا کیا ہے کہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے تھے لہذا وہ ہمیشہ اسلام کے لئے مصیبت بنے رہے۔ لیکن مکہ کے ان اسلام لانے والوں کی طرف کسی نے بھی خصوصی طور پر توجہ نہیں دی۔ کیونکہ یہ لوگ بعد میں برسر اقتدار آگئے لہذا اقتدار نے ان کی وہ صفات لوگوں میں مشہور کرادیں جو ان میں نہیں تھیں اور جو برائیاں ان میں تھیں ان پر پردہ ڈال دیا گیا۔ حالانکہ پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد مکہ کے یہی مجبور ہوکر اسلام قبول کرنے والے تھے جو اسلام کے لئے سب سے بڑی مصیبت ثابت ہوئے۔

جنگ حنین کا بیان

اسباب جنگ: فتح مکہ کے موقع پر قریش نے پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو تمام قبائل عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور ان میں سے اکثر نے اسلام کے دامن میں پناہ لی۔ لیکن بنی ہوازن اور بنی ثقیف بدستور دشمنی اور عناد پر تلے رہے۔ بنی ہوازن کے ایک سردار مالک ابن عوف نصری نے جشم و بنی نصر کو اپنے ساتھ ملا کر لشکر ترتیب دیا اور چار ہزار کے قریب لشکر جمع کر کے فیصلہ کن جنگ کا تہیہ کرلیا۔ علامہ شبلی

لکھتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (مکہ میں) ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لیے عبداللہ بن ابی حداد کو بھیجا۔وہ جاسوس بن کر حنین میں آئے اور کئی دن تک فوج میں رہ کر تمام حالات تحقیق کیے۔آنحضرتؐ نے مجبوراً مقابلہ کی تیاری کی''

(سیرت النبی جلد اول ص 503)

مسلمانوں کی نخوت

آنحضرتؐ نے ابن ابی حداد کی اطلاع پر اعتماد کرتے ہوئے لشکر کی صف بندی کا حکم دیا اور 6 شوال 8ھ کو بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے ان بارہ ہزار میں دس ہزار تو وہی مسلمان تھے جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور باقی دو ہزار مکہ کے تازہ مسلمان تھے مسلمانوں کی تعداد کفار کے لشکر سے تین گنا زائد تھی اس کثرت نے بیشتر مسلمانوں میں ایک نخوت کی کیفیت پیدا کر دی۔چنانچہ سیرت امیر المومنین کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابو بکر نے لشکر اسلام کی کثرت وقوت کو دیکھ کر برملا کہا کہ " لن نغلب الیوم من قلة" "آج تعداد کی کمی کی بنا پر ہم شکست نہیں کھائیں گے''

سیرت امیر المومنین ص 289

اور علامہ شبلی سیرت النبی میں لکھتے ہیں کہ:

شوال دو مطابق جنوری وفروری 630ء اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اس سروسامان سے حنین کی طرف بڑھیں کہ (بعض) صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ ''آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے،لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی''

" ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئاً و ضاقت

علیکم الارض بما رحبت ثم و لیتم مدبرین " (التوبہ)

اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی اور پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔

سیرت النبی جلد اول ص 504

مسلمانوں کی ابتدائی شکست

علامہ شبلی مذکورہ عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''فتح کی بجائے دہلہ اول میں مطلع صاف تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقائے خاص میں سے کوئی بھی پہلو میں نہ تھا۔ابو قتادہ جو شریک جنگ تھے ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے۔میں نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گی۔اس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی۔لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا۔اسی اثناء میں میں نے حضرت عمر کو دیکھا پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے۔بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 504-505

علامہ شبلی نے دہلہ اول میں مسلمانوں کی شکست لکھی ہے لیکن علامہ سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی کے حاشیہ میں ص 505 پر اس بات سے اختلاف کیا ہے،وہ لکھتے ہیں کہ:

''مصنف نے اول دہلہ میں مسلمانوں کی شکست تسلیم کی ہے یہ ابن اسحٰق وغیرہ اہل سیر کی رائے۔لیکن حدیث صحیح کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو پہلے کامیابی ہوئی۔لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔دشمن کے تیراندازوں نے موقع پر تیراندازی شروع کر دی۔جس سے مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی،انتشار اور پراگندگی پیدا ہوگئی۔بخاری میں حضرت براء کے الفاظ یہ ہیں'' و انا لما حملنا علیهم انکشفوا . فاکببا علی الغنائم

فاسقبلنا بالسهام " (بخاری غزوہ حنین)

"اور ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے تو ہم لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انھوں نے ہم کو تیروں پر دھر لیا"۔ (حاشیہ سیرت النبی جلد اول ص 505)

مسلمان اس ناگہانی حملہ کے لئے تیار نہ تھے۔ لشکر میں عام بھگدڑ مچ گئی سب سے پہلے مقدمۃ الجیش نے راہ فرار اختیار کی جس کے سربراہ خالد بن ولید تھے۔ جب عقب میں آنے والوں نے خالد کو اپنے دستہ سپاہ کے ساتھ بھاگتے دیکھا تو وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی۔ اور جدھر جس کا رخ ہوا ادھر نکل گیا۔

سیرۃ امیر المومنین کے مصنف نے ابو قتادہ کا بیان جو بھاگنے والوں میں شامل تھا صحیح بخاری کے اصل الفاظ کے ساتھ اس طرح نقل کیا ہے:

"انهضرم المسلمون وانهزمت معم فاذا العمر بن الخطاب فى الناس . فقلت ما شان الناس قال امر الله " سیرت امیر المومنین ص 289 بحوالہ صحیح بخاری جلد 3 ص 45

"یعنی مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگ نکلا۔ اچانک میں نے لوگوں میں عمر ابن الخطاب کو دیکھا تو کہا کیا ہو گیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ کی مرضی"

ابوسفیان کا لشکر اسلام پر طنز

فتح مکہ کے بعد رسول اکرم نے اہل مکہ کو بھی جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر ہتھیار ڈال کر کلمہ پڑھ لیا تھا جنگ حنین پر جانے کے لئے ساتھ لے لیا تھا۔ لیکن جب حنین کی جنگ میں مسلمان شکست کھا کر بھاگے تو اہل مکہ نے اپنا کینہ اور حسد ظاہر کر دیا تاریخ ابوالفداء میں ہے:

" لما انهزم المسلمون اظهر اهل مكة ما فى نفوسهم من الحقد

فقال ابو سفیان ابن حرب لا تنتھی حزیمتھممون البحر "

اسوۃ الرسول جلد 3 ص 215

بحوالہ تاریخ ابوالفداء بحوالہ تاریخ احمدی ص 71

"جب مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی تو اہل مکہ کے دلوں میں جو کینہ اور حسد تھا وہ ظاہر ہو گیا، چنانچہ مسلمانوں کے بھاگنے پر ابوسفیان بن حرب کہنے لگا کہ۔ یہ لوگ جب تک سمندر کے کنارے تک نہ پہنچ لیں گے دم نہ لیں گے۔ (اسوۃ الرسول جلد 3 ص 215)

ابن ہشام جلد 3 ص 9 طبع مصر اور اردو ترجمہ تاریخ طبری محمد ابراہیم جلد اول ص 413 پر بھی ابوسفیان کے یہی الفاظ لکھے ہیں۔

اور کلاہ ابن حنبل نے یہ کہا کہ " الا بطل السحر الیوم "

آج اسلام کا جادو ٹوٹ گیا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کا استقلال اور بیعت رضوان والوں کا فرار

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

"تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ بارہ ہزار کی فوجیں ہوا ہو گئیں تھیں۔ لیکن ایک پیکر مقدس پا بر جا تھا۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 510

علامہ شبلی ابتدائی شکست کے اسباب میں لکھتے ہیں کہ:

"فوج میں دو ہزار طلقاء یعنی وہ لوگ تھے جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے"

شبلی صاحب کے مذکورہ بیان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ لشکر اسلام میں شامل تھے۔ مگر دل سے اسلام لا کر شریک نہ ہوئے تھے۔ لہذا ان سے یہ توقع نہ کی جا سکتی تھی کہ جنگ کا نقشہ بگڑنے کی صورت میں پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ مگر تعجب تو اس امر پر ہے کہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والے اور موت پر پیمان باندھنے والے بھی

ثابت قدم نہ رہ سکے ۔ دیکھتے ہی دیکھتے بارہ ہزار کا جم غفر چھٹ گیا ۔ اور پیغمبرؐ کے پاس معدودے چند آدمی رہ گئے ۔ سیرۃ امیر المومنین ص 29 کے مطابق ایک روایت کی بناء پر علی ابن ابی طالب، عباس ابن عبد المطلب، ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن مسعود صرف چار آدمی ثابت قدم رہے اور ایک روایت کی بناء پر دس آدمی باقی رہے ۔ ربیعہ بن حارث، عبداللہ بن زبیر ابن عبد المطلب، اور عتبہ اور معتب پسران ابولہب اور ابن ابی عبید ۔

پیغمبر اسلام (ص) خچر پر سوار میدان میں کھڑے تھے عباس اور فضل آپ کے دائیں بائیں استادہ تھے ۔ ابوسفیان بن حارث عقب سے زین پکڑے ہوئے تھے اور حضرت علی پیغمبر کے سامنے تلوار سے دشمن کی یلغار روک رہے تھے ۔ اس وقت آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ تھے جو آپ کے اطمینان قلب وسکون قلب کے ترجمان ہیں:

انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبدالمطلب"

میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے ۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں ۔

علامہ شبلی نے سیرت النبی جلد اول کے ص 510 پر پیغمبرؐ کے مذکورہ الفاظ نقل کرنے بعد لکھا ہے کہ:

حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو انھوں نے نعرہ مارا "**یامعشر الانصار ۔ یا اصحاب الشجرة**"۔ "اے گروہ انصار ۔ او اصحاب شجرہ (بیعت رضوان والے) سیرۃ النبی جلد اول ص 510

یا اصحاب الشجرہ کے الفاظ کے ذریعہ آواز دلوانے سے ثابت ہوتا ہے کہ بیعت رضوان کرنے والے بھی بھاگ گئے تھے ۔ حالانکہ انھوں نے بیعت اسی بات پر کی تھی کہ وہ جنگ میں فرار نہ کریں گے ۔ پیغمبرؐ کا اصحاب الشجرہ کے ذریعہ آواز دلانے کا مطلب یہ تھا کہ تم نے تو نہ بھاگنے پر بیعت کی تھی اب یہ تم کو کیا ہو گیا ہے ۔

دشمن کی شکست

پیغمبر (ص) کے آواز دلوانے پر بھاگے ہوئے لشکری واپس لوٹنے لگے اور امیر المومنینؑ کے پرچم تلے جمع ہونے لگے ادھر بنی ہوازن کا علمبردار ابو جرول اونٹ پر سوار سیاہ پرچم لہراتا ہوا جوش میں رجز پڑھتا اور حملوں پر حملے کرتا ہوا آگے بڑھا۔ حضرت علی اس کی تاک میں تھے۔ عقب سے اس کے اونٹ کے پیروں پر تلوار ماری اونٹ زمین پر گر پڑا ابو جرول ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ آپ نے اس پر تلوار کا وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ ابو جرول کا قتل ہونا تھا کہ دشمن کی رہی سہی ہمت ختم ہوگئی۔ قدموں کا جماؤ اکھڑ گیا اور گرتے پڑتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے مل کر دشمن کو تلواروں کی باڑ پر رکھ لیا کچھ قتل ہوئے کچھ اسیر کر لیے گئے۔ ہاری ہوئی جنگ پھر فتح میں بدل گئی۔ بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا جسے پیغمبرؐ نے ان طلقاء میں مولفۃ القلوب کی حیثیت سے تقسیم کر دیا۔ انصار اس سے کچھ بدظن ہوئے لیکن پیغمبرؐ نے ان کو سمجھا کر مطمئن کر دیا۔

9 ھ کے واقعات۔ واقعہ تحریم

علامہ شبلی نے واقعہ تحریم کو واقعہ ایلاء کے ساتھ جوڑ کر جس طرح گڈمڈ کرنے کی کوشش کی ہے وہ ہم اوراق سابقہ میں بیان کر آئے ہیں اور پھر واقعہ تحریم کو واقعہ افشائے راز کے ساتھ جوڑنے کے لئے انھوں نے اسے 9 ھ میں واقع ہونا لکھا ہے اور واقعہ ایلا جو 6 ھ میں جنگ خیبر کی فتح کے بعد ہوا اسے بھی واقعہ تحریم کے ساتھ جوڑ کر 9 ھ میں واقع ہونا لکھا اور ان تین الگ الگ واقعات کو ایک ہی واقعہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تا کہ پیغمبر کا اپنی بیویوں سے اکثر ناراض رہنے کو ایک آدھ دفعہ کی سرسری بات ثابت کر سکیں۔ کیونکہ انھوں نے واقعہ تحریم کو 9 ھ میں واقع ہونا لکھا ہے لہذا ہم نے واقعہ تحریم کو 9 ھ

کے واقعات میں لکھ رہے ہیں ورنہ فی الحقیقت یہ واقعہ تحریم 6ھ کے بعد اور 9ھ سے بہت پہلے واقع ہوا تھا۔

بہر حال واقعہ تحریم دو طریقوں سے بیان کیا جاتا ہے کہ ایک میں یہ کہا گیا ہے کہ پیغمبر نے شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔لہذا ہم ان دونوں روایتوں کو علیحدہ علیحدہ پیش کرتے ہیں

شہد کو اپنے اوپر حرام کرنے سے متعلق روایت

شہد سے متعلق روایت کے سلسلہ میں علامہ شبلی لکھتے ہیں

''ازواج مطہرات میں بڑے بڑے گھرانوں کی خاتونیں تھیں ۔حضرت ام حبیبہؓ تھیں جو رئیس قریش کی صاحبزادی تھیں، حضرت جویریہ تھیں جو قبیلہ بنی مصطلق کے رئیس کی بیٹی تھیں ۔حضرت صفیہؓ تھیں جن کا باپ خیبر کا رئیس اعظم تھا۔حضرت عائشہ تھیں جو حضرت ابو بکر کی صاحبزادی تھیں ۔حضرت حفصہ تھیں جن کے والد فاروق اعظم تھے بشریت کے اقتضاء سے ان میں منافست بھی تھی اور حریف کے مقابلہ میں اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ

ع:''باسایه ترا نمی پسندم'' کی حد تک تھی۔

ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے،جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا۔انھوں نے آپ کے سامنے پیش کیا۔آپ کو شہد بہت مرغوب تھا۔آپ نے نوش فرمایا۔اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی ۔حضرت عائشہ کو شک ہوا۔حضرت حفصہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے یا تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔(مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے قسم کھائی کہ میں شہد نہیں کھاؤں گا اس پر قرآن کی یہ آیت اتری" **یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک** "(تحریم۔1)

"اے پیغمبر اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 547-548

یہاں پر چند باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں:

نمبر 1: شبلی صاحب نے ایلاء کے سلسلہ میں جو وجوہات لکھی تھیں ان کا تقاضا یہی تھا کہ مال غنیمت کی کثرت کو دیکھ کر ازواج نے توسیع نفقہ میں جو تنگ طلبی کی تھی اس کی وجہ سے واقعہ ایلاء کا رونما ہونا تسلیم کیا جائے۔ اسی طرح واقعہ تحریم کے بارے میں جو تمہید انھوں نے لکھی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عائشہ یا حضرت حفصہ کے دوسری ازواج کے ساتھ جو منافست کی تھی اس کی وجہ سے اس واقعہ کا رونما ہونا مانا جائے۔

نمبر 2: علامہ شبلی نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا تو اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ شہد تو کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے لئے ہی ھدیہ وتحفہ کے طور پر بھیجا تھا کیونکہ شہد آپ کو بہت مرغوب تھا۔ لیکن چونکہ پیغمبرؐ اپنی بیویوں کے درمیان عدل قائم رکھتے تھے اور ہر بیوی کے یہاں اس کی باری پر قیام فرماتے تھے۔ جس دن حضرت زینبؓ کی باری کا دن تھا اس دن وہ شہد آنحضرت کو ہدیہ وتحفہ کے طور پر بھیجا گیا تھا اور اسے آپؐ نے حضرت زینب کے گھر رکھ دیا تھا۔ لہذا آپ ہر بیوی کے گھر تو اس کی باری پر قیام فرماتے تھے لیکن حضرت زینبؓ کے گھر ان کی باری کے علاوہ شہد کھانے کے لئے روزانہ جاتے تھے۔ بس یہی بات حضرت عائشہ کے حسد کا سبب بن گیا کہ ہمارے پاس تو صرف ہماری باری کے دن آتے ہیں اور حضرت زینبؓ کے گھر روزانہ جاتے ہیں۔ اور چونکہ ازواج کے حجرے پاس پاس ہی تھے لہذا آنحضرتؐ کا حضرت زینب کے گھر روزانہ جانا چھپنے والی بات نہیں تھی۔ مگر دوسری بیویوں نے اس بات کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔

نمبر 3: چونکہ یہ واقعہ قرآن میں نازل ہو چکا تھا لہذا اس کو چھپایا نہیں جاسکتا تھا لیکن اصل بات کو چھپانے کے لئے طرح طرح کی باتیں گھڑی گئیں۔ حالانکہ نہ تو پیغمبرؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی تھی اور نہ ہی حضرت عائشہ کو وحی آئی تھی کہ پیغمبر حضرت زینبؓ کے گھر شہد کھانے کے لئے جاتے ہیں اور پھر مغافیر کی بو آنے کا جھوٹ بولنے کی جس طرح سے شبلی نے اور علامہ عینی نے تاویلیں کیں وہ آگے بیان ہوں گی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کا حضرت زینب کے گھر روز آنہ جانا برداشت نہ ہو سکا اور آنحضرت کو ازواج کے مابین عدل کے سلسلہ میں مطعون کیا اور پیغمبرؐ کو جواب دہ بنایا تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میں زینب کے گھر شہد کھانے کے لئے جاتا ہوں وہاں میرے لئے ہدیہ کے طور پر جو شہد آیا تھا وہ رکھا ہوا ہے اگر تمہیں یہ بات گوارا نہیں ہے تو میں شہد نہیں کھایا کروں گا۔ یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قرآن میں جو حرام کر لینے کی بات آئی ہے تو اس سے مراد حرام تشریعی نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ تھی کہ پیغمبر (ص) نے دیکھا کہ حضرت عائشہ اس بات سے حسد کرتی ہیں کہ میں حضرت زینبؓ کے پاس شہد کھانے کے لئے روز کیوں جاتا ہوں اور وہ اتنی سے بات پر ناراض ہے لہذا پیغمبرؐ نے ناراضگی کو رفع کرنے کے لئے یہ کہہ دیا کہ اچھا اب ہم شہد نہیں کھایا کریں گے اور جب شہد کھانا چھوڑ دیں گے تو حضرت زینب کے گھر روز آنے جانے کی بھی ضرورت نہ رہے گی اور اتنی سی بات کے لئے پیغمبرؐ اپنی ازواج کو ناراض رکھ کر گھر کا سکون برباد کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

نمبر 4: اور حضرت عائشہ کی طرف سے پیغمبرؐ کو مطعون کرنے اور ازواج کے درمیان عدل کے خلاف کرنے کے بارے میں پیغمبرؐ کو اتنا زچ کیا گیا کہ پیغمبرؐ کو شہد کے نہ کھانے کے لئے یہ قسم تک اٹھانا پڑی جسے خدا نے قرآن میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ تم اپنی قسم کو توڑ دو یہ کوئی صحیح قسم نہیں ہے تمہیں اپنی ازواج کو راضی رکھنے کے لئے اس چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کی ضرورت نہیں ہے جسے ہم نے حلال قرار دیا ہے۔

نمبر 5: چونکہ یہ راویان اخبار واقعہ تحریم کو ہی وہ سازش بنانا چاہتے تھے جس کا بیان افشائے راز کے سلسلہ میں آگے چل کر ہوگا۔ لہذا انھوں نے اس روایت میں حضرت عائشہ کے ساتھ حضرت حفصہ کو بھی شامل کیا کہ انھوں نے آپ میں یہ طے کیا جب پیغمبر آئیں تو کہنا چاہیے کہ ان کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ چونکہ اس روایت میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی طرف سے جھوٹ بولنے اور ایک قسم کی سازش کا ظاہر ہونا بیان ہوا ہے لہذا بہت سے سیرت نگاروں اوور شارحین حدیث نے اس کھلے ہوئے جھوٹ کے بارے میں اپنی طرف سے کچھ صفائیاں پیش کی ہیں۔

چنانچہ علامہ شبلی نے علامہ عینی شرح بخاری سے ایسی ہی ایک کوشش کا جواب دیا ہے۔ علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

"اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کرنا کیوں کر جائز تھا تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کم سن تھیں۔ اس کے علاوہ ان کا مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا نہیں تھا بلکہ جیسا کہ عورتیں اپنی سوکنوں کے مقابلہ میں رشک سے تدبیریں کیا کرتی ہیں اس طرح کی ایک تدبیر تھی۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 549

علامہ شبلی علامہ عینی کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "لیکن علامہ عینی کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے۔ اول تو یہ واقعہ ایلاء کے واقعہ کے سلسلہ میں ہے جو 9ھ میں واقع ہوا تھا اس وقت حضرت عائشہ سترہ برس کی ہوچکی تھیں دوسرے حضرت عائشہ کم سن تھیں لیکن اور ازواج مطہرات جو اس میں شریک ہوئیں، وہ تو پوری عمر کی تھیں خود حضرت حفصہ کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے وقت 35 برس کی تھی۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 549

علامہ شبلی چونکہ واقعہ ایلا، واقعہ تحریم اور واقعہ افشائے راز کو گڈمڈ کر کے یہ چاہتے ہیں کہ کوئی اصل حقیقت کی تہ تک نہ پہنچ جائے لہذا انھوں نے یہاں بھی واقعہ تحریم کو واقعہ

ایلاء کے ساتھ ملا دیا۔ حالانکہ اس بات کا بطلان نصف النہار پر چمکتے ہوئے سورج سے بھی زیادہ واضح طور پر ثابت ہے کہ واقعہ ایلاء کا تعلق مال غنیمت آنے کے وقت توسیع نفقہ کے لیے پیغمبرؐ سے تنگ طلبی سے تھا اور واقعہ تحریم میں جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے ازواج کی منافست وحقد اور حسد کارفرما تھا۔ اور یہ واقعہ صرف حضرت عائشہ سے تعلق رکھتا ہے کہ انہیں پیغمبرؐ کا حضرت زینب کے گھر روز آنہ جانا برداشت نہ ہو سکا اور جب انھوں نے اس بارے میں پیغمبرؐ کی گرفت کی تو انھوں نے بتلا دیا کہ میں زینب کے گھر شہد کھانے کے لئے جاتا ہوں جو میرے لئے ہدیہ آیا تھا اور وہ زینب کے گھر رکھا ہوا ہے۔ اور جب حضرت عائشہ نے پیغمبرؐ کو اس بارے بہت زیادہ مطعون کیا تو پیغمبرؐ نے ان کی ناراضی دور کرنے کے لئے کہہ دیا کہ اچھا اب ہم شہد نہیں کھایا کریں گے اور آنحضرت کا اس بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عائشہ نے آنحضرت صلعم پر اتنا پریشر ڈالا کہ آپ کو انھیں یقین دلانے کے لئے قسم کھانی پڑی جسے خدا نے کہا کہ اے پیغمبرؐ تم اپنی قسم کو توڑ دو۔

علامہ شبلی علامہ عینی کی دلیل کو رد کرتے ہوئے صفائی میں فرماتے ہیں "ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کوئی جھوٹی بات نہ تھی۔ تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لطیف مزاج تھے اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو برداشت نہیں فرما سکتے تھے۔ مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی گرفتگی ہو تو تعجب کی بات نہیں۔

سیرۃ النبی جلد اول ص 550

یہ بات بالکل درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لطیف مزاج تھے۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ آپ کو رائحہ کی ذراسی ناگواری بھی ناقابل برداشت تھی۔ لیکن یہ بات تو علامہ شبلی کی دلیل کے خلاف ہے۔ اگر اس شہد میں مغافیر کی بدبو ہوتی تو آپ کی لطیف المزاجی اور بدبو کی ذراسی ناگواری کا تقاضا یہ تھا کہ آپ وہ شہد بالکل نہ کھاتے۔

اصل حقیقت بس اتنی ہے کہ حضرت عائشہ کو آنحضرت کا حضرت زینب کے گھر

روز آنہ جانا گوارا نہیں تھا ۔ لہذا جب انھوں نے پیغمبر سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے بتلادیا کہ حضرت زینب کی باری کے دن میرے لئے جو شہد آیا تھا وہ زینب کے گھر ہی رکھا ہے ۔ لہذا میں وہ شہد کھانے کے لئے وہاں جاتا ہوں ۔ نہ حضرت عائشہ نے مغافیر کی بدبو کا بہانہ کر کے جھوٹ بولا تھا نہ انہیں وحی آئی تھی نہ حضرت حفصہ اس معاملہ میں شریک تھیں ۔ یہ سب کوششیں تینوں واقعات کو گڈمڈ کرنے کے لیے ہیں ۔ لیکن ان کی یہ کوشش سراسر رائیگاں ہے اور جو شخص غیر جانبداری کے ساتھ ذرا سی بھی عقل سے کام لے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعہ ایلاء کا تعلق 6 ھ میں خیبر کے مال غنیمت کے سلسلہ میں ازواج کی طرف سے تنگ طلبی سے ہے اور واقعہ تحریم کا تعلق شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے ہے اور افشائے راز کا تعلق ایک بہت بڑی گہری سازش سے ہے جسے علامہ شبلی اور ان کے تمام ہم مسلک چھپانا چاہتے ہیں اور اس کی تفصیل آئندہ چل کر آئیگی ۔

دراصل واقعہ تحریم یا شہد کو حرام کر لینے کا واقعہ حضرت حضرت عائشہ سے متعلق ہے ۔ اور حضرت حفصہ کا نام اس لئے ساتھ ملایا گیا ہے تا کہ افشائے راز اور تظاہر ازواج کے سلسلہ میں چونکہ مسلمہ طور پر ان دونوں کا ہی نام آتا ہے لہذا اس واقعہ کو چھپانے کے لئے اسے واقعہ تحریم کے ساتھ جوڑ دیا گیا ۔ یہ حضرات جھوٹ اور من گھڑت باتیں گھڑنے کے لیے اپنی ممدوح ہستیوں کو بھی نہیں بخشتے اور حضرت حفصہ کو ساتھ ملانے کے لئے ان پر یہ تہمت لگائی کہ ان دونوں نے پیغمبر کے خلاف یہ جھوٹا بولا کہ ان کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے اور پھر اس جھوٹ بولنے کے لئے بے تکی صفائیاں اور پھر ان صفائیوں کے خلاف بے تکی دلائل جیسا کہ شبلی نے مغافیر کی بدبو اور آنحضرت کی لطیف المزاجی کے سلسلہ میں دی ہیں ۔

حضرت حفصہ کو اس شہد والے واقعہ میں ساتھ ملانے کی جدوجہد اس لئے ہے تا کہ افشائے راز اور اس خطرناک سازش پر پردہ ڈالا جا سکے جس میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ فی الحقیقت شریک تھیں ۔ اور جس کو خدا نے سورہ تحریم میں بیان فرمایا ہے ۔

چونکہ پیغمبرؐ کا شہد کو اپنے لئے حرام کرنے کا واقعہ مستند روایات سے ثابت ہے لہذا ماریہ قبطیہ کا واقعہ سراسر من گھڑت جھوٹا، انتہائی ہتک آمیز اور عظمت ناموس رسالت کو تار تار کرنے والا ہے۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ خود علامہ شبلی نے شہد کے واقعہ کی صحت کی تصدیق اور ماریہ قبطیہ کے واقعہ کی تکذیب کے سلسلہ میں علامہ عینی کی شرح بخاری کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے، اس کے باوجود افشائے راز اور تظاہر ازواج کی سازش کے سلسلہ میں ماریہ قبطیہ کے واقعہ کو ہی بیچ میں لے آئے انھوں نے علامہ عینی کی شرح بخاری کے حوالہ سے واقعہ تحریم کے بارے میں اس طرح لکھا ہے۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری باب النکاح جلد 9 ص 548 میں لکھتے ہیں

" والصحیح فی سبب نزول الا یۃ انہ فی قصہ العسل لا فی قصہ ماریۃ المروی فی غیر الصحیحین و قال النودی ولم تات قصہ ماریۃ من طریق صحیح "

اور آیت کے شان نزول کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے کہ وہ شہد کا واقعہ میں ہے ماریہ کے قصہ کے باب میں نہیں ہے۔ جو صحیحین کے سوا اور کتابوں میں مذکور ہے۔ نودی نے کہا ہے کہ ماریہ کا واقعہ کسی صحیح طریقہ سے مروی نہیں ہے۔ (سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص 560)

واقعہ تحریم کے سلسلہ میں شہد والی روایت کے بارے میں جو کچھ بیان ہو چکا اتنا ہی کافی ہے اب ہم ماریہ قبطیہ کی روایت پر غور کرتے ہیں۔

ماریہ قبطیہ سے متعلق روایت

علامہ شبلی واقعہ تحریم کے سلسلہ میں ''روایت کاذبہ'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''ان واقعات میں جو کذابین روات نے اس قدر رخنداعیاں کی ہیں کہ بڑے بڑے مورخین و ارباب سیر نے یہ روایتیں اپنی تصانیف میں بلا اسناد درج کر دیں۔ اس لئے

ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔

اس قدر عموماً مسلم ہے اور خود قرآن میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی خاطر کوئی چیز اپنے اوپر حرام کرلی تھی۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ کیا چیز تھی بہت سے روایتوں میں ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ کی ایک کنیز تھیں جن کو عزیز مصر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا۔ ماریہ قبطیہ کی روایت تفصیل کے ساتھ مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے جن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راز جو حضرت حفصہ نے فاش کردیا تھا ان ہی ماریہ قبطیہ کا راز تھا۔

اگر چہ یہ روا تیں بالکل نا موضوع اور نا قابل ذکر ہیں لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مورخین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار اخلاق پر حرف گیریاں کی ہیں۔ ان کا گل سرسبد یہی ہیں اس لئے ان سے تعرض کرنا ضروری ہے۔

ان روایتوں میں واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگر چہ نہایت اختلاف ہے لیکن اس قدر سب کا قدر مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موطوءہ کنیزوں میں تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کی ناراضی کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 559

یہ بات ذہن میں رہے کہ علامہ شبلی یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ ماریہ قبطیہ کو آنحضرتؐ اپنی کنیزی میں نہیں رکھ سکتے تھے آپ نے ان سے نکاح کیا اور وہ بھی آنحضرت کی ازواج محترمات اور امہات المومنین میں شامل تھیں۔ جبکہ خدا یہ فرماتا ہے کہ

"یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک" (التحریم۔1)

اے پیغمبر جو چیز خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہے تم اس کو اپنی ازواج کی خوشنودی کے لئے اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو۔

پس یہ آیت یہ کہتی ہے کہ جو چیز حرام کی گئی وہ غیر از ازواج تھی جسے ازواج کی خوشنودی کے لئے پیغمبر نے اپنے اوپر حرام کرلیا۔وہ ازواج میں سے کوئی زوجہ نہیں ہوسکتی۔

بہر حال اس کے بعد علامہ شبلی نے حافظ ابن حجر کا شرح صحیح بخاری سند ہشم ابن کلیب اور طبرانی سے نقل کردہ روایتوں میں سے ایک روایت نقل کی ہے جو اس طرح ہے۔

" واطبراني من طريق الضحاک عن ابن عباس قال دخلت حفصه بنها فوجلته بطاء ماريه فعا تبتة" فتح الباری مطبوعہ مصر جلد 8 ص 503

اور طبرانی نے ضحاک کے سلسلہ سے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہ (کہیں گئی ہوئی تھی جب وہ) اپنے گھر میں آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ماریہ کے ساتھ ہمبستر دیکھا۔اس پر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کیا۔ سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص 510

اس کے بعد علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

ابن سعد اور واقدی نے اس روایت کو زیادہ بدنما پیرایوں میں نقل کیا ہے۔ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ تمام روایتیں محض افتراء اور بہتان ہیں۔

سیرۃ النبی جلد اول ص 560

جب علامہ شبلی کے نزدیک یہ واقعہ جھوٹا من گھڑت ہونے کے علاوہ اتنا بدنما اور توہین آمیز ہے کہ وہ اسے قلم انداز کرنے پر آمادہ ہوگئے تو ہم بھی اس لکھنے سے اپنے قلم کو روکتے ہیں۔

علامہ شبلی ماریہ قبطیہ سے متعلق روایت پر سند روایت اور درایت کے اعتبار سے تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"یہ امر مسلم ہے کہ ماریہ کی روایت صحاح ستہ کی کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔یہ بھی تسلیم ہے کہ سورہ تحریم کا شان نزول جو صحیح بخاری اور مسلم میں مذکور ہے (یعنی شہد کا واقعہ)

قطعی طریقہ سے ثابت ہے۔امام نودی نے جو آئمہ محدثین میں سے ہیں صاف تصریح کی ہے کہ ماریہ کے باب میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے جن طریقوں کو صحیح کہا ان میں سے ایک منقطع اور دوسرے کا راوی کثیر الخطا ہے ان واقعات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ روایت اعتبار کے قابل ہے۔

یہ بحث اصل روایت کی بنا پر تھی۔درایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کد و کاوش کی حاجت نہیں تھی۔جو رکیک واقعہ ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اور خصوصاً طبری وغیرہ میں جو جزیات مذکور ہیں وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہیں کیے جا سکتے نہ کہ اس ذات پاک کی طرف جو تقدس ونزاہت کا پیکر تھا (صلی اللہ علیہ وسلم)

سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص 562

شبلی کے اس بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی شان تقدس میں جو کچھ گھڑ کر بیان کیا گیا ہے وہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی منسوب نہیں کیے جا سکتے۔ ماریہ کا قصہ اس لئے گھڑا گیا تا کہ ایک تو اس روایت کے ذریعہ انھیں زوجہ یا ام المومنین کی بجائے کنیز کہا جائے۔دوسرے آنحضرت صلعم کی عظمت ناموس رسالت کو تار تار کیا جائے اور تیسرے اس گھڑی ہوئی روایت کے ذریعہ اصل واقعہ افشائے راز اور تظاھر ازواج کے واقعہ کو چھپایا جائے چوتھے اس گھڑی ہوئی روایت میں اسی طرح کی ہر گھڑی ہوئی روایت کی طرح شیخین کے لئے بر سر اقتدار آنے کی پیشگی خبر گھڑی جائے۔پیغمبر اپنی ازواج کے درمیان عدل قائم رکھتے تھے اور ہر زوجہ کا پورا پورا حق ادا کرتے تھے اور ان کی باری کے دن ان کے ہاں قیام کرتے تھے پیغمبر کی شان کے خلاف ہے یہ بات کہ ماریہ قبطیہ کو حضرت حفصہ کے گھر بلا کر ان کے بستر میں ہم بستر ہوں لہذا یہ بات ماریہ کو کنیز ثابت کرنے کے لئے گھڑی گئی ہے۔اور تعجب ہے شبلی صاحب پر کہ انھوں نے اس واقعہ کو جو ان کے نزدیک قطعی طور پر من گھڑت اور جھوٹا ہے بنیاد بنا کر اس کو افشائے راز اور تظاھر ازواج کے ساتھ

جوڑ دیا ہے اور خود بھی ام المومنین ماریہ قبطیہؓ کو کنیز کہنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

ماریہ قبطیہؓ کے واقعہ سے افشائے راز کا کوئی تعلق نہیں ہے

اگر چہ علامہ شبلی نے ماریہ قبطیہ کے بارے میں روایات کے راویوں کو کذابین کہا ہے۔ ماریہ قبطیہ کے بارے میں بیان کردہ من گھڑت افسانوں کو تلبیسیات اور خداعیاں کہا ہے۔ ان تمام روایتوں کو بالکل موضوع اور نا قابل ذکر کہا ہے۔ ان تمام روایتوں کو محض افتراء اور بہتان کہا ہے۔ ان تمام روایتوں کو ساقط الاعتبار اور درایتاً ایسی کہا ہے کہ یہ کسی معمولی آدمی کی طرف بھی منسوب نہیں کی جا سکتیں نہ کی اس ذات پاک کی طرف جو تقدس و نزاہت کا پیکر تھا۔

علامہ شبلی نے یہ بھی کہا ہے کہ یورپ کے اکثر مورخین نے ان ہی روایات کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار اخلاق پر حرف گیریاں کی ہیں۔

علامہ شبلی نے یہ بھی کہا ہے کہ یورپ کے اکثر مورخین کا گلہ سر سبد یہی ہے۔ لیکن علامہ شبلی انہیں کچھ نہیں کہتے جنہوں نے یہ روایات گھڑی ہیں اور رنگیلا رسول جیسی کتابیں لکھنے کے لئے مواد فراہم کیا ہے اور پیغمبر اکرم صلعم کی شخصیت اور حیثیت کو گرا کر ان کے نامی اور اسم گرامی کو دفن کرنے کی کوشش کی ہے اور عظمت ناموس رسالت کو تار تار کیا ہے۔

ماریہ قبطیہ سے متعلق روایات کے بارے میں مذکورہ الفاظ سیرۃ النبی جلد اول کے صفحہ 551 سے لے کر صفحہ 562 تک پھیلے ہوئے ہیں۔

لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ پھر بھی اصل افشائے راز اور واقعہ تظاہر ازواج پر پردہ ڈالنے کے لئے واقعہ افشائے راز اور تظاہر ازواج کو انہیں جھوٹی من گھڑت، موضوع اور ساقط الاعتبار روایات کے ساتھ جوڑ کر اصل افشائے راز اور واقعہ تظاہر ازواج پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ماریہ قبطیہ سے متعلق بیان کردہ روایات کا افشائے راز

اور واقعہ تظاہر ازواج سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے اور علامہ سلیمان ندوی نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو قرآن مجید کے عام طرز ادا سے آگاہی یا محاورات عرب پر عبور ہے وہ جانتے ہیں کہ "اذ" کے بعد ہمیشہ کے لئے سرے سے نیا واقعہ شروع ہوتا ہے۔ گذشتہ آیت تک تو تحریم کے واقعہ کا بیان ہے۔ یہاں سے ایک الگ بات شروع ہوتی ہے۔ اور اس کا بیان خود قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے کہ وہ کیا شے ہے وہ "مظاھرۃ" یعنی "ایکا کرنا"

سیرت عائشہ صدیقہ سلیمان ندوی ص 102

اگر چہ علامہ سلیمان ندوی نے بھی واقعہ افشائے راز کو چھپانے کے لئے "وان تظاھرا علیه" کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ کیونکہ "وان تظاھرا علیه" کا معنی یہ ہے کہ "اگر تم دونوں پیغمبر کے برخلاف اس معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کرو گی" اور اگر ایکا کرو گی سے انکا مطلب یہی ہو تو پھر ٹھیک ہے کیونکہ یہ اتنا خطرناک امر ہے کہ جس کے بارے میں خدا یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تم دونوں کی دونوں پیغمبرؐ کے خلاف اس معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو خدا و جبرائیل اور صالح المومنین اور سارے فرشتے اس کام کے لئے اپنے پیغمبرؐ کی مدد کرینگے۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہوا کہ واقعہ ایلاء کا تعلق تمام ازواج سے تھا جب انھوں نے مال غنیمت سے نان ونفقہ میں کشادگی کے لئے تنگ طلبی کی اور واقعہ تحریم کا تعلق صرف حضرت عائشہ سے تھا جو نہیں چاہتی تھیں کہ پیغمبر شہد کھانے کے لئے روزآنہ حضرت زینبؓ کے گھر جائیں۔ لہذا آنحضرتؐ نے انھیں راضی رکھنے کے لئے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی۔ اور یہ بات قرآن نے وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے۔

لیکن واقعہ افشائے راز اور تظاہر ازواج کا تعلق پیغمبر اکرم صلعم کی صرف دو بیویوں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے ہے۔ پیغمبر نے حضرت عائشہ سے وہ راز کی بات کہی اور حضرت عائشہ نے اس راز کو حضرت حفصہ پر فاش کر دیا اور پھر دونوں نے پیغمبرؐ کے

خلاف اس سلسلہ میں کس طرح مدد کی اس کا بیان آگے چل کر اپنے مقام پر آئیگا۔

جنگ تبوک

اسباب جنگ: جنگ تبوک پیغمبر اکرمؐ کی وہ آخری جنگ ہے جو نہ ہونے کے باوجود جنگ تبوک کہلاتی ہے۔ اس کے اسباب میں سے اکثر محدثین و مورخین اور سیرۃ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ شام کے تاجروں کے ذریعہ یہ خبر ملی تھی کہ ہرقل بادشاہ روم مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ لہذا پیغمبر اس سے مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے جیسا کہ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:

''شام سے قبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون بیچنے آیا کرتے تھے۔ انھوں نے خبر دی کہ رومیوں نے شام میں لشکر گراں جمع کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔ اس فوج میں لخم، جذام اور غسان کے قبائل عرب شامل ہیں اور مقدمۃ الجیش بلقاء تک آگیا ہے مواھب الدنیہ میں طبرانی سے روایت نقل کی ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھ بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انتقال کیا اور اور عرب سخت قحط کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہیں۔ اس بنا پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجیں روانہ کیں۔

سیرۃ النبی جلد اول ص 533-534

اور مورخ شہیر ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:

''اس غزوہ کے محرک اصلی خود ہرقل بادشاہ قسطنطنیہ ہوا۔ کیونکہ وہ آپ کی پیہم کامیابیوں کو سن کر بقصد حملہ تیاری کرنے میں مصروف ہوگیا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی خبر آپ کو بھی ہوگئی تو آپ نے ماہ رجب 9ھ میں رومیوں کے خلاف جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دیدیا۔

تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص 176

واقعات جنگ: چونکہ اس جنگ کا موقع نہیں آیا لہذا یہ جنگ واقعات جنگ سے خالی

ہے اور اس کے بارے میں اکثر مورخین اور سیرۃ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی جیسا کہ علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی" (سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص 536)

لہذا اس جنگ کے بارے میں یہی امر قابل تحقیق ہے کہ کیا واقعاً وہ خبر غلط تھی جس پر پیغمبرؐ اتنی بڑی فوج لے کر دور دراز کے سفر پر چل پڑے؟

کیا واقعاً یہ خبر غلط تھی؟

یہ سوال انتہائی طور پر قابل غور ہے کہ کیا واقعاً یہ خبر غلط تھی کہ ہرقل بادشاہ روم حملہ کی تیاری کر رہا ہے؟ کیونکہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ خبر غلط تھی تو پھر پیغمبر اکرم صلعم کی بات تو رہی ایک طرف۔ جنہیں بنی امیہ کے زیر اثر حدیثیں، تاریخیں اور سیرۃ کی کتابیں لکھنے والوں نے ایک عام انسان سے بھی گرا ہوا بنا دیا ہوا ہے۔ یہاں تو خدا و جبرائیل و وحی و قرآن پر بھی اعتراض آتا ہے۔ کیونکہ اس غلط خبر پر عمل کرنے اور جنگ کی تیاریوں میں خدا و جبرائیل و وحی و قرآن سب کے سب ملوث نظر آتے ہیں۔ اور سورہ توبہ کی آیت نمبر 38 سے لے کر آیت نمبر 123 تک تقریباً 85 آیات جنگ تبوک کے سلسلہ میں مسلمانوں کی ترغیب و تحریص و ترہیب و تعریز دلفرین کے لئے نازل ہوئی ہیں۔

چونکہ اس وقت گرمی کی شدت، قحط کی پریشانی، مسافت کی دوری، اپنی قلت، مد مقابل کی کثرت، اور خرمہ کی تیاری کا وقت تھا لہذا کچھ لوگ جانے میں تامل کر رہے تھے طرح طرح کے عذر تراشے جا رہے تھے۔ پیچھے رہ جانے کے لئے بہانے بنائے جا رہے تھے اور خدا کی طرف سے آیات کے نزول کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبرؐ کو غیب کا علم نہیں تھا۔ لہذا شام کے تاجروں کی غلط خبر پر اعتبار کرلیا اور جنگ کے ارادہ سے روانہ ہوگئے۔ تو خدا تو عالم الغیب تھا۔ خدا نے اس

جنگ کی تیاری کے سلسلہ میں جتنی آیات نازل کی ہیں۔اتنی کسی اور جنگ کے بارے میں نازل نہیں کیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا نے واضح طور پر اس جنگ کے لئے جانے کا ان الفاظ کے ساتھ حکم دیا۔

" یا ایھا الذین آمنوا مالک اذا قبل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثا قلتم الی الارض ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل " (التوبہ۔38)

" اے ایمان لانے والو۔تم کو کیا ہوگیا ہے کہ جس وقت تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں (جہاد کیلئے) نکلو تو تم زمین میں بوجھل ہو جاتے ہو۔کیا تم آخرت کے مقابل زندگانی دنیا پر راضی ہو گئے ہو۔حالانکہ زندگانی دنیا کا سرمایا آخرت کے مقابل میں کچھ بھی نہیں ہے اور بالکل ہیچ ہے

اور پھر یہاں تک کہہ دیا کہ

" الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما " (التوبہ۔39)

" اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلو گے تو خدائے تعالیٰ تم کو دردناک عذاب دے گا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا اس بات کا خدا کو بھی علم نہ تھا کہ یہ خبر غلط ہے؟

ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔یقیناً خدا کو علم تھا کہ یہ خبر صحیح ہے۔اور خدا کو یہ بھی علم تھا کہ وہاں جنگ بھی نہیں ہوگی اور جب اس بارے میں وحی جاری تھی تو یقیناً پیغمبرؐ کو بھی بذریعہ وحی یہ علم تھا کہ یہ خبر بھی صحیح ہے اور جنگ بھی نہیں ہوگی۔

چونکہ اس جنگ کے ذریعہ مستقبل کے لئے بہت سے سبق اور بہت سی ہدایات دینی مطلوب تھیں اور اس جنگ کے ساتھ بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں وابستہ تھیں۔لہذا خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو بذریعہ وحی ان حکمتوں اور مصلحتوں سے آگاہ کردیا تھا۔اور بعض سیرۃ نگاروں اور تفسیر کی کتابوں سے ہمیں اس بات کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے کہ رومیوں کا حملہ

کرنے کا ارادہ تھا لیکن وہ اسلام کے لشکر کی روانگی کی خبر سن کر متفرق ہو گئے اور حملہ کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ جیسا کہ منشور جاوید قرآن میں لکھا ہے۔

"دشمن از حرکت سپاہ اسلام آگاہ شدہ و از مقابلہ بالشکر فداکار و ایثار گر خودداری کردو بہ نحوی متفرق شدو انمود کرد کہ اصلاً نقشہ در کار نہ بودہ است۔

منشور جاوید قرآن جلد 4 ص 109

"جب دشمن کو لشکر اسلام کی روانگی کی اطلاع ہوئی تو اس نے اسلام کے فداکار اور ایثار گر لشکر سے مقابلہ کا ارادہ ترک کردیا اور کسی نہ کسی طرح وہاں سے چلتا بنا اور یہ ظاہر کیا جیسا کہ اس کا اس قسم کا کوئی ارادہ و پروگرام نہیں تھا۔

پس بعض مورخین اور سیرہ نگاروں کا یہ کہنا کہ یہ خبر غلط تھی بالکل غلط ہے اور خدا و جبرائیل و وحی و قرآن اور پیغمبر گرامی اسلام کی حیثیت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اور یہ توہین پیغمبر کے ساتھ علم خدا پر بھی ایک طرح کا اعتراض ہے۔

لشکر اسلام کی ہیئت ترکیبی

جنگ تبوک میں شرکت کے لئے پیغمبر اکرمؐ نے ان تمام لوگوں کو دعوت دی تھی جو اس وقت تک کلمہ پڑھ کر داخل اسلام ہو چکے تھے یعنی مدینہ کے انصار و مہاجرین اور حزب منافقین کے علاوہ اعراب بادیہ نشین حتیٰ کہ مکہ وہ طلقاء جو فتح مکہ کے موقع پر داخل اسلام ہوئے تھے اور جنگ حنین کے موقع پر مسلمانوں کو شکست کھا کر بھاگتے ہوئے دیکھ کر ہنس رہے تھے اور ان پر طعن و تشنیع کے تیر چلا رہے تھے، بلائے گئے تھے اور اس طرح آنحضرت کے زیر کمان تیس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا تھا جو آنحضرتؐ کے زمانہ کی تمام اسلامی جنگوں کے مقابلہ میں سب سے بڑا لشکر تھا۔

لیکن قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ آنحضرت کے لشکر میں ہر طرح کے آدمی ہو سکتے ہیں دنیا کے طلبگار بھی ہو سکتے ہیں آخرت کے خواستگار بھی ہو سکتے ہیں ۔ مال غنیمت کے شیدائی بھی ہو سکتے ہیں لیکن منافقین میں سے کوئی اس لشکر میں نہ گیا وہ حیلے بہانے کر کے اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہے سورۃ توبہ میں یہ بیان اس طرح آیا ہے۔

" انما یستاذنک الذین لا یومنون باللہ والیوم الاخر و ارتابت قلوبھم فھم فی ریبھم یترددون ۔ ولو ارادہ الخراج لا عدوا لہ عدۃ ، والکن کرہ اللہ انبعاثھم فثبطھم و قیل اقعداوا مع القاعدین ۔ لوخرجوا فیکم مازادوکم الا خبالا ولا اوضعوا خللکم یبغونکم الفتنۃ ۔ وفیکم سمٰعون لھم واللہ علیم بالظلمین " (التوبہ 45 تا 47)

ان آیات کا ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا نے اس طرح کیا ہے

"رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو نہیں ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ۔ اور شک میں پڑتے ہیں دل ان کے سو وہ اپنے شک میں ہی بھٹک رہے ہیں ۔ اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے کچھ سامان اس کا ۔ لیکن پسند نہ کیا اللہ نے ان کا اٹھنا ۔ سو روک دیا ان کو اور حکم ہوا کہ بیٹھے رہو ساتھ بیٹھنے والوں کے ۔ اگر نکلتے تم میں تو کچھ نہ بڑھاتے تمہارے لئے مگر خرابی ۔ اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر بگاڑ پیدا کرنے والوں کی تلاش میں ۔ اور تم میں بعضے جاسوس ہیں ان کے ۔ اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔

اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے۔

ف ۔2۔ ان کا ارادہ ہی گھر سے نکلنے کا نہیں ۔ ورنہ اس کا کچھ تو سامان کرتے ، حکم جہاد سنتے ہی جھوٹے عذر نہ لے دوڑتے ۔ واقعہ یہ ہے خدا نے ان کی شرکت کو پسند ہی نہ کیا ۔ یہ جاتے تو وہاں فتنے اٹھاتے ۔ نہ جانے کی صورت انہیں پتہ لگ جائیگا کہ مومنین کو خدا کے فضل سے

ایک تنکے کے برابر ان کی پرواہ نہیں ۔اسی لئے خدا نے صفوف مجاہدین میں شامل ہونے سے روک دیا اس طرح کہ روکنے کا وبال انہی کے سر پر ہے ۔گویا ان کے تکویناً کہدیا گیا کہ جاؤ عورتوں، بچوں اور اپاہج آدمیوں کے ساتھ گھر میں گھس کر بیٹھ رہو ۔اور پیغمبر علیہ السلام نے ان کے اعذار کاذبہ کے جواب میں جو گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دیدی ۔یہ بھی ایک طرح خدا ہی کا فرمادینا ہے ۔اس لئے تکویناً کی قید بھی ضروری نہیں ۔

ف ۔3۔ یعنی اگر تمہارے ساتھ نکلتے تو اپنے جبن و نامردی کی وجہ سے دوسروں کی ہمتیں بھی پست کر دیتے اور آپس میں لگا بجھا کر مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرتے ۔اور جھوٹی افواہیں اڑا کر انھیں دشمنوں سے ہیبت زدہ کرنا چاہتے غرض ان کے وجود سے بھلائی میں تو کوئی اضافہ نہ ہوتا ہاں برائی بڑھ جاتی ۔اور فتنہ انگیزی کا زور ہوتا ۔ان ہی وجوہ سے خدا نے ان کو جانے کی توفیق نہیں بخشی ۔

ف 4۔ یعنی اب بھی ان کے جاسوس ۔یا بعض ایسے سادہ لوح افراد تم میں موجود ہیں جو ان کی بات سنتے اور تھوڑا بہت متاثر ہوتے (ابن کثیر) کو ویسا فتنہ و فساد پیدا نہیں کر سکتے جو ان کے شریروں کی وجہ سے ہو سکتا تھا ۔بلکہ ایک حیثیت سے ایسے جواسیس کا ہمراہ جانا مفید ہے کہ وہ بچشم خود مسلمانوں کی اولوالعزمی، بے جگری وغیرہ دیکھ کر ان سے نقل کریں گے اور ان کے دلوں پر بھی مسلمانوں کی ہیبت طاری ہوگی ۔ تفسیر عثمانی ص 251

قرآن کریم کی ان آیات سے ثابت ہوا کہ جنگ تبوک کے لئے جانے والے لشکر میں ہر طرح کا مسلمان ہو سکتا ہے لیکن منافقین میں سے کوئی نہیں تھا ۔بلکہ خدا اس بات کو مفید قرار دے کر کہہ رہا ہے کہ اچھا ہوا وہ نہ گئے ورنہ وہ کوئی نہ کوئی خرابی ہی پیدا کرتے کیونکہ اس لشکر میں ایسے سادہ لوح اور کچے ایمان والے بھی تھے جو ان کی بات مان لیتے ۔ اور جب منافقین میں سے خدا و قرآن کی تصدیق کے مطابق کوئی نہیں گیا تو اس جنگ میں کسی منافق کو کسی واقعے میں ملوث کرنا صحیح نہ ہوگا ۔اور مسلمانوں میں سے کسی کے فعل کو کسی

منافق کی طرف نسبت دینا غلط ہوگا سوائے اس صورت کے کہ آخرت کے طلبگاروں کے سوا باقی سب کو منافقین سمجھ لیا جائے۔

یہ جنگ مستقبل کے لئے منارہ ہدایت ہے۔

خدا اور اس کے رسول نے اس نا کردہ جنگ کے اندر روانگی سے لے کر واپسی تک اہل اسلام کے لئے بہت سے سبق اور رہدایت ورہنمائی کے کئی اصول تعلیم کیے ہیں۔

پہلا سبق یہ ہے کہ مملکت اسلامی کے دفاع کی طرف سے ہرگز ہرگز غافل نہیں رہنا چاہیے۔ اور اس کے لئے پوری طرح سے تیاری کر کے اور ظاہری طور پر اتفاق کرنے والوں کو بھی اپنے ساتھ لے کر چلنا چاہیے۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ اسلام ایک امن پسند دین ہے اور جارحیت، ملک گیری اور کشور کشائی کے لئے لشکر کشی کے سخت خلاف ہے۔ کیونکہ یہ دنیاوی بادشاہوں اور تاجداروں کا وطیرہ ہے۔ اسلام کا اصول یہ ہے کہ اگر دشمن کی طرف سے حملہ کی تیاری کی اطلاع ملے تو اس کے دفاع کی تیاری ضرور کرو۔ لیکن اگر دشمن اس بات کا اظہار کرے کہ اس کا جنگ کرنے کا کوئی ارادہ یا پروگرام نہیں ہے تو اس پر خوامخواہ جنگ مسلط کر کے حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ پیغمبر اکرمؐ نے روم کی سرحد تک جانے کے بعد واپسی اختیار کر کے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کے بعد جن مسلمانوں نے وسعت سلطنت اور کشور کشائی کے لئے لشکر کشیاں کیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس سے پہلے صلح حدیبیہ کے موقع پر پیغمبر اکرمؐ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اسلام ایک ایسا صلح پسند دین ہے جو صلح کے لئے آخری حد تک بھی جانے کے لئے تیار ہے۔

تیسرا سبق یہ ہے کہ جب سربراہ مملکت اور سپہ سالار لشکر دارالسلطنت سے کہیں باہر جا رہا ہو تو دارالسلطنت کو کسی کی نگرانی اور انتظام میں دے کر جانا چاہیے۔

پیغمبر اکرمؐ نے ہر دفعہ یہ سبق بڑی پابندی کے ساتھ دیا اور جب بھی کبھی آپ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے کسی نہ کسی کو ضرور مدینہ کا منتظم و نگرانی بنا کر گئے۔

اسی لئے بعض محدثین اور سیرۃ نگاروں کو اس بات پر تعجب اور سخت حیرانی ہوئی کہ آنحضرت صلعم جن کی سیرت مبارکہ میں یہ بات پختہ ہو چکی تھی کہ جب بھی آپ مدینہ سے کہیں باہر جاتے تھے تو مدینہ میں ضرور کسی کو نگرانی اور منتظم مقرر کر کے جاتے تھے۔ لیکن جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنی جگہ کسی کو اسلامی سلطنت کا نگران و منتظم مقرر کر کے کیوں نہ گئے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفاء مقصد اول میں لکھتے ہیں کہ:

"ہر کہ فن مغازی را تتبع نمودہ باشد البتہ می داند کہ آنحضرت ہر گاہ برائے غزوہ از مدینہ شریفہ سفر می فرمودند شخصے را حاکم مدینہ می نمودند۔ امر مسلمین را گاہے مہمل نہ گذاشتند۔ پس چوں کوس رحلت از دنیا نواختند و غیبت کبریٰ پیش آمد آن سیرت مرضیہ خود را چرا مرعات نہ فرمایند"۔ ازالۃ الخفاء مقصد اول ص 273

یعنی جس نے بھی غزوات پیغمبر کا مطالعہ کیا ہے وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ آنحضرت جب بھی کبھی کسی غزوہ پر مدینہ شریفہ سے تشریف لے جاتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے جاتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کے امور کو کبھی بھی مہمل نہیں چھوڑا۔ پس جب آپ نے اس دنیا سے کوچ فرمایا اور غیبت کبریٰ پیش آئی تو حضور نے اپنی اس سیرت مرضیہ کی رعایت کیوں نہ فرمائی؟

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں

"بحکمت ایں حکیم دانا و رافت ایں شفیق مہربان

مناسبت دارد کہ تدبیر اصلاح عالم نہ کردہ و امت خودرا زیر نسق خلیفہ نہ سپردہ از عالم بگزرد " ازالۃ الخفاء مقصد اول ص 273

یعنی کہاں اس حکیم دانا کی حکمت اور ایسے شفیق مہربان کی شفقت ومہربانی سے یہ بات مناسبت رکھتی ہے کہ عالم کی اصلاح کی تدبیر کئے بغیر اور اپنی امت کو کسی خلیفہ کے سپرد کئے بغیر اس دنیا سے کوچ کر جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ یقیناً پیغمبر اس دنیا سے اپنا جانشین مقرر کئے بغیر نہیں سدھارے۔ اور یہ صرف پیغمبرؐ کے بعد برسر اقتدار آنے والوں کا غلط پروپیگنڈہ ہے کہ پیغمبرؐ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا۔ تا کہ آنے والی نسلیں یہ نہ کہ سکیں کہ جب پیغمبر اپنے جانشین کا اعلان کر گئے تھے تو دوسروں نے اقتدار پر قبضہ کیوں کیا۔ یہ لوگ اس جھوٹے پروپیگنڈہ سے جہاں اپنے برسر اقتدار آنے کو اعتراض سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں وہاں صریحاً پیغمبرؐ کو جھٹلاتے بھی ہیں۔

بہر حال پیغمبرؐ جب بھی مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو کسی نہ کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر جاتے تھے۔ چنانچہ اس آخری جنگ کے موقع پر حضرت علی ابن ابی طالب کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے جب بھی کسی کو مدینہ کا نگران بنا کر گئے وہ محض وقتی طور پر نگران ہوتا تھا۔ مگر اس آخری موقع پر جب حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے تو ان کے بارے میں یہ انکشاف کر گئے کہ علی پیغمبر کے صرف وقتی طور پر قائم مقام نہیں ہیں بلکہ حضرت موسیٰ کے نائب حضرت ہارونؑ کی طرح آپ کے جانشین وخلیفہ بھی ہیں۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ:

" اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی "

(صحیح بخاری جلد 3 ص 54)

"یعنی کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ومنزلت ہے جو

ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

اس موقع پر پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو مثل ہارون قرار دے کر یہ ظاہر کر دیا کہ جس طرح حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰ کے وزیر و خلیفہ تھے اسی طرح علی میرے وزیر اور خلیفہ ہیں اور ان تمام مدارج پر فائز ہیں جن مدارج پر ہارونؑ فائز تھے اور چونکہ ہارونؑ نبی بھی تھے اس لئے لا نبی بعدی کہہ کر صرف نبوت کا استثناء کیا ہے اور لفظ بعدی کہہ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت علیؑ کی حضرت ہارون والی منزلت میری زندگی کے بعد کے لئے بھی ہوگی۔ کیونکہ اگر یہ نیابت وقتی ہوتی تو لا نبی بعدی کہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

پیغمبرؐ کے بعد قائم ہونے والی حکومت کے طرفدار حدیث منزلت کے بارے میں آج چاہے کچھ کہتے رہیں مگر جو لوگ پیغمبر کے بعد اقتدار پر نظریں جمائے ہوئے تھے وہ پیغمبرؐ کی اس بات کا بخوبی مطلب سمجھ گئے تھے 9ھ میں جبکہ سالم جزیزہ نمائے عرب پر اسلام کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور منافقین اس لشکر میں ساتھ گئے ہی نہیں تھے۔ ہر آدمی کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ جنگ تبوک سے واپسی کا عقبہ کا واقعہ پیش آنے کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟ جس کا بیان آگے آتا ہے۔

چوتھا سبق یہ ہے کہ ہم یہ سوچیں کہ تبوک سے واپسی پر پیغمبر اکرم کے قتل کا پروگرام کس نے بنایا؟ اور کیوں بنایا؟ اور وہ عقبہ کا مشہور واقعہ ہے جو اس طور پر ہے کہ

''آنحضرتؐ نے تبوک سے واپسی پر رات کے وقت وادی ''مشفق'' گھاٹی (عقبہ) کے راستہ سے طے کرنے کا پروگرام بنایا تو آنحضرت کی طرف سے یہ اعلان کرایا گیا کہ کوئی شخص اس گھاٹی پر سے نہ گزرے جب تک رسول اللہ کی سواری نہ گذر جائے۔ مگر کچھ لوگوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ آنحضرتؐ کی سواری کو بھڑکا کر آپ کو درہ میں گرا دیا جائے چنانچہ جب پیغمبرؐ ناقہ پر سوار حذیفہ بن یمان مہار تھامے ہوئے اور عمار یاسر پیچھے ہنکاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ بجلی کی چمک میں بارہ سوار دکھائی دیئے۔ جو چہروں پر

نقاب ڈالے گھاٹی کی طرف بڑھے چلے آرہے تھے، حذیفہ نے آنحضرتؐ کو ادھر متوجہ کیا آپ نے ان لوگوں کوڈانٹا اور عمار نے ان کے اونٹوں کو مار پیٹ کر انھیں بھگا دیا۔ آنحضرتؐ نے حذیفہ سے فرمایا کہ تم نے پہچانا کہ یہ کون لوگ تھے حذیفہ نے عرض کیا کہ میں نے نہیں پہچانا۔ کیونکہ رات کا اندھیرا تھا اور انھوں نے اپنے چہروں کو چھپایا ہوا تھا۔ پیغمبرؐ نے انھیں ایک ایک کا نام بتلایا اور ان کی نیت سے حذیفہ کو آگاہ کیا کہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ میرے اونٹ کو بھڑکا کر مجھے درہ میں گرادیں۔ لیکن خدا نے مجھے ان کے پروگرام سے آگاہ کردیا۔ اور میں تجھے ان کے نام بتلائے دیتا ہوں مگر تم ان کے ناموں کو پوشیدہ رکھنا۔

منشور جاوید قرآن کے منصف لکھتے ہیں کہ

" با مداداں اسید بن حضیر حضور پیامبر رسید و گفت حرکت در دل صحرا به مراتب آسان تر از پیمودن 'عقبه' بود شماچرا آن میسر را برگزیدی۔ پیامبر سرگذشت شب گذشته رایاد آور شد ۔ و او درخواست کرد که پیامبر آن معرفی کند تاھمگان به وسیله افراد قبیله خود اعدام گردند، پیامبر فرمود، این کار مصلحت نیست ومن دوست ندارم که مردم بگویند وقتی محمد قدرت پیدار کرد باراں خود را کشت

منشور جاوید قرآن جلد 4 ص 120

بحوالہ تاریخ بغداد جلد 1 ص 161

اسد الغابہ جلد 1 ص 391

الاستیعاب جلد 1 ص 277

"صبح کے وقت اسید بن حضیر پیغمبرؐ کے پاس آئے اور کہا کہ صحرا کے درمیان سے چلنا گھاٹی کے راستے سفر کرنے سے بہت آسان تھا۔ آپ نے اس راستہ کو کیوں اختیار فرمایا؟ پیغمبر نے انھیں گذشتہ رات کی واردات سنائی تو انھوں نے پیغمبر سے درخواست کی کہ آپ

ان کے نام بتلایئے تا کہ ان کے اپنے اپنے قبیلہ والے ان کو قتل کر ڈالیں، پیغمبرؐ نے فرمایا اس میں مصلحت نہیں ہے اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ یہ کہیں کہ جس وقت محمدؐ کو قدرت وطاقت حاصل ہوگئی تو انہوں نے اپنے اصحاب کو قتل کر ڈالا۔

جن جن تاریخوں اور سیرۃ کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے ان سب نے یہی لکھا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے حذیفہ بن الیمان کو ان کے نام بتلا دیئے تھے اور انہیں یہ تاکید کردی تھی کہ وہ ان کے نام کسی کو نہیں بتلائیں گے۔ان کے ناموں کو نہ بتلانے میں کیا مصلحت تھی؟ یہ بات خود پیغمبر اکرمؐ ہی بہتر جانتے تھے۔لیکن اچھی طرح غور کرنے سے جو اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یا تو ان کا نام ظاہر کر دینے سے اسلام کو کچھ نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوگا یا خود حذیفہ کے لئے یہ بات نقصان کا باعث ہوگی۔جو اس بات سے ثابت ہے کہ حذیفہ نے بعض لوگوں کے بار بار پوچھنے اور انتہائی اصرار کے باوجود اپنی زندگی میں ان کے نام نہیں بتلائے۔لیکن جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو ایک انصاری کے پوچھنے پر ان کو وہ نام بتلا دیئے جو سیرۃ کی بعض کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں لیکن ہم بھی مصلحتاً یہاں پر نقل نہیں کرتے۔لیکن اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس جنگ میں خدا کے قول کے مطابق جو قرآن میں محفوظ ہے کوئی منافق اس جنگ میں نہیں گیا تھا اور تاریخ ''روضۃ الاحباب'' میں یہ لکھا ہے کہ وہ اکابر صحابہ تھے'' چودہ ستارے ص 37 بحوالہ تاریخ روضۃ الاحباب

پانچواں سبق یہ ہے کہ سنہ 8 ھ میں جنگ موتہ کے موقع پر حضرت زید بن حارثہ ،حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گئے تھے۔حضرت جعفر طیار خود پیغمبر اکرم کے عم زاد تھے لہذا آپ خود بھی قصاص کے لئے ان پر لشکر کشی کر سکتے تھے۔لشکر بھی کافی تھا ابھی صرف ایک سال ہی گذرا تھا۔

لیکن پیغمبرؐ نے زید بن حارثہ۔یا جعفر ابن ابی طالب یا عبداللہ بن رواحہ کے قصاص کے لئے اس وقت قطعی طور پر لشکر کشی نہ کی لیکن جنگ موتہ کے دو سال بعد سنہ 10 ھ

میں اپنی موت کے وقت آپ زید بن حارثہ کے قصاص کے لئے جیش اسامہ کی روانگی کا سختی کے ساتھ حکم دیتے ہیں۔ پیغمبر نے اس قصاص کو اپنی موت کے وقت تک کیوں موخر کیا؟ اس بات سے بھی ہدایت کے کئی چشمے پھوٹتے ہیں۔ جو صرف غور کرنے والوں کو دکھائی دیتے ہیں اور ان واقعات میں ہدایت کا نور اس لئے ہے کہ یہ سب واقعات عام نوعیت سے واقع نہیں ہوئے۔ بلکہ سب کے سب وحی الہام کے ماتحت انجام پائے تھے۔

چھٹا سبق یہ ہے کہ پیغمبرؐ جو کچھ بھی کرتے ہیں اور جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ ''وما ینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحیٰ'' (النجم) کے مطابق وحی الٰہی کی روشنی میں ہوتا ہے خواہ وہ وحی قرآنی ہو یا وہ وحی آگاہ بخش اور اطلاع غیب سے متعلق ہو۔ جیسا کہ اس جنگ سے واپسی پر ایک واقعہ سے ثابت ہے۔ منشور جاوید قرآن میں یہ واقعہ ''تکذیب نبوت پیامبر'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔ ہم اس کا ترجمہ یہاں پر نقل کرتے ہین جو اس طرح ہے کہ:

''راستے میں رسول اکرمؐ کا اونٹ گم ہوگیا اصحاب پیغمبرؐ نے اس کو ڈھونڈنا شروع کیا منافقین نے اونٹ کے گم ہونے کو تکذیب نبوت کا بہانہ بنالیا۔ اور کہنے لگے۔ محمدؐ خود کو پیغمبر کہتے ہیں اور خدا کے حکم سے تمہیں غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں یہ پتہ نہیں ہے کہ ان کا اونٹ کہاں ہے۔ جب پیغمبر کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

''خدا کی قسم خدا نے جو کچھ مجھے تعلیم کیا ہے میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا اونٹ فلاں درہ میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت کے ساتھ الجھ گئی ہے اور اس کے چلنے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے اٹھو اور جا کر اسے وہاں سے لے آؤ۔

منشور جاوید قرآن فاسی جلد 4 ص 118

مورخ شہیر ابن خلدون نے اس واقعہ کو ''منافقین کے اعتراضات'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

''آگے بڑھے تو اثناء راہ میں آپ کا ناقہ گم ہوگیا منافقین کی بن آئی۔ آپس میں

کہنے لگے کہ محمد تو یہ دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ ہم کو آسمان سے خبریں ملا کرتی ہیں ہم آسمانی حالات کو جانتے ہیں۔ تعجب ہے کہ اپنے ناقہ کا حال نہیں جانتے کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا۔ بخدا میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ میرے رب نے جو کچھ مجھے سکھا دیا ہے اور اب میں بہ الہام الٰہی کہتا ہوں کہ ناقہ فلاں مقام پر ہے مہار اس کی ایک درخت سے اٹک گئی ہے۔ جس سے وہ رکی ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک صحابی کو بھیج کر ناقہ منگوالیا۔ تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص 177

یہاں پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس جنگ میں مکہ کے تازہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے والے بھی تھے۔ منکم من یرید الدنیا دنیا کے طالب بھی تھے۔ مال غنیمت کے لالچ میں اسلام قبول کرنے والے بھی تھے لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ منافقین مدینہ ان میں نہیں تھے

دعوت مباہلہ اور نزول آیت تطہیر

فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ نے ان قبائل کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ دعوت اسلام کے سلسلہ میں پیغامات بھیجے۔ ان خطوط میں سے ایک خط نصارائے نجران کے نام بھی تھا اور انہیں اسلام قبول کرنے یا جزیہ دے کر مملکت اسلامی کی رعایا بننے کی دعوت دی تھی۔

بعض سیرۃ نگاروں نے غلطی سے یہ لکھ دیا ہے کہ 10ھ کا واقعہ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مکہ 8ھ میں فتح ہوا۔ جس کے بعد تقریباً تمام متحارب گروہ سرنگوں ہو گئے۔ تو پیغمبر نے ان قبائل کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ دعوت اسلام دی تھی۔ لہذا نجران کے عیسائیوں کا یہ وفد 9ھ کے اواخر میں ماہ ذوالحجہ کی 22 تاریخ کو حالات معلوم کرنے کے لئے مدینہ میں وارد ہوئے۔

بہر حال واقعہ مباہلہ ایسے مسلمات تاریخیہ میں سے ہے۔ جس سے کسی بھی مورخ، محدث، مفسر، سیرت نگار نے انکار نہیں کیا۔ اور یہ ان واقعات خصوصیہ میں سے ہے۔ جس

کے مقابلہ میں کوئی اور واقعہ بھی نہ گھڑا جا سکا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کسی کے تعصب نے اسے مغلوب کرلیا تو اس نے اپنی کتابوں میں اس واقعہ کو نہ لکھا۔ یا اس واقعہ کے خصوصیات سے صرف نظر کیا۔ یہ واقعہ مختصر طور پر اس طرح ہے۔

عیسائی حضرات حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ آنحضرت نے قرآن مجید کی اس آیت سے انہیں جواب دیا "ان مثل عیسےٰ عند الله کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون" (آل عمران)

اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسے آدم۔ اسے مٹی سے پیدا کیا پھر کہا ہو جا اور وہ ہو گیا۔

مطلب یہ تھا کہ عیسیٰ کا تو فقط باپ نہ تھا اور آدم کا تو نہ باپ تھا نہ ماں تھی پھر انہیں خدا کا بیٹا کیوں نہیں کہتے۔

ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا کٹ حجتیوں اور کج بحثیوں پر اتر آئے جب وہ دلیل وحجت سے قائل ہوتے نظر نہ آئے تو اللہ کی طرف سے وحی ہوئی۔

" فمن حاجک فیه من بعد ماجاء ک من العلم فقل تعالوا ندع ابناء نا و ابناء کم و نساء نا و نساء کم و انفسنا و انفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله علی الکاذبین" (آل عمران)

جب تمہارے پاس علم آچکا۔ اس کے بعد بھی یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے حجت کریں تو ان سے کہو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو۔ ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو۔ پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

اس آیت کے نزول کے بعد اگلا دن 24 ذی الحجہ 9ھ مباہلہ کے لئے مقرر ہوا۔ لہذا اگلے دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ، فاطمہ زہراؑ، حسن

مجتبیؑ۔ اور حسینؑ کو مباہلہ میں شرکت کے لئے طلب فرمایا۔

صحیح مسلم میں سعد ابن ابی وقاص سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ:

"لما انزلت هذالاية ندع ابناء نا و ابناء كم دعا رسول الله علياً و فاطمه، و حسناً و حسيناً. فقال اللهم هولاء اهلي''

سیرۃ امیر المومنین ص 316

بحوالہ صحیح مسلم جلد 2 ص 281

جب آیہ مباہلہ ندع ابناءنا وابناءکم نازل ہوا تو رسول اللہ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسن و حسینؑ کو طلب کیا اور کہا اے میرے اللہ یہی میرے اہل بیت ہیں۔

اور حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو کئی طریقوں سے بیان کیا ہے۔ حضرت ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

عن ام سلمه قالت في بيتي نزلت انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت قالت فارسل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الى علي و فاطمه و الحسن والحسين، فقال هولاء اهل بيتي۔

البلاغ المبین جلد 1 ص 497

بحوالہ مستدرک علی الصحیحین جز 3 ص 146

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ آیہ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی تھی اس وقت جناب رسول خدا نے علی و فاطمہ و حسن و حسین کو بلوایا اور فرمایا کہ یہ ہیں میرے اہل بیت۔

تذکار صحابیات کا مصنف اس حدیث کو اس طرح سے نقل کرتا ہے۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے گھر تھے کہ آیہ تطہیر "انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت'' کا نزول ہوا۔ حضور نے حضرت فاطمہ الزاہرا، حضرت علی

کرم اللہ وجہہ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کو بلایا ان پر اپنا کمبل ڈال دیا۔ اور فرمایا بارالہا۔ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ حضرت ام سلمہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا میں بھی اہل بیت میں سے ہوں۔ فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔ تذکار صحابیات ص 79

ان تینوں مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر نے مباہلہ کے وقت جانے کے لئے علی کو فاطمہ کو حسن کو اور حسین کو بلایا اور وہ پیغمبر اکرمؐ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت ام سلمہ کی باری کا دن تھا اور پیغمبرؐ ان کے گھر میں قیام پذیر تھے جیسا کہ جمع بین الصحاح الستہ میں رزین بن معاویہ اندلسی نے بخاری و مسلم و موطا و سنن ابی داؤد و نسائی سے نقل کیا ہے۔

"عن ام سلمہ قالت ان ھذہ الآیۃ نزلت فی بیتی و انا جالسۃ عندالباب فقلت یا رسول اللہ الست من اھل البیت فقال انک علی خیر انک من ازواج رسول اللہ و قالت فی البیت رسول اللہ و علی و فاطمہ و حسن و حسین فجللھم بکساء قال اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا"۔ البلاغ المبین جلد 1 ص 500

بحوالہ جمع بین الصحاح الستہ رزین بن معاویہ اندلسی

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ آیہ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی تھی میں گھر کے دروازے کے پاس بیٹھی ہوئی تھی پس میں نے عرض کی۔ اے رسول خدا۔ کیا میں اہل بیت میں نہیں ہوں جناب رسول خدا نے جواب دیا کہ تیری عاقبت بخیر ہے تو ایک نیک بی بی ہے اور ازواج رسول میں سے ہے۔

اس وقت اس گھر میں فقط رسول خدا و علی و فاطمہ و حسن و حسین تھے۔ آنحضرت نے ان کو اپنی عبا کے نیچے لے لیا اور عرض کی کہ اے خدا یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو اتنا پاک رکھ جتنا پاک رکھنے کا حق ہے۔

چونکہ پیغمبر اکرمؐ نے ان کو چادر یعنی کساء کے نیچے لیا ہوا تھا لہذا یہ حدیث کساء کے نام سے مشہور ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں:

" اما حدیث الکساء فھو صحیح رواہ احمد و الترمذی من حدیث و رواہ مسلم فی صحیحہ من حدیث عائشہ " (البلاغ المبین جلد 1 ص 500)

بحوالہ منہاج السنۃ الجزء الثالث ص 4

حدیث کساء بالکل صحیح ہے اس کو احمد بن حنبل نے اور ترمذی نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے اور مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ سے اس کو روایت کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ جس طرح حجرہ سے باہر نکلے مورخین ومحدثین نے اسے بھی نقل کیا ہے۔ چنانچہ محدث شیرازی آنحضرت کے مباہلہ کے لئے باہر آنے کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں کہ

" حال آنکه حضرت از حجره شریف بیرون آمد بود و حسین ابن علی رادر زیر بغل و دست حسن را بدست خویش گرفته فاطمه و علی از عقب آن سرور بودند "

البلاغ المبین جلد 1 ص 209

بحوالہ روضۃ الاحباب ص 523

آنحضرت حجرہ شریف سے اس حالت میں باہر نکلے کہ حسین ابن علی کو گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔ حسن کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور فاطمہؑ اور علیؑ آپ کے پیچھے پیچھے تھے۔

اور علامہ زمخشری اپنی تفسیر کشاف میں واقعات مباہلہ کے لکھنے کے بعد حضرت عائشہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ

و عن عائشہ رضی اللہ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خرج و علیه مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن فادخله ثم الحسین ثم فاطمه ثم علی ثم قال انما یرید الله لیذھب عنکم الرجس اھل البیت .... و فیه دلیل لا شی اقوی منه علی فضل اصحاب الکساء علیھم السلام"

البلاغ المبین جلد 1 ص 210

بحوالہ تفسیر کشاف الجزء الاول ص 307

جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ مباہلہ کے لئے اس طرح نکلے کہ آپ کالی ردا اوڑھے ہوئے تھے۔ حسن آئے انہیں اپنی ردا کے اندر کرلیا۔ پھر فاطمہ پھر علی آئے اور ان کو بھی اپنی ردا کے اندر داخل کرلیا۔ پھر آیہ تطہیر تلاوت فرمائی کہ یہ اہل بیت ہیں جن سے رجس دور کیا گیا ہے اور جن کو پاک وصاف کیا گیا ہے۔

اس میں اصحاب کساء کے لئے نہایت قوی دلیل ان کی فضیلت کی ہے۔ حضرت عائشہ سے مذکورہ روایت صحیح مسلم میں بھی کتاب فضائل الصحابہ الجزء السابع ص 130 پر روایت ہوئی ہے اور ریاض النضرہ میں یہی روایت حضرت ام سلمہ سے اس طرح مروی ہے۔

" و عن ام سلمه ان النبی صلی الله علیه وسلم جلل علی الحسن والحسین و علی و فاطمه کساء و قال اللھم ھولاء اھل بیتی و خاصتی اذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا ۔ اخرجه الترمذی و قال حسن صحیح "

البلاغ المبین جلد 1 ص 496

بحوالہ ریاض النضرۃ جزو 2 باب 4 فصل 6 ص 188

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول خدا نے حسن وحسین وعلی وفاطمہ پر ایک چادر ڈالی اور فرمایا اے خدا یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک کر جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ اس کو ترمذی نے بمعہ اسناد کے نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح حسن ہے۔

اور شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب مفاتیح الجنان میں اعمال روز مباہلہ میں اس طرح لکھا ہے۔

(روز بست و چهارم) " بنا بر اشهر روز پسنکه مباهله کرد رسول خدا صلی الله علیه وآله با نصارائے نجران و پیش آنکه خواست مباهله کند عبابر دوش مبارك گرفت و حضرت امیر المومنین و فاطمه و حسن و حسین علیهم السلام را داخل در زیر عبا نمود و گفت پروردگارا بر پیغمبر را اهل بیت بوده است که مخصوص ترین خلق بوده اند یا خداوندا اینها اهل بیت من اند پس از ایشاں بر طرف کن شک و گناه را و پاك کن ایشاں را پاك کردلی پس جبرائیل نازل شد و آیه تطهیر در شان ایشاں اورد بس حضرت رسول صلی الله علیه وآله آن چهار بزرگوار را بیرون برد از برائے مباهله ـ جوں نگاه نصاری بر ایشاں افتاد و حقیقت آنحضرت و آثار نزول عذاب مشاهده کردند جرأت مباهله نه نمودند و استدعاء مصالحه و قبول جزیه نمبودند " مفاتیح الجنان فارسی شیخ عباس قمی ص 284

شیخ عباس قمی کی مذکورہ عباس کا ترجمہ حجتہ الاسلام سرکار علامہ السید ریاض حسین نجفی پرنسپل جامعۃ المنتظر نے اس طرح کیا ہے۔

"مشہور روایت کے مطابق 24 ذوالحجہ عید مباہلہ کا دن ہے کہ اس روز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے نصارائے نجران سے مباہلہ کیا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت

رسول صلی اللہ علیہ والہ نے اپنی عبا اوڑھی پھر حضرت امیر المومنین علیہ اسلام ۔ جناب فاطمہ سلام اللہ علیھا، اور حضرت حسن وحسین علیھما السلام کو اپنی عبا میں لے لیا تب فرمایا کہ یا اللہ ہر نبی کے اہل بیعت ہوتے ہیں ۔اور میرے اہل بیت یہ ہیں ۔پس ان سے ہر قسم کی ظاہری و باطنی برائی کو دور رکھ اور ان کو اس طرح پاک رکھ جو پاک رکھنے کا حق ہے اس وقت جبرائیل امین آیہ تطہیر لے کر نازل ہوئے ۔اس کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ان چاروں ہستیوں کو اپنے ساتھ لیا اور مباہلہ کے لئے نکلے ۔نصارائے نجران نے آپ کو اس شان سے آتے دیکھا اور علامات عذاب کا مشاہدہ کیا تو مباہلہ سے دست کش ہو کر مصالحت کر لی اور جزیہ دینے پر آمادہ ہو گئے" (مفاتیح الجنان مترجم علامہ حافظ ریاض حسین نجفی ص 553)

بہر حال آیہ تطہیر کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر تو پورے اطمینان قلب کے ساتھ میدان مباہلہ میں تشریف لے گئے لیکن علامہ زمخشری لکھتے ہیں نصاریٰ کی نظر جب ان پاک اور معصوم چہروں پر پڑی تو ان پر ایک رعب طاری ہو گیا اور وہ ان معصوم ہستیوں کو دیکھ کر لرزاٹھے اور ان کے سردار ابو حارثہ نے کہا:

"یا معاشر النصاریٰ انی لاری وجوھا لو شاء اللہ ان یزیل جبلاً من مکانہ لازا لہ بھا فلا تباھلوا فتھلکوا" سیرۃ امیر المومنین ص 317
بحوالہ تفسیر کشاف پارہ 3

اے گروہ نصاریٰ میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ چاہے کہ پہاڑ کر اس کی جگہ سے سرکا دے تو وہ ان چیزوں کی خاطر سرکا دے گا ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ تباہ و ہلاک ہو جاؤ گے ۔

بہر حال نصاریٰ نے مباہلہ نہ کیا وہ مباہلہ سے دستبردار ہو گئے اور انھوں نے جزیہ دینا قبول کر کے مصالحت کر لی ۔

پیغمبرؐ کا نو ماہ تک حضرت علیؑ کے دروازہ پر یا اھل البیت کہہ کر سلام کرنا

تفسیر در منثور میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ آیہ تطہیر نازل ہونے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نو ماہ تک ہر روز علیؑ کے دروازے پر آکر "یا اھل البیت" کہہ کر سلام کیا کرتے تھے۔ تفسیر در منثور کی عبارت اس طور پر ہے:۔

قال شھدنا رسول اللہ تسعة اشھر یا تی کل یوم باب علی بن ابی طالب عند وقت کل صلواۃ فیقول السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ اھل البیت انما یرید اللہ لیذھب ۔ الایہ ۔ الصلوٰۃ احکم اللہ کل یوم خمس مرات"

البلاغ المبین جلد 1 ص 502
بحوالہ تفسیر در منثور آیہ مذکور

ابن عباس کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جناب رسول خدا روزآنہ نو مہینے ہر ایک نماز کے وقت تشریف لایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے اے اہل بیت رسالت السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ پھر آیہ تطہیر تلاوت فرمایا کرتے۔ پھر فرماتے:

الصلوٰۃ احکم اللہ۔ روزانہ پانچ وقت ہر نماز کے وقت پر آنحضرتؐ ایسا کرتے تھے

اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبرؐ نو مہینے تک روزآنہ پانچ وقت "السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ اہل بیت کہہ کرامت کو دکھلاتے رہے بتلاتے رہے اور پکار پکار کر کہتے رہے کہ یہ میرے اہل بیت ہیں اس کے باوجود اگر پھر بھی کوئی گھپلا کرے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے

حجتہ الوداع

6ھ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ عمرہ کے ارادہ سے نکلے مگر قریش سد راہ

ہوئے اور آپ حدیبیہ سے واپس پلٹ آئے ۔اور مکہ پہنچ کر عمرہ بجانہ لا سکے ۔

7ھ میں صلح حدیبیہ کے مطابق پھر عمرہ کے لئے تشریف لے گئے ۔مگر قریش سے معاہدہ کی بناء پر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کر سکے ۔

8ھ میں مکہ فتح ہوااور بتوں سے خانہ کعبہ کی تطہیر عمل میں آئی ۔

9ھ میں حضرت علیؑ کو سورہ برأت کی آیتیں دے کر رسوم حج کو شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنے کے لئے بھیجا۔انھوں نے مشرکین سے بیزاری و لاتعلقی کا اعلان کر کے انھیں حرم کعبہ میں آئندہ قدم رکھنے سے منع کردیا۔

خانہ کعبہ کی تطہیر اور مشرکین کی کعبہ میں آمد کو روکنے کے بعد 10ھ میں حکم الٰہی نازل ہوا۔

" اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علیٰ کل ضامر من کل فج عمیق ، لیشھدوا منافع لھم "

لوگوں میں حج کے لئے اعلان کردو (کہ وہ) تمہارے پاس دور دراز کی راہوں سے پیادہ اور سفر سے تھکی ماندی سواریوں پر چڑھ کر آئیں تا کہ وہ (دین و دنیا کے) فائدے حاصل کریں۔

پیغمبر اکرمؐ کی آواز پر ہر سمت سے مسلمان کثیر تعداد میں مدینہ پہنچ گئے ۔تا کہ پیغمبرؐ کے ساتھ مدینہ سے نکلیں۔

اس سفر میں پیغمبرؐ کے ساتھ حاجیوں کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تک لکھی ہے۔

حتیٰ کہ حضرت فاطمہ زہراؑ اور تمام ازواج رسول صلعم بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں۔

جب ظہر کے وقت وادی ذوالحلیفہ مین پہنچے تو غسل احرام کے بعد احرام باندھا صحابہ نے بھی احرام باندھ لئے اور سب نے مل کر تلبیہ کہا تو لبیک اللھم لبیک کی آوازوں سے دشت وصحرا گونج اٹھے۔

4 ذی الحجہ کو پیغمبرؐ مکہ میں وارد ہوئے اور آٹھ ذی الحجہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے حکم دیا کہ جنہوں نے عمرہ کے بعد احرام کھول دیئے تھے وہ احرام حج باندھ لیں۔

خود پیغمبر اکرم پہلے سے احرام باندھے ہوئے تھے اور حضرت علیؑ بھی آپ کے حسب ہدایت حالت احرام پر باقی تھے

جب سب احرام باندھ چکے تو مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور منیٰ میں تشریف لے آئے اور دوسرے دن صبح کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں پہنچ کر نمرہ میں خیمہ زن ہوئے۔

میدان عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی غروب آفتاب تک وقوف فرمایا اور وہ مشہور و معروف خطبہ دیا جو تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔

بعد غروب آفتاب وہاں سے چل کر مشعر الحرام میں تشریف فرما ہوئے اور مغرب وعشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھی۔ مشعر الحرام میں رات گذارنے کے بعد روز عید صبح کے وقت منیٰ میں آئے اور جمرہ عقبیٰ پر رمی کرنے کے بعد قربانی دی۔ قربانی سے فارغ ہو کر سر منڈوایا اور احرام کھول دیا۔ اور اسی دن مکہ معظمہ پہنچ کر خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی بجالائے اور پھر منیٰ میں واپس آگئے۔ جہاں 13 ذوالحجہ 10 ھ تک قیام فرمایا اور رمی جمرات کا فریضہ ادا کر کے حج سے فارغ ہوگئے۔

افشائے راز و تظاہر ازواج اور تشبیہ کی وجہ

علامہ شبلی نے جس طرح سے واقعہ ایلاء و تحریم اور افشائے راز کو آپس میں گڈمڈ کیا ہے اس کا بیان ہم سابق میں کر چکے ہیں کہ طلاق و ترجی و تخییر کے واقعات تو واقعہ ایلاء کے ساتھ وابستگی رکھتے ہیں اور ان کا تعلق مال غنیمت کی کثرت کو دیکھ کر ازواج کی طرف سے توسیع نفقہ میں تنگ طلبی سے ہے اور جب ازواج پیغمبرؐ نے اپنا مطالبہ واپس لے لیا اور پیغمبر

کے ساتھ اسی حالت میں رہنے پر رضامند ہوگئیں تو معاملہ ختم ہوگیا۔اوراس معاملہ میں تمام ازواج شریک تھیں۔

اور واقعہ تحریم کا تعلق پیغمبر کا کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے ہے اور یہ بھی اوراق سابقہ میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ شہد کے کھانے کو ترک کرنے کا واقعہ ہے۔جس میں نہ تو راز کی کوئی بات تھی اور نہ ہی اس میں کوئی خطرہ پوشیدہ تھا۔

بس پیغمبرؐ نے گھر کا سکون تباہ ہونے سے بچانے کے لئے یہ کہہ دیا کہ میں اب شہد نہیں کھاؤں گا اور ان کے اعتماد کے لئے قسم بھی اٹھالی۔

لہذا واقعہ ایلا یا واقعہ تحریم کا واقعہ افشائے راز کے ساتھ کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے اور یہ وہ واقعہ ہے جسے چھپانے کی سر توڑ کوشش کی گئی ہے۔

لیکن علامہ سید سلیمان ندوی صاحب نے یہ واضح طور پر لکھا دیا ہے کہ "جن لوگوں کو قرآن مجید کے عام طرز ادا سے آگاہی ہے یا محاورات عرب پر عبور ہے وہ جانتے ہیں کہ "اذ" کے بعد ہمیشہ نئے سرے سے نیا واقعہ شروع ہوتا ہے۔گذشتہ آیت تک تو تحریم کا واقعہ بیان ہوا تھا۔یہاں سے ایک الگ بات شروع ہو جاتی ہے۔ سیرۃ عائشہ صدیقہ ص 102

لیکن علامہ شبلی واقعہ افشائے راز کا جوڑ اسی واقعہ تحریم کے ساتھ ملاتے ہوئے پہلے اس واقعہ میں جھوٹ بولنے اور سازش کرنے کے بعد علامہ عینی کے نظریہ کی تردید کرتے ہیں جسے ہم نے سابقہ اوراق میں نقل کیا ہے اور پھر صفائی میں اپنی دلیل دیتے ہیں جسے ہم سابقہ اوراق میں نقل کرنے کے باوجود تسلسل قائم رکھنے اور موقع کی مناسبت سے دوبارہ نقل کرتے ہیں علامہ شبلی فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹی بات نہ تھی۔تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لطیف المزاج تھے۔اور رائحہ کی ذرا سی ناگواری کو برداشت نہیں فرما سکتے تھے۔مغافیر کے پھولوں میں سے اگر

کسی قسم کی گرفتگی ہوتو تعجب کی بات نہیں ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 549

حق بات کو چھپانا اور حقائق پر پردہ ڈالنا کوئی علامہ شبلی اور علامہ عینی بلکہ ان کے تمام ہم مشرب علماء سے سیکھے ۔ مانا کہ روایتوں میں یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ لطیف المزاج تھے یہ بات بھی قابل تسلیم ہے کہ آپ رائحہ کی ذراسی ناگواری کو برداشت نہیں فرما سکتے تھے لیکن یہ بات توان کی دلیل کے سراسر خلاف ہے جب آپ وہ شہد کھاتے تھے اس وقت آپ کی لطیف المزاجی اور بدبو کی ذراسی ناگواری کا تقاضا یہ تھا کہ آپ وہ شہد نہ کھاتے اور خود ہی فرمادیتے کہ میں یہ شہد نہیں کھاؤں گا اس میں تو مغافیر کی بو آرہی ہے کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ ہستی جو رائحہ کے بارے میں اتنی لطیف المزاج ہو اسے مغافیر کی بو کھاتے ہوئے محسوس نہ ہو اور جب روایت یہ کہتی ہے کہ ان دونوں نے پہلے سے یہ سازش کر لی تھی کہ جب پیغمبرؐ ان کے یہاں آئیں تو یہ کہا جائے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے تو یہ جھوٹ کے سوا اور کیا تھا دراصل یہ بات اصل سازش کو چھپانے کے لئے گھڑی گئی ہے ورنہ انھوں نے کوئی جھوٹ نہ بولا تھا نہ یہ کہنے کی سازش کی تھی اور نہ ہی یہ کہا تھا۔ بلکہ پیغمبرؐ کا حضرت زینبؓ کے گھر شہد کھانے کے لئے روز آنہ جانا ان کو برداشت نہ ہوا اور اس سلسلے میں عدالت کی نسبت سے پیغمبرؐ کو مطعون کیا لہذا پیغمبر نے شہد نہ کھانے کی قسم کھالی۔

اب ہم یہاں پر یہ دکھاتے ہیں کہ اس سے آگے علامہ شبلی واقعہ تحریم کا واقعہ افشائے راز اور واقعہ تظاہر ازواج سے کس طرح جوڑ ملاتے ہیں ۔علامہ شبلی لکھتے ہیں

''البتہ ازواج مطہرات کا ایکا کرنا بہ ظاہر محل اعتراض ہوسکتا ہے لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہیں ہے کہ ازواج مطہرات معصوم تھیں ۔یا اپنے انجاح مقاصد کے لئے جائز وسائل اختیار نہیں کرتی تھیں ۔اس زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم نے کوئی راز کی بات حفصہ سے فرمائی اور تاکید کردی کہ کسی کو نہ کہنا ۔لیکن انھوں نے حضرت عائشہ سے کہہ دیا اس پر یہ آیت اتری '' واذ اسر النبی الیٰ بعض ازواجه حدیثاً فلما نبات

به و اظهره الله عليه عرف بعضه و اعرض عن بعض فلما نباها به قالت من انباک هذا قال نبانی العليم الخبير"۔ (تحریم۔3)

اور جبکہ پیغمبرؐ نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انھوں نے فاش کردی اور خدا نے پیغمبرؐ کو اس کی خبر کردی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔ پھر جب ان سے کہا تو انھوں نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی۔ پیغمبرؐ نے کہا مجھ کو خدائے علیم وخبیر نے خبر دی۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 550

اس کے بعد پھر واقعہ افشائے راز کو واقعہ ایلاء اور واقعہ تحریم کے ساتھ ملانے کے لئے فرماتے ہیں

"شکر رنجیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عائشہ وحضرت حفصہ نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں۔ اس پر حضرت عائشہ وحضرت حفصہ کی شان میں یہ آیتیں اتریں۔

" ان تتوبا الی الله فقد صغت قلوبكما و ان تظاهرا عليه فان الله هو مولاه و جبرائيل و صالح المومنين والملائكة بعد ذالک ظهيرا " (تحریم۔4)

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر ان کے یعنی رسول اللہ کے مقابلہ میں ایکا کرو تو خدا اور جبرائیل اور نیک مسلمان اور سب کے بعد فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہیں۔ سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص 550

علامہ شبلی ان واقعات کو گڈمڈ کرنے اور ایک ہی سلسلے کی کڑی بنانے کی تمام تر کوششوں کے باوجود یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ

"حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا وہ خاص تھے۔ لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواج مطہرات شریک تھیں۔

سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص 550

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ یہ مظاہرہ یا ایکا علامہ شبلی کی نظر میں کیا تھا۔

ایک بہت بڑی ضرر رساں سازش

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کا یہ مظاہرہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ چنانچہ خود علامہ شبلی سیرۃ النبی میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرر رساں سازش تھی جس کا اثر بہت پر خطر تھا۔ آیت مذکور یہ ہے۔

"و ان تظاهرا عليه فان الله هو مولاه و جبرائيل و صالح المومنين و الملائكة بعد ذالك ظهير" (تحریم۔4)

اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو خدا اور جبرائیل اور نیک مسلمان موجود ہیں اور اس پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لئے تیار ہیں۔

روایتوں سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی ہے کہ اس کے ذریعہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں اور اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کر لی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کر دی جائیں۔ لیکن یہ ایسی کیا اہم باتیں ہیں اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پر خطر ہو سکتی ہے؟ جس کی مدافعت کے لئے ملاء اعلاء کی اعانت کی ضرورت ہو۔ اس بناء پر بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا۔

سیرۃ النبی جلد اول ص 556-557

بہر حال آخر میں یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ توسیع نفقہ اور ماریہ قبطیہ کے واقعہ کا اس سازش سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جبکہ ماریہ قبطیہ کی روایت کو وہ ویسے ہی جھوٹی، من گھڑت اور ساقط الاعتبار تسلیم کر چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے واقعہ افشائے راز اور تظاھر ازواج کو بنی امیہ کی حکومتوں کے زیر اثر لکھی گئی تاریخوں اور سیرۃ کی کتابوں میں صحیح طور پر لکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا ان کو ہر ایک اس طرح سے گڈمڈ کر کے لکھتا ہے کہ کوئی بھی واقعہ افشائے راز و تظاھر ازواج کی حقیقت سے باخبر نہ ہو سکے۔

پہلے تو واقعہ افشائے راز اور تظاھر ازواج کے واقعہ کو چھپانے کے لئے اس سلسلہ میں نازل شدہ آیات کے ترجمہ میں ہی اکثر نے تحریف کی ہے اور ایسے معنی کیے ہیں کہ اس سے کچھ مفہوم اور مطلب ہی سمجھ میں نہ آئے۔ لہذا ہم پہلے تو آیات کا بامطلب ترجمہ اور توضیح و تشریح پیش کرتے ہیں۔ یہ آیت اس طرح ہے۔

" واذ اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثاً فلما نبات به و اظهر الله علیه عرف بعضه واعرض عن بعض. فلما نباها به قالت من انباک هذا قال نبانی العلیم الخبیر " (تحریم۔3)

اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ پیغمبر نے اپنی ایک زوجہ سے ایک راز کی بات بتلا دی۔ پس جب اس نے وہ راز کی بات دوسری کو بتلا دی تو اللہ نے اسے اپنے نبی پر ظاہر کر دیا۔ اس پر پیغمبر نے (جو اللہ نے ظاہر کیا تھا) اس کا کچھ حصہ تو اس عورت کو جتلا دیا۔ اور کچھ حصہ نہ جتلایا۔ پس جس وقت پیغمبر نے اس (عورت) کو اس بات سے مطلع کیا تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو اس کی خبر کس نے دی۔ آپؐ نے فرمایا مجھ کو بڑے جاننے والے اور بڑے خبر رکھنے والے نے یہ خبر دی ہے۔

اس آیت میں یہ بات تو واضح کر دی گئی ہے کہ پیغمبر نے اپنی جس زوجہ کو وہ راز کی بات بتائی تھی اس نے وہ دوسری کو بتلا دی تھی۔ اور پیغمبر نے جو بات جتلائی وہ بھی یقیناً وہی تھی جو پیغمبر نے اپنی زوجہ کو بتلائی تھی۔

لیکن وہ بات کیا تھی جس کو پیغمبر نے نہیں جتلایا؟ اور جسے قرآن نے "واعرض عن

بعض'' کہا ہے۔ یعنی بعض باتوں کو پیغمبر نے نہیں جتلایا۔ اس بات کا اشارہ اگلی آیت میں ہوا ہے اور وہ یہ ہے۔

" ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما و ان تظاھرا علیه فان اللہ ھو مولاہ و جبرائیل و صالح المومنین والملائکة بعد ذالک ظھیرا " (تحریم۔4)

اگر تم دونوں کی دونوں عورتیں خدا کی حضور میں توبہ کرلو (تو یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل (حق سے باطل کی طرف) مائل ہو گئے ہیں اور اگر تم دونوں کی دونوں ہمارے پیغمبرؐ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو اللہ اور جبرائیل اور صالح المومنین اس کے مددگار ہیں اور اس کے بعد کل فرشتے اس کی مدد کرنے والے ہیں۔

توضیح وتشریح: یہ آیت حرف شرط ''ان'' سے شروع ہوئی ہے اور اس کی جزا محذوف ہے اور وہ ہے ''یک خیر لکما'' یعنی یہ بات تم دونوں کے لئے بہتر ہوگی۔ جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے کہ ''فان یتوبوا یک خیر لھم ''(التوبہ۔74) یعنی اگر وہ توبہ کریںگے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا۔

اس کے بعد وہ وجہ بتلائی گئی جس کی وجہ سے ان پر یہ لازم ہوگئی ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ ''فقد صغت قلوبکما'' کیونکہ تم دونوں عورتوں کے دل (حق سے باطل کی طرف) مائل ہوگئے ہیں۔ یا ٹیڑھے ہوگئے ہیں اور بعض نے یہ بحث کی ہے کہ صغت کے معنی مائل ہونے کے ہیں اور اس سے انھوں نے یہ معنی مراد لئے ہیں ان کے دل توبہ کرنے کی طرف مائل تو ہو ہی گئے ہیں۔

لیکن اگر یہ معنی مراد لئے جائیں کہ ان کے دل توبہ کی طرف مائل ہوگئے ہیں تو پھر خدا کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ ''فتتوبا الی اللہ توبة نصوحاً ''یعنی تم خلوص دل کے ساتھ اللہ کے حضور میں توبہ کرلو۔ اسے ان تظاھر علیہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان تظاھرا علیہ تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے دل حق سے باطل کی طرف مائل ہوگئے تھے اور وہ اس

باطل کے لئے ایک دوسرے کی مدد کر رہی تھیں۔

یہ بات بالکل قابل تسلیم ہے کہ صغت، صغوا کے مادہ سے ہے جس کے معنی جھکنے کے ہیں اور مائل ہونے کے ہیں، لیکن کسی بات کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کے؟ اسی چیز کی طرف مائل ہونے کے جس کی طرف مائل ہونے سے توبہ کرنی لازم ہوگئی ہے۔ اس وجہ سے۔ بعض نے محاورہ کے طور پر صغت کے معنی۔ ٹیڑھے ہوگئے ہیں۔ کج ہوگئے ہیں یا باطل کی طرف جھک گئے ہیں۔ کیا ہے۔ اس کے بعد پھر "ان" حرف شرط کے ساتھ کہا گیا ہے" **ان تظاهرا علیه** "اس لفظ **تظاهرا** کا معنی بھی اکثر نے بالکل ہی گول مول کیا ہے۔ کسی نے اس کا معنی "مظاہرہ لکھا" اور کسی نے "ایکا" اور یہ دونوں لفظ اردو میں مذکورہ لفظ کے صحیح معنی اور مفہوم کو بیان نہیں کرتے۔ کیونکہ اردو میں "مظاہرہ" دکھاوے کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کا اظہار کرنا۔ دکھانا اور ایکا متحد ہونے اور متفق ہونے کے معنی میں آتا ہے۔

عربی لغت میں "الظہر" پشت کو کہتے ہیں اور ظہیر اس کا اسم فاعل ہے۔ جو اس آیت کے آخر میں بھی آیا ہے۔ یعنی مددگار۔ اور تظاهرا علیہ کے معنی لغت کی مشہور کتاب مفردات راغب میں یہ لکھے ہیں کہ:

"اگر پیغمبرؐ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی یعنی جو کام پیغمبر کرنا چاہتے ہیں اور وہ کام پیغمبر نے اپنی ایک بیوی کے اصرار کرنے پر اسے بتلا دیا تھا اس کام میں رکاوٹ ڈالنے اور اس کام کو نہ ہونے دینے کے لیے پیغمبر کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو خدا۔ جبرائیل اور صالح المومنین اس کے مددگار ہوں گے اور ملاء اعلیٰ کے تمام فرشتے بھی اس کی مدد کے لیے تیار ہیں۔ بالفاظ دیگر اگر تم پیغمبر کو اس کام سے روکنے کی کوشش کرو گی تو خدا اور جبرائیل و صالح المومنین اور سارے کے سارے فرشتے اس کام کے کرنے میں اس کی مدد کریں گے۔ اور تم اس کو وہ کام کرنے سے نہ روک سکو گی۔ کہاں یہ مفہوم اور کہاں مظاہرہ اور ایکا۔

وہ راز کی بات کیا تھی؟

ہم اس راز کی بات کا قصہ بیان کرنے سے پہلے بطور تمہید کے یہ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حج کے موقع پر پیغمبر اکرمؐ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

"فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب"

اگرچہ اس آیت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور ہر اہم کام سے فارغ ہو کر کسی دوسرے اہم کام میں مشغول ہونے کو شامل ہے۔لیکن اکثر مفسرین نے اس کے ایک محدود معنی مراد لیے ہیں اور ان میں سے ہر ایک آیت کا مصداق سمجھتے ہوئے قبول بھی کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تمام نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں مشغول ہو جاؤ۔بعض کہتے ہیں کہ جب تم فرائض سے فارغ ہو جاؤ تو نافلہ میں مشغول ہو جاؤ۔بعض کہتے ہیں کہ جب تم دنیاوی کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو آخرت کے کاموں میں مشغول ہو جاؤ۔بعض کہتے ہیں کہ جب تم واجبات سے فارغ ہو جاؤ تو مستحبات میں مشغول ہو جاؤ۔بعض کہتے ہیں کہ جب تم کار رسالت سے فارغ ہو جاؤ تو شفاعت کرنے میں مشغول ہو جاؤ۔

لیکن اہل سنت کے معروف عالم و محدث و مفسر حافظ حاکم حسکانی نے اپنی کتاب شواہد التنزیل میں متعدد احادیث اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ امام صادق نے فرمایا کہ:

"هنگامی که فراغت یافتی علی را به ولایت نصب کن"

جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ تو علی کو اپنی جگہ والی و حاکم مقرر کر دو۔

تفسیر نمونہ جلد 27 ص 129 بحوالہ شواہد التنزیل حافظ حاکم حسکانی

جلد 2 ص 349 احادیث 1116 تا 1119

بہر حال یہ بیان تمہید کے طور پر تھا اب ہم اس راز کی بات کی طرف آتے ہیں۔

صحابی رسول حذیفہ بن الیمان نے اس ذیل میں ایک طویل روایت نقل کی ہے ہم مختصراً نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب پیغمبر اکرمؐ حج سے فارغ ہو چکے تو جبرائیل امین نازل ہوئے اور خدا کا یہ حکم پہنچایا کہ آپ اپنے بعد اپنی امت میں علی ابن ابی طالب کو مقرر کیجئے اور ان کو احکام دین کی وصیت کیجئے۔ وہ آپ کے خلیفہ ہیں جو رعایا اور آپ کے معاملات میں آپ کے قائم مقام ہیں اور خدا آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ علیؑ کو وہ سب کچھ تعلیم دیدیں جو خدا نے آپ کو تعلیم دی ہے۔

یہ پیغام سن کر رسول خدا نے حضرت علی ابن ابی طالب کو طلب فرمایا۔ اور ایک رات اور ایک دن ان کو خلوت میں تمام علوم وحکمت کی تعلیم فرمائی اور جو کچھ وحی جبرائیل لائے تھے ان سے بیان فرمایا۔ یہ حضرت عائشہ کی باری کا دن تھا۔

حضرت عائشہ نے آنحضرتؐ سے کہا علیؑ کے ساتھ آپ کی خلوت بڑی طولانی ہو رہی ہے مجھے بھی کچھ بتلایئے کہ کیا بات ہے؟ اور اس کے جاننے پر شدت کے ساتھ اصرار کیا۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ میں تم کو آگاہ کئے دیتا ہوں بشرطیکہ تم اس کو اس وقت تک پوشیدہ رکھو جب تک میں خود لوگوں کو آگاہ نہ کروں۔ اگر تم اس کو افشا نہ کرو گی تو تمہیں اس کا اجر ملیگا۔ اور اگر تم نے اس کو افشا کر دیا تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گی۔

یہ سن کر حضرت عائشہ نے وعدہ کیا کہ وہ اس راز کی حفاظت کریں گی اور اس کا افشا نہ کریں گی۔

تب سرور کائنات نے فرمایا کہ خداوند عالم نے مجھے خبر دی ہے کہ میری عمر آخر ہو رہی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں علی کو لوگوں کا امام و پیشوا بناؤں اور ان کو اپنا خلیفہ مقرر کروں لہذا تم اے عائشہ اس راز کو اس وقت تک پوشیدہ رکھنا جب تک میں خود اس کو ظاہر نہ کروں۔

یہ تھا وہ راز جو پیغمبرؐ نے حضرت عائشہ کے اصرار پر اور اسے افشاء نہ کرنے کے

وعدہ پر انہیں بتلا دیا تھا۔ لیکن حضرت عائشہ نے اس راز کو آگے حضرت حفصہ سے بیان کر دیا

افشائے راز کا یہ حصہ تو وہ ہے جسے پیغمبرؐ نے خدا کے ظاہر کر دینے پر جتلا دیا۔

لیکن وہ بات جو قرآن نے ''واعرض عن بعض '' کہا پیغمبر نے بعض باتیں نہ جتلائیں ۔ وہ بات یہ تھی کہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ علیؑ کی خلافت کا اعلان ہو۔ لہذا ان دونوں نے مل کر اس بات کو اپنے اپنے باپوں سے بتلایا۔ اور پیغمبرؐ کے خلاف اس مسئلہ میں ایک دوسرے کی مدد کی تا کہ پیغمبرؐ اس کام کو انجام نہ دے سکیں جو ''ان تظاھرا علیہ'' سے ظاہر ہے۔

حیات القلوب اردو ص 82 تا 84

یہ راز کی باتیں سن کر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے مہاجرین میں سے ابو عبیدہ جراح کو لیا انصار میں سے بنی اوس کے قبیلہ کے معاذ ابن جبل کو ساتھ لیا اور غیر از مہاجرین و انصار عامۃ الناس میں سے سالم مولی حذیفہ کو ساتھ لیا اور خانہ کعبہ کے اندر بیٹھ کر ایک معاہدہ تحریر کیا کہ پیغمبرؐ کے بعد خلافت و حکومت ہرگز ہرگز حضرت علیؑ کے پاس نہیں جانے دیں گے (اردو ترجمہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی عامری کوفی ص 145 تا 147)

مذکورہ معاہدہ تحریر کرنے کے بعد انھوں نے طلقائے مکہ اور روسائے قریش کو ایک جگہ جمع کیا اور انھیں اس راز سے آگاہ کیا۔ تو ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ محمد خلافت کے بارے میں چاہتے ہیں کہ قیصر و کسریٰ کے طور و طریقہ پر عمل کریں ۔ تا کہ خلافت قیامت تک ان کی ذریت میں رہے۔ پس مہاجرین میں سے حضرت عمر حضرت ابو بکر اور حضرت عبیدہ ابن الجراح اور انصار میں سے معاذ بن جبل کا اور عامۃ الناس میں سے سالم مولی حذیفہ کا اور طلقائے مکہ اور نئے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے والے روسائے قریش کا اس ایشو پر اتفاق ہو گیا کہ نبوت و حکومت ایک ہی خاندان میں نہیں جانے دیں گے۔

لہذا انھوں نے یہ اعلان ہونے سے پہلے ہی ایسی تدبیریں اختیار کرنی شروع کر دیں جس سے پیغمبر اعلان کرنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیئے جائیں اور اس سے بڑھ کر

خطرناک سازش اور کیا ہوسکتی ہے اور یہ ہے وہ حصہ جسے قرآن نے ''واعرض عن بعض '' کہا ہے یعنی بعض باتیں نہ جتلائیں ۔اور فوری طور پر کوئی اعلان کیے بغیر مکہ سے روانہ ہو گئے۔ فلسفہ حیات القلوب جلد دوم ص 82 تا 84

نوح اور لوط کی بیویوں سے تشبیہ کی وجہ

اسی واقعائے افشائے راز اور تظاہر ازواج میں ایک بات جو خاص طور پر قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ سورہ تحریم میں ہی پیغمبر کے اپنی ایک بیوی کو راز کی بات بتانے اور اس کے اس راز کو افشاء کرنے ۔انہیں توبہ کا حکم دینے اور پیغمبر کی مخالفت میں ایک دوسری کی مدد کرنے پر پیغمبرؐ کو اپنی اور جبرائیل اور ملائکہ کی مدد پہنچانے کا اعلان کرنے کے بعد آیت نمبر 10 میں ان کے اس عمل کو نوح اور لوط کی بیویوں کے عمل سے مشابہ قرار دے کر فرماتا ہے کہ:

" **ضرب الله مثلاً للذین کفروا امرات نوح و امرات لوط و کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتهما فلم یغنیا عنهما من الله شیئاً** " (التحریم ـ10)

اللہ نے ان لوگوں کو جو کافر ہو گئے نوح کی زوجہ کی اور لوط کی زوجہ کی مثل بیان کی ہے کہ یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے ماتحت تھیں پھر ان دونوں نے ان دونوں کے حق میں خیانت کی ۔پس وہ دونوں خدا کے عذاب سے بچانے میں ان دونوں کے کچھ کام نہ آئے۔

اور اس آیت میں جو لفظ خیانت رہا ہے" **فخانتهما** ''یعنی ان دونوں نے نوح کی اور لوط کی خیانت کی تھی اس خیانت سے کسی قسم کی بدکاری مراد نہیں ہے بلکہ یہ بات مسلمات تاریخیہ سے ہے کہ یہ دونوں ان پیغمبروں کے راز اپنی قوموں کے لوگوں کے پاس

پہنچا دیا کرتی تھیں۔ اوران کے راز فاش کردیا کرتی تھیں۔ جس سے وہ مصیبت میں گرفتار ہوجاتے تھے۔ لہذا خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو اس آیت کے ذریعہ سے تسلی دی ہے کہ یہ مصیبت صرف تمہیں پر وارد نہیں ہوئی ہے تم سے پہلے حضرت نوح کی بیوی اور حضرت لوط کی بیوی بھی ان کے لئے ان کے راز فاش کر کے مشکلات پیدا کرتی رہی ہیں۔

بہر حال پیغمبر ''**عرف بعضه** ''بعض باتیں جتلادیں و **اعرض عن بعض**'' اور بعض باتیں جتلائے بغیر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے اور روسائے مکہ اور سرداران قریش آنحضرتؐ کو ہلاک نہ کرسکے۔

پیغمبرؐ ابھی راستہ میں ہی تھے کہ خدا کا تہدیدی حکم نازل ہوا کہ اے رسول جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچادو اور اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو ایسا ہے جیسا کہ تم نے کوئی کار رسالت انجام ہی نہیں دیا۔ جس کا تفصیلی بیان اگلے عنوان کے تحت آتا ہے۔

اعلان غدیر

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ حجتہ الوداع سے فارغ ہوکر اعلان ولایت کئے بغیر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے غدیر خم کے قریب جحفہ کے مقام پر پہنچے تھے کہ خداوند تعالی کا تہدیدی حکم نازل ہوا کہ:

" یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمک من الناس "

اے پیغمبر جو حکم تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دو۔ اور اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو ایسا ہے جیسا کہ تم نے کوئی بھی کار رسالت انجام نہیں دیا اور اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچالے گا۔

تمام مفسرین ومحدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت غدیر خم پر حضرت علیؑ کے

بارے میں نازل ہوئی ہے۔

منجملہ ان کے علامہ قاضی شوکانی فتح القدیر میں اور علامہ سیوطی تفسیر درالمنثور میں فرماتے ہیں کہ:

"عن ابی سعید الخدری قال نزلت هذه لایة "یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک خم فی علی رسول الله یوم غدیر قم فی علی ابن ابی طالب" (سیرۃ امیر المومنین ص 327) (بحوالہ فتح القدیر جلد 3 ص 57)

البلاغ المبین جلد اول ص 736 بحوالہ الدرالمنثور الجزء الاول ص 298

ابوسعید الخدری کہتے ہیں کہ آیہ **یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک** غدیرخم کے دن علی ابن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس آیت میں جہاں اس کام کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اگر تم نے یہ کام نہ کیا وان لم تفعل تو یہ ایسا ہے جیسا کہ تم نے کوئی کار رسالت انجام نہیں دیا **فما بلغت رسالته** یعنی اس کام کے نہ کرنے سے سب کیا کرایا اکارت ہو جائے گا۔ وہاں اس بات کو بھی کھول کر بیان کر دیا ہے کہ لوگوں کی طرف سے واضح طور پر خطرہ پیدا ہو چکا تھا لہذا خدا نے یہ ضمانت دی کہ تیرا یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے میں تجھے ان کے شر سے بچا لوں گا۔

اس تہدید آمیز حکم اور خدا کی طرف سے تحفظ کی ضمانت لینے اور ذمہ داری لینے کے بعد اب تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ لہذا پیغمبر اکرم صلعم نے تپتے ہوئے صحرا میں غدیرخم کے مقام پر نزول اجلال فرمایا اور تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کے مجمع عام میں ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔

رسم دستار بندی

سب سے پہلے علیؑ کو اپنے پاس بلا کر ان کے سر پر عمامہ باندھا اور اپنے جانشین

کے لئے سب کے سامنے دستار بندی ادا کی کنزالعمال میں حضرت علی سے روایت ہے:۔

" عن علی قال عممنی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم غدیر خم بعمامة فدلها خلفی و فی لفظ فدل طرفیها علی مکتبی ثم قال ان الله امدنی یوم بدر و حنین بملائکة یعمون هذا العمامة "

(کنزالعمال الجزء الثامن ص 60 حدیث 1209 وحدیث 1213)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ غدیر خم کے دن آنحضرت نے میرے سر پر عمامہ باندھا اور ایک سرا میرے پیچھے ڈال دیا۔ ایک روایت میں لفظ ہیں کہ ایک ایک سرا دونوں کاندھوں پر ڈال دیا۔ پھر فرمایا کہ خداوند تعالی نے جنگ بدر و جنگ حنین میں جن ملائکہ سے میری مدد کی تھی وہ اسی طرح عمامے باندھے ہوئے تھے۔

اس روایت کو بیہقی وابن شیبہ اور ابو داؤد والطیاسی نے بھی نقل کیا ہے۔

اور ریاض النضرۃ میں عبدالاعلی سے روایت ہے کہ

" عن عبدالا علیٰ بن عدی البهرانی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم دعا علیا یوم غدیر خم فعممه و ارضی عذبه من خلقه "

البلاغ المبین جلد اول ص 753

بحوالہ ریاض النضرہ الجزء الثانی ص 217

"عبدالاعلی بن عدی البھرانی لکھتا ہے کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو روز غدیر خم بلایا اور ان کے سر اقدس پر خود عمامہ باندھا اور اس کا سرا پیچھے ڈال دیا۔

ہم صرف مذکورہ دو روایات پر ہی اکتفا کرتے ہیں تفصیل کے لئے البلاغ المبین جلد اول ص 752 اور 753 کی طرف رجوع کریں۔

خطبہ غدیر

رسم دستار بندی کے بعد پیغمبر اس ممبر پر تشریف لے گئے جو آپ نے اس لق و دق صحرا میں اونٹوں کے کجاووں کو جمع کر کے بنوایا تھا۔ صحابہ نے عبائیں کندھوں سے اتار کر پیروں کے گرد لپیٹ لیں اور اس جلتی ہوئی زمین پر ہمہ تن گوش بن کر بیٹھ گئے تو پیغمبرؐ نے خطبہ شروع کیا اور زید ابن ارقم کہتے ہیں

" قام رسول الله يوم فينا خطيبا بماء يدعى خماً بين مكة و المدينة فحمد الله و اثنى عليه و وعظ و ذكر ثم قال اما بعد الا يا ايها الناس فانما انا بشر يوشك ان ياتي ربي فاجيب و انا تارك فيكم الثقلين اولها كتاب الله فيه الهدى و النور فخذو لكتاب الله واستمسكو ا فحث على كتاب الله و رغب فيه ثم قال و اهل بيتي اذكركم الله في اهل بيتي اذكركم الله في اهل بيتي. اذكركم الله في اهل بيتي"

(سیرۃ امیر المومنین ص 328)

بحوالہ صحیح مسلم جلد 2 ص 279

"پیغمبر اکرم مکہ اور مدینہ کے درمیان اس تالاب پر جو خم کہلاتا تھا۔ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا اور پند و تذکیر کے بعد فرمایا اے لوگوں میں ایک بشر ہی تو ہوں وہ وقت دور نہیں ہے کہ میرے پروردگار کی طرف سے پیغامبر آئے اور میں اسکی آواز پر لبیک کہوں۔ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب جس میں نور ہدایت ہے۔ لہذا کتاب خدا کو مضبوطی سے پکڑو اور اس سے وابستہ رہو۔ آپ نے کتاب خدا سے تمسک پر زور دیا اور اس کی طرف رغبت دلائی۔ پھر فرمایا اور دوسرے میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔ میں تمہیں اہل بیت

کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا" **الست اولیٰ منکم بانفسکم** " کہا میں تم پر خود تم سے زیادہ حق وتصرف نہیں رکھتا۔ سب نے ہم آواز ہو کر کہا" **اللھم بلیٰ** " بیشک ایسا ہی۔

اپنی اولویت وحاکیت کا اقرار لینے کے بعد حضرت علیؑ کو بغلوں میں ہاتھ دے کر اوپر اٹھایا اور فرمایا" **یا ایھا الناس ان اللہ مولای و انا مولیٰ المومنین و انا اولیٰ بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فھذا مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ** "

سیرۃ امیر المومنین ص 329

بحوالہ استیعاب جلد 2 ص 460

"پیغمبرؐ نے غدیر خم کے دن فرمایا جس کا میں مولا ہوں، اس کے علی مولا ہیں۔ اے اللہ جو انھیں دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو انہیں دشمن رکھے تو اسے دشمن رکھ۔

اور تاریخ حبیب السیر میں پیغمبرؐ کا یہ خطبہ اس طرح نقل ہوا ہے

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بر بنائے آں بالا نہا برآمد۔ وعلی مرتضیٰ نیز بفرمودہ آنحضرت بالا رفتہ بریمین سید المرسلین بایستاد۔ از انتقال خویش بعالم بقا مردم را آگاہ کردانید و فرمود کہ من درمیان شما دو امر عظیم من گذارم کہ اگر دست درآں زنید گمراہ نشوید۔ ویکے از اں دو بزرگ تراست از دیگری و آں دو چیز گراں مایہ قراں است و اھل بیت من و ایں ہر دو یک دیگر جدا نشوند تا در لب حوض کوثر بمن رسند۔ پس فرمود: یا ایھا الناس الست اولیٰ بکم من انفسکم۔ آیا نیستم من اولیٰ بشما از نفسھائے شما، از اطراف جوانب آواز برآمد کہ بلیٰ

آنحضرت فرمود که ہر که من اولیٰ ام با و از نفس و علی بدو اولیٰ است از نفس او ۔ آنگاہ دست شاہ ولایت پناہ را گرفته گفت: من کنت مولاہ فهذا علی مولاہ اللهم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذله وادر الحق معه حیثمادار'' الابلاغ المبین جلد اول ص 754-755

بحوالہ تاریخ حبیب السیر جلد اول جزء سوم ص 76-77

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کجاوں کے منبر پر تشریف لے گئے اور حضرت علی بھی اوپر چڑھ کر سید المرسلین کے دائیں طرف کھڑے ہو گئے اور سرور کائنات نے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد لوگوں کو اپنے عالم بقاء کی طرف انتقال کر جانے کی خبر سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر تم ان کے ساتھ متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں ایک دوسرے سے بڑھ کر اور بزرگ تر ہے۔ اور وہ دو گرانقدر اور عظیم تر چیزیں قرآن اور میرے اہل بیت ہیں۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں اسکے بعد فرمایا'' یا **ایها الناس الست اولیٰ منکم انفسکم** '' اے لوگوں کیا میں تم پر تمہارے نفسوں سے زیادہ اولی بالتصرف نہیں ہوں۔ ہر طرف سے آواز آئی کہ ہاں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میں جس جس پر اس کے نفس سے زیادہ اولی بالتصرف ہوں علی بھی اس کے نفس سے زیادہ اولی بالتصرف ہیں۔

اس کے بعد شاہ ولایت کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:'' **من کنت مولاہ فهذا علی مولاہ . اللهم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ و اخذل من خذله و ادر الحق حیثماً دار** ''

یعنی جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علی مولا ہے اے اللہ جو اس کو دوست

رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو اسے دشمن رکھے تو اسے دشمن رکھ جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کرے جو اس کو چھوڑ دے تو اسے چھوڑ دے۔ اور حق کو اسکے ساتھ ادھر پھیر دے جدھر کو یہ پھیرے۔

اصحاب کا امیر المومنینؑ کو مبارکباد دینا

جب پیغمبر اکرمؐ خطبہ سے فارغ ہوئے تو اصحاب کو حکم دیا کہ وہ علیؑ کو پیغمبر کا خلیفہ و جانشین اور امامت کا ولی و حاکم مقرر ہونے کی مبارکباد دیں۔

تاریخ حبیب السیر میں اصحاب کے مبارکباد دینے کا حال اس طرح لکھا ہے۔

"پس امیر المومنین علی کرم الله وجه بموجب فرمودۂ حضرت رسالت پناه صلی الله علیه و آله وسلم در خیمه نشست تا طوائف خلائق بملازمتش رفته لوازم تهنیت تقدیم رسانندند۔ واز جملۂ اصحاب امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی الله عنه جناب ولایت مآب را گفت۔ بخ بخ یا بن ابی طالب اصبحت مولای و مولا کل مومن و مومنة" یعنی خوشا حال تو اے پسر ابو طالب بامداد کردی در وقتی که مولائے من و مولائے ہر مومن و مومنه بودی۔ بعدا زاں امهات مومنین به حسب بشارت سید المرسلین بخیمه امیرالمومنین رفته شرط تهنیت بجائے اوردند"

البلاغ المبین جلد اول ص 755

بحوالہ تاریخ حبیب السیر جلد اول جزء سوم ص 77

"پس امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خیمہ میں بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ تمام لوگوں نے ان کی خدمت میں حاضر

ہو کر مبارکبادیاں دیں۔ان اصحاب میں سے امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جناب ولایت مآب سے کہا " **بخ بخ یابن ابی طالب اصبحت مولائی و مولا کل مومن و مومنة** "یعنی اے فرزند ابو طالب تمہیں مبارک ہو کہ آپ نے آج اس حال میں صبح کی ہے کہ آپ ہر مومن مرد اور مومن عورت کے مولا ہو گئے ہیں۔اس کے بعد امہات المومنین نے بھی سید المرسلین کے فرمان کے مطابق امیر المومنین کے خیمہ میں جا کر انھیں مبارکباد دی۔

اور امام غزالی نے اپنی کتاب سر العالمین میں اعلان غدیر کے بعد حضرت عمر کے مبارکباد دینے کا واقعہ ان الفاظ میں لکھا ہے:

" **لکن اسفرت الحجة و جهها واجمع الجماهیر علی متن الحدیث عن خطبة یوم الغدیر و هل یقول: من کنت مولاه فعلی مولاه : فقال عمر بخ بخ لک یا ابو الحسن لقد اصبحت مولیٰ لکل مومن و مومنة هذا تسلیم و رضی وتحکیم ۔ ثم بعدا حذا غلب الهویٰ یحب الریاست** ....." الخ　　　　سر العالمین باب 3 مقالہ 4

ترجمہ:　لیکن حجت قطعی نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی اور خطبہ غدیر میں جو کچھ آنحضرت نے فرمایا اس کے متن پر جمہور امت کا اجماع و اتفاق ہے۔آپ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے۔یہ سن کر حضرت عمر نے کہا۔اے ابو الحسن تم کو مبارک ہو کہ تم ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت کے مولا قرار پائے ہو۔حضرت عمر کا یہ کہنا صریحاً علی کی اطاعت کا اقرار ہے ان کی حکومت سے راضی ہو جانا ہے اور ان کی حکومت کو مان لینا ہے۔ لیکن اس کے بعد ان پر سلطنت و حکومت اور اقتدار کی محبت کی ہوس غالب آ گئی......الخ

علامہ حامد حسین نے اپنی کتاب "عبقات الانوار" میں امینی نے اپنی کتاب الغدیر میں اور آغا سلطان مرزا نے اپنی کتاب البلاغ المبین جلد اول ص 791 تا ص 804

ایک طویل فہرست میں ان 152 مخرجین حدیث کے نام معہ حوالہ کتب تحریر کیے ہیں جنہوں نے حدیث غدیر من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کو بیان کیا ہے۔

ہم اختصار کے پیش نظر ان سب مخرجین حدیث اور کتابوں کے حوالے نقل نہیں کر رہے ہیں جن کا دل چاہے وہ البلاغ المبین جلد اول میں مذکورہ صفحات کی طرف رجوع کرے۔

اہل بیت اور مولا کے معنی کا تعین

حدیث ثقلین اور حدیث غدیر کے متواتر ہونے اور بکثرت صحابہ اور مخرجین حدیث کے بیان کرنے کی وجہ سے کسی کو ان کے بارے میں انکار کی تو مجال نہیں ہے۔

لیکن طرفداران حکومت میں سے اکثر نے اہل بیت کی آسامی اور مولا کے معنی میں اشتباہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر خدا اور اس کے رسول نے اہل اسلام کی ہدایت کے لئے ایسا انتظام کیا کہ حدیث ثقلین میں اہل بیت کے بارے میں اعلان کرنے سے پہلے۔ اہل بیت کا مباہلہ کے دن تعارف کرا دیا۔ اور پھر آیہ تطہیر کے نزول کے بعد پیغمبرؐ نے انہیں چادر کے نیچے لے کر بتلایا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ پھر حضرت ام سلمہ کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا میں اہل بیت میں نہیں؟ یہ جواب دلوا کر بتلایا کہ تم نیکی پر ہو لیکن تم ازواج نبی میں سے ہو یعنی اہل بیت میں سے نہیں ہو۔

پھر تو مہینے تک حضرت علیؑ کے دروازے پر السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ اھل البیت پانچوں وقت صدا کرا کر ساری دنیا پر واضح کر دیا کہ اہل بیت پیغمبر میں حیات پیغمبر میں صرف علیؑ تھے۔ فاطمہ تھیں حسنؑ تھے اور حسینؑ تھے جو پاک و پاکیزہ اور معصوم تھے۔ ازواج نہیں تھیں اور اصحاب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کسی کا یہ دعویٰ ہے۔

اور مولا کے معنی کے تعین کے لئے تو پیغمبرؐ نے اتنی احتیاط کی کہ صرف زبانی اعلان نہیں کیا بلکہ ایک لاکھ چالیس ہزار کے مجمع کے سامنے علیؑ کے بغلوں میں ہاتھ دے کر

اٹھایااوران کی طرف اشارہ کرکے فرمایا'' **من کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ** ''جس کا میں مولاہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔

اب رہ گئی مولا کے معنی دوست کرنے کی بات تو دوستی کے لئے تو قرآنی ارشاد۔ **والمومنون والمومنات بعضھم اولیابعض** ''(توبہ۔40)ہی کافی تھا۔یعنی مومن مرداورمومن عورتیں بعض بعض کی دوست ہیں۔لہذا اس میں حضرت علی کے لئے تخصیص کی کوئی بات نہیں کہ آپ کی دوستی کا اعلان ہو۔اوراس کے لئے غدیرخم کے مقام پر صحرائے خارزار میں ایک لاکھ چالیس ہزار کے مجمع میں اپنی حاکمانہ حیثیت منوانے کے بعد یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ جس جس کا میں مولاہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔پھر یہ بات بھی غورطلب ہے کہ حضرت علیؑ کے دوست ہونے کا اعلان کرنے سے پیغمبرؐ کی ذات کو کیا خطرہ ہوسکتا تھا کہ خدا کو یہ کہناپڑا:'' **واللہ یعصمک من الناس** ''اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے رکھے گا۔یہ تو صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب پیغمبر کا یہ اعلان ایک طبقہ کے سیاسی عزائم سے متصادم ہو۔اوروہ پیغمبرؐ کے قتل کے درپے ہوگئے ہوں۔یہ تمام قرائن وشواہد اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس مقام پر مولا کے معنی حاکم ومتصرف کے ہیں اور جس طرح آنحضرت کی مولائیت وولایت وحاکیت کا اقرارضروری ہے اسی طرح حضرت علی کی مولائیت وولایت وحاکیت کا اقراربھی لازمی اورضروری ہے۔

پھر تمام اصحاب کا مبارکباد پیش کرناخصوصاً حضرت عمر نے بخ بخ کہہ کراور **اصبحت مولائی ومولا کل مومن و مومنۃ** کہہ کرجومبارکباددی وہ آج سے علی کی دوستی پرتونہیں ہوسکتی۔کیونکہ قرآن کی سند کے کی رو سے ہرمومن مومن کا دوست ہوتا ہے۔ لہذا اگرحضرت عمر پہلے سے حضرت علی کودوست نہ رکھتے تھےاوردوست نہ سمجھتے تھےتو یہ تعلیم قرآن کے خلاف بات تھی لہذا اگراس اعلان میں کسی نمایاں اعزاز کا بیان نہ ہوتا تو مبارکباد دینے کا کوئی محل ہی نہ تھا۔

مذکورہ دلائل کے علاوہ حسان بن ثابت کا وہ قصیدہ ہے جو حسان نے اعلان غدیر کے بعد حضور پیغمبرؐ میں پڑھ کر سنایا اس بات کا حتمی ثبوت ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو اپنے بعد اپنا جانشین وخلیفہ وامام وہادی خلق اور والی وحاکم مقرر کیا تھا۔

حسان کے قصیدے کے چند اشعار

اعلان غدیر کے بعد دربار رسالت کے مشہور ومعروف شاعر حسان بن ثابت نے آنحضرت کے حکم پر اس واقعہ سے متعلق جو اشعار نظم کیے ہیں انھیں بہت سے علماء کبار اور محققین باوقار نے نقل کیا ہے اور حسان بن ثابت کے یہ اشعار کتب تواریخ میں سے حبیب السیر اور روضۃ الاحباب وغیرہ میں درج ہیں ہم ان کو ابلاغ المبلیل جلد اول کے صفحہ 832 سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ ینادیھم یوم الغدیر خم نبیھم — نجم و اسمعوا بالرسول منادیا

۲۔ یقول فمن مولاکم وولیکم — فقالوا ولم یبدوا ھناک التعامیا

۳۔ الھک مولانا وانت ولینا — ولم ترمنا من بعدی اماماً و ھادیاً

۴۔ فقال قم یا علی فاننی — رضیتک من بعد اماماً و ھادیاً

۵۔ فمن کنت مولاہ ھذا ولیہ — فکونوا لہ انصار صدق موالینا

۶۔ ھناک دعا اللھم وال ولیہ — وکن الذین عادا علیا معادیا

ترجمہ اشعار حسان

۱۔ روز غدیر خم ان کے نبی نے منادی کی۔ پس سنو رسول کیا کہتے ہیں خم کے مقام پر

۲۔ وہ کہتے ہیں کہ تمہارا کون مولا و آقا ہے لوگوں نے جواب دیا اور کچھ دیر نہ لگائی۔

۳۔ کہ اے رسول تمہارا خدا ہمارا مولا ہے اور تم ہمارے آقا ہو اور تم ہم سے اطاعت میں

کوتاہی نہ دیکھو گے

۴۔پس آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ اٹھو۔ کیونکہ میں نے تم کو اپنے بعد امام و ہادی منتخب کرلیا ہے

۵۔پس جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔پس تم صدق دل سے اس کی اطاعت کرو

۶۔پھر دعا کی بار الہا دوست رکھ اس کو جو اس کی دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو دشمن رکھے علی کو۔

پیغمبر اکرمؐ حسان سے یہ اشعار سن کر بہت خوش ہوئے۔ اگر اس اعلان کا مطلب وہ نہ ہوتا جو حسان نے ان اشعار میں بیان کیا ہے تو حتماً و یقیناً پیغمبر کا یہ فرض بنتا تھا کہ وہ یہ فرماتے کہ اے حسان میرے اس اعلان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علی میرے بعد امام و ہادی اور آقا و حاکم ہے۔ بلکہ میں نے تو یہ اعلان دوستی کے اظہار کے لئے کیا تھا۔

حسان بن ثابت کے علاوہ خود امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کے وہ اشعار بھی جو آپ کے دیوان میں موجود ہیں جو اس بات کے گواہ ہیں کہ پیغمبرؐ نے یہ علیؑ کے امام و ہادی اور حاکم و والی مقرر کرنے کا اعلان فرمایا تھا۔

حضرت علیؑ کے دیوانؑ کے چند اشعار

۱۔ا فی القرن الزهم ولائی	اوجبته طاعتی فرضاً بغرم
۲۔ کما هارون من موسیٰ اخوه	کذالک انا اخوه و ذاک اسمی
۳۔ کذاک اقامتی لهم اماماً	واخبرهم به بغدیر خم
۴۔ فمن منکم یعارضنی بسهم	واسلامی و سابقتی و رحم
۵۔ فویل ثم ویل ثم ویل	لمن یلقی الا له غدا بظلمی
۶۔ وویل ثم ویل ثم ویل	لجاهد طاعتی و مرید حصمی

(دیوان حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ مطبوعہ قیومی کانپور 1315ھ)

ترجمہ (۱) اور قرآن میں میری محبت ان پر لازم کردی گئی ہے اور میری اطاعت ان پر فرض گردانی ہے۔

۲۔ جیسا کہ ھارون موسیٰ کے بھائی تھے اسی طرح میں ان کا بھائی ہوں اور یہ میرا امام ہے۔

۳۔ اس واسطے پیغمبرؐ نے مجھ کو ان کا امام و پیشوا مقرر کیا اور ان کو اس کی اطلاع غدیر خم کے مقام پر کردی۔

۴۔ پس تم میں کون ہے جس کا حصہ میرے برابر ہو۔ میرے اسلام اور سبقت ایمان اور میری قرابت میں۔

۵۔ پس افسوس ہے۔ پھر افسوس ہے۔ پھر افسوس ہے اس پر جس نے کل خدا سے مجھ پر زیادتی کرنے کے بعد ملاقات کی

۶۔ اور افسوس ہے۔ پھر افسوس ہے۔ پھر افسوس ہے میری اطاعت کے منکر پر اور میرا حق کم کرنے والے کے ارادہ پر۔

ان تمام دلائل وشواہد کی موجودگی میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا ہے کہ پیغمبرؐ نے غدیر خم کے مقام پر 18 ذی الحجہ 10ھ کو جو اعلان فرمایا تھا وہ حضرت علیؑ کی جانشینی اور خلافت و امامت اور ولایت بمعنی حکومت کا اعلان تھا۔

تکمیل دین کی بشارت

حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی جبرائیل امین نازل ہوئے اور تکمیل دین اور اتمام نعمت کا روح پرور مژدہ سنایا:

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"

آج میں نے تمہارے دین کو ہر لحاظ سے کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی

اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ

"عن ابی سعید الخدری قال لما نصب رسول الله علیاً یوم غدیر فنادی له بالولایة هبط جبرائیل علیه بهذا الآیة . الیوم اکملت لکم دینکم" سیرۃ امیر المومنین ص 330

تفسیر در منثور جلد 2 ص 259

"ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ نے غدیر خم کے دن علیؑ کو اپنی جگہ پر نصب کیا اور ان کی ولایت کا اعلان کیا تو جبرائیل اس آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" لے کر آنحضرت پر نازل ہوئے۔

آیہ تکمیل دین میں دو الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں

نمبر 1: لفظ دین نمبر 2: لفظ نعمت

اس بات پر تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔لیکن شریعت بدلتی رہی ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے

"لکل جعلنا منکم شرعه و منهاجاً" (المائدہ۔43)

یعنی ہم نے تم میں سے ہر ایک (یہود و نصاریٰ و اہل اسلام) کے لئے ایک علیحدہ شریعت اور ایک واضح طریقہ مقرر کر دیا ہے۔

لیکن دین خدا کے نزدیک صرف ایک ہے:

"ان الدین عندالله الاسلام" (آل عمران۔19)

پس شریعت جدا جدا ہے۔لیکن دین سب کا ایک ہے اور دین نام ہے خدا کو عادل مانتے ہوئے عقیدہ توحید کے ساتھ آخرت کا اعتقاد رکھتے ہوئے تمام ہادیان دین پر ایمان لانے کا اور خدا آیہ تکمیل دین میں یہ کہہ رہا ہے کہ آج میں نے دین کو کامل کر دیا ہے۔گویا

دین ابھی تک کامل نہیں ہوا تھا۔

لہذا اس نے اپنے دین کو کامل کیا نعمت کے پورا کر دینے سے اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سورہ الحمد میں واقع انعمت علیھم سے مراد کوئی دنیاوی نعمت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ ہستیاں ہیں جنہیں اس نے مجتبیٰ بنایا ہے اور ہدایت خلق پر معمور کیا ہے پس اتممت علیکم نعمتی کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کے بعد آنے والے ہادی دین اور **امام مفترض لطاعة** کا خدا کے حکم سے اعلان کر دیا گیا وہ اگر چہ نبی نہیں ہے لیکن وہ امام وھادی ہے گویا مکمل دین خدا کو عادل مانتے ہوئے قیامت یا روز آخرت پر ایمان رکھنا اور تمام انبیاء پر ایمان رکھنے کے ساتھ آنحضرتؐ کو آخری نبی مانتے ہوئے ان کے بعد ان کے مقرر کردہ اماموں پر ایمان رکھنا ہے اور ان کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا ہی صحیح طور پر دین پر چلنا ہے۔ پس خدا نے پیغمبرؐ کے بعد کے لئے ہدایت کا انتظام کر دیا کہ جنکی پیروی کرنے سے کوئی گمراہ نہ ہوگا۔ اور اگر یہ انتظام نہ ہوتا تو پیغمبر کا سارا کیا کرایا اکارت ہو جاتا اسی لئے فرمایا تھا'' **وان لم تفعل فما بلغت رسالته** '' یعنی اے میرے حبیب اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو یہ ایسا ہوگا جیسا کہ تم نے کوئی کار رسالت انجام نہیں دیا۔

خدا نے اور پیغمبر صلعم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب اسے کوئی مانتا ہے یا نہیں مانتا یہ لوگوں کے اپنے اختیار میں ہے۔ خدا نے اپنے آپ کو بھی زبردستی کسی سے نہیں منوایا۔ لہذا جن لوگوں کی حکومت پر نظریں تھیں وہ امامت یا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمی وراثت پر تو قبضہ نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے تگ و دو شروع کر دی

ایک مضبوط سیاسی جماعت کا قیام

ہم افشائے راز کے سلسلہ میں یہ بیان کر آئے ہیں کہ جب حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ پر اور ان دونوں نے اپنے باپوں پر یہ راز فاش کر دیا کہ پیغمبر اپنے بعد کے

لئے حضرت علیؑ کی ولایت وخلیفہ وامامت کا اعلان کرنے والے ہیں تو چونکہ حکومت الہیہ میں اصل حکومت خدا کی ہوتی ہے اور خدا کی طرف سے اس کے نمائندہ نبی ورسول اور امام حاکم ہوتے ہیں لہذا انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس طرح تو حکومت خاندان نبوت کی ہو کر رہ جائیگی لہذا انھوں نے مہاجرین میں سے ابوعبیدہ جراح کو لیا۔ انصار کے بنی اوس قبیلہ سے معاذ بن جبل کو لیا اور دوسرے مسلمانوں میں سے سالم مولی حذیفہ یعنی حذیفہ کے آزاد کردہ غلام کو لیا اور ان پانچوں نے خانہ کعبہ کے اندر بیٹھ کر یہ معاہدہ کیا کہ کسی طرح بھی حکومت کو علیؑ کے پاس نہ جانے دیا جائیگا اور نبوت وحکومت کو ایک ہی خاندان میں جمع نہ ہونے دیا جائیگا۔ یہ معاہدہ کرنے کے بعد انھوں نے طلقائے مکہ اور سرداران قریش کو اکٹھا کر کے انھیں اس بات کی اطلاع دی کہ پیغمبرؐ اپنے بعد علی کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنانا چاہتے ہیں ۔پس ان کی یہ بات سن کر پیغمبرؐ کی قوم جو ان سے شکست کھانے کے بعد ظاہری طور پر کلمہ پڑھ کر داخل اسلام ہوگئی تھی اس بات پر ڈٹ گئی کہ پیغمبرؐ کے بعد حکومت کو خاندان نبوت میں نہیں جانے دیں گے۔

اس طرح پیغمبرؐ کی قوم قریش یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور ان کے ساتھی مہاجرین اور ان کے ہم عہد انصار کے قبیلہ بنی اوس سے معاذ بن جبل اور دوسرے لوگوں میں سالم مولی حذیفہ اور قبائل قریش اور بنی امیہ کے سردار ابو سفیان کی شرکت سے ایک ایسی سیاسی جماعت معرض وجود میں آگئی جس کا ایک نکاتی منشور یہ تھا کہ علیؑ کو پیغمبرؐ کے بعد خلیفہ نہیں بننے دیں گے اور مدینہ آنے کے بعد یہ جماعت اسی بات کو ایشو بنا کر تحریک چلاتی رہی کہ حکومت اور نبوت ایک ہی خاندان میں نہ جانے دیں گے اور یہ بات ایسی نہیں ہے کہ جو ڈھکی چھپی ہو بلکہ بہت سی مستند تاریخوں اور سیرۃ کی کتابوں میں مورخین اور اہل سنت کے معروف سیرۃ نگاروں نے صاف طور پر لکھا ہے اور حضرت عمر نے اپنے دور اقتدار میں اس بات کا ڈنکے کی چوٹ پر اقبال کیا ہے۔

چنانچہ علامہ شبلی نے حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس کا جو مکالمہ اپنی کتاب الفاروق میں نقل کیا ہے اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے۔

علامہ شبلی نے اپنی کتاب ''الفاروق'' میں تاریخ طبری کے حوالے سے عبداللہ ابن عباس اور حضرت عمر کے دو مکالمے یہ کہہ کر درج کئے ہیں کہ ان سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہو جائے گا۔ ان مکالموں کو انھوں نے بطور فٹ نوٹ کے درج کیا ہے ہم ان میں سے اختصار کے پیش نظر صرف ایک کو یہاں پر نقل کرتے ہیں علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملہ سے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمے کی صورت میں نقل کیے ہیں ہم ان کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا سربستہ راز معلوم ہوگا۔ مکالمہ عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؑ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر: تمہارے باپ رسول الد کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی۔

عبداللہ ابن عباس: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر: لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباس: کیوں؟

حضرت عمر: وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آ جائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابو بکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے۔ ابو بکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا

کرنا تمہارے حق میں کوئی مفید نہ ہوتا۔

الفاروق شبلی مطبع مفید آگرہ 1908

حصہ اول فٹ نوٹ ص 204

محمد بن جریر طبری تاریخ الامم والملوک

الجزء الخامس ص 30-31-32

ابن الاثیر تاریخ الکامل الجزء الثالث ص 24-25

حضرت عمر نے اپنے اس بیان میں ایک ماہر تجربہ کار اور منجھے ہوئے سیاستدان کی طرح اپنی خواہش اور پسند کو قوم کی پسند بنا کر پیش کیا ہے۔ جس طرح ایک منجھا ہوا سیاستدان اور سیاسی لیڈر اپنی پسند اور خواہش کو یوں بیان کیا کرتا ہے کہ قوم یہ چاہتی ہے قوم یہ نہیں چاہتی یا قوم ہرگز ایسا نہیں ہونے دے گی۔ حالانکہ وہ یہ بات چاہتا خود ہے۔ اور حضرت عمر خود اس قوم کے ایک فرد تھے لہذا جب وہ یہ کہہ رہے تھے کہ وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ تو گویا اس قوم کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے وہ یہ بتلا رہے تھے کہ وہ خود یہ نہیں چاہتے تھے اور وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔

اور حضرت عمر کے ان لفاظ سے کہ "اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کوئی مفید نہ ہوتا۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس ساری تحریک کی باگ ڈور حضرت عمر ہی کے ہاتھ میں تھی اور وہی اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے اور انھوں نے جو ایشو چلایا تھا اس سے مدینہ میں ان کی ایک بہت طاقتور سیاسی جماعت معرض وجود میں آگئی تھی اور انھیں اپنی اس جماعت کی طاقت پر پورا پورا بھروسہ تھا اور قرآن نے جنگ بدر میں اور جنگ احد میں واضح الفاظ میں یہ فیصلہ سنا دیا تھا کہ " منکم من یرید الدنیا " اور " تریدن عرض الدنیا " لہذا پیغمبرؐ کے بعد ہادی خلق اور امام برحق کی اطاعت میں ان

کے لئے کوئی کشش نہیں تھی ۔ جس کا تعلق آخرت کے ساتھ تھا قرآن کریم میں جہاں گذشتہ اقوام کے حالات و واقعات بیان ہوئے ہیں وہاں آئندہ کی پیش گوئیاں بھی آئی ہیں خدا نے اور پیغمبر اکرمؐ نے ہدایت خلق کا جو کام ان کے ذمہ تھا وہ پورا کر دیا دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کا سلسلہ ہدایت قائم کر کے پوری کر دی لیکن خدا نے بھی اس سلسلہ ہدایت سے پھرنے اور لوگوں کے دنیا اختیار کر لینے کی بھی پیش گوئی فرما دی تھی جس کا بیان آگے آتا ہے ۔

قرآن کریم کی پیشین گوئیاں

خدا نے اپنے اس اعلان کے ذریعہ جو پیغمبر اکرم (ص) سے غدیر خم کے مقام پر کرایا تھا اپنی ذمہ داری کو پورا کیا تھا خدا کا کام ہدایت کرنا ہے لیکن لوگ اس کی ہدایت پر چلتے ہیں یا نہیں یہ بات لوگوں سے تعلق رکھتی ہے کتنے لوگ ہیں جو خدا کی کسی بھی بات پر اور کسی بھی حکم پر عمل نہیں کرتے اس اعلان غدیر کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے خدا نے اور پیغمبر اکرمؐ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا تھا لیکن دنیا کے طلبگار کیا کرنے والے ہیں اس کی بھی پیشین گوئی کر دی تھی جیسا کہ سورہ محمد میں ارشاد ہوا ۔

" فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا في الارض و تقطعوا ارحامكم " (سورہ محمد ۔ 22)

پس تم سے بعید نہیں ہے کہ اگر تم حکومت پر قبضہ کر کے بر سر اقتدار آ گئے تو تم دنیا میں فساد پھیلاؤ گے اور قرابت داری کو قطع کر کے رکھ دو گے ۔

یہ آیت ایک واضح پیش گوئی ہے اور حکومت الٰہیہ کا تختہ الٹ کر بر سر اقتدار آنے والوں کی صحیح صحیح تصویر کشی کرتی ہے ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں پیغمبر اکرمؐ کے مرض موت میں پیغمبرؐ کا ایک خطبہ نقل کیا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں ۔

پھر آپ نے سورہ والعصر آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کے آخر میں یہ آیت پڑھی ۔

" فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم "

اس آیت کا ترجمہ جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ

"سو اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے تم دنیا میں فساد مچاؤ اور آپس میں قطع قرابت کرو"

یہ ترجمہ تحریر کرنے کے بعد محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ: آیہ کریمہ سے اشارہ ان زیادتیوں اور جفا و ستم کی طرف ہے جو مروانی اور عباسی امراء اور سلاطین نے اہل بیتؑ کے ساتھ روا رکھیں۔ (مدارج النبوت اردو ص 632)

محدث دہلوی نے آیت کا ترجمہ اس طرح سے کیا ہے جس سے کچھ بھی سمجھ نہ آئے اور تمام طرفداران حکومت کا طریقہ یہ ہے حالانکہ اس آیت کا با محاورہ اردو ترجمہ یہ ہے۔

پس کیا تم سے بعید ہے یہ بات کہ اگر تم حکومت پر قبضہ کر کے برسر اقتدار آ گئے تو تم دنیا میں فساد پھیلاؤ گے اور قرابتداری کو قطع کر کے رکھ دو گے۔

اس آیت میں واضح خطاب انہیں لوگوں سے ہے جن سے پیغمبر سورہ والعصر کی تلاوت فرما کر خطاب فرما رہے تھے اور جو پیغمبرؐ کے سامنے موجود تھے اور یہ پیش گوئی پیغمبر کے عین بعد کی زیادتیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے اور مروانی اور عباسی حکمرانوں کے پاس حکومتیں ان کی طرف سے ہی خاندان نبوت سے حکومت نکالنے کے نتیجہ میں پہنچی ہے اور اس بات کا ثبوت کہ یہ آیت پیغمبرؐ کے عین بعد کے انقلاب کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی وہ عبارت ہے جو مدارج النبوت کے اسی صفحہ پر درج ہے کہ پیغمبرؐ نے انصار سے فرمایا۔

"اے انصار میرے بعد ایک جماعت کو تم پر اختیار کر لیا جائیگا اور تم پر ترجیح دی جائیگی"

انصار نے عرض کیا اے رسول اللہ ارشاد فرمایئے کہ اس صورت میں ہم کیا کریں آپؐ نے فرمایا صبر کرو اس وقت تک جبکہ حوض کوثر کے کنارے تم مجھ سے آملو۔

مدارج النبوت اردو ص 632

پیغمبر اکرم کی یہ حدیث صحیح بخاری میں اس طرح روایت کی گئی ہے کہ پیغمبر نے انصار سے فرمایا" انکم ستلقون بعدی اثرة فاصبروا حتیٰ تلقونی و موعدکم علی الحوض"

صحیح بخاری بات مناقب الانصار

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الانصار

اصبروا حتی تلقونی علی الحوض الجزء الثانی ص 206

ترجمہ کے لئے مدارج النبوت ص 632 کی مندرجہ بالا عبارت پھر پڑھ لیں۔

یہ جماعت جسے انصار پر اختیار کیا گیا اور انصار پر ترجیح دی گئی، مروانی یا عباسی ہرگز نہیں ہو سکتے بلکہ حتماً و یقیناً یہ انہیں کو کہا گیا ہے جو پیغمبرؐ کی رحلت کے فوراً ہی سقیفہ ساعدہ میں انصار سے مار دھاڑ کر کے برسر اقتدار آ گئی۔ نہ کہ مروانی اور عباسی سلاطین۔ البتہ محدث دہلوی نے یہ بات درست لکھی ہے کہ سورہ محمد کی مذکورہ آیت نمبر 22 میں ان زیادتیوں اور جفا و ستم کی طرف اشارہ ہے جو اہل بیت پر روا رکھی گئی۔ لیکن اس کی بنیاد سقیفہ بنی ساعدہ میں رکھی گئی۔

11ھ کے واقعات

پیغمبرؐ کی حیات ظاہر کے آخری دو مہینے

جس وقت 11ھ کی پہلی تاریخ کا سورج طلوع ہوا۔ اس وقت پیغمبرؐ کی حیات ظاہری اور دنیاوی زندگی میں صرف دو ماہ یا زیادہ سے زیادہ کچھ دن کم ڈھائی ماہ باقی تھے

پیغمبرؐ تمام لوگوں کو اپنے عالم بقا کی طرف سدھارنے کی خبر دے چکے تھے۔ لہذا جو کچھ ہونے والا تھا اس سے بھی آگاہ تھے۔

اگر چہ پیغمبرؐ غدیر غم کے مقام پر علیؑ کی جانشینی کا اعلان کر چکے تھے مگر جو کچھ ہو رہا تھا اس سے بھی بخوبی واقف تھے اور وحی الہی کی روشنی میں جس کا سلسلہ آخری دن تک جاری رہا جو کچھ نظر آ رہا تھا اس سے بھی بے خبر نہیں تھے۔

چونکہ پیغمبرؐ کا کام صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے اور لوگوں کو ہدایت کر دینا ہے۔ زبردستی منوانا نہیں ہے۔ لہذا پیغمبرؐ نے اپنی زندگی کے آخری دو ماہ اسی کام کے لئے وقف کر دیئے اور ایسے ایسے کام کئے اور ایسی ایسی باتیں کیں جو سرچشمہ ہدایت ہیں اور جنہیں کسی طرح بھی چھپایا نہیں جا سکا اور یقیناً یہ باتیں قیامت تک کے لئے تمام مسلمانوں کے لئے ہدایت ہی ہدایت ہیں اور جو بھی ان میں غور کریگا وہ ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہوگا۔ اور اصحاب پیغمبرؐ میں سے پیغمبرؐ کے سچے پیروکاروں کو دوسروں سے پہچان سکے گا۔ ہم ان میں سے چند باتوں اور چند کاموں کا ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

پیغمبرؐ کے فوراً بعد فتنوں کی پیشین گوئیاں

پیغمبر اکرمؐ نے اپنی حیات کے آخری دو ماہ میں ان فتنوں کی خبر دی جو پیغمبرؐ کی رحلت کے فوراً بعد ہونے والے تھے اور فتنوں کی یہ پیشین گوئیاں رہتی دنیا کے لئے مینارہ نور اور سرچشمہ ہدایت ہیں۔ تا کہ لوگ ان سے بچیں اور گمراہ نہ ہوں ہم ان میں سے چند پیشین گوئیاں ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

نمبر 1: ابن عبدالبر اپنی کتاب الاستیعاب میں لکھتے ہیں

" عن ابی یعلی الغفاری قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول . ستکون من بعدی فتنة فاذا کان ذالک فالزموا علی ابن ابی

طالب فانه اول من امن بی و اول من یصافحنی یوم القیامة و هو صدیق الاکبر و ھوفاروق ھذا لامة و ھو یعسوب الدین و المال یعسوب المنافقین "

البلاغ المبین جلد اول ص 635

بحوالہ الاستیعاب ابن عبدالبر ترجمہ ابو لیعلی الغفاری

الاصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر عسقلانی۔ ترجمہ ابو لیعلی الغفاری

کنز العمال علی متقی الجزء السادس ص 155 حدیث 2582

مستدرک الحاکم الجزء الثالث ص 112

ترجمہ: ابو لیعلی غفاری کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرے عین بعد فوراً ہی فتنے کھڑے ہو جائیں گے جب ایسا ہو تو تم علی ابن ابی طالب کی اطاعت کرنا کیونکہ وہ سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرے گا اور وہ صدیق اکبر ہے اور اس امت کا فاروق ہے وہ مومنین کا حاکم ہے اور مال منافقین کا حاکم ہے۔

اس حدیث شریف سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں منجملہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ فتنہ پیغمبرؐ کے عین بعد علی کی اطاعت چھوڑ کر دوسروں کی اطاعت اختیار کرنے کی صورت میں ہوگا جبکہ خدا اور رسول کی طرف سے مقررہ کردہ دین کا حاکم اور صدیق اکبر اور فاروق امت وہی ہے۔

اس فتنہ کی پیش گوئی قرآن میں بھی آئی ہے جو سورہ الانفال میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

"واتقو فتنة لاتصیبن الذین ظلموا منکم خاصة ، واعلموا ان الله شدید العقاب " (الانفال)

ترجمہ: اور اس فتنے سے ڈرتے رہو جو خصوصیت کے ساتھ کچھ انہیں لوگوں پر نہ پڑے گا

جوتم میں ظالم ہیں اور یہ جان لو کہ اللہ بہت ہی سخت عذاب دینے والا ہے۔

تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد ہی لوگوں کو وہ فتنہ پیش آیا جس سے بچنے کا خدا تعالی نے حکم فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ علی مرتضیٰ کو لوگوں نے چھوڑ دیا اور غیر شخص سے بیعت کر لی۔

اور تفسیر مجمع البیان میں عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے یہ فرمایا کہ جو شخص میرے بعد میری جانشینی کے بارے میں علی پر ظلم کرے گا وہ ایسا ہی سمجھا جائے گا۔اور قرآن اس فتنہ کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ یہ فتنہ ایسا ہے کہ جو صرف انہی لوگوں کو نقصان نہ دے گا جو ظلم کریگا۔ بلکہ اس کا نقصان سب بھگتیں گے اور آنے والی نسلیں بھی اس عذاب کا مزہ چکھیں گیں واعلموا ان اللہ شدید العقاب۔حضرت عمر یہ ایشو لے کر اٹھے تھے کہ نبوت اور حکومت ایک ہی خاندان میں نہ جانے دیں گے لہذا اس حکومت کو انھوں نے خاندان نبوت سے نکال کر ایسا ہر جائی کیا کہ مسلمان ہر ظالم و جابر اور ہر فاسق و فاجر کو اپنا امام و پیشوا و خلیفہ مان کر اس کی اطاعت کرتے آرہے ہیں۔

یہاں پر قرآن کریم کی بیان کردہ پیشین گوئی کا بیان ضمناً آیا ہے ہم بیان کر رہے تھے ان فتنوں کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔

نمبر 2: صحیح بخاری میں کتاب الفتن میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ

"عن ابی هریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیکون فتن القاعد فیها خیر من القائم و القائم خیر من الماشی والماشی من الساعی" (البلاغ المبین جلد اول ص 25)

(بحوالہ صحیح بخاری کتاب الفتن)

ترجمہ: ابوھریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ میرے بعد فوراً ہی فتنے پیدا ہو جائیں گے جن میں بیٹھا ہوا شخص بہتر ہوگا کھڑے ہوئے سے اور کھڑا ہوا بہتر ہوگا چلنے والے سے اور چلنے والا بہتر ہوگا بھاگنے والے سے جو ان فتنوں کی طرف جھانکے گا وہ اس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ پس جو شخص پناہ کا مقام یا بچاؤ کی جگہ پائے تو اسے چاہیے کہ اس کی پناہ میں آجائے۔

ملا تقی نے کنز العمال میں ان فتنوں سے پر زمانہ کی تصویر نہایت تفصیل سے کھینچی ہے اور کنز العمال الجزء السادس کتاب الفتن ص 27 تا 92 میں حدیث نمبر 441 سے حدیث نمبر 1390 تک آنحضرت کے 950 اقوال ان فتنوں کے متعلق جمع کیے ہیں۔

البلاغ المبین جلد اول ص 27

بحوالہ کنز العمال ملا علی متقی

نمبر 3: کنز العمال جزء السادس کتاب الفتن کی حدیث نمبر 502 و حدیث نمبر 738 میں آیا ہے " ان الناس دخلوا فی دین الله افواجا و یخرجون افواجاً "

ترجمہ: یقیناً لوگ جس طرح دین اسلام میں گروہ در گروہ داخل ہوئے تھے اسی طرح عنقریب بہت جلد گروہ در گروہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔

اور دین سے یہ خارج ہونا توحید و رسالت کے انکار کی صورت میں نہیں ہوگا بلکہ پیغمبرؐ کے اہل بیت کے ذریعہ سے ان کا امتحان لیا جائیگا۔ چنانچہ

نمبر 4: کنزل العمال الجزء السادس کتاب الفتن کی حدیث نمبر 505 میں آیا ہے کہ

" انکم ستبلون فی اهل بیتی من بعدی "

یعنی یقینی طور پر تمہارا فوراً ہی میرے بعد میرے اہل بیت کے ذریعہ امتحان لیا جائیگا اور تمہاری آزمائش ہوگی۔

نمبر 5: مسند امام احمد حنبل میں یہ روایت آئی ہے کہ:

" عن ابی هریره و یل للعرب من شرقد اقترب فتناً کقطع اللیل اعظم یصبح الرجل مومنا و یمسی کافراً یبیع قوم دینهم بعرض من الدنیا قلیل "

البلاغ المبین جلد دوم ص 50
بحوالہ مسند احمد حنبل الجزء الثانی ص 390
الجزء الاول ص 384، 185,44
الجزء الرابع ص 106-107

ترجمہ: ابوھریرہ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ عرب کے لئے افسوس ہے اس شر کی وجہ سے جو بہت ہی قریب آ گیا ہے۔ فتنہ کی صورت میں جو اندھیری رات کی طرح سے ہوگا۔ ایک شخص صبح کو تو مومن اٹھے گا اور شام تک کافر ہو جائیگا لوگ اپنا دین دنیا کی نہایت قلیل قیمت پر فروخت کر دیں گے۔

نمبر 6: آپ اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک رات جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور اہل قبور کے لئے دعائے مغفرت اور ان پر سلام کرنے کے بعد فرمایا۔

" لیھن لکم ما اصبحتم فیه مما اصبح الناس فیه قد اقبلت الفتن کقطع اللیل المعظم ینبع اخرها اولها و الآخره شر من الا ولیٰ "

سیرۃ امیر المومنین ص 335
بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 432

ترجمہ: جس حال میں زندہ لوگ ہیں اسے دیکھتے ہوئے یہ حال تمہارا گوارا ہے اور مبارک ہو۔ اب تو کالی راتوں کی طرح کے فتنے پے در پے بڑھتے چلے آ رہے ہیں اور جو فتنہ اٹھے گا وہ پہلے فتنہ سے بدتر ہوگا۔

حدیث کی مستند کتابوں میں کتاب الفتن کے نام سے علیحدہ باب قائم کئے گئے ہیں ہم نے نمونہ کے طور پر چند احادیث نقل کر دی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ

پیغمبرؐ اپنا فرض ادا کر چکے تھے اور امت کو وہ بات بتلا چکے تھے جس سے وہ گمراہ نہ ہوں۔ لیکن وحی الٰہی کی روشنی میں اور حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ ان کے بعد کیا ہونے والا ہے لہذا اس کے لئے بھی امت کو آگاہ کر رہے تھے تا کہ ہدایت کے لئے کوئی گوشہ باقی نہ رہے جہاں یہ بتلایا کہ تمہاری ہدایت کے لئے کیا چیز ہے وہاں یہ بھی بتلا دیا کہ جو ہونے والا ہے وہ فتنہ ہے اور گمراہی ہے۔

حضرت علیؑ سے قوم دغا اور بغاوت کرے گی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ نے اپنی اس دو ماہ کی باقی ماندہ زندگی میں حضرت علیؑ کو بھی یہ بتلا دیا تھا کہ یہ امت تمہارے ساتھ دغا اور بغاوت کرے گی۔

ہم کنزالعمال سے دو حدیثیں ثبوت کے لئے یہاں پر پیش کرتے ہیں

نمبر 1: **یا علی ان الامة ستغدر بک من بعدی وانت تعیش علیٰ ملتجا وتقتل علی سنتی من احبک احبنی و من ابغضک ابغضنی "**

البلاغ المبین جلد دوم ص 48

بحوالہ کنزالعمال علی متقی الجزء السادس ص 157 حدیث 2615

ترجمہ: فرمایا جناب رسول خدا نے اے علی میرے بعد تمہارے ساتھ یہ امت دغا اور بغاوت کرے گی اور تم میری ملت پر رہو گے اور میری سنت پر قتل کئے جاؤ گے۔ جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے تم سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

نمبر 2: اور کنزالعمال میں پیغمبر اکرم صلعم سے یہ بھی آیا ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: **" قال صنغائن فی صدور الاقوام لا یبدونها لک الا من بعدی"**

البلاغ المبین جلد دوم ص 48

بحوالہ کنزالعمال الجزء السادس ص 418 حدیث 6158

ریاض النضرہ الجزء الثانی الباب الرابع فصل الثامن ص 210

ترجمہ: رسول اللہ نے فرمایا اے علیؑ لوگوں کے دلوں میں تیری طرف سے کینے اور عداوتیں بھری ہوئی ہیں جن کو وہ اب تو تجھ سے چھپائے ہوئے ہیں لیکن میرے بعد ظاہر کر دیں گے۔

پیغمبر کی یہ احادیث سرچشمہ ہدایت ہیں اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے مینارہ ہدایت ہیں اور اپنی عمر کے آخری دو ہفتوں میں امت کو گمراہی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔

اصحاب کے لئے حدیث حوض کا بیان

ان مشہور و معروف احادیث میں سے جو آپ نے اپنے ان آخری ایام میں بیان فرمائیں ایک حدیث حوض ہے یہ حدیث کی ہر مستند کتاب میں موجود ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیرون الحوض علی رجال حتیٰ اذا رایتھم رفعوا الی فاختلجوا دونی فاقول یا رب اصحابی اصحابی .فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول سحقاً سحقاً سحقاً" البلاغ المبین جلد اول ص 32-33

بحوالہ مسند احمد حنبل الجزء الاول ص 235-253-384-402-435-453-455 الجزء الثانی ص 300-408

ترجمہ: انس بن مالک سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر چند آدمی میرے پاس وارد ہوں گے جب میں ان کی طرف دیکھوں گا تو وہ میری طرف بڑھیں گے لیکن روک دیئے جائیں گے۔ میں کہوں گا خداوندا یہ تو میرے اصحاب ہیں یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ جواب ملے گا کہ تم نہیں جانتے تمہارے بعد دین میں انھوں

نے کتنا فتنہ پیدا کیا تھا۔ اس پر میں کہوں گا۔ دور رہو۔ دور رہو۔ دور رہو

یقیناً پیغمبر نے یہ حدیث اپنے اصحاب کو سمجھانے کے لئے بیان فرمائی تھی کہ تم اس قلیل زندگانی دنیا میں اپنے اقتدار کے لئے جو کچھ کرو گے وہ تمہاری آخرت کے لئے بہت ہی برا ہوگا۔

اور ان فتنوں سے آگاہ کر کے آئندہ آنے والے مسلمانوں کو سمجھا رہے تھے کہ کسی کو اقتدار کی کرسی پر دیکھ کر دھوکہ میں نہ آجانا اور اپنے دین کی حفاظت کرنا۔

سبحان اللہ کن مشکل حالات میں کس کس طرح سے آئندہ آنے والے مسلمانوں کو پیغمبرؐ نے گمراہی سے بچانے کا سامان مہیا فرمایا ہے۔

ہدایت کا ایک اور سرچشمہ یا لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم

اپنی زندگی کے آخری ایام اور بیمار ہونے سے کچھ ہی پہلے آپ نے ایک ایسا حکم دیا جو رہتی دنیا تک منارۂ ہدایت کا کام دے گا اور یہ کام لشکر اسامہ کی روانگی کا فرمان تھا۔

اس لشکر کی روانگی کا سبب یہ بتلایا جاتا ہے کہ جنگ موتہ کے موقع پر 8ھ میں حضرت اسامہ کے والد شہید ہو گئے تھے۔ لہٰذا اس کا قصاص لینے کے لئے اسامہ کے لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔ لیکن اس واقعہ کو دو سال ہو گئے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ خود جنگ تبوک میں تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ 9ھ میں ان کے سر پر پہنچے ہوئے تھے مگر اس وقت یہ قصاص نہ لیا۔

علاوہ ازیں جنگ موتہ کے موقع پر صرف زید بن حارثہؓ ہی شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ حضرت علیؑ کے بھائی حضرت جعفر طیار بھی شہید ہوئے تھے۔ مگر آپ نے اس لشکر کو اسامہ بن زید کے ماتحت روانہ ہونے کا حکم دیا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ چونکہ پیغمبر یہ چاہتے تھے کہ علیؑ کو انتقال اقتدار امن و امان کے ساتھ ہو جائے اور حضرت علیؑ کے خلاف سازشیں کرنے

والے سب کے سب مدینہ سے باہر ہوں لہذا آنحضرت نے ان تمام مہاجرین و انصار کو مدینہ سے باہر جانے کا حکم دے دیا جو اس میں دخل انداز ہونے والے تھے۔

لیکن پیغمبر کی رحلت کے فوراً بعد فتنوں کی پیشین گوئیاں۔حضرت علی کے خلاف بغاوت اور غدر کی پیشین گوئیاں اور قران کی حل عسیتم کی پیشین گوئیاں اور پیغمبر اکرم کی انصار کو نصیحت کہ تم پر دوسروں کو اختیار کرلیا جائے گا۔یہ سب پیشین گوئیاں یہ ثابت کرتی ہیں کہ پیغمبرؐ کو اس بات کا پختہ علم تھا کہ ان میں سے کوئی بھی اسامہ کے لشکر کے ساتھ نہیں جائیگا اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا اور یقینی طور پر یہ باتیں خود خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو بتا دی تھیں کیونکہ وحی کا سلسلہ آنحضرت کے آخری لحات زندگی تک جاری رہا۔جیسا کہ طبقات ابن سعد میں انس بن مالک سے روایت میں آیا ہے کہ

" ان اللہ تبارک و تعالیٰ تابع الوحی علی رسول اللہ قبل وفا تہ حتی توفیٰ و اکثر ماکان الوحی فی یوم توفیٰ" سیرۃ امیر المومنین ص 352 بحوالہ طبقات ابن سعد جلد 2 ص 92

یعنی اللہ تبارک وتعالی نے وحی کا سلسلہ پیغمبرؐ کی وفات سے قبل ان کے مرتے دم تک برابر جاری رکھا اور سب سے زیادہ وحی اس دن نازل ہوئی جس دن آپ نے رحلت فرمائی۔

اس بنا پر یقینی طور سے وحی الٰہی کی روشنی میں پیغمبر (ص) کو یہ علم تھا کہ یہ لشکر میرے حکم شدید کے باوجود نہیں جائیگا۔اور خدا اور اس کا رسول قیامت تک آنے والے انسانوں کو یہی دکھانا چاہتے تھے اور اس حکم کے ذریعہ ہدایت کے جو چشمے پھوٹتے ہیں اس کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔

کیونکہ پیغمبر کا کام صرف ہدایت کرنا ہے اور واضح طور پر پہنچا دینا ہے و ما علی الرسول الا البلاغ المبین" پیغمبر کا کام زبردستی اور جبر کے ذریعہ منوانا نہیں ہے خداوند تعالی

قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے

" ولو شاء ربک لا من من فی الارض کلھم جمیعاً افا انت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین " (یونس۔96)

اور اے پیغمبر اگر تمہارا پروردگار (جبر اور زبردستی) چاہتا (کہ سب لوگ ایمان لے آئیں) تو زمین میں جتنے بھی ہیں وہ سب کے سب ایمان لے آتے تو پھر کیا تم لوگوں کو اس بات پر مجبور کرو گے کہ وہ ایمان لے آئیں (اور تمہاری بات مان لیں)

تمام صحابہ کبار اٹھارہ سالہ نوجوان کی ماتحتی میں

آخری وقت میں پیغمبرؐ کے اس عمل میں بھی دنیا جہان کے لوگوں کے لئے ہدایت ہے کہ تمام صحابہ کبار کو ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کی ماتحتی میں جانے کا حکم دیا۔

زید بن حارثہ پیغمبرؐ کے آزادہ کردہ غلام تھے اور اسامہ ان کے فرزند تھے جو بالکل ہی نوجوان تھے اور جن کی عمر اس وقت صرف اٹھارہ انیس سال کے قریب تھی پیغمبرؐ نے تمام صحابہ کبار کو ان کی ماتحتی میں جانے پر مامور فرمایا۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ:

"فلم یبق من وجوہ المھاجرین والانصار الا انتدب فی تلک الغزوۃ فیھم ابو بکر الصدیق و عمر بن الخطاب و ابو عبیدہ بن الجراح و سعد ابن ابی وقاص "...... الخ سیرۃ امیر المومنین ص 333

بحوالہ طبقات ابن سعد جلد 2 ص 190

یعنی انصار و مہاجرین میں سے کوئی نمایاں فرد ایسا نہ تھا جسے اس غزوہ میں شرکت کرنے کا حکم نہ دیا گیا ہو ان لوگوں میں ابو بکر صدیق، عمر ابن الخطاب، ابوعبیدہ بن الجراح اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ شامل تھے۔

اور محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

”و حکم عالی چناں صادر شد که اعیان مهاجر و انصار مثل ابو بکر صدیق و عمر فاروق و عثمان ذوالنورین و سعد ابن وقاص و ابو عبیده بن الجراح و غیر هم الا علی مرتضیٰ را رضی الله عنهم اجمعین که همراه او نبود درآں لشکر همراه اسامه باشد“ البلاغ المبین جلد 1 ص 219

بحوالہ مدارج النبوت جلد 2 ص 530

اور حکم عالی اس طرح سے صادر ہوا کہ اعیان مہاجرو انصار مثل ابو بکر صدیق و عمر فاروق وعثمان ذوالنورین وسعد ابن وقاص وابوعبیدہ بن الجراح وغیرہم رضی اللہ عنھم اجمعین سب کے سب اسامہ کے لشکر کے ساتھ جائیں سوائے علی مرتضٰی کے جنہیں اس کے ساتھ جانے کے لئے نہیں کہا۔

صحابہ کا اسامہ کی امیری پر اعتراض

جب پیغمبرؐ نے تمام بڑے بڑے صحابہ کو اسامہ کے ماتحت لشکر کے ساتھ جانے کا حکم دیا تو انھوں نے اسامہ کی افسری پہ لے دے شروع کردی اور کھلم کھلا اعتراض کرنے لگے کبھی یہ کہا کہ یہ نوعمر اور نا تجربہ کار ہے کبھی یہ کہا کہ یہ آزاد کردہ غلام کا بیٹا ہے جب پیغمبر کے کانوں میں ان کی نکتہ چینی کی آوازیں پہنچیں تو آپ باہر تشریف لائے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

” ان طعنوا فی امرته فقد کنتم تطعون فی امرة ابية من قبل . وایم الله انه کان لخليقا للامرة و انه کان لمن احب الناس الی و ان هذا احب الناس الی بعده “ سیرۃ امیر المومنین ص 334

بحوالہ صحیح مسلم جلد 2 ص 283

"اگر تم اس کی امارت پر اعتراض کرر ہے ہو تو تم اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی طعنہ زنی کر چکے ہو۔ خدا کی قسم وہ امارت کا سزاوار تھا اور میری نظر میں تم سب لوگوں سے زیادہ پسندیدہ تھا۔ اور اس کے بعد یہ بھی مجھے دوسروں سے زیادہ عزیز ہے۔

اس کے بعد آپ بار بار یہی فرماتے رہے کہ

" جهزوا جيش اسامه ؛ انفذوا جيش اسامه ، ارسلوا جيش اسامه "

لشکر اسامہ کو جلدی بھیجو۔ لشکر اسامہ کو فوراً بھیجو۔ لشکر اسامہ کو فوراً روانہ کرو۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی خفگی کا انتہائی اظہار کرتے ہوئے فرمایا

" جهزوا جيش اسامه لعن الله من تخلف عنها "

سیرۃ امیر المومنین ص 344

بحوالہ الملل والنحل ص 8

پیغمبرؐ کے حکم سے صحابہ کی سرتابی

پیغمبرؐ کا حکم سننے کے بعد بھی اکثر صحابہ نے پیغمبرؐ کا حکم نہ مانا۔ علامہ ذہبی تذھیب التھذیب میں اسامہ کے حال میں لکھتے ہیں **" امره النبي على جيش فيه ابو بكر و عمر فلم يتقدم مات رسول الله "** ابلاغ المبین جلد اول ص 233

بحوالہ تذھیب التھذیب ذھبی حال اسامہ

"یعنی رسول اللہ نے اسامہ کو اس لشکر پر امیر مقرر کیا جس میں ابو بکر اور عمر بھی تھے لیکن وہ نہیں گئے یہاں تک کہ رسول اللہ نے وفات پائی۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تہذیب التھذیب میں اسامہ کے حال میں یہ لکھا ہے کہ

" استعمله رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم على جيش

فی ابو بکر و عمر فلم ینفذ حتیٰ توفیٰ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم"

البلاغ المبین جلد اول ص 223

بحوالہ تہذیب التہذیب مطبوعہ دائرۃ المعارف

حیدر آباد دکن الجزء الاول ص 208

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو اس لشکر پر امیر مقرر کیا جس میں ابو بکر اور عمر بھی تھے لیکن وہ نہیں گئے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وفات پائی۔

اس واقعہ میں حتمی اور یقینی باتیں اور ہدایت کے پہلو

اصحاب پیغمبرؐ باوجود حکم شدید کے نہیں گئے اور پیغمبرؐ کے حکم کی نافرمانی کی۔ اس نافرمانی پر اور اسامہ کے لشکر کے ساتھ صحابہ کبار کے نہ جانے پر چاہے جتنے بھی عذر رنگ تراشے جائیں کچھ باتیں تو حتمی اور یقینی ہیں اور ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ یہ ہیں

نمبر 1: کبار صحابہ کو اسامہ کی ماتحتی میں جانے کا حکم دیا گیا۔

نمبر 2: صحابہ کبار نے اسامہ کے نوعمر ہونے یا غلام زادہ ہونے کی وجہ سے پیغمبر پر اعتراض کیا

نمبر 3: یہ صحابہ کبار اس سے پہلے اسامہ کے باپ زید بن حارثہ کی ماتحتی میں بھیجے گئے تھے۔

نمبر 4: جب صحابہ کبار اسامہ کے باپ زید کی ماتحتی میں بھیجے گئے تھے تو اس وقت بھی انھوں نے پیغمبر پر اعتراض کیا تھا۔

نمبر 5: پیغمبرؐ کے نزدیک اسامہ کا باپ بھی ان صحابہ کبار سے زیادہ امارت کے لائق تھا اور یہ صحابہ کبار مجبوراً اس کے ساتھ گئے تھے اور اس کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

نمبر 6: پیغمبرؐ کے نزدیک اسامہ بھی ان صحابہ کبار سے زیادہ امارت کے لائق تھا اور اگر وہ اس کے ساتھ جاتے تو اس کا حکم بھی مانتے اور اس کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے

نمبر 7: ان اصحاب پیغمبر نے صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی پیغمبرؐ پر اعتراض کئے تھے انھوں نے

سر منڈوانے کے حکم کی بھی مخالفت کی تھی۔ حجتہ الوداع کے موقع پر بھی احرام کھولنے کے بارے میں پیغمبرؐ کا حکم نہیں مانا تھا۔

اب اپنی عمر کے اس آخری حصہ میں پیغمبرؐ علی الاعلان سارے عالم پر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ میرے یہ اصحاب میرے حکم کی مخالفت کرنے میں بالکل نہیں ہچکچاتے اور یہ میرے حکم کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ، تا کہ بعد میں کسی کو یہ کہنے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ اگر پیغمبرؐ علی کو اپنا جانشین ،خلیفہ وامام بنا جاتے تو یہ صحابہ کبار ہرگز پیغمبر کی مخالفت نہ کرتے۔ حالانکہ علیؑ کی جانشینی کے بارے میں پیغمبر کی مخالفت کرنے میں اپنے اقتدار کا مفاد وابستہ تھا۔ اور سابقہ دوسری مخالفتوں میں تو اتنی بات بھی نہیں تھی۔ پس اسامہ کی لشکر کے روانگی کا حکم قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے ہدایت ہی ہدایت ہے اورا سامہ کے ماتحت لشکر کے ساتھ جانے کا حکم دے کر پیغمبرؐ نے یہ ظاہر کردیا کہ میرے یہ اصحاب میرے بعد میرا جانشین بننے کے لائق نہیں ہیں۔

آنخضرتؐ کی بیماری کا حال

آنخضرتؐ کتنے دن بیمار رہے اور آپ کو بیماری کیا تھی۔ اس بارے میں علامہ شبلی الفاروق میں لکھتے ہیں:

"آنخضرت بروایت مشہور 13 دن بیمار رہے بیہقی نے بہ سند صحیح ان کی تعداد دس بیان کی ہے۔ سلیمان تیمی نے بھی اپنی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے۔

بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اس قدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک کے عین وفات کے دن فجر کے وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔ الفاروق شبلی ص 106

علامہ شبلی کے اس بیان سے جو انھوں نے مستند حوالوں کے ساتھ لکھا ہے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی بیماری زیادہ سے زیادہ تیرہ دن رہی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی بیماری کوئی خطرناک قسم کی بیماری نہیں تھی۔ بلکہ عام قسم کا بخار تھا۔ آنحضرتؐ حفظان صحت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے، غذا، لباس، طہارت اور صفائی اور صحت کے دوسرے معمولات بالکل باقاعدہ اور درست تھے۔ اب تک کوئی بیماری آپ کو لاحق نہیں ہوئی تھی۔

البتہ آنحضرتؐ کو 6 ھ میں جنگ خیبر کے موقع پر کئی دن تک قلعہ خیبر کا محاصرہ کرنے اور راتوں کو جاگتے رہنے کی وجہ سے آپ کو دردسر لاحق ہوگیا تھا جس کا بیان سابقہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

اب بھی ممکن ہے کہ جیش اسامہ میں صحابہ کبار کے بار بار تاکید کے باوجود نہ جانے کی وجہ سے جو غصہ آرہا تھا۔ اس کی وجہ سے ٹینشن اور جوش خون سے بخار کی کیفیت پیدا ہوگئی ہو۔

چونکہ تاریخوں سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ جیش اسامہ کی روانگی کا حکم دینے کے دو یا تین دن بعد ہی آپ بیمار ہوگئے اور جیش اسامہ کو روانگی کا حکم دیتے وقت آپ بیمار نہیں تھے اور وہ بیماری صرف بخار تھا۔ جو اصحاب کے جیش اسامہ کے ساتھ نہ جانے پر غصہ کی وجہ سے ٹینشن ہوکر جوش خون سے ہوسکتا ہے اور طبی نکتۂ نظر غصہ کی وجہ سے ٹینشن ہوکر جوش خون سے بخار یا دردسر ہوجانا کچھ بعید نہیں ہے۔

علامہ شبلی کی تحریر کے مطابق یہ بخار بھی مسلسل نہیں تھا کبھی تیز ہوجاتا تھا اور کبھی بالکل اتر جاتا تھا حتیٰ کہ اپنی وفات سے تقریباً چار پانچ دن پہلے بدھ کے روز آپ نے غسل صحت یابی کیا جس کی خوشی میں آج دنیائے اسلام آخری چہارشنبہ کی عید مناتی ہے علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

”عین وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت

کا گمان ہو گیا تھا اور حضرت ابو بکر اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔ الفاروق ص 111

المیہ قرطاس یا ھدایت کا ایک اور سرچشمہ

احادیث میں آیا ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنی وفات سے تقریباً چار دن پہلے جمعرات کے دن صحابہ سے کاغذ اور قلم دوات مانگا تا کہ انہیں ایسی تحریر لکھ دیں جس سے وہ کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ لیکن اصحاب پیغمبرؐ نے کاغذ اور قلم دوات دینے سے انکار کر دیا۔ اور اس کے دینے سے مانع ہوئے اور یہ کہا کہ اس کو ہذیان ہو گیا ہے اور ہمارے پاس خدا کی کتاب کافی ہے۔ چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں آیا ہے۔

نمبر" قال رسول اللہ صلعم ائتونی بالکتف والدواۃ او اللوح والدوات اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابداً فقالوا ان رسول اللہ لیھجر"

البلاغ المبین جلد اول ص 259

بحوالہ مسند امام احمد حنبل الجزء الاول ص 336-355

ترجمہ: جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ دوات وشانہ یا دوات و تختی میرے پاس لاؤ کہ میں تمہارے لئے ایک ایسا وثیقہ لکھ دوں کہ تم اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ تو ہذیان بک رہے ہیں۔

نمبر 2: اور ابن سعد نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں تحریر کیا ہے " قال من کان عندہ ان نبی اللہ لیھجر" سیرۃ امیر المومنین ص 350

بحوالہ طبقات ابن سعد جلد 2 ص 242

ترجمہ: " کچھ لوگوں نے جو وہاں موجود تھے یہ کہا کہ رسول اللہ کو ہذیان ہو گیا ہے"۔

نمبر 3: اور شیخ شہاب الدین خفاجی اپنی کتاب نسیم الریاض میں لکھتے ہیں کہ:

" فقال عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم لیهجر "

سیرۃ امیر المومنین ص 351

بحوالہ نسیم الریاض جلد 2 ص 278

"یعنی حضرت عمر نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہکی بہکی باتیں کر رہے"

نمبر 4: صحیح بخاری میں یہ روایت سات جگہ دہرائی گئی ہے۔

نمبر 1: کتاب العلم باب کتاب العلم

نمبر 2: کتاب الجہاد والسیر باب ھل یستشفع الی اھل الذمۃ ومعاملتھم

نمبر 3: کتاب الخمس باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب

نمبر 4: باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ

نمبر 5: باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ

نمبر 6: کتاب المرض باب قول المریض قوموا عنی

نمبر 7: کتاب الاعتصام باب کرھیۃ الاختلاف

ان روایات میں جہاں حضرت عمر کا نام نہیں ہے وہاں صاف لفظ "ھجر" آیا ہے یعنی یہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ لیکن جہاں حضرت عمر کا نام آیا ہے وہاں بخاری نے "ھجر" کا لفظ بدل کر "غلبة الوجع" درد کا غلبہ کر دیا ہے۔

البتہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ یہ بات کہنے والے حضرت عمر ہی تھے۔ چاہے درد کا غلبہ کہا ہو یا ھجر یعنی بکواس یا ہذیان یا بہکی بہکی باتیں کہا اور وہی پیغمبرؐ کی تحریر لکھنے پر مانع ہوئے تھے ہم یہ دونوں قسم کی روایتیں ذیل میں نقل کرتے ہیں

ا) کتاب الجہاز والسیر میں بخاری کی عبارت اس طور پر ہے

" قال ایتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعده ابداً فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا هجر رسول الله۔"

البلاغ المبین جلد اول ص 258

سیرۃ امیر المومنین ص 349

بحوالہ بخاری جلد 2 ص 121

ترجمہ: یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے ایک ایسا صحیفہ لکھ دوں کہ پھر اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ اس پر لوگوں نے اختلاف کیا اور تنازعہ شروع کر دیا۔ حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا مناسب نہیں۔ ان لوگوں نے کہا رسول اللہ ہذیان بک رہے ہیں۔

اس روایت میں چونکہ بخاری نے حضرت عمر کا نام نہیں لکھا۔ لہذا صاف لکھ دیا کہ کہنے والے نے "ھجر" کہا تھا یعنی بکواس کر رہا ہے۔ لیکن جس روایت میں حضرت عمر کا نام لکھا ہے وہاں پر الفاظ بدل دیئے اور یوں روایت کی۔

ب) عن عبداللہ بن عباس قال لما حضر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال وفی البیت رجال منھم عمر بن الخطاب قال ھلم اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ قال عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبہ علیہ الوجع وعندکم القران فحسبنا کتاب اللہ" البلاغ المبین جلد 1 ص 259

بحوالہ صحیح بخاری لکتاب الاعصام باب کراھیۃ الاختلاف

ترجمہ: ابن عباس سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ جب جناب رسول خدا کا وقت رحلت قریب آیا اور اس وقت گھر کے اندر بہت سے لوگ موجود تھے جن میں ایک عمر ابن الخطاب بھی تھے تو آنحضرت نے فرمایا آؤ۔ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں کہ پھر جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ حضرت عمر نے کہا کہ رسول اللہ پر اس وقت بیماری کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے پس ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔

عظمت ناموس رسالت اس سے زیادہ اور کیا تار تار ہوگی

محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں کس طرح محبت فاروقی میں ڈوب کر عمر کی دانشمندی پر صد آفرین اور ہزار تحسین کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اس وقت رسول کو قلم و دوات دے دیا گیا ہوتا تو آنحضرتؐ کوئی ایسی نئی بات لکھ جاتے کہ جس سے آیت الٰہی کی صریح تکذیب ہوتی۔ ان کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"نزد عقلا آفرین و ہزار محصعین بر وقت نظر عمر است زیرا کہ قبل ازیں ،واقعہ سہ ماہ آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا نازل شد و ابواب تسیغ و تبدیل و زیادہ و نقصان را در دین مطلقا مسدود ساختہ مہر ختم بر آں نمودہ گذاشتہ در پس آیہ اشارت کرد عمر دریں عبارت حسبنا کتاب اللہ ۔ اگر آنحضرت دریں حالت چیزے جدید کہ سابق در کتاب و شریعت نیامدہ ینبو یساند موجد تکذیب ایں آیہ خواید شد"

تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ فخر المطابع ص 294

ترجمہ: عقل مندوں کے نزدیک حضرت عمر کی باریک بینی پر صد آفرین ہے اور ہزار تحسین ہے اس لئے کہ اس کے تین مہینے پہلے آیہ کریمہ "**الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً**" یعنی آج ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے دین اسلام سے خوش ہوا" نازل ہو چکی تھی اور منسوخی اور تبدیلی، نیز کمی اور زیادتی کی راہیں مسدود ہو چکی تھیں اور آیت کے ذریعہ مہر کر دی گئی تھی اس بنا پر عمر نے کہا خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے کیونکہ اگر ایسی حالت

میں آنحضرتؐ کوئی جدید بات جو کتاب شریعت میں پہلے نہ رہی ہو لکھا دیتے تو اس آیت کی تکذیب ہو جاتی۔ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ فخر المطابع ص 294

غور کیجیے کہ حضرت عمر کی حمایت میں رسالت و نبوت پر کیسا بد نما داغ لگایا ہے اور عظمت ناموس رسالت کو حضرت عمر کی ناجائز طرفداری میں تار تار کر کے رکھ دیا ہے۔

ایک اور دانشور جناب طلعت محمود اپنی کتاب ''مظلوم قرآن'' میں حضرت عمر کے احادیث پیغمبرؐ پر سنسر شپ عائد کرنے اور حدیثوں کو لکھنے اور بیان کرنے سے منع کرنے جواز اور تائید میں وکالت کرتے ہوئے اس واقعہ قرطاس کو حضرت عمر کی کمال مدح اور تعریف میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جس عمر نے حضرت ابو ہریرہ کو حضور پر نور کی زندگی میں پیٹ ڈالا تھا۔ اور جس نے رسول اکرم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ ''حسبنا کتاب اللہ'' وہ اپنے عہد خلافت میں ابوھریرہ یا کسی اور بزرگ کو روایت احادیث کی اجازت کیسے دے سکتا تھا''۔

مظلوم قرآن طلعت محمود بٹالوی ص 171

''مظلوم قرآن'' میں ہی بٹالوی صاحب ایک اور جگہ اس طرح لکھتے ہیں کہ:

''قرآن کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے تھے صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جب رحلت سے پہلے حضور نے فرمایا کہ: **ائتونی بکتاب و قرطاس اکتب لکم شیئا لن تضلوا بعدی** ''لاؤ قلم دوات اور کاغذ میں تمہیں ایک ایسی چیز لکھ کر دے جاؤں کہ میرے بعد تمہاری گمراہی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ تو حضرت عمر ابن الخطاب جھٹ بول اٹھے ہمیں کسی مزید تحریر کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ'' **حسبنا کتاب اللہ** ''ہمارے پاس کتاب الٰہی موجود ہے جس میں انسانی فلاح و نجات کے مکمل گر درج ہیں اور بعد میں یہ کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔

''حضرت عمر کا یہ جملہ رسالت پناہ کے حضور میں جسارت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ

مجبور تھے۔اس لئے کہ کچھ عرصہ پیشتر قرآن کی آیت نازل ہوچکی تھی " الیوم اکملت لکم دینکم " مظلوم قرآن طلعت محمود بٹالوی ص 156

اہل سنت علماء و دانشور تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر کا یہ فرمانا رسالت پناہ کے حضور میں جسارت تھا۔وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے حسبنا کتاب اللہ کہنے میں رسول اکرمؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔مگر وہ حضرت عمر کی محبت اور طرفداری میں اس حد تک چلے گئے ہیں کہ وہ حضرت عمر کو اس جسارت اور گستاخی کرنے اور رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے میں بھی حق بجانب ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کو غلط طور پر چپکاتے ہیں۔گویا کہ جس پر آیت مذکور نازل ہوئی وہ تو اس سے بے خبر تھے اور حضرت عمر کو اس کا علم تھا۔لہذا وہ ایسی جسارت اور گستاخی کرنے پر مجبور تھے۔واقعاً قرآن بھی مظلوم ہے۔اور یہی لوگ جو قرآنی آیت کو اپنا مطلب نکالنے کے لئے غلط طور پر چپکاتے ہیں قرآن کریم پر سب سے زیادہ ظلم کرنے والے ہیں آیئے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ کیا لکھنا چاہتے تھے۔

پیغمبرؐ کیا لکھنا چاہتے تھے؟

حدیث و تاریخ و سیرت کی ہر مستند کتاب میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ کہ پیغمبرؐ نے اپنے آخری وقت میں ایسی تحریر لکھنے کے لئے جس سے امت کبھی گمراہ نہ ہو قلم دوات مانگی تھی۔لیکن حضرت عمر نے نہ دینے دیا چاہے درد کا غلبہ کہا، یا ہذیان کہا ہو،مگر یہ بات واضح طور پر کہی کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہمیں پیغمبر کی ایسی کسی تحریر یا کسی اور دوسری چیز کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔حالانکہ پیغمبرؐ تکمیل دین کی بشارت سے پہلے بھی کئی بار فرما چکے تھے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا۔دوسرے میری عترت اہل بیتؑ۔اگر تم ان سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

پیغمبرؐ نے اپنی رحلت سے چار دن پہلے عجب انداز سے ہدایت کا راستہ اختیار کیا۔ پیغمبر نے یہ کہہ کر کہ میں ایسی تحریر لکھ کر دوں گا جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے اس تحریر کی اہمیت کو واضح کر دیا تھا۔

اب پیغمبرؐ کیا لکھنا چاہتے تھے۔اس بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی گئی ہیں ۔ ہمیں ان تمام قیاس آرائیوں کو یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حتمی طور پر پیغمبر کو وہ تحریر نہیں لکھنے دی گئی جو گمراہی سے بچانے والی اور ہدایت ہی ہدایت تھی تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ وہ بات رہ گئی جو گمراہی سے بچانے والی تھی ؟ ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔اگر ایسا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پیغمبرؐ اپنا ایک فرض منصبی ادا نہ کر سکے، جو ناممکن بات ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جس طرح جنگ تبوک کی روانگی کے وقت پیغمبر کو علم تھا کہ جنگ نہیں ہوگی لیکن پیغمبرؐ تیس ہزار کا لشکر لے کر گئے تا کہ خدا کے حکم کے مطابق جن باتوں کا ظاہر ہونا ضروری ہے وہ ظاہر ہو جائیں۔

اور جس طرح جیش اسامہ کے بارے میں علم تھا کہ میرے حکم شدید کے باوجود یہ لشکر نہیں جائیگا۔لیکن پیغمبرؐ بہ شدت اصرار کرتے رہے تا کہ خدا کے حکم کے مطابق جن باتوں کا ظاہر ہونا ضروری ہے وہ ظاہر ہو جائیں۔

اس طرح وحی الٰہی کی روشنی میں پیغمبرؐ کو یہ علم تھا کہ مجھے قلم و دوات نہیں دیئے دی جائے گی ۔لیکن خدا کے حکم سے پیغمبرؐ نے اس بات کا اعلان کیا تا کہ جس بات کا کھل کر سامنے آنا ضروری تھا وہ سارے عالم کے سامنے کھل جائے اور پیغمبرؐ کے بعد برسر اقتدار آنے والے سخت ترین سنسر شپ کے باوجود اس بات کو نہ چھپا سکیں۔

لہٰذا اس بات میں بھی ہدایت ہی ہدایت ہے جو سارے عالم کے سامنے کھل گئی کہ پیغمبرؐ کی حیات کے آخری ایام میں حضرت عمر پیغمبرؐ کی مخالفت میں بڑی سختی کے ساتھ کھل کر سامنے آگئے تھے اور برملا کہہ دیا تھا کہ قرآن تم نے ہمیں پہنچا دیا ہے اب نہ ہمیں

تمہاری کسی بات کی ضرورت ہے نہ تمہارے اہل بیت کی ضرورت ہے۔ اور پیغمبرؐ قلم و دوات مانگ کر یہی بات کہلوانا چاہتے تھے اور یقیناً پیغمبرؐ کی اس بات میں ہدایت ہی ہدایت ہے اور یہی بات لوگوں کو پیغمبر کی وفات کے بعد گمراہی سے بچانے والی سب سے بڑی بات ہے۔ کیونکہ پیغمبرؐ ساری دنیا کو اس وقت آخر میں یہی دکھانا چاہتے تھے کہ حضرت عمر دنیا کی طلب میں مجھ سے اور میرے اہل بیت سے برگشتہ ہو چکے ہیں اور ان کی میرا صحابی سمجھ کر پیروی کرنا گمراہی کے راستہ پر چلنا ہے۔

حدیث ثقلین بستر بیماری پر

جب پیغمبرؐ کو قلم دوات نہ دی گئی تو پیغمبر نے اصحاب کے سامنے وہ مشہور حدیث پھر دہرائی جو حدیث ثقلین کے نام سے معروف ہے۔

ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں یہ لکھا ہے کہ "حدیث ثقلین بہت کثیر طریق کے ساتھ تقریباً بیس صحابیوں سے مروی ہے۔ پیغمبرؐ نے یہ حدیث حج کے موقع پر میدان عرفات میں بھی بیان کی۔ غدیر خم کے مقام پر بھی بیان کی اور اپنے مرض موت میں بھی بیان کی۔ جبکہ آپ کا حجرہ اصحاب سے بھرا ہوا تھا۔ اور اس کے بعد ابن حجر ان سب مقامات پر اس حدیث کو دہرانے کا سبب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

" ولا تنافي اذ لا مانع من انه كرر عليهم ذالك في تلك المواطن وغيرها اهتماماً لشان الكتاب العزيز والعترة الطاهرة "

البلاغ المبین جلد اول ص 789

بحوالہ صواعق محرقہ باب 11 ص 135,90,89

ترجمہ: یعنی امر واقعہ یہ ہے کہ ان سب موقعوں پر آنحضرتؐ نے اس حدیث کی تکرار کی ہے اور ان کے علاوہ اور دوسرے موقعوں پر بھی تا کہ قرآن شریف اور عترت طاہرہ کی عظمت

لوگوں پر واضح ہو جائے۔

نورالدین علی بن عبداللہ السمہودی نے بھی اپنی کتاب جواہر العقدین میں حدیث ثقلین کو کئی طریقوں سے بیان کیا ہے۔ ہم ان میں سے صرف ایک طریقہ کا بیان یہاں پر نقل کرتے ہیں۔ وہ زید ابن ارقم سے اس طرح روایت کرتے ہیں

" عن زيد بن ارقم رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم . اني تارک فيكم الثقلين ما ان تمسكتم به لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الاخر كتاب الله حبل ممدود من السماء الى الارض وعترتی اهل بيتی ولن يفترقا حتی يردا علی الحوض فانظروا بما تخلفونی فيهما، اخرجه الترمذی فی جامعه " البلاغ المبین جلد اول ص 783 بحوالہ جواہر العقدین سمہودی

ترجمہ: زید ابن ارقم سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ میں تم میں دو بزرگ اور عظیم الشان چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر تم نے ان سے تمسک کیا تو تم کبھی میرے بعد گمراہ نہ ہو گے ان میں سے ہر ایک دوسرے سے عظمت میں بڑھ کر ہے۔ کتاب اللہ جو مضبوط ذریعہ ہے آسمان سے زمین تک۔ اور میری عترت میرے اہل بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ روز قیامت حوض کوثر پر دونوں میرے سامنے آئیں گے۔ پس دیکھو تم ان دونوں کے ساتھ میرے بعد کیسا سلوک کرتے ہو۔ اس حدیث کو ترمذی نے اپنی جامع میں بیان کیا ہے۔

حدیث ثقلین کو 185 مخرجین حدیث نے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ہم سابقہ اوراق میں لکھ آئے ہیں۔ حدیث ثقلین میں دو نکات خاص طور پر قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ پیغمبرؐ قلم و دوات لے کر جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اس کے لئے بھی پیغمبرؐ نے یہی فرمایا تھا کہ " لن تضلوا بعدی "یعنی تم میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے اہل بیت کو قرآن کا قرین قرار دیا ہے۔ یعنی جس طرح قرآن کی پیروی اور اطاعت واجب ہے اسی طرح اہل بیت کی پیروی اور اطاعت واجب ہے۔ اور جس طرح قرآن کی پیروی میں ہدایت ہے اسی طرح اہل بیت کی پیروی میں ہدایت ہے۔ گویا اس طرح سے پیغمبر نے اپنی ہدایت کا فرض پورے طور پر ادا کر دیا اور امت کو گمراہی سے بچانے والی چیزوں کو واضح الفاظ کے ساتھ نشاندہی کر دی۔

حضرت علیؑ کو بلانا اور وصیتیں کرنا

جب آنحضرتؐ کو وہ تحریر نہ لکھنے دی گئی تو آپ نے حدیث ثقلین کے ذریعہ اس چیز کا اعلان کر کے، جس کی پیروی کر کے گمراہی سے بچا جا سکتا ہے، کسی کے ذریعہ علیؑ کو اپنے پاس بلوایا۔ اور ان سے کچھ باتیں کیں جسے تاریخ روضۃ الاحباب نے ان الفاظ میں تحریر کیا ہے۔

"فرمود بخوانید برادر من علی را علی بیامد و ببالین وے نشست، حضرت سر خود را از بستر برداشت امیر در شیب بغل وے در آمده سر مبارک کش را بر بازوے خویش نهاد و آں سرور فرمود اے علی فلاں یهودی پیش من چندیں مبلغ دارد که از وے برائے تجهیز لشکر اسامه قرض گرفته بودم زنهار که وے از ذمه من ادا کنی۔ واے علی تو اول کسے خواهی بود که برلب حوض کوثر بمن رسی و بعد از من بسے امور مکروه بتو خواهند رسید باید که دل تنگ نشوی و طریق مصابرت پیش گیری، و چوں بینی که مردم

دنیا را اختیار کردند تو باید که آخرت را اختیار کنی ''

البلاغ المبین جلد اول ص 264

بحوالہ تاریخ روضۃ الاحباب

ترجمہ: آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بھائی علیؑ کو بلاؤ۔ حضرت علیؑ آئے اور آپ کے سرہانے بیٹھ گئے۔ آنحضرت نے اپنا سر تکیہ سے اٹھایا اور حضرت علیؑ کو اپنی بغل میں لے لیا اور آنحضرتؐ کا سر حضرت علیؑ کے بازو پر تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علی فلاں یہودی سے میں نے تجہیز جیش اسامہ کے لئے کچھ قرض لیا تھا۔ دیکھو ضرور بالضرور اس کو تم میری طرف سے ادا کر دینا۔

اے علی تم پہلے وہ شخص ہو گے جو حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے۔ میرے بعد تم کو بہت سے مصائب اور تکالیف پہنچیں گی تم کو چاہیے کہ تم اس میں دل تنگ نہ ہونا اور صبر کرنا۔ اور جب دیکھو کہ لوگوں نے دنیا اختیار کر لی ہے تو تم آخرت کو اختیار کرنا۔

یہ بات صاف ظاہر ہے کہ لشکر اسامہ حکومت کی طرف سے جا رہا تھا۔ لہذا اس کے قرضے کی ادائیگی آپ کے بعد آپ کے حکمران ہی کی ذمہ داری تھی۔ لیکن چونکہ اصحاب کا حال دیکھ چکے تھے۔ لہذا ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ میرے بعد تم کو بہت سے مصائب اور تکالیف پہنچیں گی تم اس سے دل تنگ نہ ہونا اور صبر کرنا۔

اور پیغمبرؐ کا یہ جملہ تو خاص طور پر قابل غور ہے اور بار بار پڑھنے کے لائق ہے کہ آپ نے علیؑ سے فرمایا: جب تم دیکھو کہ لوگوں نے دنیا اختیار کر لی ہے تو تم آخرت کو اختیار کرنا۔

گویا پیغمبرؐ نے واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ میرے بعد جو کچھ ہونے والا ہے وہ دنیا ہی دنیا ہے۔ اور وہ سب کچھ دنیاوی اقتدار کے لئے کیا جانے والا ہے۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے اپنی وفات کے دن تک امت کی ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور بستر مرگ پر لیٹے ہوئے بھی پیغمبرؐ نے جو بات کی اس میں بھی ہدایت کا نور ہے اور پیغمبر

اکرمؐ کی ایک ایک بات اور ایک ایک کام میں ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

کیونکہ آخری دن تک وحی کا سلسلہ جاری رہا او اس سرچشمہ ہدایت سے وحی الٰہی کی روشنی میں ہدایت کے چشمے پھوٹتے رہے۔ لہذا پیغمبرؐ کی ہر بات میں ہدایت کے متلاشیوں کے لئے ہدایت ہی ہدایت ہے۔ کیونکہ اس طرح سے پیغمبرؐ کے بعد جو کچھ ہوگا پیغمبرؐ نے بیانگ دہل اسے کھول کر ساری امت کو اس سے آگاہ کردیا۔

پیغمبرؐ کی حیات ظاہری کا آخری دن

علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں تاریخ طبری کے ص 13-14 کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

”عین وفات کے دن آپ کی صحت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہوگیا تھا اور حضرت ابوبکر اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔ لیکن حضرت عمر وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرت نے 12 ربیع الاول دو شنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا۔(الفاروق شبلی ص 111)

علامہ شبلی کے اس بیان کا، جو انھوں نے تاریخ طبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے ایک ایک فقرہ قابل غور ہے۔ آپ فرماتے ہیں

نمبر 1: عین وفات کے دن ان کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہوگیا تھا۔

نمبر 2: حضرت ابوبکر اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔

نمبر 3: لیکن حضرت عمر وفات کے وقت تک موجود رہے

نمبر 4: آنحضرت نے 12 ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے

گھر وفات پائی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جب آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا تھا اور حضرت ابو بکر بھی بالکل مطمئن ہو گئے تھے کہ اب پیغمبرؐ بالکل ٹھیک اور بالکل صحت یاب ہو چکے ہیں اور اسی خیال سے وہ اپنے گھر چلے گئے تھے۔ تو پیغمبرؐ دوپہر کے وقت یکا یک کیسے وفات پا گئے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت کے بالکل صحت یاب ہونے کے باوجود حضرت عمر اپنے گھر نہیں گئے بلکہ وفات کے وقت تک وہیں موجود رہے اور تیسرے یہ امر تحقیق طلب ہے کہ پیغمبر نے کس کے گھر میں وفات پائی۔ اور پہلے اسی تیسری بات کی تحقیق پیش کرتے ہیں کہ وہ گھر جس میں پیغمبرؐ نے وفات پائی کس کا تھا۔

وہ گھر کس کا تھا جس میں پیغمبرؐ نے وفات پائی؟

یہ بہت اہم سوال ہے کیونکہ بعض شیعہ علماء کا کہنا یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت فاطمہؑ کے گھر میں وفات پائی اور اکثر سنی علماء کا کہنا یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ کے گھر میں وفات پائی جیسا کہ علامہ شبلی نے الفاروق کے ص 111 پر لکھا ہے کہ "آنحضرت نے 12 ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا"

لیکن صحیح تحقیق سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ گھر حضرت فاطمہؑ کا تھا اور نہ ہی حضرت عائشہ کا۔ بلکہ خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گھر کے مالک تھے۔ البتہ پیغمبرؐ جوائنٹ فیملی کے طور پر نہیں رہتے تھے بلکہ اپنی ازواج کو علیحدہ علیحدہ حجروں میں رکھا ہوا تھا اور ازواج کے درمیان عدل اور مساوات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر زوجہ کے پاس باری باری قیام فرماتے تھے۔ اور شب باشی کرتے تھے۔ اور کوئی زوجہ ان حجروں کی مالک

نہیں تھی اور اس پر سورہ احزاب کی آیت 28 شاہد ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

''یاایھاالنبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحا جمیلا'' (الاحزاب۔28)

اے رسول تم اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش اور زینت کی خواہاں ہو تو ادھر آؤ میں تم کو کچھ ساز و سامان دے کر شائستگی کے ساتھ (طلاق دے کر) تمہیں رخصت کر دوں۔

یہ آیت علامہ شبلی اور دوسرے تمام علماء کے نزدیک اس وقت نازل ہوئی جب خیبر کی فتح کے بعد ازواج نے نان و نفقہ میں وسعت و اضافہ اور کشادگی کے لئے تنگ طلبی کی۔

لہذا پیغمبر نے کہا کہ اگر تم آخرت کی طالب ہو تو ہمارے پاس تو بس یہی ہے۔ اگر تم زندگانی دنیا اور اس کا عیش و آرام چاہتی ہو تو میں تمہیں اچھے طریقے سے شائستہ طور پر طلاق دے کر رخصت کر دیتا ہوں۔

اس سے ثابت ہوا کہ تمام ہی ازواج پیغمبر کے پاس زوجہ کی حیثیت سے مقیم تھیں اور پیغمبرؐ نے انھیں علیحدہ علیحدہ حجروں میں رکھا ہوا تھا اور ان حجروں کے مالک خود پیغمبر اکرم صلعم تھے۔ اور حضرت عائشہ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کی طرح کوئی ہبہ نامہ بھی پیش نہ کیا جہاں تک ورثا کا تعلق ہے تو خود حضرت عائشہ اور ان کے والد بزرگوار نے پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر کے یہ حدیث حضرت فاطمہ کو ان کے ورثہ سے محروم کرنے کے لئے بنائی تھی کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیاء نہ تو کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہی ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے۔ لہذا حضرت عائشہ ورثہ کی حقدار نہیں بنتیں۔ البتہ قرآن نے جہاں اولاد کا ورثہ بیان کیا ہے وہاں ازواج کا ورثہ بھی بیان کیا ہے جو تمام ازواج کے لئے آٹھواں حصہ ہے اسی لئے جب امام حسن علیہ السلام نے شہادت پائی اور بنی ہاشم وصیت کے مطابق روضہ رسول میں دفن کرنے کے لئے لے چلے تو حضرت عائشہ خچر پر سوار ہو کر روکنے کے لئے آ گئیں اور

مروان نے فرزند رسول کے جنازے پر تیر برسائے اسی لئے عبداللہ ابن عباس نے کہا تھا کہ

تجملت لبغلت ولو عشت تفیلت لک التسع من الثمن فی کل تصرفت

یعنی اے محترمہ تم کل تو اونٹ پر سوار ہو کر آئی تھیں آج خچر پر سوار ہو کر آئی ہو اور اگر تم کچھ اور زندہ رہیں تو تم ہاتھی پر بھی سوار ہو کر آؤ گی۔ تمہارا آٹھویں حصہ میں سے نواں حصہ بنتا ہے مگر تم سارے پر ہی قابض ہو گئی ہو۔

اس شعر میں عبداللہ بن عباس نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ازواج کا ورثہ آٹھواں حصہ ہوتا ہے۔ اور نو ازواج جو پیغمبرؐ نے پیچھے چھوڑیں ان سب کا بہتر واں حصہ بنتا ہے اور باقی اولاد میں سے دوسرے ورثا کا تھا۔ مگر اقتدار میں آکر ہر چیز پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ اور خود اپنی مرضی سے پیغمبرؐ کے ملکیتی مکان کو حضرت عائشہ کا گھر کہنا شروع کر دیا۔ لیکن آنحضرت اپنے آخری ایام میں بیماری کے سبب اسی مکان میں رہائش پذیر رہے جس میں آپ بیمار ہوئے تھے۔ اور دوسری ازواج نے اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ آنحضرت صحت یاب ہونے تک یہیں آرام فرمائیں۔ پس اس گھر کے مالک خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ تھے نہ کہ حضرت عائشہ اور آنحضرت نے اس میں دفن ہو کر اپنا مالکانہ قبضہ بحال رکھا۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ آپ اپنی بیماری کے ایام میں وفات کے دن تک اسی مکان میں رہے جس میں حضرت عائشہ کو رکھا ہوا تھا۔ لہذا اس بات کو کہ آنحضرتؐ نے کیسے وفات پائی حضرت عائشہ ہی صحیح طور پر بیان کر سکتی ہیں۔

آخری دن کی واردات

پیغمبر اکرم صلعم نے کیسے وفات پائی اس کو حضرت عائشہ نے اپنے والد بزرگوار حضرت ابوبکر کی آمد پر خود ان سے جس طرح سے بیان کیا ہے اسے صحیح بخاری میں حضرت عائشہ کی زبانی چار مقامات پر مختلف عنوانات کے تحت نقل کیا گیا ہے۔ ہم اس کی روایت کی

اصل عبارت کو صحیح بخاری معترجمہ جلد سوم باب 416، الدو دٗ ص 276 حدیث نمبر 665 سے نقل کرتے ہیں

نمبر 1: ان ابا بکر رضی اللہ عنه قبل النبی صلی اللہ علیه وسلم و هو میت. قال و قالت عائشه لدونا ه فی مرضه فجعل یشیر الینا ان لا تلدونی فقلنا کراهیة المریض للدواء فلما افاق قال الم انهکم ان لا تلدونی قلنا کراهیة المریض للدواء فقال ما یبقی فی البیت احد الا لدوا انا انظر الا العباس فانه لم یشهد"

صحیح بخاری مترجم مطبع سعیدی جلد سوم باب 416 "اللدود" ص 276 حدیث 665

ترجمہ: حضرت ابوبکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ لیا جبکہ آپ وفات پا چکے تھے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ ہم نے آپ کی بیماری میں آپ کے منہ میں دوا ڈالی۔ آپ اشارے سے ہم لوگوں کو منع فرمانے لگے کہ میرے منہ میں دوا نہ ڈالو۔ ہم نے سمجھا کہ مریض دوا کو برا سمجھتا ہی ہے چنانچہ دوا ڈالدی۔ جب افاقہ ہوا تو آپ فرمانے لگے کیا میں نے تم کو منہ میں دوا ڈالنے سے منع نہ کیا تھا۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم تو معمولی مریضوں جیسی کراہیت سمجھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ گھر میں کوئی شخص میرے سامنے وہ دوا پلائے جانے سے نہ بچ سکے گا سوائے عباس کے کہ وہ اس میں شریک نہ تھے۔

نمبر 2: یہی حدیث دوسرے مقام پر صحیح بخاری مترجم مطبع سعیدی جلد دو ص 704 حدیث نمبر 1576 پر بھی درج ہے۔

نمبر 3: یہی حدیث صحیح بخاری مترجم مطبع سعیدی جلد سوم باب 1009 حدیث 1780 ص 659 میں تیسرے مقام پر درج ہے جس کا عنوان یہ ہے۔

" القصاص بین الرجال و النساء فی الجراحات "

یعنی مردوں اور عورتوں میں جراحات سے متعلق قصاص کے بارے میں

نمبر 4: اور یہی حدیث مذکورہ صحیح بخاری مترجم مطبع سعیدی جلد سوم باب 1016 ص 662 حدیث نمبر 1790 پر بھی درج ہے جس کا عنوان یہ ہے

" اذا اصاب قوم من رجال هل يعاقب او يقصص منهم كلهم "

جب چند لوگ ایک شخص کو قتل کر دیں تو کیا ان سب سے بدلہ یا قصاص لیا جائیگا۔

اس روایت سے جو صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے چار مقام پر روایت ہوئی ہے کئی باتوں کا صحیح صحیح علم ہوتا ہے

نمبر 1: پہلی بات جو اس روایت سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ بیان اس وقت دیا جب حضرت ابو بکر آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد گھر سے تشریف لائے اور آپ کو بوسہ دیا جبکہ آپ وفات پا چکے تھے ۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

" ان ابا بكر رضي الله عنه قبل النبي صلى الله عليه وسلم وهو ميت "

حضرت ابو بکر نے آپ کے چہرہ مبارک کا بوسہ لیا جبکہ آپ وفات پا چکے تھے۔

حالانکہ حضرت ابو بکر صبح کے وقت بالکل مطمئن ہو کر گئے تھے کہ آنحضرت اب بالکل صحت یاب ہو چکے ہیں۔

نمبر 2: دوسری بات یہ ہے کہ پیغمبر کو وہ دوا پینے کے لئے پیش نہیں کی گئی جبکہ آپ صحت یاب ہو چکے تھے اور حضرت ابو بکر مطمئن ہو کر چلے گئے تھے۔ بلکہ زبردستی منہ میں ڈالی گئی تھی اور کسی ایک نے نہیں بلکہ کئی مردوں اور عورتوں نے مل کر ڈالی تھی یہ بات ''لددناہ'' سے ثابت ہے

نمبر 3: تیسری بات یہ ہے کہ زبردستی بھی بلا مزاحمت کے نہیں ڈالی بلکہ پیغمبرؐ روکتے رہے منع کرتے رہے اور اشاروں سے کہتے رہے مگر پھر بھی پیغمبر اکرمؐ کے منہ میں وہ دوا انڈیل ہی دی یہ بات: فجعل يشير الينا ان لا تلدونی'' سے ثابت ہے۔یعنی پیغمبر اشاروں سے ہمیں روکتے رہے کہ میرے منہ میں یہ دوا نہ ڈالو۔

''يشير االينا ''میں ''الينا ''جمع کا صیغہ ہے اور ''لا تلدونی '' بھی جمع کا

صیغہ ہے یعنی کئی افراد نے پیغمبرؐ کو مل کر ڈھایا ہوا تھا اور زبردستی ان کے حلق میں دوا انڈیل رہے تھے اور پیغمبر صحت یاب ہو جانے کے باوجود منہ سے کچھ بول نہ سکتے تھے بلکہ اشاروں سے منع کر رہے تھے اور پیغمبرؐ کی مزاحمت کے باوجود انھوں نے اس دوا کو پیغمبرؐ کے منہ میں انڈیل ہی دیا۔

نمبر 4: چوتھی بات یہ ہے کہ جو اس روایت سے ثابت ہے کہ جب انھوں نے پیغمبرؐ کو چھوڑا تو آپ نے فرمایا۔ جب آپ کچھ سنبھلے تو آپ نے فرمایا" کہ کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ تم مجھے یہ دوا نہ پلاؤ یہ بات پیغمبرؐ کے ان الفاظ سے ثابت ہے " الم انھکم ان لا تلدونی "، پیغمبر کے اس ارشاد میں انھکم بھی جمع کا صیغہ ہے۔ اور لا تلدونی بھی جمع کا صیغہ ہے یعنی جو لوگ مل کر وہ دوا پیغمبرؐ کے حلق میں انڈیل رہے تھے اور جنھیں پیغمبرؐ منع کر رہے تھے وہ کئی افراد تھے۔

حالانکہ آنحضرت آخری دن اتنے سنبھل گئے تھے کہ آپ کی صحت کا گمان ہو گیا تھا اور حضرت ابو بکر بھی بالکل مطمئن ہو کر اپنے گھر چلے گئے تھے۔ اس حالت میں اگر دوا پلانی ہی تھی تو حضرت عائشہ خود حضرت کی خدمت میں پیش کر کے فرماتیں کہ لیجیے دوا پی لیجیے۔

نمبر 5: پانچویں بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ جواب دیا کہ مریض تو دوا پینے سے کراھیت کرتا ہی ہے اس لئے زبردستی دوا پلائی گئی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم تقریباً دس یا تیرہ دن سے بیمار چلے آ رہے تھے کیا اس بیماری کی حالت میں پیغمبرؐ کو کبھی کوئی دوا پلائی گئی؟ یا نہیں پلائی گئی۔ اگر پیغمبر کو دوا پینے سے کراھت ہوتی تو ان تیرہ دنوں میں بھی اگر پیغمبر کو دوا پینے کے لئے دی جاتی تو پیغمبر اس وقت بھی کراہت کا مظاہرہ ضرور کرتے اور اس کا بھی کہیں ذکر ہوتا۔ اور اگر بیماری کی حالت میں دوا نہیں پلائی گئی تو اب صحت یاب ہونے کے بعد زبردستی کیوں پلائی گئی؟ اور منع کرتے رہنے کے باوجود زبردستی حلق میں کیوں انڈیلی؟

نمبر 6: چھٹی بات عجیب وغریب ہے یعنی پیغمبرؐ نے فرمایا کہ گھر میں کوئی باقی نہ رہے سب کو وہی دوا پلاؤ جو مجھے زبردستی پلائی گئی ہے سوائے عباس کے جو اس وقت موجود نہیں تھے۔

یہ بات عجیب وغریب اس لئے کہ پیغمبر اکرمؐ نبی، رسول، امام اور خاتم الانبیاء جیسا عظیم انسان تو رہا ایک طرف کوئی معمولی سے معمولی انسان بھی ایسی بات نہیں کرسکتا کہ اس کی بیماری کی حالت میں اس کے عزیز واقربا اور تیماردار تو اسے بیماری کی حالت میں دوا پینے کے لئے دیں اور وہ یہ کہے کہ جن لوگوں نے مجھے دوا پلائی ہے انہیں بھی وہی دوا پلائی جائے

ہمیں تو کوئی ضدی سے ضدی اور نا سمجھ سے نا سمجھ بچہ بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا جسے زبردستی بھی دوا پلائی جائے تو وہ یہ کہے کہ جنہوں نے مجھے یہ دوا پلائی ہے انھیں بھی وہی دوا پلائی جائے۔

اور اس روایت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ پیغمبر کے یہ کہنے پر کسی کو بھی وہ دوا پلائی گئی ہو۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ اپنی اس بات کے ذریعہ دنیا جہان کے انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دے رہے تھے کہ مجھے جو چیز دوا کے نام سے زبردستی پلائی گئی تھی وہ دوا نہیں تھی بلکہ کوئی اور چیز تھی جسے میرے کہنے کے باوجود کسی نے نہ پیا۔ جبکہ روایت کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں کہ پیغمبرؐ کو وہ دوا پینے کے لئے پیش نہیں کی گئی بلکہ کچھ لوگوں نے مل کر زبردستی پیغمبرؐ کے منہ میں انڈیلی تھی۔

نمبر 7: ساتویں بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ "وانا انظر" یعنی میں دیکھتا ہوں کہ تم وہی دوا پیتے ہو یا نہیں۔

اگر پیغمبر کے کہنے پر وہ دوا سب کو پلائی گئی ہوتی تو ضرور حضرت عائشہ اس کو بھی بیان فرماتیں کہ پھر ہم سب نے پیغمبرؐ کی نظروں کے سامنے اس دوا کو پی کر دکھایا۔

نمبر 8: آٹھویں بات یہ ہے کہ پیغمبر صلعم نے "الا العباس فانہ لم یشھد" کہہ کر یہ بتلا دیا کہ

چونکہ حضرت عباس اس جرم میں شریک نہیں تھے لہذا یہ سزا انھیں نہیں دی جاسکتی۔

''الا العباس فانہ لم یشھد'' کے الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت ابو بکر آنحضرت کی حالت دیکھ کر اور مطمئن ہو کر چلے گئے تھے اسی طرح حضرت عباس اور بنی ہاشم کے دوسرے افراد اور اہل بیت پیغمبر بھی کچھ دیر کے لئے مطمئن ہو کر چلے گئے تھے۔ حضرت عباس اس وقت لوٹے جب گھر میں موجود افراد آنحضرتؐ کو وہ دوا پلا چکے تھے اور اہل بیت پیغمبر اس وقت واپس آئے جب آنحضرت حالت احتضار میں تھے اس عرصہ میں گھر پر موجود افراد کا داؤ چل گیا اور انہوں نے موقع کو غنیمت جان کر زبردستی پیغمبرؐ کے حلق میں وہ دوا انڈیل دی۔

نمبر 9: نویں بات قضا و قدر کا وہ کارنامہ ہے جس میں اس نے امام بخاری سے صحیح بخاری میں اس حدیث کا ایک عنوان یہ لکھوادیا کہ:

" القصاص بین الرجال و النساء فی الجراحات "

''یعنی مردوں اور عورتوں میں جراحات سے متعلق قصاص کے بارے میں''۔

اور ایک عنوان یہ لکھوادیا

" اذا اصاب قوم عن رجال ھل یعاقب او یقتص منھم کلھم ''

یعنی جب کسی کو کچھ لوگوں کی طرف سے کوئی زخم پہنچے یا وہ اسے قتل کردیں تو کیا ان سب کو سزا دی جائے۔ اور سب سے ہی بدلہ اور قصاص لیا جائے گا۔

صحیح بخاری مترجم مطبع سعیدی بابت 1016 ص 662

حدیث نمبر 1790

نمبر 10: اور دسویں بات یہ ہے کہ اس واردات کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔ جبکہ حضرت عمر وہیں پر موجود تھے اور دوا پلانے والوں کے ساتھ شریک تھے۔" انا للہ و انا الیہ راجعون "

اس روایت میں تبدیلی اور اس کے اسباب

پیغمبرؐ کو دوا پلانے کی یہ روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے اور صحیح بخاری میں چار مقامات پر مختلف عنوانات کے تحت درج ہے۔ جن کے حوالے ہم نے اوپر درج کر دیئے ہیں اور یہ اس روایت کا اولین اور مستند ماخذ ہے۔اور خود دوا پلانے والی ایک ہستی اس کو بیان کر رہی ہے۔

لیکن یہ روایت ایسی نہ تھی کہ جس کو دیکھ کر ہر صاحب عقل و شعور شش و پنج میں مبتلا نہ ہو اور اسے اس بارے میں کوئی تشویش لاحق نہ ہو اور اسے پڑھ کر پہلی نظر میں اسے دال میں کچھ کالا کالا نظر نہ آئے۔

لہذا بعد میں آنے والے مورخین اور سیرۃ نگاروں نے اس میں مختلف تبدیلیاں کیں۔افراد کے نام بدلے مرض کا نام بدلا، نسخہ تجویز کرنے والے بتائے گئے اور دوا پلانے کی بجائے کان میں ڈالنا بتایا گیا۔مگر غور کرنے والوں کو صاف نظر آجاتا ہے کہ یہ گھڑا ہوا جھوٹ ہے اور اصل روایت وہی ہے جو دوا پلانے سے متعلق حضرت عائشہ سے صحیح بخاری میں مروی ہے۔ہم مثال کے طور پر سیرۃ ابن ہشام مترجم اردو سے اس گھڑی ہوئی اور تبدیل شدہ روایت کو نمونہ کے طور پر یہاں پر نقل کرتے ہیں

سیرۃ ابن ہشام میں ''درد کی شدت اور آپ کے کان میں دوائی ڈالنے'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:۔

''پھر آپ منبر سے اتر کر اپنے حجرے میں داخل ہوئے، درد کی اس قدر شدت ہوئی کہ آپ کو غش آگیا۔اور آپ کی سب ازواج اور مسلمانوں کی عورتیں جن میں اسماء بنت عمیس بھی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئی اور حضرت عباس بھی موجود تھے۔ پس حضرت عباس کی اور سب حاضرین کی یہ رائے قرار پائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

کان میں دوا ڈالیں ۔چنانچہ ڈال دی گئی ۔ سیرۃ ابن ہشام مترجم اردو ص 699

اس روایت کی یہ بات خاص طور پر ذہن میں رہے کہ اس میں اور باتوں کے علاوہ یہ کہا گیا ہے کہ:

حضرت عباس بھی موجود تھے پس حضرت عباس کی اور سب حاضرین کی یہ رائے قرار پائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں دوا ڈالیں چنانچہ ڈال دی گئی ۔

یعنی حضرت عباس موجود بھی تھے اور اس کام میں شریک بھی تھے ۔اس کے بعد ''سب گھر والوں کے کان میں دوائی ڈالنے کا حکم'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش آیا تو دریافت فرمایا کہ یہ کاروائی کس نے کی ہے سب نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دوا آپ کے چچا عباس نے ڈالی ہے اور یہ دوا مہاجرات عورتیں ملک حبش سے لائی تھیں ۔حضور نے فرمایا ۔یہ حرکت تم نے کیوں کی ۔عباس نے عرض کیا، یارسول اللہ ہم کو خیال ہوا کہ حضور کو شاید ذات الجنب ہے ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایسا مرض ہے کہ خدا مجھ کو اس مرض سے تندرست نہ کرے گا ۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس وقت گھر میں جس قدر لوگ موجود ہیں سوائے میرے چچا کے سب کے کانوں میں یہ دوا ڈالی جائے ۔چنانچہ میمونہ جو اس روز روزہ دار تھیں ان کے کان میں بھی دوائی ڈالی گئی ۔ سیرۃ ابن ہشام مترم اردو ص 700

اس روایت میں چند باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں

نمبر 1: پیغمبر کے یہ پوچھنے پر کہ یہ کاروائی کس نے کی سب نے عرض کیا یہ دوا آپ کے چچا عباس نے ڈالی ہے ۔

نمبر 2: حضور نے فرمایا، یہ حرکت تم نے کیوں کی عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو خیال ہوا کہ آپ کو شاید ذات الجنب ہے ۔

نمبر 3: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس وقت گھر میں جس قدر لوگ موجود ہیں

سوائے میرے چچا کے سب کے کانوں میں وہی دوا ڈالی جائے۔

نمبر 4: حضرت میمونہ جو اس روز روزہ دار تھیں ان کے کان میں بھی دوا ڈالی گئی۔

معلوم نہیں اس گھڑی ہوئی روایت کی کس کس بات پر تعجب کیا جائے جو حضرت عائشہ سے مروی روایت کی طرف سے دھیان ہٹانے کے لئے گھڑی گئی ہے۔ اس علاج پر تعجب کیا جائے یا اس طرز علاج پر تعجب کیا جائے۔ اس تشخیص پر تعجب کیا جائے یا گنہگار کو چھوڑ کر بے گناہوں کو سزا دینے پر تعجب کیا جائے۔

پیغمبرؐ کو غش آیا منبر سے اترنے کے بعد۔ تشخیص یہ ہوئی کہ یہ ذات الجنب ہے اور دوائی ڈالی گئی کان میں اور وہ دوا مہاجرات عورتیں ملک حبش سے لائی تھیں اور دوا ڈالی آپ کے چچا عباس نے۔ لیکن پیغمبرؐ کے حکم سے گھر میں جتنے افراد موجود تھے ان سب کے کانوں میں دوا ڈالی گئی حتیٰ کہ بیچاری میمونہ جو روزہ سے تھیں انھیں بھی نہیں بخشا گیا۔ مگر حضرت عباس کے کانوں میں دوا نہ ڈالی گئی۔ انھیں چھوڑ دیا جنھوں نے اصل جرم کیا تھا۔ اور پیغمبر کے کانوں میں دوا ڈالی تھی۔

اس راوی کو چاہیے تھا کہ اس روایت کے گھڑتے وقت یا تو حضرت عائشہ کی روایت کی کم از کم یہ بات قائم رکھتا کہ حضرت عباس اس وقت موجود نہیں تھے اور یہی وجہ بتلا کر پیغمبرؐ نے انھیں مستثنےٰ کیا یا پھر انھیں مستثنےٰ نہ کرتا اور دو قطرے ان کے کانوں میں بھی ڈلوا دیتا۔ کیونکہ حضرت عائشہ والی روایت میں پیغمبرؐ نے واضح طور پر یہ کہا تھا کہ وہ اس کارروائی کے وقت موجود نہیں تھے اس لئے پیغمبرؐ نے انھیں مستثنےٰ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ مگر یہاں تو مستثنےٰ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں تھی وہ اس روایت کی رو سے موجود بھی تھے، دوا بھی انھوں نے ہی ڈالی تھی۔ لہذا انصاف تو یہ تھا کہ صرف انہیں کے کان میں دوا ڈلوائی جاتی۔

اگرچہ یہ بات کسی بھی معقول انسان کے لئے قابل تسلیم نہیں ہے کہ اس کے ہمدرد اور تیماردار تو اس کی ہمدردی میں دوا پلائیں یا کان میں ڈالیں یا حلق میں انڈیلیں اور وہ

یہ کہے کہ جنھوں نے دوا پلائی ہے یا کان میں ڈالی ہے ۔ان سب کو وہی دوا پلاؤ ان سب کے کان میں بھی وہی دوا ڈالو ۔عظمت ناموس رسالت کا یہ حلیہ پیغمبرؐ کے بعد برسر اقتدار آنے والوں کو بچانے کے لئے بگاڑا گیا ہے اور غیروں کو عظمت ناموس رسالت کے خلاف جتنا مواد مہیا کیا گیا ہے وہ سب مسلمانوں نے اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔

آنحضرت کی وفات کا حال

آخر وہ وقت قریب آ گیا جب ساری دنیا میں ہدایت کا نور چمکانے والا اپنے رفیق اعلےٰ کے پاس سدھارنے کی تیاری کر رہا تھا کہ حضرت پر موت کی غشی طاری ہوگئی ۔

علامہ ابن شہر آشوب اپنی کتاب مناقب میں لکھتے ہیں:

''امام حسن اور امام حسین کو جب حضرت کے غش میں ہونے کی خبر ملی تو رونے چلانے لگے اور بے تابی کے ساتھ رسول اللہ سے لپٹ گئے ۔حضرت علی نے چاہا کہ ان کو ہٹا دیں تو حضرت نے آنکھیں کھول کر فرمایا ۔اے علی انھیں رہنے دو تا کہ میں ان کی بو سونگھوں یہ میرے لئے ذریعہ راحت ہیں میں ان کے لئے ....

حضرت پر پھر غشی طاری ہوگئی حضرت فاطمہؑ رونے لگیں جب غش سے آنکھ کھلی تو فرمایا ۔اے فاطمہ میرے قریب آؤ پھر آپ نے کوئی بات ایسی ان سے کہی کہ ان کے چہرے سے خوشی محسوس ہوئی۔ مجمع الفضائل ترجمہ مناقب ابن شہر آشوب ص 117

اور علامہ سلیمان ندوی اپنی کتاب سیرت عائشہ صدیقہ میں حضرت عائشہ کی زبانی یوں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک دن ہم سب بیویاں آپ کے پاس تھیں کہ فاطمہ سامنے سے آئیں ۔بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چال تھی ۔ذرا بھی فرق نہ تھا آپ نے بڑے تپاک سے بلا کر پاس بٹھالیا پھر چپکے چپکے ان کے کان میں کچھ کہا۔وہ رونے لگیں۔

ان کی بے قراری دیکھ کر آپ نے پھر ان کے کان میں کچھ کہا وہ ہنسنے لگیں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا" فاطمہ تمام بیویوں کو چھوڑ کر صرف تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے راز کی باتیں کہتے ہیں۔اور تم روتی ہو آپ جب اٹھ گئے تو میں نے واقعہ دریافت کیا بولیں میں اپنے باپ کا راز فاش نہیں کروں گی۔جب آپ کا انتقال ہو گیا تو میں نے دوبارہ کہا فاطمہ میرا جو تم پر حق ہے اس کا واسطہ دیتی ہوں اس دن کی بات مجھ سے کہہ دو انھوں نے کہا ہاں اب ممکن ہے۔میرے رونے کا سبب یہ تھا کہ آپ نے اپنی جلد وفات کی اطلاع دی تھی ہنسنے کا باعث یہ تھا کہ آپ نے فرمایا" فاطمہ کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہو" (سیرۃ عائشہ صدیقہ ص 83)

(بحوالہ صحیح مسلم باب الفضائل۔و۔صحیح بخاری باب من ناجی بین ایدی الناس)

اور علامہ ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب مناقب میں آنحضرت کی وفات کا حال اس طرح لکھا ہے۔

"اور یہ بھی مروی ہے کہ جبرائیل نے آنحضرتؐ سے کہا کہ ملک الموت آپ تک آنے کے لئے اذن چاہتے ہیں۔حالانکہ انھوں نے آپ سے پہلے کسی نبی سے اذن نہیں چاہا۔اور نہ آپ کے بعد ایسا ہو گا۔حضرت نے اجازت دی تو وہ داخل ہوئے اور سلام کیا اور کہا۔اے احمدؐ خدا نے آپ کے پاس مجھے بھیجا ہے تاکہ میں آپ کی اطاعت کروں۔آیا میں قبض روح کروں یا واپس جاؤں۔فرمایا قبض کر لو۔

ابن شہر آشوب نے سنن ابن ماجہ اور مسند ابو یعلی کے حوالے سے پیغمبرؐ کی رحلت پر حضرت فاطمہؑ کے بین بھی لکھے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

"ابو عبداللہ ماجہ نے سنن میں۔ابو یعلی موصلی نے مسند میں لکھا ہے کہ انس نے بیان کیا کہ فاطمہ علیہا السلام رو رو کر کہتی تھیں۔بابا جان جبرائیل نے ہمیں سنائی سنادی ہے۔اے پدر بزرگوار۔خدا کے سب سے زیادہ قریب۔اے بابا جان اے جنت الفردوس کے

ساکن۔ اے وہ باپ جن کی دعا کو اللہ قبول کرتا ہے

(مجمع الفضائل ترجمہ مناقب ابن شہر آشوب ص 118)

بحوالہ سنن ابن ماجہ و مسند ابو یعلی

پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت عمر کا پہلا کام

اہل بیت پر غم کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ پیغمبر کے جسد اطہر کے پاس بیٹھے ہوئے غم سے نڈھال تھے۔ لیکن پیغمبر کے اصحاب پیغمبر کے انتقال ہوتے ہی اقتدار پر قبضہ کرنے کی جدو جہد میں مصروف ہو گئے۔

جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں کہ علامہ شبلی نے تاریخ طبری کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر وفات کے وقت تک حضرت عائشہ کے گھر میں ہی موجود رہے لہذا آپ کی وفات کا علم سب سے پہلے حضرت عمر کو ہی ہوا۔ اور وہ آنحضرت کے انتقال کے فوراً بعد اپنے حلیف و ہم عہد ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس پہنچے اور فرمایا۔ اپنا ہاتھ پھیلاؤ کہ میں تمہاری بیعت کروں۔

اس واقعہ کو ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں اس طرح لکھا ہے

" قال لما قبض رسول الله صلعم الی عمر ابا عبیده بن الجراح فقال ابسط یدک فلا بایعک فانک امین هذا لامة علی لسان رسول الله فقال ابو عبیده لعمر ما رایت لک فهة قبلها منذ اسلمت اتبایعنی و فیکم الصدیق و ثانی اثنین " ابن سعد طبقات الکبریٰ ق۔ 1 جلد 3 ص 128-129

رسول خدا کے رحلت فرماتے ہی حضرت عمر ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس آئے اور کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کروں کیونکہ تم اس امت کے امین ہو جیسا کہ

رسول خدا نے فرمایا ہے ۔ابوعبیدہ نے کہا کہ جب سے تم اسلام لائے ہو میں نے اس کے قبل تم کو مذاق کرتے نہیں دیکھا تم میری بیعت کرو گے درآنحالیکہ تمہارے درمیان صدیق اور دو میں کا دوسرا ہے۔

آنحضرت کے رحلت فرمانے کے فوراً بعد کا واقعہ ہے ۔لیکن چونکہ حضرت ابو بکر اس خیال سے کہ پیغمبر اب بالکل صحت یاب ہو گئے ہیں مدینہ سے باہر دو میل کے فاصلہ پر اپنے گھر چلے گئے تھے اور حضرت عمر وفات کے وقت تک وہیں موجود تھے لہذا انھوں نے فوری کاروائی کے طور پر مناسب یہی سمجھا کہ حضرت ابو بکر تو معلوم نہیں کب تک آئیں گے کہیں کام بگڑ ہی نہ جائے اور افشائے راز کے بعد خانہ کعبہ میں بیٹھ کر کیا ہوا معاہدہ دھرا کا دھرا ہی نہ رہ جائے لہذا اس وقت فوری طور پر اپنے حلیفوں میں سے ایک ابوعبیدہ بن الجراح کی بیعت کر کے ان کی خلافت کا اعلان کر دیا جائے ۔اس سے یہ بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کعبہ کے اندر بیٹھ کر معاہدہ کرنے والے ان حضرات نے یہ عہد کیا ہوا تھا کہ وہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد فوری طور پر حکومت پر قبضہ کر لیں گے اور پھر یکے بعد دیگرے حکومت کریں گے ۔لیکن شاید یہ طے نہیں ہوا تھا کہ پہلے کون بنے گا ۔یا شاید ہر ایک اس بات سے ڈرتا تھا کہ ہنگامی حالات میں کیا سے کیا ہو جائے ۔چنانچہ اسی وجہ سے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر کے یہ کہنے پر کہ:

"و قد رضیت لکم احد لھذین الرجلین فبایعوا الیھم شیتم فاخذہ بیدی و بید ابی عبیدہ بن الجراح و ھو جالس بیننا"

یعنی میں نے تمہارے لئے ان دونوں آدمیوں سے ایک کو اس امر کے لئے پسند کیا ہے ۔ان میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو اس کے بعد ابو بکر نے میرا اور ابوعبیدہ کا ہاتھ پکڑا اور ابو بکر ہم دونوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت ابو بکر کی اس بات سے حضرت عمر نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''فلم اکرہ مما قال غیرھا ، کان واللہ ان اقدم فتضرب عنقی''

البلاغ المبین جلد دو ص 100

بحوالہ صحیح بخاری باب رجم الحبلی عن الزنا

از الصحیت الجزء الرابع ص 119-120

یعنی جو گفتگو ابو بکر نے کی تھی اس سب کو میں نے پسند کیا سوائے اس ایک بات کے کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں آگے کیا جاؤں اور میری گردن ماری جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ تینوں معاہد اصحاب میں سے ہر ایک دوسرے کو پہلے لانے کی کوشش کرتا تھا۔

جب پیغمبر کی رحلت کے عین بعد حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس جا کر یہ کہا کہ ''اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کروں'' تو حضرت ابو عبیدہ نے اس سے اتفاق نہ کیا اور حضرت عمر کے سامنے حضرت ابو بکر کا نام لے کر اس بات کا اشارہ دے دیا کہ پہلے نمبر پر حضرت ابو بکر بہتر رہیں گے اور ان کے بعد پھر ہم یکے بعد دیگرے حکومت سنبھال لیں گے

اور واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں حضرت ابو بکر نے تو اپنے وقت آخر میں مہاجرین وانصار کی مخالفت کے باوجود حضرت عمر کو اپنی جگہ وصیت کر کے خلیفہ بنا ہی دیا تھا۔ اگر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح زندہ رہتے تو حسب معاہدہ تیسرے نمبر پر وہی خلیفہ ہوتے جیسا کہ عمر نے فرمایا تھا کہ:

''ان ادرکنی اجلی و ابو عبیدہ حی استخلفتہ''

سیرۃ امیر المومنین ص 375

بحوالہ تاریخ الاسلام ذہبی جلد 2 ص 23

یعنی اگر میرے آخر وقت تک ابو عبیدہ زندہ رہے تو میں انہیں خلیفہ مقرر کروں گا۔

اور اس بات کا اعادہ حضرت عمر نے اپنے آخری وقت میں بھی کیا جیسا کہ تاریخ

طبری میں آیا ہے کہ:

" ان عمر بن الخطاب لما طعن قیل له یا امیر المومنین لو استخلفت قال من استخلف لو کان ابو عبیده بن الجراح حیاً استخلفته "
الخ۔ البلاغ المبین بحوالہ تاریخ طبری
الجزء الخامس ص 35

یعنی جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو ان سے لوگوں نے کہا امیر المومنین آپ اپنا جانشین مقرر کر دیں انھوں نے کہا کس کو خلیفہ مقرر کروں ۔ اگر آج ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا۔

اکثر معتبر تاریخوں مثل تاریخ طبری ، تاریخ خمیس ، تاریخ کامل اور تاریخ ابن خلدون میں یہ بھی آیا ہے کہ لوگوں کے کہنے پر حضرت عمر نے ابوعبیدہ بن الجراح کے بارے میں کہنے کے بعد اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا خلیفہ بناتا ۔ یہ بھی فرمایا کہ یا اگر معاذ ابن جبل زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا خلیفہ بناتا اگر سالم مولی حذیفہ زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا خلیفہ بناتا ۔ حالانکہ معاذ ابن جبل انصاری تھے اور قبیلہ بنی اوس سے تعلق رکھتے تھے اور سالم مولی حذیفہ حضرت حذیفہ کے آزاد کردہ غلام تھے ۔ جبکہ پیغمبرؐ نے یہ فرمایا تھا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے اور وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے یہ بات سلیم بن قیس ھلالی عامری کوفی کی اس روایت کی تائید کرتی ہے کہ افشائے راز کے بعد ان پانچوں حضرات نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر یہ عہد کیا کہ حکومت کو حضرت علیؑ کے پاس نہ جانے دیں گے ۔ اور نبوت و حکومت کو ایک ہی خاندان میں نہیں ہونے دیں گے۔

اگر چہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حکومت اور اقتدار و سلطنت کے سوا اور کوئی بات نہیں تھی لیکن اہل سنت کے علماء اور دانشوروں نے پیغمبرؐ کے بعد برسر اقتدار آنے والوں کو مذہبی درجہ بھی دے دیا اور انہیں پیغمبر سے بھی زیادہ سمجھنے لگے ۔ چنانچہ وہ پیغمبر اکرمؐ کی باتوں کو

حضرت عمر کے افعال سے پرکھتے ہیں، حضرت عمر کے افعال کو پیغمبر اکرمؐ کے احکام و اقوال سے نہیں جانچتے۔ اگر حضرت عمر کے افعال کو پیغمبر کے اقوال کے خلاف پاتے ہیں تو پیغمبرؐ کے اقوال کی تاویل کرتے ہیں حضرت عمر کے افعال میں غور نہیں کرتے۔ چنانچہ پیغمبر کی مشہور حدیث تو یہ تھی کہ میرے جانشین سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ لیکن وہ حضرت عمر کے اس اعلان کو پیغمبر کے بیان کے خلاف ہونے پر ششدر رہ گئے کہ معاذ ابن جبل تو انصاری تھے اور سالم مولی حذیفہ۔ حضرت حذیفہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ لہذا انھوں نے حضرت عمر کے اس مخالف بیان میں غور نہیں کیا بلکہ پیغمبر اکرمؐ کی حدیث مبارک کی تاویل کرنے پر اتر آئے تا کہ حضرت عمر کے اس بیان پر کسی کو غور کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اتفاق سے بنی عباس کے آخری بادشاہ معتصم باللہ تک جتنے حکمران تھے وہ سب کے سب قریش سے ہوئے لیکن جب تاتاریوں نے بغداد کی حکومت کا تاخت و تاراج کر دیا اور خود حکمران بن گئے اور ان میں سے بعد میں آنے والے حکمران مسلمان ہونے پر سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے نام سے حکومت کرنے لگے جن کے آخری خلیفہ سلطان عبدالمجید کا تختہ ترکی کے مصطفیٰ کمال اتاترک نے الٹا۔ بہر حال یہ بھی سب خلیفہ کہلانے لگے۔ مگر چونکہ وہ قریش سے نہیں تھے لہذا ابن خلدون کو حضرت عمر کے اس اعلان پر پیغمبر اکرمؐ کی حدیث کی تاویل کا بہانہ مل گیا جسے مولانا مودودی نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں بہت سراہا اور الائمۃ من قریش کی تاویل کا موقع تاتاریوں کے برسر اقتدار آنے کے بعد ہاتھ آیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ان کی کتاب خلافت وملوکیت کا صفحہ نمبر 255 جہاں پر وہ ابن خلدون سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ورنہ اگر یہ منصب غیر قریشی کے لئے شرعاً ممنوع ہوتا تو حضرت عمر اپنی وفات کے وقت یہ نہ کہتے کہ اگر حذیفہ کے آزاد کردہ غلام زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا جانشین تجویز کرتا۔ خلافت وملوکیت 255

رسول اکرمؐ کی وفات سے انکار اور لوگوں کو قتل کی دھمکیاں

حضرت عمر پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے فوراً بعد ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کروں۔ یہ بات سن کر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے حضرت ابو بکر کا نام تجویز کیا لہذا حضرت عمر واپس وہیں پر آ گئے جہاں باقی لوگ پیغمبر کی وفات کی خبر سن کر مسجد نبوی میں اکٹھے ہوئے تھے۔

پیغمبر اسلام کی وفات سے مدینہ پر سوگوارانہ سکوت طاری تھا۔ ہر گھر ماتم کدہ تھا اور ہر شخص اشکبار تھا۔ مسلمان مسجد نبوی کے اندر اور اس کے گرد و پیش جمع تھے۔ اور ان کی حسرت بھری نظریں اس حجرہ کی طرف رہ رہ کر اٹھ رہی تھیں جہاں ہادی عالم کی نعش مبارک رکھی ہوئی تھی اور نالہ وشیون کی گونج میں۔ ہر شخص غم واندوہ میں ڈوبا ہوا اور فکر و تشویش میں کھویا ہوا تھا کہ نا گاہ حضرت عمر نے ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس سے آتے ہی اس غم انگیز فضا میں ایک آواز بلند کی۔

" ان رجالاً المنافقين بزعمون ان رسول الله توفي و ان رسول الله ما مات ولكنه ذهب الى ربه كما ذهب موسىٰ ابن عمران فقاب عن قومه اربعين ليلةثم رجع بعدان قبل قد مات والله ليرجعن رسول الله فليقطعن ايدى رجال و ارجلهم يزعون ان رسول الله مات"

سیرۃ امیر المومنین ص 257-258

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 422

ترجمہ: کچھ منافقوں کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ وفات پا گئے حالانکہ خدا کی قسم وہ مرے نہیں بلکہ اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں جس طرح موسیٰ ابن عمران گئے تھے۔ اور چالیس راتیں اپنی قوم سے پوشیدہ رہنے کے بعد پلٹ آئے تھے اس وقت بھی کہا گیا تھا کہ موسیٰ

وفات پا گئے خدا کی قسم رسول خدا پلٹ کر آئیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر وفات پا گئے۔

اس واقعہ کو تاریخ ابو الفداء میں اس طرح سے لکھا ہے کہ:

حضرت عمر کہہ رہے تھے کہ: "من قال ان رسول الله مات علوت راسه بسیفی وانما ارتفع الی السماء" سیرۃ امیر المومنین ص 358

بحوالہ تاریخ ابو الفداء جلد 1 ص 156

یعنی جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ مر گئے ہیں میں اپنی اس تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا پیغمبر تو آسمان پر اٹھ گئے ہیں۔

اور علامہ شبلی نے اس واقعہ کو الفاروق میں ان الفاظ میں تحریر کیا ہے

جماعت اسلام کو آپ کی وفات سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے عام روایت ہے کہ حضرت عمر اس قدر خودرفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی اس کو قتل کر دوں گا۔ الفاروق ص 111

اور ابن خلدون حضرت عائشہ سے روایت کو اس طرح سے نقل کرتے ہیں:

" ونادی النعی فی الناس بموته و ابو بکر غائب فی اهله بالسخ و عمر حاضر فقام فی الناس و قال ان رجالا من المنافقین زعموا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مات وانه لم یمت وانه ذهب الی ربه کما ذهب موسیٰ" البلاغ المبین جلد 2 ص 69

بحوالہ تاریخ ابن خلدون جز 2 ص 163

آپ کے انتقال کی خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ اس وقت ابو بکر تو اپنی زوجہ کے ساتھ اپنے گھر محلہ سخ میں تھے، حضرت عمر موجود تھے پس حضرت عمر کھڑے ہو گئے، اور لوگوں کو خطاب کر کے کہنے لگے چند منافقین کا گمان ہے کہ جناب رسول خدا فوت ہو گئے ہیں

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ خداوند تعالیٰ کی میقات کے لئے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ گئے تھے۔

حضرت عمر کا پیغمبرؐ کی وفات سے انکار اور لوگوں کو قتل کی دھمکیاں دینے کا واقعہ حدیث و تاریخ و سیرت کی اکثر کتابوں میں بیان ہوا ہے۔ لیکن ثبوت کے لئے اور نتیجہ اخذ کرنے کے لئے اتنا لکھنا ہی کافی ہے کہ اس واقعہ سے کسی نے انکار نہیں کیا۔

یہاں پر ایک بات جو خاص طور پر قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ تو سلامت روح مع الجسم کے کوہ طور پر میقات کے لئے گئے تھے لیکن پیغمبر اکرمؐ کا جسد اطہر تو بالکل نظروں کے سامنے پڑا ہوا تھا اور آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر چکی تھی تو اس میں اور حضرت موسیٰ کی غیبت میں کیا مشابہت ہے؟ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہی حضرت عمر جنگ احد میں یہ فرما رہے تھے کہ پیغمبر تو شہید ہو گئے اب لڑ کر کیا کریں گے اور اب یہ فرما رہے ہیں کہ جو کوئی یہ کہے گا کہ پیغمبر نے وفات پائی میں اسے قتل کر دوں گا۔ حالانکہ وہ پیغمبر کی وفات کا یقین ہو جانے کے بعد ہی ابو عبیدہ بن الجراح کے پاس گئے تھے اور یہ کہا تھا کہ "اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں آپ کی بیعت کروں" اور چونکہ ابو عبیدہ بن الجراح پہلے مرحلہ میں اس بات کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور حضرت ابو بکر کا نام تجویز کیا جو اپنے گھر گئے ہوئے تھے لہذا ان کے آنے کے انتظار میں یہ ڈرامہ کیا۔

ساری دنیا تو بے وقوف نہیں ہے۔ یہ واقعات پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ حضرت عمر یہ سب کچھ کیوں کر رہے تھے۔ بہر حال جب تک حضرت ابو بکر گھر سے تشریف نہیں لائے حضرت عمر اسی طرح بدستور لوگوں کو قتل کی دھمکیاں دیتے رہے کہ جو کوئی شخص یہ کہے گا کہ پیغمبرؐ نے وفات پائی میں اسے قتل کر دوں گا۔ اور اسی سے انصار کو خبر ہوئی اور انھوں نے جان لیا کہ حضرت عمر اپنے مقصد کے لئے یہ ڈرامہ کر رہے ہیں لہذا انھوں نے اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنانے کے لئے سقیفہ میں اکٹھا ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

حضرت ابوبکر کی آمد اور پیغمبر کی زیارت

یہاں تو حضرت عمر تلوار کھینچے یہ دھمکیاں دے رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ پیغمبرؐ نے وفات پائی میں اس کو قتل کر دوں گا اور دوسری طرف حضرت ابوبکر کو یہ خبر پہنچا دی گئی کہ پیغمبر اکرم (ص) وفات پا گئے۔ مورخ ابن خلدون حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

" و اقبل ابو بکر حین بلغه الخبر فدخل علیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فکشف عن وجهه و قبله و قال بابی و انت و امی قد ذقت الموت التی کتب الله علیک و لن یصبک بعدها موتة ابداً "

البلاغ المبین جلد 2 ص 69

بحوالہ تاریخ ابن خلدون جزو ثانی ص 163

ترجمہ: یعنی جب آنحضرت کے انتقال کی خبر حضرت ابوبکر کو ہوئی تو وہ فوراً واپس آئے اور آنحضرت کے حجرے میں داخل ہو کر آپ کے منہ سے چادر ہٹائی۔ اور بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نے اس موت کا مزہ چکھا جو خداوند تعالی نے آپ کے لئے لکھی تھی اور اس موت کے بعد آپ کو ہرگز دوسری موت سے سابقہ نہیں پڑیگا۔

حضرت ابوبکر کا حضرت عمر کو خاموش کرنا

ابن خلدون مذکورہ عبارت سے متصل بیان کرتے ہوئے کہ حضرت ابوبکر پیغمبر کی میت کی زیارت کرنے کے بعد باہر نکلے اور حضرت عمر سے فرمایا:

" وخرج الیٰ عمر ویتکلم فقال انهیت فابی و اقبل علی الناس متکلم فجائو الیه وترکو عمر . فحمد الله و اثنی علیه وقال ایها الناس من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات و من کان یعبد الله فان الله حی لا

يموت ثم تلا وما محمد الا رسول قد خلعت من قبله الرسل ۔ الایۃ۔الخ

البلاغ المبین جلد دوم ص 69

بحوالہ تاریخ طبری جلد 2 ص 443

ترجمہ: حضرت ابوبکر باہر آئے اور جہاں عمر لوگوں میں بول رہے تھے وہاں پہنچے عمر کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ پس وہ رک گئے اس کے بعد خود حضرت ابوبکر آگے بڑھے اور ان لوگوں میں کلام کرنے لگے۔ اس پر لوگ حضرت عمر کو چھوڑ کر ابوبکر کے پاس آگئے۔ ابوبکر نے بعد حمد وثناء خداوند تعالی کہا اے لوگوں! تم میں سے جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا وہ معلوم کرلے کہ محمد مر گئے اور تم میں سے جو خداوند تعالی کی عبادت کرتا تھا وہ سمجھ لے کر خداوند تعالی زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ پھر یہ آیت پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل ۔ الخ یعنی محمد اللہ کے رسول ہی تو ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ الخ

حضرت عمر کا استعجاب اور حضرت ابوبکر کی بیعت کی فرمائش

جب حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی زبان سے یہ آیت سنی تو حیرت اور استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے کہا" وانها فی کتاب الله ما شعرت انها فی کتاب الله ثم قال یا ایها الناس هذا ابو بکر ذوا سبقیة فی المسلمین فبایعوه فبایعوه"

سیرۃ امیر المومنین ص 360

بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 242

ترجمہ: کیا یہ آیت بھی قرآن مجید میں ہے مجھے تو یہ علم ہی نہیں تھا کہ یہ قرآن کی آیت ہے پھر کہا اے لوگوں! یہ ابوبکر ہیں جنہیں مسلمانوں میں سبقت حاصل ہے تم ان کی بیعت کرلو۔ تم ان کی بیعت کرلو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ بالفرض اگر یہ صحیح سمجھ لیا جائے کہ حضرت عمر کو یہ علم نہیں تھا کہ مذکورہ آیت قرآن میں ہے ۔ یا یہ آیت بھی قرآن میں نازل ہوئی ہے تو کیا ان بہت سے آیات کا بھی جن میں بشر کی موت اور سارے عالم کے فنا ہونے کو حتمی طور پر بیان کیا گیا ہے ۔ حضرت عمر کو علم ہی نہیں تھا ۔ اور وہ قرآن کریم کے ایک بڑے حصے سے بے خبر تھے ۔ یہ بات ہر صاحب عقل کے سوچنے کی ہے کہ کیا ایسا شخص پیغمبرؐ کی خلافت کا مستحق ہو سکتا ہے یا وہ شخص جو یہ کہے کہ " سلونی سلونی قبل ان تفقدونی " پوچھ لو پوچھ مجھ سے جو پوچھنا ہو قبل اس کے کہ میں تم میں نہ رہوں ۔

مانا کہ مذکورہ آیت کا علم ان کو نہ ہوگا لیکن کیا ان کو یہ علم بھی نہیں تھا کہ قرآن میں یہ آیت بھی آئی ہے جو ہر بشر کی موت کا اعلان کر رہی ہے ۔

" کل نفس ذائقة الموت "(الانبیاء ۔35)

ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے

کیا انہیں یہ علم بھی نہیں تھا کہ قرآن میں یہ آیت بھی نازل ہوئی ہے جس میں خاص طور پر پیغمبر ہی سے خطاب ہے

" انک میت وانھم میتون " الزمر ۔31

یقیناً اے پیغمبر تم نے بھی ایک دن مرنا ہے اور وہ کافر بھی ضرور مر جائیں گے ۔

اور کیا حضرت عمر کو یہ علم بھی نہیں تھا کہ قرآن میں یہ آیت بھی اتری ہے اور اس میں بھی خاص طور پر خود پیغمبر ہی سے خطاب ہے ۔

وما جعلنا للبشر من قبلک الخلد افائن مت فیھم الخالدون "

(الانبیا ۔34)

اور ہم نے تم سے پہلے کسی بھی بشر کے لئے دوام اور ہمیشگی مقرر نہیں کی تو کیا اگر تم مر جاؤ تو وہ کافر ہمیشہ رہیں گے ۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ پیغمبرؐ کی رحلت کا علم اصحاب پیغمبر میں سے یقینی طور پر سب سے پہلے حضرت عمر کو ہی ہوا تھا۔پیغمبر کا بے روح جسد اطہر ان کے سامنے پڑا تھا اور اسی بناء پر انھوں نے ابوعبیدہ سے جا کر یہ کہا تھا کہ:

''اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کروں''

اگر حضرت عمر کو یہ یقین نہ ہوتا کہ پیغمبرؐ مر گئے ہیں تو وہ ہرگز ہرگز حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے پاس جا کر یہ نہ کہتے کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کروں۔

بات صاف ہے کہ حضرت عمر اور ابوعبیدہ بن الجراح پہلے مرحلہ میں خلیفہ بننا نہیں چاہتے تھے جیسا کہ ہم نے سابق میں ثابت کیا ہے اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح حضرت عمر کو اس بات کا اشارہ دے چکے تھے کہ پہلے نمبر پر حضرت ابوبکر کو رکھنا چاہیے اس لئے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت عمر کو ایک تو حضرت ابوبکر کے آنے کا انتظار تھا۔

دوسرے وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنی قائم کردہ سیاسی جماعت کے افراد زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع ہو جائیں تو ان کے سامنے حضرت ابوبکر کی خلافت کا اعلان کر کے ان کی بیعت کر لی جائے۔

چنانچہ اس عرصہ میں جبکہ وہ تلوار گھما رہے تھے اور لوگوں کو قتل کی دھمکیاں دے رہے تھے،ان کی سیاسی جماعت کے افراد بھی خاصی تعداد میں جمع ہو گئے اور حضرت ابوبکر بھی تشریف لے آئے۔اور انھوں نے حضرت عمر کو خاموش کر کے پیغمبر کی موت کی تصدیق کر دی تو حضرت عمر بڑے اصرار کے ساتھ کہنے لگے ''یا ایھا الناس ھذا ابو بکر ذوا سبقیة فی المسلمین فبایعوہ فبا یعوہ''

اے لوگو! یہ ابوبکر ہیں جنہیں مسلمانوں میں سبقت حاصل ہے تم ان کی بیعت کر لو۔تم ان کی بیعت کرلو۔

لیکن ان کی یہ فرمائش اس وقت کے غم زدہ ماحول میں دب کر رہ گئی اور یہ دونوں

حضرات یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اس مقام پر جہاں حجرے میں پیغمبر اکرمؐ کا جسدِ اطہر رکھا ہوا تھا دوسرے سوگواروں کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔

سقیفہ میں انصار کا اجماع

کیا کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ پیغمبر اکرم کی میت بے گورو کفن گھر میں پڑی ہوئی ہو اور انصار مدینہ جنہوں نے پیغمبر اکرم اور مہاجرین مکہ کو اپنے یہاں پناہ دی تھی اور جو کافی عرصہ تک پیغمبرؐ اور مہاجرین کی خدمت کرتے رہے تھے اس طرح سے پیغمبر اکرمؐ کی میت کو بے گورو کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں اقتدار کے حصول کی خاطر جمع ہو جائیں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انصار و مہاجرین میں سے کسی کو بھی اس بات میں تو شبہ نہیں تھا کہ علی ہی پیغمبر کے بعد ان کے خلیفہ و امام اور صاحب الامر ہیں جیسا کہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ:

" وکان عامة المهاجرین وجل الانصار لا یشکون ان علیا هو صاحب الامر بعد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم "

سیرۃ امیر المومنین ص 363

بحوالہ شرح ابن ابی الحدید معتزلی جلد 3 ص 8

ترجمہ: یعنی مہاجرین وانصار کی اکثریت کو اس میں کچھ بھی شک اور شبہ نہیں تھا کہ پیغمبر کے بعد علی ہی سلطنت اسلامی کے فرمانروا اور ولی امر ہیں۔

لیکن حالات کا اچھی طرح سے جائزہ لے کر انصار نے یہ جان لیا تھا کہ مہاجرین قریش اور طلقاء مکہ کی مشترکہ مضبوط سیاسی جماعت پیغمبرؐ کے جانشین حقیقی اور پیغمبر کے بعد ان کے خلیفہ اور امام وھادی خلق حضرت علیؑ کو اقتدار میں آنے نہیں دے گی۔

اور وہ انصاف جو انہیں پیغمبر کے جانشین حقیقی، خلیفہ و امام اور ھادی خلق سے

حاصل ہوسکتا تھا وہ حاصل نہ ہوسکے گا لہذا انصار نے جب یہ دیکھا کہ مہاجرین کی اس مضبوط سیاسی جماعت نے ہر صورت میں اقتدار پر قبضہ کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ تو ان کے دل میں یہ خیال گذرنا فطری تھا کہ مہاجرین مکہ تو مدینہ آنے سے پہلے بالکل مغلوب تھے اس حکومت کو بنانے والے ہم ہیں۔ قربانیاں دینے والے ہم ہیں۔ اس حکومت کو بنانے والے ہم ہیں۔ لہذا اگر جانشین پیغمبر اور خلیفہ رسول حضرت علیؑ کے پاس اقتدار نہیں رہنے دیا جا نا تو پھر مہاجرین کی نسبت ہم اقتدار کے زیادہ حقدار ہیں۔

جب انھوں نے یہ دیکھا کہ حضرت عمر اس سلسلہ میں پہل کر چکے ہیں اور اقتدار پر قبضہ کرنے کی جدو جہد میں مصروف ہوگئے ہیں تو انھوں نے بھی اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا کہ وہ قبائل مدینہ اوس وخزرج کو اکٹھا کر کے اس بارے میں کوئی فیصلہ کریں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ سب کے سب سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوگئے پس سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا یہ اجتماع ایک طرح سے مہاجرین کے ایک منصوبے کے توڑ کی ایک کوشش تھی۔

حضرت عمر کو سقیفہ کے اجتماع کی خبر کیسے ہوئی؟

چونکہ قبیلہ خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ کا بزرگ انصار ہونے کی حیثیت سے خلیفہ کے طور پر نام پیش کیا جارہا تھا لہذا ایک طرف تو قبیلہ اوس کی عصبیت عود کر آئی تھی اور وہ بنی خزرج کے سردار کا حاکم بننا گوارا نہیں کر سکتے تھے دوسرا معاذ ابن جبل کا تعلق بھی بنی اوس سے ہی تھا جو اقتدار پر قبضہ کے بارے میں پیغمبر کا راز فاش ہونے کے بعد حج کے موقع پر خانہ کعبہ میں بیٹھ کر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے ساتھ پختہ عہد کر چکے تھے کہ وہ نبوت و حکومت کو ایک ہی خاندان میں نہ جانے دیں گے اور علیؑ کو خلیفہ نہ بننے دیں گے اور پیغمبرؐ کی وفات کے بعد خود حکومت پر قبضہ کرلیں گے اور پھر یکے بعد دیگرے حکومت کریں گے

اور معاذ بن جبل نے اس سلسلہ میں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو ہم خیال بنالیا تھا اور یہ معاذ ابن جبل بنی اوس کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود تھا لہذا حضرت عمر کو انصار کے اس اجماع کی اطلاع ہونے میں دیر نہ لگی۔

شبلی نعمانی اپنی کتاب الفاروق میں مسند ابو یعلی کے حوالے سے خود حضرت عمر کا بیان اس طرح نقل کرتے ہیں:

" بینما نحن فی منزل رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج یا ابن الخطاب ، فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اله صلی الله علیه وسلم فقال له قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفة بنی ساعده فادرکهم ان تحدثو امراً یکون فیه حرب فقلت لابی بکر انطلق " الفاروق شبلی ص 113-114 بحوالہ مسند ابو یعلی۔

حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعتاً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ اے ابن خطاب (عمر) ذرا باہر آؤ میں نے کہا چلو ہٹو، ہم لوگ آنحضرت کے بندوبست میں مشغول ہیں، اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر بیٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے اس وقت میں نے ابو بکر سے کہا کہ چلو۔

حضرت عمر کے اس بیان میں کچھ باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو یہ ہیں

نمبر 1: یہ آدمی کون تھا جو انصار کے سقیفہ میں اکٹھا ہونے کی خبر لایا تھا

نمبر 2: اس شخص نے سب کے سامنے آکر مجمع میں یہ اعلان کیوں نہ کیا جہاں تمام لوگ بیٹھے ہوئے تھے

نمبر 3: اس شخص نے دیوار کے پیچھے سے آواز دے کر صرف حضرت عمر کو ہی کیوں بلایا؟

نمبر 4: اس شخص نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کی خبر چپکے سے حضرت عمر کو ہی کیوں دی۔

نمبر 5: اس شخص نے یہ کیوں کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کوئی فیصلہ کر بیٹھیں اور اس کی وجہ سے جنگ کرنی پڑے۔

یہ سب باتیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اگر یہ شخص معاذ ابن جبل نہیں تھا جو بنی اوس سے تعلق رکھتا تھا اور خانہ کعبہ میں بیٹھ کر حضرت ابو بکر و حضرت عمر کے ساتھ اس بات کا عہد کرنے والا تھا کہ پیغمبرؐ کے بعد حکومت کو علیؑ کے پاس نہ جانے دیں گے اور پیغمبر کے بعد حکومت پر قبضہ کر کے یکے بعد دیگرے حکومت کریں گے تو اس کا بھیجا ہوا تھا جو حضرت عمر کی اس مضبوط سیاسی جماعت کا ایک حصہ بن چکا تھا اور معاذ ابن جبل کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا لہذا وہ شخص بھی یہ جانتا تھا کہ حضرت عمر ہی اس جماعت کے لیڈر ہیں لہذا اس نے انہی کو آواز دی۔ اور اس شخص کی اس بات سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کوئی فیصلہ کر بیٹھیں اور اس سے جنگ کی نوبت آجائے اس بات کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس شخص کو اس بات کا پورا علم تھا کہ اس جماعت کے ارادے کیا تھے۔ یعنی اقتدار کے حصول کے لئے اگر جنگ کرنی پڑی تو وہ اس کے لئے بھی تیار تھے۔

اگر حضرت عمر کامیاب نہ ہوتے تو ضرور جنگ چھیڑ دیتے

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں مسند ابو یعلی کے حوالہ سے انصار کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ اس مخبر نے آ کر حضرت عمر سے یہ کہا کہ:

ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر بیٹھیں جس

سے جنگ کی نوبت آجائے۔ الفاروق ص 114

اور خود اپنی اس کتاب الفاروق میں بنی ہاشم کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ:

''بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ میں واقع ہوئیں۔ الفاروق ص 119

ان دونوں بیانوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر ہر صورت میں حکومت پر قبضہ کرنے کی ٹھانے ہوئے تھے۔ اگر حضرت علیؑ۔ پیغمبر کے ارشادات کے مطابق حکومت پر فائز ہو جاتے۔ جسے علامہ شبلی نے بنو ہاشم کی سازشیں لکھا ہے تو بھی وہ جنگ چھیڑ دیتے اور جنگ کرنے سے نہ ٹلتے۔ کیونکہ غدیر خم کے دن سے لے کر پیغمبرؐ کی وفات تک حضرت عمر اپنے ایک نکاتی ایشو پر اتنا کام کر چکے تھے کہ اگر اقتدار حضرت علیؑ کے پاس چلا جاتا تو وہ ان سے ضرور جنگ کرتے اور پھر یقیناً اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا۔

اور اگر مہاجرین قریش کی ان کاروائیوں کو دیکھتے ہوئے انصار اپنے میں سے سعد ابن عبادہ انصاری کو خلیفہ بنا لیتے تو بھی یہ جماعت لڑائی چھیڑ دیتی جس کا اس مخبر کو پورا پورا علم تھا۔ ورنہ وہ یہ نہ کہتا کہ: کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر اٹھیں جس سے جنگ کی نوبت آجائے'' الفاروق ص 114

سقیفہ بنی ساعدہ کی کاروائی کو بیان کرتے ہوئے ایک دفعہ حضرت عمر نے یہ بیان کیا تھا کہ:

اگر میں ایسا نہ کرتا اور خلافت کا تصفیہ کئے بغیر ہم لوگ مجلس سے اٹھ جاتے تو اندیشہ تھا کہ راتوں رات لوگ کہیں کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں اور ہمارے لئے اس پر راضی ہونا بھی مشکل ہوتا اور بدلنا بھی مشکل ہو۔ یہ فعل اگر کامیاب ہوا تو اسے آئندہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جا سکتا'' خلافت و ملوکیت ص 84

تاریخوں سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ یا تو پیغمبر کے ارشادات کے مطابق بنی ہاشم میں سے حضرت علیؑ کی حکومت قائم ہوجاتی ۔یا سعد بن عبادہ انصاری خلیفہ ہوجاتے اور ان دونوں صورتوں میں حضرت عمر کے نزدیک یہ بات غلط ہوتی جسے وہ ہرگز تسلیم نہ کرتے اور فوراً جنگ چھیڑ دیتے۔

حضرت عمر کی سقیفہ کی طرف روانگی

اس مخبر کی اطلاع کے بعد حضرت عمر کے لئے یہ انتہائی حساس اور نازک وقت تھا اور حقیقت یہ ہے کہ انقلاب برپا کرنے والوں میں حضرت عمر جیسا ہوشیار، زیرک، معاملہ کی تہہ تک بڑی سرعت کے ساتھ پہنچ جانے والا اور بڑی تیزی کے ساتھ فیصلہ کرنے والا دنیا میں شاید ہی کوئی ہو۔

اگر حضرت عمر وہیں اس مسئلہ کو چھیڑ دیتے تو ظاہر ہے کہ بنی ہاشم کی وہاں موجودگی میں ان کی دال کہاں گلتی ۔اگر اپنی جماعت مہاجرین قریش کو علیحدہ سے اپنا فیصلہ الگ کرلیتے اور انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اپنا فیصلہ الگ کرلیتے تو وہ خلیفہ ہوجاتے پھر جنگ ناگزیر ہوجاتی۔

حضرت عمر کو اپنی جماعت مہاجرین قریش کی طرف سے تو کوئی فکر نہیں تھی جنکے بقول شبلی سردار تھے لہذا حضرت عمر کو سوچنے اور ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی ۔ حضرت عمر کے ہم عہد اور خاندان نبوت سے حکومت نکال کر حکومت کرنے اور خلافت کے امیدواروں میں ایک امیدوار معاذ ابن جبل انصاری کا بھیجا ہوا وہ انصاری مخبر انصار کی ٹھیک ٹھیک خبریں دے چکا تھا اور معاذ ابن جبل انصاری کی اپنی قبیلہ بنی اوس میں کارکردگی کی اطلاع دے چکا تھا اور حضرت عمر کو سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک طاقتور گروہ کے اپنا طرفدار ہونے کا علم ہو چکا تھا ۔لہذا حضرت عمر بے خطر حضرت ابوبکر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو

اپنے ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ کے معرکے میں جا کودے۔ ورنہ تین آدمی انصار کے تمام قبائل کے عظیم مجمع میں جانے کی ہمت نہ کرسکتے۔

تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ انصار کے اس مجمع کثیر میں صرف یہ تین ہی مہاجرین قریش پہنچے اور مہاجرین میں سے ان کے سوا کوئی چوتھا نہیں تھا۔

محبّ الدین طبری نے اپنی کتاب ریاض النضرۃ میں لکھا ہے کہ:

ولم یحضر معه فی السقفیة من قریش غیر عمر و ابی عبیده"

ریاض النضرۃ الجزء الاول فی خلافت ابی بکر ص 165

"یعنی حضرت ابوبکر کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں قریش میں سے سوائے عمر و ابوعبیدہ کے اور کوئی نہ تھا۔

ایک معمولی سے معمولی عقل کا انسان بھی یہ اندازہ لگانے میں غلطی نہیں کرسکتا کہ مدینہ کے اندر خود انصار کے اپنے شہر میں اور انصار کی خالص میٹنگ میں صرف تین آدمی اتنے بڑے کام کے لئے جانے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے جب تک کہ انھیں اس بات کا یقین نہ ہو کہ اس مجمع میں ان کے طرفدار پوری قوت کے ساتھ موجود ہیں اور وہ سعد بن عبادہ کے بجائے ان کا ساتھ دیں گے۔ یہ بھی حضرت عمر کی سیاسی فراست کی ایک دلیل ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی اوس میں سے جن کا سردار عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین تھا معاذ ابن جبل کو اپنا ہم عہد بنا لیا اور ان کا بھی خلافت میں حصہ قرار دے دیا اور عبداللہ ابن ابی کے انتقال کے بعد معاذ ابن جبل اور اسید ابن حضیر ہی بنی اوس کے اکابرین میں سے تھے اور انھوں نے بنی اوس کو حضرت علیؑ کا مخالف بنانے کے لئے غدیر خم کے دن سے لے کر سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع تک بڑا کام کیا تھا۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا سیاسی معرکہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے بعد پیغمبر کی علمی نیابت اور کار ہدایت انجام دینے میں آنحضرت کی جانشینی یا امامت وہدایت خلق کے بارے میں کوئی جھگڑا نہیں تھا بلکہ اصحاب پیغمبر کی ساری کاروائی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ جس چیز کے حصول کی جدو جہد کی جا رہی تھی وہ دنیاوی حکومت اور اقتدار کا حصول تھا۔

کیونکہ پیغمبر کی وفات کے بعد جب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور حضرت عمر حضرت ابو بکر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے تو کسی نے بھی اس معرکہ میں پیغمبر صلعم کی علمی نیابت ، کار ہدایت انجام دینے کے لئے آنحضرت صلعم کی جانشینی یا امامت وھادی خلق ہونے کی بات نہیں کی اور سارے معرکے میں کسی نے بھی کار ہدایت یا امام کی حیثیت سے پیغمبر کی علمی جانشینی کا ایک لفظ تک بھی استعمال نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے امیر یا امارت یا ولی امور یا حکومت اور سلطنت کے الفاظ ہی استعمال کیئے۔

نہ کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ انھیں خدا نے یا پیغمبر نے امام وھادی خلق اور پیغمبر کا خلیفہ بنایا ہے۔

اگرچہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اس اجتماع کا مفہوم یہی نکلتا ہے کہ ان کے نزدیک خدا نے یا رسول نے کسی کو پیغمبر کے بعد کے لئے امام وھادی خلق نہیں بنایا اور نہ ہی کسی کو خلیفہ پیغمبر مقرر کیا ہے۔لیکن انھوں نے بعد میں زبانی بھی یہی پروپیگنڈہ کیا کہ خدا نے یا پیغمبر نے کسی کو پیغمبر کے بعد امام یا خلیفہ رسول نہیں بنایا تھا۔لہذا بعد میں انھیں امام یا ھادی خلق یا خلیفہ رسول کا درجہ دے دینا غلط ہے بالکل باطل ہے مبنی بر جہالت ہے اور سراسر ضلالت و گمراہی ہے۔

بہر حال سقیفہ بنی ساعدہ کے سیاسی معرکہ کا حال یہ ہے کہ چونکہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر، حضرت ابوبکر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے پہنچنے سے پہلے حضرت سعد ابن عبادہ کا نام پیش ہو چکا تھا جو بنو خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور اسلام اور مسلمان مہاجرین کے لئے ان کی خدمات نا قابل انکار ہیں لیکن حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچنے کے بعد انصار کا پروگرام خراب ہو گیا اور ایک نئی بحث شروع ہو گئی تھی لہذا اس وقت انصار نے یہ کہا کہ اگر تمہیں ہمارا مقرر کردہ امیر قبول نہیں ہے تو پھر منا امیر و منکم امیر۔ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔ اس پر حضرت عمر نے جو جواب دیادہ تاریخوں میں اس طرح لکھا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا

هيهات لا يجتمع اثنان في قرن والله لا ترضى العرب ان يومروكم و نبيها من غيركم ولكن العرب لا تمتنع ان تولىٰ امرها من كان النبوة فيهم والى الا مرمنهم ولنا بذالك علىٰ من ابى من العرب الحجة الظاهرة والسلطان المبين من ذا ينازعنا سلطان محمد و امارته و نحن و اليانه و عشيرته الا مدل بباطل اومتخالف لاثم او متورط في هلكة

طبری جلد 2 ص 467

"یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک زمانہ میں دو حکمران جمع ہو جائیں۔ خدا کی قسم عرب اس بات پر کبھی راضی نہ ہوں گے کہ وہ تمہیں حاکم و امیر بنائیں۔ جبکہ نبی تم میں سے نہیں تھا بلکہ تمہارے غیر سے ہے لیکن عرب کو اس بات میں ذرا بھی پس و پیش نہ ہوگا کہ وہ اپنا حاکم اس کو بنائیں جس کے گھرانے میں نبوت ہو اور ولی امر ان میں سے ہو اور انکار کرنے والے کے سامنے اس سے ہمارے حق میں کھلم کھلا دلیل اور روا ضح برہان لائی جا سکتی ہے جو ہم سے محمد صلعم کی حکومت و سلطنت و امارت میں ٹکرائیگا وہ باطل کی طرف جھکنے والا اور گناہ کا مرتکب ہونے والا اور ورطہ ہلاکت میں گرنے والا ہے۔

دنیا میں حضرت عمر جیسا ہوشیار، سیاست دان، موقع شناس اور حالات کی نبض پر ہاتھ رکھنے والا شاید ہی کوئی ہو۔ خاندان نبوت سے حکومت نکالنے کے لئے مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر اور ابوعبیدہ بن الجراح کو ساتھ ملایا۔ انصار کے قبیلہ بنی اوس سے معاذ ابن جبل انصاری کو اپنے ساتھ ملالیا اور عامۃ الناس میں سے ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم کو ساتھ ملایا اور خانہ کعبہ میں بیٹھ کر یہ عہد کیا کہ علیؑ کے پاس حکومت نہیں جانے دیں گے اور قبائل قریش کو یہ کہہ کر ساتھ ملایا کہ محمد خلافت کو اپنے ہی خاندان میں رکھنا چاہتے ہیں ہم نبوت وحکومت کو ایک ہی خاندان میں نہ رہنے دیں گے۔ اگر حکومت خاندان بنی ہاشم یا خاندان نبوت میں چلی گئی تو پھر قریش میں سے اور کوئی حاکم نہ بن سکے گا اور حکومت اسی خاندان کی ہو کر رہ جائیگی اور سب مورخین نے حضرت علیؑ کے پاس حکومت نہ جانے دینے کا یہی سبب لکھا ہے۔ لیکن انصار کے مجمع میں یہ تقریر کی کہ خدا کی قسم عرب اس بات پر راضی نہ ہوں گے کہ وہ تمھیں حاکم وامیر بنائیں جبکہ نبی تم میں سے نہیں ہے بلکہ تمہارے غیر سے ہے۔ لیکن عرب کو اس بات میں ذرا بھی پس وپیش نہ ہوگا کہ وہ اپنا حاکم اس کو بنائیں جس کے گھرانے میں نبوت ہو اور ولی امر ان میں سے ہو۔

کیا دنیا اس سے زیادہ موقع شناس اور اپنے مطلب کی بات حسب مصلحت کرنے والا حضرت عمر سے بڑھ کر پیش کر سکتی ہے۔ لیکن ہم جس بات کی طرف خصوصی توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت عمر کی اس ساری تقریر میں جو انھوں نے سقیفہ بنی ساعدہ کے سیاسی معرکے میں کی، **یومر کم، تولی امرها، ولی امور، سلطان محمد، امارته** کے الفاظ تو ہیں لیکن اس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی علمی نیابت ہدایت ورہنمائی یا پیغمبر کے منصب امامت وپیشوائی کی جانشین کا کوئی ذکر اور کوئی ایک لفظ نہیں ہے

اور نہ ہی انھوں نے کبھی پیغمبر کی علمی نیابت اور خدا کے عطا کردہ منصب امامت وپیشوائی کا کوئی دعویٰ کیا اور نہ انھوں نے کبھی اپنے دور حکومت میں بھی خود کو امام وہادی خلق اور خدا یا پیغمبر کا مقررہ کردہ پیشوا منوانے کی کوشش کی ۔ اور نہ ہی پیغمبر کی علمی نیابت اور پیغمبر کے منصب امامت وہدایت ورہنمائی ایسی چیز ہے جو کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی محتاج ہو کیونکہ نہ ان کے پاس ایسی کوئی چیز تھی نہ انھوں نے منوانے کی کوشش کی ۔ اسی لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں اس کا کوئی ذکر نہ آیا بلکہ وہاں صرف سلطان محمد، ملک محمد، امارت محمد پر قبضہ کا جھگڑا تھا لہذا اس جدوجہد میں جس نے بھی جو کچھ بھی حاصل کیا وہ صرف اقتدار اور دنیاوی حکومت تھی ۔

سقیفہ بنی ساعدہ کے اس معرکہ میں ایک اور بہت بڑا سبق ہے اور وہ یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر نے بھی بڑی زوردار تقریر کی اور حضرت عمر نے بھی بڑی زوردار تقریر کی اور اپنے حقدار ہونے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی دلیل پیش نہ کر سکے کہ نبی ان میں سے ہیں ۔ پیغمبر قریش میں سے ہیں اور ان کے خاندان میں سے ہیں اگر وہ احادیث جو معاویہ کے کارخانہ حدیث سازی میں گھڑ گھڑ کر رائج کی گئیں واقعاً پیغمبرؐ کی فرمائی ہوئی ہوتیں تو یہ بہترین موقع تھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں پیش کی جاتیں مثلاً یہ گھڑی ہوئی حدیث کہ: "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا"۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے سامنے اس سے بڑھ کر وزن دار اور کوئی دلیل ہو ہی نہیں سکتی تھی مگر یہ اس وقت ہوتی تو حضرت ابو بکر یا حضرت عمر بیان کرتے یہ حدیث اور وہ تمام احادیث جن سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو مذہبی پیشوا کا درجہ دیا گیا وہ تو سب کی

سب معاویہ کے کارخانہ حدیث سازی میں گھڑی گئی ہیں لہذا انصار کے سامنے وہ اپنا حق اس سے زیادہ ثابت نہ کر سکے کہ پیغمبر قریش میں سے تھے اور ان کے خاندان میں سے تھے

بہر حال اس حکومت اور حصول اقتدار کے مسئلہ پر انصار کے ساتھ جو ہاتھا پائی اور مار کٹائی ہوئی وہ تاریخوں کے اوراق میں محفوظ ہے ہم اسے یہاں بیان کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن حضرت عمر نے یہاں بھی بڑی فراست کا ثبوت دیا کیونکہ انھوں نے اپنے حق میں جو دلیل دی تھی اس کی بناء پر ان کی بجائے وہ اس کا زیادہ حقدار تھا جس سے حکومت نکالنے کے لئے وہ مصروف عمل تھے۔ بلکہ وہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں ان کی دلیل کے جواب میں انصار میں سے بعض نے یہ نعرہ بلند بھی کر دیا کہ "فلا یبایع الا علیا" یعنی اگر رشتہ دار اس امر کے زیادہ حقدار ہیں تو پھر یہ حضرت علیؑ کا حق ہے لہذا پھر ہم علی کے سوا کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔

لہذا حضرت عمر نے یہ سوچنے میں دیر نہ لگائی کہ انھوں نے جو دلیل دی ہے اس سے کہیں بات بڑھ کر معاملہ ہاتھ سے ہی نہ نکل جائے انھوں نے جھٹ حضرت ابو بکر کا ہاتھ پکڑا اور ان کی بیعت کر کے اعلان کر دیا کہ حضرت ابو بکر خلیفہ ہو گئے۔ حضرت سعد ابن عبادہ تو بنو خزرج سے تعلق رکھتے تھے لیکن عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین بنی اوس قبیلہ سے تھا اور منافقین کی اکثریت بھی اسی قبیلہ سے تھی حضرت عمر کا اس عہد میں ساتھی، معاذ ابن جبل بھی اوس قبیلہ سے تھا اور وہ اپنے قبیلہ میں اپنے عہد کے مطابق پورا پورا کام کر چکا تھا اور وہ اور اسید بن حضیر بنی اوس قبیلہ کے اکابرین میں سے تھے اور حضرت عمر کو اس اجتماع کی خبر

دینے والا بھی انہیں کا بھیجا ہوا تھا لہذا حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے پہنچنے پر ان کے جان میں جان آگئی اور جب حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کا ہاتھ کھینچ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کی خلافت کا اعلان کر دیا تو بنی اوس کے سردار اسید بن حضیر نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا۔

"واللہ لئن ولیتھا الخزرج علیکم مرۃ لازالت لھم علیکم بذالک الفضیلۃ والا جعلوا لکم معکم نصیباً ابداً فقوموا فبایعوا ابا بکر"

تاریخ طبری جلد 2 ص 458

یعنی قبیلہ بنی اوس کے سردار اسید بن حضیر نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا کہ خدا کی قسم اگر خزرج ایک دفعہ تم پر حکمران ہو گئے تو انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم پر فضیلت و برتری حاصل ہو جائے گی اور وہ تمہیں اس امارت میں کبھی بھی حصہ نہیں دیں گے لہذا اٹھو اور تم بھی ابو بکر کی بیعت کر لو۔

حضرت ابو بکر کی بیعت حضرت عمر کی نظر میں

تاریخ و حدیث و سیرت کی کتابوں میں حضرت ابو بکر کی بیعت کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ہم اس بارے میں کہ حضرت ابو بکر کی بیعت کے بارے میں خود حضرت عمر کا کیا نظریہ تھا صواعق محرقہ سے نقل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا:

"ان بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ لکن وقی اللہ شرھا فمن عاد الی مثلھا فاقتلوہ"

سیرۃ امیر المومنین ص 374

بحوالہ صواعق محرقہ ص 36

یعنی حضرت ابو بکر کی بیعت فلتۃ یعنی بغیر سوچے سمجھے نا گہانی طور پر ہوئی لیکن اللہ نے اس کے شر سے بچالیا اب اگر آئندہ کسی اور نے یہ طریق اختیار کیا تو اسے قتل کر دینا

اور صحیح بخاری میں حضرت عمر کے اس قول کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

" انہ بلغنی ان قائلاً منکم یقول واللہ لو مات عمر بایعت فلاناً ، فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعت ابی بکر فلتۃ و تمت الا و انھا قد کانت کذالک و الکن اللہ وقی شرھا ولیس منکم من تقطع الاعناق الیہ مثل ابی بکر من بایع رجلا من غیر مشورۃ من المسلمین فلا یبایع ھو ولا الذی تابعہ تغرۃ ان یقتلا " صحیح بخاری رجم الحبلی من الزنا

اذا احصنت الجزء الرابع ص 119-120

اس روایت کو صحیح بخاری کے علاوہ طبری نے الجزء الثالث ص 200 پر ابن الاثیر نے تاریخ الکامل الجزء الثانی ص 124 پر امام احمد بن حنبل نے مسند الجزء الاول ص 55 پر محب الدین طبری نے ریاض النضرۃ الجزء الثانی ص 164 پر اور شہرستانی نے الملل والنحل الجزء الاول ص 17,16 پر بھی نقل کیا ہے۔

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے ایک کہنے والا کہتا ہے کہ اگر عمر مر جائیگا تو میں فلاح شخص سے بیعت کرلوں گا۔ کسی شخص کو دھوکے میں نہ رہنا چاہیے کہ ابو بکر کی بیعت تھی تو فلتۃ یعنی ایک اچانک نا گہانی بات لیکن وہ پوری ہوگئی۔ خبردار بے شک ابو بکر کی بیعت نا گہانی بغیر مشورہ کے ہوئی تھی لیکن خداوند تعالی نے

اس کے شر سے جواس کا لازمی نتیجہ تھا مسلمانوں کو محفوظ رکھا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اس طرح سے اٹھتی ہیں جس طرح ابو بکر کی طرف اٹھتی تھیں پس آئندہ جو کوئی شخص کسی سے بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے بیعت کرے تو نہ اس کی بیعت کی جائے جس کی بیعت اس نے بغیر مشورہ کے کی ہے اور نہ ہی اس بیعت کرنے والے کی پیروی کی جائے اگر کوئی ایسا دھوکہ کھالے تو وہ دونوں قتل کر دیئے جائیں۔

مولانا مودودی نے بھی اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں صحیح بخاری کتاب المحاربین باب 16 کے حوالہ سے حضرت عمر کے مذکورہ بیان کو اس طرح سے نقل کیا ہے کہ:

''حضرت عمر کی زندگی کے آخری سال حج کے موقع پر ایک شخص نے کہا کہ اگر عمر کا انتقال ہوا تو میں فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا۔ کیونکہ ابو بکر کی بیعت بھی تو اچانک ہی ہوئی تھی اور آخر وہ کامیاب ہوگئی۔ حضرت عمر کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے کہا میں اس معاملہ پر ایک تقریر کروں گا اور عوام کو ان لوگوں سے خبردار کروں گا جو ان کے معاملات پر غاصبانہ تسلط قائم کرنے کے ارادے کر رہے ہیں۔

چنانچہ مدینہ پہنچ کر انھوں نے اپنی پہلی تقریر میں اس قصہ کا ذکر کیا اور بڑی تفصیل کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کی سرگذشت بیان کر کے یہ بتایا کہ اس وقت مخصوص حالات تھے جن میں اچانک حضرت ابو بکر کا نام تجویز کر کے میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس سلسلے میں انھوں نے فرمایا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا اور خلافت کا تصفیہ کئے بغیر ہم لوگ مجلس سے اٹھ جاتے تو اندیشہ تھا کہ راتوں رات لوگ کہیں غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں اور ہمارے لئے اس پر راضی ہونا بھی مشکل ہو اور بدلنا بھی مشکل۔ یہ فعل اگر کامیاب ہوا تو اسے آئندہ کے لئے نظیر

نہیں بنایا جا سکتا۔ تم میں ابو بکر جیسی بلند و بالا اور معقول شخصیت کا آدمی اور کون ہے۔ اب اگر کوئی شخص مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت کرے گا تو وہ اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائیگی دونوں اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کریں گے۔

یہ ہے حضرت عمر کی منطق خود نے حضرت ابو بکر کی فلتۃ بغیر کسی مشورہ کے بیعت کی وہ بھی درست خود کو حضرت ابو بکر نے بغیر کسی مشورہ کے بلکہ اجلہ صحابہ کی مخالفت کے باوجود وصیت کر کے خلیفہ بنایا وہ بھی درست لیکن اگر اور کوئی اس طریقہ سے بنائے یا بنے وہ دونوں واجب القتل۔ اور یقیناً اس شخص نے یہ نہ کہا ہوگا کہ اگر عمر مر گیا تو میں فلاں شخص کی بیعت کرلوں گا بلکہ فلاں کی جگہ اس کا نام لیا ہوگا۔ لہذا حضرت عمر کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں سقیفہ بنی ساعدہ کی نظیر قائم کر کے لوگ اس شخص کی بیعت نہ کرلیں جس کو حکومت سے محروم رکھنے کے لئے انھوں نے اب تک اتنی کوشش کی تھی اور اسی ایشو پر انھوں نے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا تھا کہ نبوت اور حکومت ایک ہی خاندان میں نہ جانے دیں گے۔ لہذا انھوں نے لوگوں کو سختی کے ساتھ اس کام سے روکا۔

حالانکہ حضرت عمر ہی ایک طرح سے اس طریق کار کے بانی تھے۔ مگر انھوں نے ہمیشہ ہی اس طریقہ کو غلط قرار دیا یہاں تک کہ وہ اس طریقہ کو دہرانے والے کے لئے قتل کی سزا بھی تجویز کر گئے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اگر یہ طریق کار شرعی حدود کے اندر اور ضابطہ اسلام کے مطابق تھا تو اسے دہرانے پر قتل کی سزا کیوں؟ اور اگر شرعی حدود سے باہر اور ضابطہ اسلام کے خلاف تھا تو حضرت ابو بکر بھی اس غلط اور غیر شرعی طریق سے برسر اقتدار آنے پر صحیح اور جائز کیسے قرار پا سکتے ہیں؟

حضرت عمر اور خلافت کی فکر؟

اگر کوئی شخص ذرا سا بھی انصاف اور غیر جانبداری کے ساتھ تحقیق کرے گا تو اسے معلوم ہو جائیگا کہ حکومت کو خاندان نبوت سے نکالنے میں کامیابی کے بعد بھی آخر تک خلافت کا سارے کا سارا معاملہ حضرت عمر کی ذات ہی کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا ہے اور وہ ہمیشہ اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ ان کے بعد حکومت کبھی خاندان نبوت میں نہ جا سکے اور اس کا اندازہ علامہ شبلی کی اس عبارت سے لگایا جا سکتا ہے جو انھوں نے اپنی کتاب الفاروق میں لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عمر نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے بارے میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

الفاروق شبلی حصہ اول ص 264 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

ایک غیر جانبدار محقق یہ خیال کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آخر حضرت عمر کو خلافت کے بارے میں فکر کیا تھی؟ اور کیوں تھی؟ اور پیغمبر کو یہ جانتے بوجھتے کہ ان کے بعد فتنوں کا طوفان اٹھے گا سارا عرب مرتد ہو جائیگا جس طرح لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اسی طرح خارج ہو جائیں گے۔ ایک شخص صبح کو مومن اٹھے گا اور شام تک کافر ہو جائے گا۔ آپ مشاہدہ کر رہے تھے کہ مسلمانون کے گھروں میں فتنے اس طرح داخل ہو رہے ہے جس طرح بارش کے قطرے۔ یہ باتیں خلاصۃ ہیں ان احادیث کو جو آنحضرتؐ نے اپنے آخر وقت میں

ارشادفرمائی تھیں ۔ان تمام باتوں کے باجوکہ آپ کا سارا کیا کرایا آپ کے آنکھ بند کرتے ہی ملیا میٹ ہوجائیگا آپ کو اپنے جانشین وخلیفہ کے بارے میں کوئی فکر کیوں نہ ہوئی ؟ حالانکہ مذکورہ حالات جانتے ہوئے پیغمبرؐ کا یہ فرض بنتا تھا کہ اپنے بعد کے لئے اپنے جانشین وخلیفہ کا اعلان کرکے اور اپنا نائب مقرر کرکے جاتے ،تاکہ آپ کا کیا کرایا سارا اکارت نہ ہوجائے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ نے تو اپنے بعد کے لئے اپنا جانشین مقرر کردیا تھا لیکن جن لوگوں نے پیغمبرؐ کی حکومت کونبوت سے الگ دنیا کی حکومت کی طرح کی ایک حکومت سمجھا تھا انھوں نے انقلاب برپا کردیا اورانھوں نے اپنی جماعت کو یہ نعرہ دیا کہ نبوت اورحکومت ایک ہی خاندان میں نہ جانے دیں گے۔اور چونکہ اس انقلاب اوراس نعرے کے بانی وہی تھے لہذا انھیں یہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ اس مشن کو آگے کیسے چلایا جائے۔

اگرسلیم بن قیس ہلالی عامری کوفی تابعی کی یہ روایت بیان کردہ نہ بھی ہوتی کہ حضرت عائشہ کی طرف سے افشائے راز کے بعد جس کا تفصیلی بیان سابق میں گذر چکا ہے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور معاذ ابن جبل اور سالم مولیٰ حذیفہ نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر یہ عہدو پیمان کیا تھا کہ حکومت اور نبوت کو ایک ہی خاندان میں نہ جانے دیں گے اور حضرت علیؑ کوخلیفہ نہ بننے دیں گے تو بھی حضرت ابوبکر،حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے طرز عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے درمیان یہ عہدو پیمان ہوچکا تھا کہ خاندان نبوت سے خلافت وحکومت کو نکالنے کے بعد وہ یکے بعد دیگرے

حکومت کریں گے اور ایسی تدابیر اختیار کریں گے کہ خاندان نبوت میں کبھی بھی حکومت نہ جا سکے حضرت ابو بکر کو تو انھوں نے فلتۃ خود سے بیعت کر کے خلیفہ بنا دیا تھا اور حضرت ابو بکر نے بذریعہ وصیت حضرت عمر کو خلیفہ بنا دیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی موجودگی میں تو انہیں کچھ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور اس کا انھوں نے اپنی زندگی میں برملا طور پر اعلان کر دیا تھا جیسا کہ امام ذہبی نے اپنی تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ

حضرت عمر نے اپنی زندگی میں اپنی حکومت کے دوران یہ فرما دیا تھا کہ:

"ان ادرکنی اجلی و ابو عبیدہ حیی استخلفته"

تاریخ اسلام امام ذہبی جلد 2 ص 23

یعنی اگر میری موت آ گئی اور اس وقت ابوعبیدہ زندہ ہوئے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کروں گا

یہ وہی ابوعبیدہ ہیں جن کے پاس پیغمبر کی رحلت کے فوراً بعد جا کر یہ کہا تھا کہ تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ تا کہ میں تمہاری بیعت کروں۔

طبقات ابن سعد 1 جلد 3 ص 128-129

اور حضرت عائشہ کی اس فرمائش پر کہ وہ اپنے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ مقرر کر جائیں کہا

"فقال ومن تامرنی ان استخلف لو ادرکت ابا عبیدہ بن الجراح باقیا استخلفته وولیته" کتاب الامامۃ والسیاست ابن قتیبہ ص 26

یعنی (حضرت عائشہ کی فرمائش پر) حضرت عمر نے کہا کہ (حضرت عائشہ نے)

کس کوخلیفہ مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں ان کوخلیفہ بناتا اوران کوحاکم مقرر کرتا۔

حضرت عمر نے یہی بات ان سب کے لئے کہی جنہوں نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر یہ عہد کیا تھا کہ حکومت اور نبوت کو خاندان نبوت میں نہ جانے دیں گے اور علیؑ کوخلیفہ نہ بننے دیں گے اور نام بنام یاد کر کے کہا کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کوخلیفہ مقرر کرتا، یا معاذ ابن جبل زندہ ہوتے تو میں ان کوخلیفہ مقرر کرتا یا حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتے تو میں ان کوخلیفہ مقرر کرتا۔ ابن قتیبہ دینوری کے علاوہ اس بات کوطبری نے تاریخ طبری الجزء الخامس ص 34 پر اور ابن اثیر نے تاریخ کامل الجزء الثانی میں ص 25 پر اور تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص 272 پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عمر یہ سب باتیں کہہ رہے تھے مگر کوئی نہ تھا جو یہ کہتا کہ آپ کوخلیفہ سازی کے یہ سارے اختیارات کس نے سپرد کیے ہیں؟

ایک المیہ جو سب سے زیادہ خرابی کا سبب بنا

جیسا کہ ہم سابق میں لکھ آئے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں پیغمبر اکرم صلعم کی علمی نیابت، ہدایت خلق یا خدا کی طرف سے ہادی بنائے جانے یا پیغمبر کی طرف سے کار ہدایت انجام دینے کے لیے اپنا جانشین بنانے کی کوئی بات نہیں تھی ساری بحث، ملک محمد، یا امارۂ محمد ،یا سلطان محمد یعنی حکومت کے بارے میں تھی اور انصار کے یہ کہنے پر کہ اگر تمہیں ہمارا بنایا ہوا امیر منظور نہیں ہے تو منکم امیر ومنا امیر ایک امیر وحاکم تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے ہو۔ حضرت عمر نے یہ جواب دیا تھا کہ ایک وقت میں دو حاکم نہیں ہو سکتے۔ اور اپنا حق یہ جتایا کہ

پیغمبر ہم میں سے ہیں لہذا یہ حق قریش کا ہے اور جب انصار میں سے یہ نعرہ لگایا گیا کہ اگر رشتہ داری سے حق قائم ہوتا ہے تو پھر **فلا نبایع الا علی** ۔ہم علی کے سوا کسی کی بیعت نہ کریں گے۔ جب اس بحث سے حضرت عمر نے معاملہ خراب ہوتے دیکھا تو جھٹ سے حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی۔ المیہ یہ ہے کہ جیسے بھی بنے یہ ایک دنیاوی حکومت کا حصول تھا مگر بعد میں ان کے طرفداروں نے ان کو مذہبی پیشوا اور دینی رہنما کا درجہ دے دیا اور دین کے معاملات میں بھی ان کی پیروی کرنے لگے اسی طرح ان کے پیرو کاروں نے ایک مستقل مذہب کی صورت اختیار کر لی۔ حالانکہ انھوں نے کبھی اس بات کا دعویٰ نہ کیا تھا۔ بہر حال پیغمبر کی رحلت کے بعد چونکہ حضرت عمر نے حکومت کو خانہ نبوت سے نکالنے کی جدوجہد شروع کر دی تھی لہذا پیغمبر کی وفات کے بعد خلافت کے موضوع پر اتنا کچھ لکھا گیا اب ہم پھر پیغمبر کی وفات کے بعد کا حال لکھتے ہیں۔

پیغمبرؐ کے غسل وکفن، نماز جنازہ اور تدفین کا حال

پیغمبر اکرم کی رحلت کا حادثہ دنیائے اسلام کے لئے ایک عظیم ترین حادثہ تھا۔ بنی ہاشم، اہل بیت پیغمبر اور دوسرے افراد خاندان پر غم والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ دختر رسول کا یہ حال تھا کہ گویا ان کی زندگی چھین لی گئی ہو اور ان کے بچے نانا کی شفقتیں یاد کر کے تڑپ رہے تھے اور علیؑ کی تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔ صبر وضبط کے باوجود آنکھوں سے سیل اشک جاری تھا۔ آپ نے روتے ہوئے اپنا ہاتھ چہرہ اقدس سے مس کیا اور اپنے منہ پر پھیرا۔ میت کی

آنکھوں کو بند کیا اور نعش اطہر پر چادر پھیلا دی اور حسب وصیت رسول غسل و کفن کی طرف متوجہ ہوئے ابن سعد لکھتے ہیں کہ:

"توفي رسول الله دراسه في حجر علي و غسله علي وو الفضل محتضنة وا سامه يناول الفضل الماء" سیرۃ امیر المومنین ص 355

بحوالہ طبقات ابن سعد جلد 2 ص 263

"جب رسول اللہ نے انتقال فرمایا تو آپ کا سر اقدس حضرت علی کی گود میں تھا اور علی ہی نے آپ کو غسل دیا فضل ابن عباس آنحضرت کو سنبھالے ہوئے تھے اور اسامہ انہیں پانی دیتے جاتے تھے"

جب امیر المومنین غسل دینے سے فارغ ہو گئے تو کفن پہنایا اور تنہا نماز جنازہ پڑھی اور باہر نکل کر مسجد میں موجود لوگوں سے فرمایا کہ پیغمبر زندگی میں بھی ہمارے امام و پیشوا تھے اور رحلت کے بعد بھی ہمارے امام و پیشوا ہیں لہذا ایک ایک اندر جائے اور فرادیٰ نماز پڑھ کر باہر نکل آئے رہا آنحضرت کے دفن کا سوال تو وہ اسی مقام پر دفن کیے جائیں گے جہاں پر انھوں نے رحلت فرمائی ہے۔

چنانچہ بنی ہاشم کے علاوہ جو لوگ مسجد میں موجود تھے انھوں نے فرادیٰ نماز جنازہ ادا کی البتہ ایک گروہ جو حکومت پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھا تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کی شرکت سے محروم رہا۔ نماز جنازہ کے بعد اسی حجرے میں جہاں آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تھا زید ابن سہیل سے قبر کھدوائی گئی اور حجرے کے اندر حضرت علی، عباس ابن عبد المطلب، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید تھے البتہ انصار میں سے صرف ایک اوس بن خولی کو جو

وہاں پر موجود تھا دفن کی سعادت میں شریک کرلیا گیا اور جس وقت پیغمبرؐ کو دفن کیا گیا حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح اور تمام انصار بنی اوس و بنی خزرج سقیفہ بنی ساعدہ کے سیاسی معرکے میں ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریباں تھے۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور انصار دفن وکفن رسولؐ میں شرکت نہ کرسکے

یہ بات مسلمات تاریخیہ میں سے ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر تجہیز وتکفین رسول چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے تھے اور وہاں اقتدار کے حصول کی جدوجہد میں الجھے رہے یہاں تک کہ اہل بیت پیغمبر آنحضرت کو غسل وکفن دے کر نماز جنازہ اور دفن کے فریضہ سے فارغ ہو گئے۔

علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرلی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا تھا کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق ومحبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گوروکفن چھوڑ کر چلے جائیں اور بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند خلافت اور کے قبضہ میں نہ آجائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان بزرگوار (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر وماہ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اس وقت اور

زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؑ اور خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا۔ اور اس وجہ سے ان کو آنحضرت کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

البلاغ المبین جلد دوم ص 130

بحوالہ الفاروق مطبوعہ مفید عام آگرہ 1908 حصہ اول ص 65

اور عروہ کی روایت میں تو یہ بات دوٹوک الفاظ میں مروی ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر آنحضرت کے کفن دفن میں شریک نہ تھے روایت اس طرح ہے کہ:

"عن عروہ قال ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما لم یشھدا دفن النبی صلعم و کانا فی الانصار فدفن قبل ان یرجعا"

البلاغ المبین جلد اول ص 40

بحوالہ کنز العمال متقی الجزء الثالث کتاب الخلافت

ص 140 حدیث 2328

سیرۃ الحلبیہ الجزء الثالث ص 392-394

طبری الجزء الثالث ص 198-201

ابن الاثیر تاریخ الکامل الجزء الثانی ص 123

"عروہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے وقت حضرت ابوبکر و عمر موجود نہ تھے بلکہ اس وقت وہ دونوں مجمع انصار میں (خلافت کے لئے جھگڑ رہے تھے) اور ان دونوں حضرات کے وہاں آنے سے پہلے ہی جناب رسول خدا دفن ہو چکے تھے۔

یہ کتاب پیغمبر کے بعد کے حالات بیان کرنے کے لئے نہیں ہے۔ حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد کیا کچھ ہوتا رہا وہ ہماری کتاب تحفہ اشرفیہ کا مطالعہ کر لے۔ لیکن حکومت

کے بنی امیہ کی طرف منتقل ہو جانے کے بعد توہین رسالت کے لئے کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔
معاویہ نے احادیث گھڑنے کا جو حکم دیا تھا ان گھڑی ہوئی حدیثوں میں بظاہر اصحاب و
ازواج کے فضائل کا بیان ہے لیکن حقیقت میں پیغمبر اکرم صلعم کی توہین و ہتک میں کوئی کسر
نہیں چھوڑی گئی۔

پیغمبر اکرم کی توہین اور ہتک حرمت کے لئے وضع احادیث

یہ بات تو ثابت شدہ اور مسلمات تاریخیہ سے ہے کہ معاویہ کے حکم سے حضرت
علی اور ان کی اولاد کے خلاف توہین آمیز، ہتک انگیز اور ان کی شان کے خلاف احادیث
وضع کی گئیں تا کہ ان کے خلاف تبرا کرانے میں آسانی رہے۔

لیکن شاید یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ اصحاب پیغمبر، خلفاء ثلاثہ اور
ازواج پیغمبر کی شان میں گھڑی ہوئی حدیثوں سے دہرا کام لیا گیا ہے یعنی ظاہر میں تو وہ
اصحاب پیغمبر یا خلفاء ثلاثہ یا ازواج پیغمبر کی تعریف وفضیلت میں بیان کی گئی ہیں لیکن
حقیقت میں ان کے ذریعہ بنی امیہ کے بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے پیغمبر اکرمؐ کی
توہین، آنحضرت کی ہتک حرمت اور بنی ہاشم میں ہونے والے پیغمبر کے نام نامی اور اسم
گرامی کو دفن کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔

اگرچہ درباری علماء اور دنیا پرست راویان اخبار حکومت کا منشاء اچھی طرح سے
سمجھتے تھے لیکن بنی امیہ کے حکمرانوں نے اپنے منشاء کو ظاہر کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا
۔اور اس بات کا اندازہ اس روایت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو زبیر بن بکار نے مغیرہ بن

شبعہ کے فرزند سے روایت کی ہے ۔زبیر بن بکار علیؑ کی مخالف جماعت میں شامل تھا اور مغیرہ بن شعبہ وہ معروف ہستی ہے جسے بنی امیہ میں بادشاہ گر کی حیثیت حاصل ہے۔

تفسیر نمونہ میں سورہ الم نشرح کی آیت "و رفعنا لک ذکرک" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

دانشمند معروف ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں زبیر بن بکار سے جو علی کی مخالف جماعت سے تعلق رکھتا تھا مغیرہ بن شعبہ کے فرزند سے روایت نقل کی ہے وہ کہتا ہے کہ:

"میرا باپ مغیرہ بن شعبہ معاویہ کی عقل وخرد کی بہت تعریف کیا کرتا تھا اور اس کے طرز فکر پر بہت حیران ہوتا تھا۔لیکن ایک رات وہ اس کے پاس سے اس حال میں آیا کہ بہت غمگین تھا اور آزردہ خاطر تھا۔میں سمجھ گیا کہ کوئی اہم مسئلہ پیش آیا ہے۔میں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ آج رات میں اس کے پاس خلوت اور تنہائی میں تھا۔میں نے اس سے کہا کہ تو جس مقام و منصب کا طالب تھا وہ تجھے حاصل ہو گیا ہے اب تو عدل و انصاف اور نیکی کرنے کی کوشش کر۔کیونکہ اب تو بہت سن رسیدہ ہو چکا ہے۔اور بنی ہاشم کے ساتھ بھی نیکی کا برتاؤ کر۔کیونکہ آج تجھے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور یہ بات تیرے لئے نیک نامی کا سبب بن جائیگی۔

اس نے جواب میں کہا ھیھات !میرا کیا نام باقی رہے گا؟ خلیفہ اول اور خلیفہ دوم نے کیسے کیسے کارہائے نمایاں کیے ان کا کونسا نام باقی رہ گیا ہے؟ لیکن تم اس ابن ابی کبشہ (محمد صلعم کا حقارت سے نام لیا) کی طرف دیکھو کہ ہر روز پانچ مرتبہ گلدستہ اذان کے اوپر اشھد ان محمدا رسول اللہ کی صورت میں اس کا نام پکارا جاتا ہے۔اب اس کے

بعد کونسا نام باقی رہے گا؟ اور کیا نام ہمارا روشن ہوگا؟ نہیں! نہیں! خدا کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا مگر صرف اس صورت میں کہ یہ وضع بدل جائے اور پیغمبر کا نام دفن ہو جائے ،شرح ابن ابی الحدید میں اس آخری حصہ کی عبارت اس طور پر ہے:

" فای عمل یبقی؟ وای ذکر یدوم بعدھذا؟ لا ابالک ، لا واللہ، الا دفنا دفنا" تفسیر نمونہ جلد 27 ص 132

بحوالہ شرح ابن ابی الحدیث معتزلی جلد 5 ص 139

پس معاویہ اور بنی امیہ کے حکمرانوں کوخوش کرنے کے لیے ایسی ایسی احادیث گھڑی گئیں جو بظاہر اصحاب پیغمبرؐ خلفاء ثلاثہ اور ازواج پیغمبر کی فضیلت میں دکھائی دیتی تھیں لیکن حقیقت میں ان احادیث کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلعم کی توہین، آنحضرت صلعم کی تذلیل، آپ کی ہتک حرمت اور بنی ہاشم میں ہونے والے نبی کا نام نامی دفن کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔اور ان احادیث میں پیغمبر اکرمؐ کو ایک ایسا انسان ظاہر کرکے دکھایا گیا ہے جیسا کہ وہ ایک عام آدمی سے بھی گئے گذرے ہوں۔

اور حضرت عائشہ کے ساتھ آنحضرت کے مصنوعی عشق کا جو نقشہ ان وضعی احادیث کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے اس نے ایک نہایت ہی مضحکہ خیز صورت پیدا کردی ہے۔ہم اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا شان نبوت و رسالت کی توہین سمجھتے ہیں۔لہذا ہم اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔جو شخص دیکھنا چاہے وہ احادیث کی معتبر کتابوں مثلاً صحیح بخاری، مسند احمد حنبل، مستدرک حاکم وغیرہ کو کھول کر غور کے ساتھ پڑھیں۔یہی وہ وضعی اور من گھڑت احادیث ہیں جو معاویہ اور بنی امیہ کے بادشاہوں کے حکم سے پیغمبر ہاشمی کے نام نامی کو دفن

کرنے کے لیے گھڑی گئی ہیں اگر کوئی آریہ سماجی ان میں سے چند احادیث کا ترجمہ کر کے اپنی رائے کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیتا ہے اور اسے رنگیلا رسول کے نام سے شائع کر دیتا ہے تو گردن زدنی سمجھا جاتا ہے مگر جن اصحاب نے وہ گھڑی ہیں اور گھڑوائی ہیں وہ رضی اللہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور جن کتابوں میں یہ لکھی ہوئی ہیں وہ اصح الکتب بعد کتاب باری سمجھی جاتی ہیں۔

اور یہی احادیث ہیں جو مستشرقین یورپ اور اہل مغرب کے معترضین کے کام آتی ہیں اور یہی بات ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں لکھی ہے کہ غیر مسلموں، آریہ سماجیوں، مستشرقین یورپ اور اہل مغرب کے معترضین کو یہ سارا مواد خود ان مسلمانوں نے مہیا کیا ہے جو پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی مسلمانوں کی حکومت کے گرویدہ اور طرفدار تھے اور پیغمبر اور اہل بیت پیغمبر کو گرا کر عام لوگوں کی سطح سے بھی نیچے لانا چاہتے تھے۔ لیکن جس کے لیے خدا یہ فرمائے کہ " و رفعنا لک ذکرک "اور ہم نے تیرے لئے تیرے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔ تو اسے دنیا والے گرانے کی چاہیں جتنی بھی کوشش کریں اس کا نام نامی بلند ہی رہے گا۔ اور عظمت ناموس رسالت کا ستارہ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ عزت وعظمت کے آسمان کی بلندیوں پر چمکتا ہی رہے گا

(انتم بالخیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عظمت ناموس رسالت

تالیف

سید محمد حسین زیدی برستی

ادارہ نشر واشاعت حقائق الاسلام چنیوٹ